درس نظامی میں شامل علم النحو کی مشہور کتاب
کافیہ ابن حاجب کو سمجھنے کے لئے آسان اور عام فہم

الدروس الواضحہ
فی شرح الکافیہ

جمع و ترتیب
حافظ سید حمید اللہ شاہ ہزاروی
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ناشر
عمر اکادمی
نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

درس نظامی میں شامل علم النحو کی مشہور کتاب
کافیہ ابن حاجب کو سمجھنے کے لئے آسان اور عام فہم

اردو تقاریر کا مجموعہ

الدروس الواضحہ
فی شرح الکافیہ

املائی تقاریر

حافظ عبدالقدوس خان قارن
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

جمع و ترتیب
حافظ سید حمید اللہ شاہ ہزاروی
فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ناشر

عمر اکادمی
نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

عمر 0300-6447231

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بار اول .... جولائی 2005ء

نام کتاب .... الدروس الواضحه فی شرح الکافیه

املائی تقاریر .... **حافظ عبدالقدوس خان قارن**

جمع وترتیب .... حافظ سید حمید اللہ شاہ ہزاروی

کتابت کمپیوٹر .... حافظ نصر الدین خان عمر فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کمپیوٹر ہارڈ ویئر انجینئر

مطبع .... **مکی مدنی** پرنٹرز لاہور

قیمت .... ایک سو نوے روپے (190) روپے

☆......ملنے کے پتے......☆

☆......**عمر اکادمی**، مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ......☆

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی ☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

☆ ادارہ الانور بنوری ٹاؤن کراچی ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور ☆ دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ بک لینڈ اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ سوات

☆ مکتبہ امدادیہ حسینیہ پنڈی روڈ چکوال ☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور

☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ ☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک ☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

فہرست مضامین

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو اپنے عظیم استاد نمونہ سلف پیکر اخلاص حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب ہزاروی دام مجدہم کے نام منسوب کرتا ہوں جو مختلف فنون اور حدیث میں میرے براہ راست استاد ہونے کے ساتھ کافیہ میں میرے دادا استاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا اور میرے دیگر زندہ اساتذہ کرام کا سایہ صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت باکرامت رکھے۔

اور فوت شدگان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین

احقر **حافظ عبدالقدوس خان** قارن

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے احقر نے ۱۹۷۶ء میں اپنے شفیق اساتذہ کرام اپنے والد محترم امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب دام مجدہم ،عم مکرم مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب دام مجدہم ، یادگار سلف پیکر اخلاص حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب ہزاروی دام مجدہم ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ،استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور فاضل دیوبند حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دام مجدہم کی نگرانی میں انکی نیک دعاؤں اور خصوصی توجہات کے ساتھ اپنے مادر علمی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریسی دور کا آغاز کیا اور اپنے اس انتیس (۲۹) سالہ دورِ تدریس میں درس نظامی میں شامل **کریما** سے لے کر **بخاری شریف** اور تفسیر قرآن کریم تک تمام فنون واحادیث کی تمام کتب بعض ایک آدھ دفعہ اور اکثر کئی کئی بار پڑھانے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔صرف **توضیح و تلویح** مدرسہ میں اسباق کی ذمہ داری کی حیثیت سے پڑھانے کا موقع نہیں ملا البتہ استاذی المکرم حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب دام مجدہم کی بیماری کے باعث ان کی جگہ تین سال **توضیح وتلویح** کا کافی حصہ اور مدرسہ انوار العلوم میں داخل بعض بلوچستانی ساتھیوں کے شدید اصرار پر دو دفعہ یہ کتاب پڑھانے کا بھی اللہ تعالیٰ نے موقع مرحمت فرمایا۔ **فللہ الحمد والمنۃ**

اپنی تدریس کے ابتدائی کئی سالوں میں **نحو میر** ، **شرح مائۃ عامل** اور **ھدایۃ النحو** پڑھاتا رہا اور پھر کئی بار کافیہ اور شرح ملا جامی بھی پڑھائی۔

میرے چھوٹے بھائیوں مولوی حافظ عبدالحق خان بشیر سلمہ ،مولوی حافظ حماد الزہراوی سلمہ ،مولوی حافظ پیر رشید الحق خان عابد ،مولوی حافظ عزیز الرحمٰن شاہد ،مولوی حافظ محمد فیاض خان سواتی حال مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے مختلف سالوں میں بیس بیس سے زائد طلبہ پر مشتمل جماعت میں شریک ہوکر **نحو میر** ،**شرح مائۃ عامل** اور **ھدایۃ النحو** کے علاوہ مختلف فنون واحادیث کی کتابیں مجھ سے پڑھیں ۔میں نے ان جماعتوں کو نحو میر اور ہدایۃ النحو کی ابحاث اول سے لیکر آخر تک

لکھوائیں جن سے یہ حضرات اپنے تعلیمی دور کے بعد اپنے تدریسی دور میں بھی بھرپور فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

کافیہ پڑھانے کے دوران کاپی لکھوانے کا پہلے خیال پیدا نہ ہوا البتہ ۱۹۹۳ء میں جس کلاس نے مجھ سے کافیہ پڑھا وہ تقریباً اٹھارہ ۱۸ طلبہ پر مشتمل تھی ان میں سے بعض خاصے ذی استعداد تھے اور اکثر درمیانہ ذہن کے تھے ان کے اصرار پر میں نے کافیہ کی ابحاث ان کو اول سے آخر تک لکھوائیں۔

میں نے کافیہ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ سے پڑھا تھا۔ پڑھنے کے دوران بعض ضروری مباحث اشارات کی صورت میں نوٹ کی تھیں پھر پڑھانے کے دوران ان مباحث کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ تحریر سنبٹ ، تحفه نعمانیه ، خادمة الکافیه ، ایضاح المطالب ، شرح ملا جامی اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں رضی شرح کافیہ کے مطالعہ سے ہر روز تقریر تیار کرتا اور وہ طلبہ کو لکھوا دیتا ان طلبہ کی اکثریت نے اول تا آخر وہ تقاریر لکھ لی تھیں۔

گذشتہ تعلیمی سال کے دوران میرے دو بیٹے حافظ حبیب القدوس خان معاویہ اور عبد الوکیل خان مغیرہ کافیہ والی کلاس میں شامل تھے وہ مجھے کہنے لگے کہ کافیہ سمجھنے میں دقت ہو رہی ہے ہم نے ہدایۃ النحو کے لئے آپ کی لکھوائی ہوئی کاپی چچا محمد فیاض صاحب سے لے لی تھی اور اس کے واسطہ سے ہدایۃ النحو سمجھنے میں کافی مدد ملی اگر آپ کی کافیہ کی لکھائی ہوئی کاپی بھی ہمیں مل جائے تو ہدایۃ النحو کی طرح ہمارے لئے کافیہ سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا۔

مجھ سے کافیہ کی ابحاث لکھنے والی کلاس میں حافظ سید حمید اللہ شاہ ہزاروی، مولوی عبد المتین شکر گڑھی اور مولوی سیف الرحمٰن گوجرانوالہ بھی شامل تھے اتفاق سے ان ہی دنوں حافظ سید حمید اللہ شاہ کے چھوٹے بھائی جنھوں نے مدرسہ نصرۃ العلوم ہی سے دورہ حدیث کیا وہ مجھے ملنے کے لئے آئے تو میں نے اس سے کہا کہ حمید اللہ شاہ صاحب سے کہنا کہ مجھ سے آپ نے جو کافیہ لکھا تھا وہ مجھے بھیج دیں تو انھوں نے اگلے ہی دن دو رجسٹر مجھے بھیج دیئے جن میں ایک کے دوسوانتالیس ۲۳۹ اور دوسرے کے ایک سو اکہتر ۱۷۱ صفحات پر انھوں نے کافیہ کی ابحاث کو تحریر کیا تھا۔ میرے بچے اپنے ہم کلاس ساتھیوں سمیت کافیہ پڑھنے کے دوران اس تحریر سے فائدہ اٹھاتے رہے جب ان کا سال مکمل ہو گیا تو انھوں نے رجسٹر مجھے واپس کئے تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس تحریر سے طلبہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اس فائدہ کو محدود رکھنا علمی بخل کے زمرہ میں شمار ہو گا اس لئے اس کی اصلاح کر کے اس کی اشاعت ہونی چاہیے تا کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور یہ

میرے لئے، میرے اساتذہ کے لئے اور جن شروحات سے میں نے مطالعہ کر کے معلومات اکٹھی کی ہیں ان کے مصنفین کے لئے درجات کی بلندی اور نجات کا ذریعہ بن جائے۔ اس خیال سے اس کی اشاعت کا ارادہ کیا

جب عرصہ کے بعد اپنی ہی لکھائی ہوئی تقاریر کے مجموعہ کا مطالعہ کیا تو اس میں بعض اصلاحات کی ضرورت محسوس کی۔ اور مدرسہ کی سالانہ چھٹیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کام کو مکمل کیا۔ مولوی حمید اللہ شاہ صاحب نے ترتیب وار بلکہ تاریخ وار ہر روز کے درس کو نوٹ کیا تھا اس لئے ترتیب مناسب تھی اسی ترتیب کو برقرار رکھا گیا اور ضروری اصلاحات جن کی ضرورت محسوس کی گئی وہ یہ ہیں۔

۱۔ مولوی حمید اللہ شاہ صاحب نے متن کے ترجمہ کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی مگر ابحاث کے ساتھ متن کا ترجمہ طلبہ کے لئے زیادہ مفید تھا اس لئے متن کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

۲۔ تحریر میں الفاظ کی بہت سے ایسی اغلاط تھیں جن کا ارتکاب عموماً طلبہ لکھنے کے دوران کرتے رہتے ہیں ان اغلاط کی اصلاح کر دی گئی ہے۔

۳۔ بعض ایسی باتیں جو اسی خاص مجلس یا خاص طلبہ سے ہی متعلق تھیں ان کو حذف کر دیا گیا اس لئے کہ ان کی ضرورت نہ تھی

۴۔ عموماً پڑھانے کے دوران بعض باتوں کو بار بار دہرایا جاتا ہے تاکہ طلبہ کے ذہن نشین ہو جائیں مگر ایسی باتیں تحریر میں بے مقصد معلوم ہوتی ہیں اس لئے کئی مقامات سے تکرار کو حذف کر دیا گیا ہے۔

۵۔ بعض جگہ مسئلہ کے ساتھ مثال نہیں ذکر کی گئی تھی اس لئے کوشش کر کے ہر مسئلہ کی مثال ذکر کر دی گئی ہے۔

۶۔ بعض مسائل میں مزید وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی جو کر دی گئی ہے۔

۷۔ مولوی حمید اللہ شاہ نے غالباً اسباق میں حاضر نہ ہونے کی وجہ سے پانچ مقامات میں ابحاث نہیں لکھی تھیں ان کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ ۸۔ جن کتابوں کے مطالعہ سے پڑھانے کے دوران تقریر تیار کرتا تھا اصلاحی کام کے دوران ان کتابوں سے ابحاث کا تقابل کیا گیا اور جہاں اشکال ہوا اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔

۹۔ ہر بحث سے پہلے عنوان قائم کر دیا گیا ہے تاکہ ہر بحث کا تعین ہو جائے۔

۱۰۔ فہرست پوری کتاب میں درج شدہ ابحاث کا خلاصہ ہوتی ہے اور اس سے مطلوبہ مسئلہ نکالنے میں مدد لی جاتی ہے اس لئے ان فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے فہرست تیار کی گئی اور فہرست کے طویل ہو جانے کی پرواہ نہیں کی گئی۔ تلک عشرة کاملة

طلبہ کرام سے چند گزارشات

پہلی گزارش .... دین دشمن طاقتیں اور ہمارے دینی ذہن رکھنے والے کچھ بھولے بھالے احباب جدت کے خوشنما لیبل کے ساتھ ہمارے تعلیمی نصاب کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ اور بوگس دلائل سے ہمارے تعلیمی نصاب کو بے وقعت ثابت کرنے کے پے در پے ہیں۔ حیرانگی کی بات ہے کہ ہمارا خاصہ طبقہ ان بوگس دلائل سے متاثر ہو رہا ہے۔ میرے پیچھے ایک آدمی عرصہ سے نماز پڑھتا ہے ایک دن میں نے اس کو دیکھا کہ اس نے سینہ پر ہاتھ باندھے ہوئے تھے تو میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا کہ مجھے فلاں آدمی نے کہا ہے کہ ناف اور اس سے نیچے گندے بال ہوتے ہیں اس لئے وہاں ہاتھ نہیں باندھنے چاہییں اس لئے میں نے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا چھوڑ دیا ہے۔ ایسی واہی دلیلوں سے عوام الناس تو متاثر ہو ہی جاتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اچھا بھلا سمجھدار طبقہ بھی ہمارے تعلیمی نصاب کے خلاف بوگس اور واہی دلیلوں سے متاثر ہو رہا ہے۔ مخالفین کی جانب سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ تعلیمی نصاب میں پرانا فلسفہ شامل ہے جبکہ جدید سائنس ترقی کر رہی ہے اسلئے پرانے فلسفہ کی کیا ضرورت ہے ہمارے حضرات نے اس سے متاثر ہو کر میبذی جیسی کتاب کو نصاب سے نکال دیا۔ حالانکہ ضرورت تھی کہ میبذی کے ساتھ صدرا اور شمس بازغہ کو بھی شامل کیا جاتا جو کہ عرصہ دراز تک شامل درس رہی ہیں اور اب بھی تکمیل کے خواہشمند طلبہ ان کو پڑھتے ہیں۔ میبذی کا درس نظامی میں شامل کرنا محض پرانے فلسفے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس وجہ سے تھا کہ علم عقائد کی کتابوں شرح عقائد، خیالی اور شرح مواقف اور اصول فقہ کی کتابوں **توضیح وتلویح اور مسلم الثبوت** اور تفاسیر میں **تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی**، میں **تفسیر بیضاوی وغیرہ** میں اور شروحات حدیث میں معتزلہ وغیرہ کے خلاف اور امام بخاری کی جہمیہ وغیرہ کے خلاف کی گئی ابحاث سمجھ میں آجائیں اور ان کتابوں میں معتزلہ وغیرہ کے نظریات کی جو تردید کی گئی ہے ان کو سمجھنا آسان ہو جائے اسلئے کہ جن فلسفی اصولوں سے ان گمراہ لوگوں نے اہل سنت والجماعت پر اعتراضات کئے تھے ان اصولوں سے واقفیت حاصل کر کے ہی ان کے انداز میں جواب دیا جا سکتا ہے یا کم از کم جو اس انداز سے جوابات دیئے گئے ہیں ان کو سمجھا جا سکتا ہے۔ میں نے بفضلہ تعالیٰ دس سے زائد مرتبہ شرح عقائد پڑھائی ہر دفعہ پہلے میبذی پڑھائی جس کی وجہ سے شرح عقائد

پڑھانے میں اوراس کلاس کوشرح عقائد سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ میبذی کے نصاب سے نکالے جانے کے بعد گزشتہ سال شرح عقائد پڑھائی تو طلبہ کواس کی ابحاث سمجھانے میں اتنی دشواری ہوئی کہ کبھی زندگی بھر نہ ہوئی تھی۔ هدایة الحکمة . فلکیات جدیدہ اور الهیئات الصغری والکبری قطعاً اس ضرورت کو پورا نہیں کرتیں بلکہ فلکیات اور الھیئات کا انداز اور مقصد ہی جدا ہے ان سے ہرگز وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو کہ میبذی وغیرہ سے تھا۔ مگر ہمارے ارباب اختیار نے اس جانب غور کئے بغیر ہی پروپیگنڈہ سے متاثر میبذی کو نصاب سے نکال دیا۔ اور اب یہ آواز گردش کر رہی ہے کہ وفاق المدارس العربیہ کے سرکردہ حضرات کافیہ اور شرح ملا جامی کو بھی نصاب سے خارج کر کے الفیه ابن مالک اور شرح ابن عقیل کو شامل نصاب کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مانا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں میں کافیہ اور شرح ملا جامی کی بہ نسبت نحوی معلومات زیادہ ہونگی مگر ہمارے اسلاف نے کتابوں کے ساتھ ان کے تدریسی انداز کو بھی مختص کیا ہے جیسے شرح مائۃ عامل میں نحوی مسائل پڑھانے کے ساتھ اس کی ترکیب کروائی جاتی ہے اسی طرح کافیہ اور شرح ملا جامی کا انداز بھی ممتاز ہے۔ نحو میر اور ہدایۃ النحو میں مسائل یاد کرانے کے بعد کافیہ میں تدریسی انداز بدل جاتا ہے اسمیں نحوی مسائل کے ساتھ مصنف کی مراد۔ عبارت کے اختصار کی نشاندہی، عبارت کے مقدر ہونے کی وجوہات اور مثالوں میں قواعد کی نشاندہی جیسے فوائد کا اضافہ کیا جاتا ہے اور اس انداز سے طلبہ کو مانوس کیا جاتا ہے تاکہ تفاسیر اور شروحات میں تفسیری کلمات کے مقاصد طلبہ معلوم کر سکیں اور کتاب میں عبارت لانے کے مقصد کو جان سکیں۔ موجودہ دور میں بعض بڑے بڑے نامور مضمون نگاروں کی تحریرات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کسی نظریہ پر عبارت پیش کرتے ہیں حالانکہ وہی عبارت اس نظریہ کی تردید کے لئے مصنف نے ذکر کی ہوتی ہے اس کی صرف وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مصنف کی مراد کو نہیں سمجھ سکتے۔ کافیہ اور شرح ملا جامی کے تدریسی انداز سے جو فوائد ہمارے اسلاف نے پیش نظر رکھے تھے وہ الفیه ابن مالک اور شرح ابن عقیل سے قطعاً حاصل نہیں ہو سکتے۔ اب تک کی معلومات کے مطابق وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے بااختیار حضرات نے شرح جامی کا مقدمہ نصاب سے خارج کر دیا ہے حالانکہ مدرسین پر یہ بات قطعاً مخفی نہیں ہوگی کہ شرح جامی کا مقدمہ ہی اس کتاب کی اصل جان ہے۔

اور پھر طلبہ میں بڑے زور و شور سے یہ تاثر بھی پھیلایا جا رہا ہے کہ منطق کا کیا فائدہ ہے یہ خواہ مخواہ کی سردردی ہے اس کو نصاب سے نکال دینا چاہیئے مگر یہ پروپیگنڈہ کرنے والے اپنے اصلی مقصد کو واضح نہیں کرتے۔ ہمارے ملنے والوں میں سے ایک عمر رسیدہ آدمی سے اس کا بیٹا کہنے لگا ابو ہم کاروبار علیحدہ کر لیتے ہیں تاکہ دو اڈوں سے ہمیں تجارت کا زیادہ فائدہ حاصل ہو تو باپ

کہنے لگا بیٹا تم تجارت میں فائدہ کی نیت سے نہیں بلکہ تم بوڑھے باپ اور بوڑھی ماں کی خدمت سے اکتا گئے ہو اور جدا ہونا چاہتے ہو تو بڑی خوشی سے جدا ہو جاؤ۔ پروپیگنڈہ کرنے والوں کا انداز بھی اسی قسم کا ہے اس لئے کہ ان کو ہماری سر دردی کا خیال نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد ہمیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ اسماعیل شہید اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان جیسے دیگر اکابرین کی کتب کی سمجھ سے دور رکھنا ہے جن میں منطق کی ان اصطلاحات کو استعمال کیا گیا ہے جو اصطلاحات داخل نصاب کتب میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ویسے بھی موجودہ دور میں ان حضرات کی کتابوں کو سمجھنے والے دو تین فیصد حضرات ہی ہونگے مگر یہ بھی مخالفین کو گوارا نہیں اس لئے وہ اس قصہ کو ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے بہت ہی حکیمانہ انداز میں نصاب میں ایسی کتابوں کو شامل کیا جن کا باہمی بہت ربط ہے۔ حضرت والد صاحب دام مجدہم نے علماء کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران فرمایا کہ ہمارا نصاب تسبیح کا دھاگہ ہے اس کو کہیں سے بھی توڑا گیا تو دانوں کا سنبھالنا مشکل ہو جائیگا۔ ہمارا ارباب اختیار کو مشورہ ہے کہ وہ طلبہ کو تعلیم میں زیادہ سے زیادہ مصروف رکھتے ہوئے ضرورت کے مطابق بے شک اضافہ کرلیں مگر رائج نصاب کو نہ چھیڑیں۔ ہم صرف مشورہ دے سکتے ہیں ان کے حاکمانہ قلم کو نہیں پکڑ سکتے۔ اس لئے ہم طلبہ سے گذارش کرتے ہیں کہ بے شک ارباب اختیار نصاب سے اہم کتابوں کو خارج کر دیں مگر آپ اپنے علم میں پختگی اور وسعت کیلئے اپنے طور پر ضرور ان کتابوں کو کسی استاد سے پڑھ لیں تاکہ تفاسیر و شروحات اور اپنے اکابر کی کتب سمجھنے سے بالکل ہی محروم نہ ہو جائیں۔ بلکہ اگر موقع ملے تو حضرت نانوتویؒ کی کتابیں بھی کسی استاد سے پڑھیں تاکہ علمی خزانوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

دوسری گزارش ...... ﴿بزرگوں کا ارشاد ہے کہ علم میں برکت اسباب علم کی قدر سے آتی ہے اور اسباب علم میں سب سے عظیم استاد ہے۔ آج کل مختلف جماعتیں اور تنظیمیں بنی ہوئی ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ استاد کا تعلق کسی تنظیم سے اور طالب علم کا تعلق کسی اور تنظیم سے ہوتا ہے اول تو طالب علم کا تعلیم کے دوران کسی تنظیم سے وابستہ ہونا ہی تعلیم میں خلل کا باعث ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہو ہی جائے تو جماعتی وابستگی کو ثانوی اور استاد کے احترام کو اول حیثیت دینی چاہیئے۔ یہ صرف دوران تعلیم ہی نہیں بلکہ تعلیم سے فراغت کے بعد بھی اگر کسی ادارہ یا جماعت میں منصب مل جائے تو اس منصب کو ثانوی اور احترام استاد کو اول حیثیت دینی چاہیئے اس لئے کہ دنیاوی منصب عارضی اور استاد اور شاگرد کا رشتہ قائم ہو جانے کے بعد باپ بیٹے کے رشتہ کی طرح اٹل ہو جاتا ہے اور لاکھ انکار سے بھی یہ رشتہ رد نہیں ہوتا۔ فن حدیث کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح

تدلیس ہے کہ راوی اپنے استاد کو چھپا کر روایت کا لینا کسی اور سے ظاہر کرتا ہے اسی تدلیس کے بارہ میں امام شعبہؒ نے فرمایا" اَلزِّنَا اَهْوَنُ مِنَ التَّدْلِيْسِ کہ زنا کا جرم استاد کو چھپانے کے جرم سے ہلکا ہے۔ پھر حضور نبی کریم کا ارشاد ہے" اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ "لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق سلوک کرو۔ اور یہ بھی فرمایا ہے اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً۔ جو دوسرے پر حق رکھتا ہے اس کو اس پر سخت انداز اختیار کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اگر قرض خواہ کا مقروض پر حق ہوتا ہے اور وہ سخت انداز اختیار کرسکتا ہے تو باپ کا اولاد پر۔ استاد کا شاگرد پر۔ اور پیر کا اپنے مرید پر اس سے بھی کہیں زیادہ حق ہوتا ہے اس لئے باپ، استاد اور اپنے مرشد کے جھڑکنے اور تنبیہ کے حق کو تسلیم کرنا چاہیئے اور خود کو عقل کل ثابت کرنے کی بجائے ہمہ وقت خیر خواہ اور ناصح باپ اور استاد کی نصیحت وتنبیہ کا خود کو محتاج سمجھنا چاہیئے۔

تیسری گزارش...... امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا" فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ " تم جن لوگوں سے علم حاصل کرتے ہو ان کے بارہ میں پہلے غور کرلیا کرو۔ اسی فرمان کی روشنی میں علماء امت نے فرمایا کہ عقیدہ کے لحاظ سے ٹھیک استاد سے تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ عملی کوتاہی قابل برداشت ہوتی ہے اس لئے کہ معصوم صرف انبیاء کرام علیہ السلام کی ذوات مقدسہ ہیں۔ آج کل اہل سنت والجماعت کے متفقہ نظریات سے اختلاف رکھنے والے اور سلف صالحین کی تحقیقات پر اپنی رائے کو ترجیح دینے والے گمراہ کن نظریات کے حامل بہت سے حضرات بھی مدارس قائم کئے ہوئے ہیں اور مسند تدریس پر براجمان ہیں۔ ایسے حضرات سے تعلیم حاصل کرنے سے گریز کرنا چاہیئے اس لئے کہ اس میں دو نقصانات میں سے ایک ضرور ہوتا ہے یا تو طالب علم بھی اپنے استاد کے نظریات سے متاثر ہو کر وہی نظریہ اپنا لیتا ہے یا پھر عملی زندگی میں صرف اس لئے اپنے نظریہ کا اظہار کھل کر نہیں کرسکتا کہ یہ نظریہ اس کے استاد کے خلاف ہوتا ہے اس لئے ہماری گذارش ہے کہ تعلیم کے لئے صحیح العقیدہ مدارس اور اساتذہ کا انتخاب کیا جائے تاکہ کسی خرابی میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

چوتھی گذارش...... ہمارے بزرگوں نے یہ تعلیم دی ہے اور ہمیں یہ فلسفہ سمجھایا گیا ہے کہ " اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى " اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اس لئے دینی مدارس کے طلبہ کو انگریزی بال رکھنے۔ ننگے سر پھرنے۔ ڈاڑھی کتروانے۔ کالر والی قمیص اور ٹخنوں سے نیچے شلوار پہننے۔ پینٹ یا ٹراوزر پہننے کی خواہش رکھنے۔ نمازوں کے اوقات میں اپنے مدرسہ سے باہر نکل جانے۔ آپس میں بے ہودہ جگت بازی کرنے۔ کسی طالب علم یا استاد کا فرضی نام

رکھ کر ہوٹنگ کرنے۔اپنے ادارہ کے قواعد وضوابط کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے اور ادارہ کے منتظمین سے کسی اختلاف کی صورت میں ہڑتالوں یا کلاسوں کے بائیکاٹ کے پروگرام بنانے، کھیلنے یا کھیل دیکھنے کے شوق میں نمازوں اور اسباق میں کوتاہی جیسے سکول وکالج کے کلچر سے متاثر ہونے کی بجائے اپنے روایتی پاکیزہ اسلامی کلچر کو اپنا کر اپنا اثر معاشرہ میں قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اس لئے کہ دینی طلبہ کو سکول وکالج جیسا کلچر اپنانے کی صورت میں دینی ادارہ۔دینی استاد اور دینی تعلیم کی توہین لازم آتی ہے جو دینی فیض سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔

پانچویں گزارش ......ہر بچے اور نوجوان کو اپنا مستقبل بہتر بنانے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے اس لئے جو طلبہ اپنے درجہ کی نصابی کتب کی تعلیم ومطالعہ سے زائد اضافی تعلیم کا بوجھ ذہنی طور پر برداشت کر سکتے ہیں۔وہ اپنے اسباق میں حاضری، سبق یاد کرنے اور مطالعہ وتکرار کے اوقات کی پابندی کو اول حیثیت دیتے ہوئے اپنے کھیل۔سیر اور آرام کے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر ساتھ دنیاوی تعلیم کے حصول یعنی انگریزی، ریاضی، عربی بول چال ،لکھائی اور مضمون نویسی اور کمپیوٹر کے مختلف شعبہ جات میں درجہ بدرجہ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔مگر ان کی وجہ سے اپنی اصل تعلیم میں کسی قسم کا خلل نہ آنے دیں۔

چھٹی گزارش ....**الدروس الواضحه فی شرح الكافيه** میں درمیانہ درجہ کا ذہن رکھنے والے طلبہ کا لحاظ رکھ کر معلومات فراہم کی گئی جو نہ صرف کافیہ پڑھنے والوں بلکہ شرح ملا جامی پڑھنے والوں کے لئے بھی انشاءاللہ العزیز فائدہ کا باعث ہونگی۔اس کے باوجود اگر اہل علم کسی جگہ کسی بحث میں اضافہ یا کسی مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت محسوس کریں تو اس کی نشاندہی کریں اور اگر کسی جگہ غلطی ہوگئی ہو تو اس کی بھی نشاندہی کریں تا کہ اس کے مطابق آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے۔

ساتویں گزارش ......کافیہ کی املائی تقاریر کا مجموعہ مکمل کرنے کی طرح **هداية النحو** کی املائی تقاریر کے مجموعہ کی اصلاح کر کے اس کی اشاعت کا بھی ارادہ ہے انشاءاللہ العزیز وہ بھی جلد طلبہ کرام کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔

...... آخر میں گزارش ......

الدروس الواضحه فی شرح الکافیه میں جہاں کسی مسئلہ میں غلطی ہوگئی ہو اس کو میرے استاد محترم یا شارحین میں سے کسی کی نہیں بلکہ میری علمی کمزوری سمجھا جائے اور با دلائل اس غلطی سے آگاہ کرنے والے کا تادم حیات مشکور اور دعا گو ہوں گا۔ جو علماء اور طلبہ میری ان تقاریر سے فائدہ اٹھائیں وہ مجھے، میرے والدین و اساتذہ کرام کو اور تقاریر کا مجموعہ مرتب کرنے والے حافظ سید حمید اللہ شاہ ہزاروی سلمہ اور احسان اللہ نارووالی سلمہ متعلم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ جس نے کئی ماہ روزانہ عصر سے مغرب تک اپنے کھیل کو چھوڑ کر اس مسودہ کی پروف ریڈنگ اور مسائل و حوالہ جات کی چھان بین میں میرے ساتھ بہت تعاون کیا اور عزیزم حافظ نصر الدین خان عمر فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ، کمپیوٹر ہارڈ ویئر انجینئر) جس نے بڑی محنت کے ساتھ کمپیوٹر کمپوزنگ کا کام مکمل کیا ان سب کو اپنی مخلصانہ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه وازواجه واتباعه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين.

احقر حافظ عبدالقدوس خان قارن

مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

۳ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ بمطابق ۱۶ نومبر ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

......''**کافیہ**'' علم نحو کی مشہور کتاب ہے بعض حضرات نے کافیہ کو علم تصوف کی کتاب سمجھ کر اسکے مطابق اور بعض نے علم کلام کی کتاب قرار دیکر اس کے انداز میں اس کی شرحیں لکھی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ علم نحو کی کتاب ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ علامہ زمخشری کی ''کتاب المفصّل'' کا خلاصہ ہے۔

......علم نحو کا بانی

علم نحو کو ''عِلْمُ الْإِعْرَاب'' بھی کہا جاتا ہے اس علم کے بارہ میں بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک آدمی نے ایک دیہاتی کو قرآن کریم پڑھاتے ہوئے ''اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْءٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ'' کے الفاظ پڑھائے اور اعراب کے لحاظ سے ایسی غلطی کی جس کی وجہ سے معنیٰ ہی بدل گیا اس نے ورسولُہ میں ضمہ کی بجائے کسرہ کے ساتھ وَرَسُوْلِہٖ پڑھایا جس کا معنی یہ ہو گیا کہ اللہ تعالی اپنے رسول اور مشرکین سے بری الذمہ ہے۔ ﴿نعوذ باللہ﴾

جب حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ قرآن کریم کی تعلیم صرف وہی حضرات دیں جو عربی لغت کو جاننے والے ہیں۔ اور ابوالاسود الدؤلی کو حکم دیا کہ عربی لغت کے ضروری قواعد ترتیب دے تا کہ جو لوگ نئے نئے مسلمان ہو رہے ہیں اور عربی زبان سے ناواقف ہیں وہ ان قواعد کو ملحوظ رکھیں اور اعراب میں غلطی سے بچ جائیں۔ اس لحاظ سے اس علم نحو کو ترتیب دینے کا حکم دینے والے سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہیں۔ مگر مشہور روایات میں ہے کہ اس علم کے سب سے پہلے بعض ضروری قواعد کو ترتیب دینے والے حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ ہیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ابوالاسود الدؤلی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان ہاتھ میں ایک تحریر تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کیا لکھا ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ غیر عرب جب عربی میں کلام کرتے ہیں تو غلطیاں کرتے ہیں اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ عربی زبان کے بعض ضروری قواعد ترتیب دے دوں جن کو ملحوظ رکھ کر کلام عرب کو اعراب کی غلطی سے محفوظ کیا

جاسکے۔اور پھر حضرت علیؓ نے وہ تحریر مجھے دے دی تو جب میں نے اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ کلام کی تین قسمیں ہیں۔اسم ۔فعل اور حرف۔ پھر حضرت علیؓ نے ابوالاسود کو حکم دیا کہ اسی انداز سے مزید قواعد کا اضافہ کرے تو انھوں نے مزید قواعد ترتیب دیئے اس لحاظ سے اس علم کے بعض ضروری قواعد ترتیب دینے والے سب سے پہلے حضرت علیؓ ہیں اور یہی بات درست ہے اس لئے کہ جب ابوالاسود الدؤلی سے پوچھا گیا ''مِنْ اَیْنَ لَکَ ھٰذَا النَّحو'' کہ آپ نے یہ طریقہ کہاں سے حاصل کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس کے قواعد حضرت علیؓ سے حاصل کئے ہیں۔بعض حضرات نے ان دونوں قسم کی روایات کو تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ابوالاسود کو پہلے حضرت عمرؓ نے حکم دیا ہو اور پھر حضرت علیؓ نے بھی حکم دیا ہو چونکہ حضرت علیؓ نے قواعد ترتیب دینے میں ابوالاسود کی نگرانی اور راہنمائی کی تھی اور اس کے جمع کردہ قواعد کو بغور دیکھا تھا اس لئے ابو الاسود نے اس کی نسبت حضرت علیؓ کی جانب کردی۔

......: علم نحو کو نحو کہنے کی وجہ :......

لغت کے لحاظ سے نحو کے کئی معانی ہیں جن میں سے ارادہ۔مقدار۔مثل۔طریقہ اور نوع زیادہ مشہور ہیں۔

ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں جب اس علم کے کسی باب کو مکمل کر لیتا تو اس کو حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کرتا،تو جب اس کا کافی حصہ مرتب ہو گیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ﴿......'' مَااَحْسَنَ ھٰذَا النَّحْوُ الَّذِیْ قَدْ نَحَوْتَ ''......﴾ کس قدر اچھا طریقہ ہے جو تو نے اختیار کیا ہے جب حضرت علیؓ کے اس کلام میں نحو کا لفظ آیا تو اسی وجہ سے اس علم کا نام ''علم نحو'' رکھ دیا گیا۔

......: علم نحو کا عروج :......

علماء اسلام نے جس طرح دیگر اسلامی علوم میں نمایاں اور گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں اسی طرح علم نحو میں بھی ان کی خدمات تاریخ اور خدمت اسلام کا عظیم حصہ ہیں۔امام خلیل بن احمد بصریؒ التوفی ۱۶۰ھ نے اس فن کے قواعد کی چھان بین کی اور اس کے ابواب کی تکمیل کی پھر ان کے شاگرد ابو بشر عمرو بن عثمان بصریؒ جو کہ امام سیبویہؒ کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کی وفات بھی ۱۶۰ھ میں ہے اور مشہور یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۸۰ھ میں ہے۔سیبویہ کا معنی ہے ''رَائِحَۃُ التُّفَّاح'' سیب کی خوشبو۔انہوں نے اس علم کی جزئیات نکالیں اور ان کو دلائل سے ثابت کیا پھر اس علم کی خدمت کرنے والے نمایاں علماء

میں امام ابوالحسن سعید بن سعد ہیں جن کی وفات ۲۱۵ھ ہے اور یہ اخفش کے نام سے مشہور ہیں اور ابوزکریا یحیٰ بن زیاد ہیں جن کی وفات ۲۰۷ھ ہے اور وہ امام فراء کے نام سے مشہور ہوئے اور ابوالعباس محمد بن یزید ہیں ان کی وفات ۲۸۵ھ یا ۲۸۶ھ ہے اور یہ امام مبرد کے نام سے مشہور ہیں پھران کے بعد زمخشری۔ عبدالقاھر جرجانی۔ علامہ ابن حاجب اور میر سید سند شریف وغیرہ نے اس علم کی خوب خدمت کی۔

......علم نحو کے مراکز......

اس علم کی ضرورت کے پیش نظر ہر جگہ اس علم کا چرچا رہا ہے مگر بصرہ اور کوفہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے اس علم کے بعض مسائل میں بصری اور کوفی نحویوں کا اختلاف بھی ہوا ہے اور پھر نحوی دو طبقوں بصری اور کوفی میں تقسیم ہو گئے بصریوں کی نمائندگی امام اخفش اور امام مبرد نے کی جب کہ اہل کوفہ کی نمائندگی امام فراء وغیرہ نے کی۔

......علم نحو کا مقام:......

علم نحو...... کو عربی علوم میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی لئے کہا جاتا ہے

......اَلصَّرْفُ اُمُّ الْعُلُوْمِ وَالنَّحْوُ اَبُوْهَا...... کہ علوم عربیہ کہ ماں علم صرف ہے اور باپ علم نحو ہے۔

......کافیہ کے مصنف کا مختصر تعارف......

مصنف کا نام عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس ہے اور ان کی کنیت ابوعمرو اور لقب جمال الدین تھا۔ ان کے والد سلطان عزالدین کے حاجب یعنی دربان تھے اور یہ منصب مسلمان حکومتوں میں ایک بڑا اہم منصب سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے کافیہ کے مصنف ابن حاجب کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ علامہ ابن حاجب کی ولادت ۵۷۰ھ بمطابق ۱۱۸۵ء مصر کے ایک قصبہ اسنا میں ہوئی اور ۲۶ شوال ۶۴۶ھ بمطابق ۱۱ فروری ۱۲۴۹ء اسکندریہ شہر میں ان کی وفات ہوئی۔ اس طرح انھوں نے چھہتر ۷۶ سال عمر پائی۔

...... کافیہ کا معنی

کافیہ کے آخر میں جو تاء ہے اگر یہ تاء مبالغہ کی ہو تو اس کا معنی ہوگا کہ یہ کتاب بہت ہی کفایت کرنے والی ہے اور اگر اس کے آخر میں تاء تانیث کی ہو تو پھر معنی ہوگا کہ یہ کتاب کفایت کرنے والی ہے یعنی جو شخص اس کو غور سے پڑھ لے تو یہی کتاب اس کے لئے کافی ہو سکتی ہے اور اس کو اس فن کی کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔

...... کافیہ کی مقبولیت

کسی کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ اہل علم نے اس کی جانب کتنی توجہ دی ہے اور کافیہ کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ بڑے بڑے علماء نے اس کی شروحات لکھی ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کی چھوٹی بڑی شروحات کی تعداد تین سو ساٹھ ۳۶۰ تک پہنچتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی ایک سو باون ۱۵۲ شروحات لکھی گئی ہیں جن کا ذکر طارق نجم عبداللہ نے حاشیہ کافیہ میں کیا ہے مگر ہمارے ہاں اس کی مشہور اور داخل نصاب شرح شرح ملا جامی ہے۔

...... کافیہ کا انداز

علامہ ابن حاجبؒ نے علم نحو کے اصولی مسائل بیان کئے ہیں ان کے دلائل اور جزئیات کی طرف توجہ نہیں دی اور جو تعریفات ذکر کی ہیں ان کی مثالیں ذکر نہیں کیں اور جن مسائل میں نحویوں کا آپس میں اختلاف ہوا ہے ان میں صرف اس نظریہ کے مطابق مسائل ذکر کئے ہیں جس نظریہ کو انہوں نے خود اپنایا ہے اور مخالف نظریہ کا ذکر نہیں کیا اسی وجہ سے یہ کتاب مشکل سمجھی جاتی ہے۔

...... علم نحو کی تعریف

علماء نے علم نحو کی مختلف انداز میں تعریفیں کی ہیں مگر مشہور تعریف یہ ہے

﴿ "هُوَ عِلْمٌ بِأُصُولٍ يُعْرَفُ بِهَا أَحْوَالُ أَوَاخِرِ الْكَلِمِ الثَّلٰثِ مِنْ حَيْثُ الْإِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ ﴾

"علم نحو" ان اصولوں کا نام ہے جن کے جاننے سے کلمات ثلاثہ (اسم فعل اور حرف) کی آخری حالت معرب اور مبنی ہونے کے لحاظ سے معلوم ہوتی ہے۔

...... علم نحو کا موضوع ......

''کسی علم کا موضوع وہ چیز ہوتی ہے جس کے احوال پر اس علم میں بحث کی جاتی ہے'' علم نحو کے موضوع کے بارہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض نے کہا کہ اس کا موضوع صرف کلمہ ہے۔ کسی نے کہا کہ صرف کلام ہے کسی نے کہا کہ کلمہ اور کلام دونوں اس کا موضوع ہیں۔ کسی نے کہا کہ ایسا لفظ جو موضوع لِلْمَعْنٰی ہو وہ اس کا موضوع ہے اور کسی نے کہا کہ مرکب تام بالا سناد اس کا موضوع ہے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ کلمہ اور کلام دونوں علم نحو کا موضوع ہیں اسی لئے اکثر نحوی اس کا موضوع یوں بیان کرتے ہیں ...... ''اَلْکَلِمَۃُ وَالْکَلَامُ مِنْ حَیْثُ الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ ......☆

...... یعنی معرب اور مبنی ہونے کے لحاظ سے کلمہ اور کلام علم نحو کا موضوع ہیں۔ ......

اعتراض ...... علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں نہیں بن سکتے اس لئے کہ موضوع کا تعدد علم کے تعدد کو مستلزم ہے اس لحاظ سے جب علم نحو کے دو موضوع ہیں تو علم نحو بھی دو علم ہونے چاہئیں۔

جواب ...... :۔ ہر جگہ موضوع کا تعدد علم کے تعدد کو مستلزم نہیں ہوتا بلکہ وہاں ہوتا ہے جہاں دو موضوعوں کے درمیان کوئی ما بہ الاشتراک نہ ہو یعنی وہ دونوں کسی ایک امر میں شریک نہ ہوں۔ اور اگر دونوں میں ما بہ الاشتراک ہو تو پھر موضوع کا تعدد علم کے تعدد کو مستلزم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علم اصول فقہ کے چار موضوع ہیں۔

﴿۱﴾ کتاب اللہ ﴿۲﴾ سنّت رسول اللہ ﴿۳﴾ اجماع امت ﴿۴﴾ اور قیاس۔ اور ان چاروں میں ما بہ الاشتراک یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک حجت شرعیہ ہے اور یہاں کلمہ اور کلام میں ما بہ الاشتراک یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسا لفظ ہے جو معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

اعتراض ...... علم نحو میں جس طرح کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اسی طرح باقی چھ مرکبات اضافی۔ تعدادی۔ مزجی۔ اسنادی۔ توصیفی اور صوتی کے احوال پر بھی بحث کی جاتی ہے اس لئے کلمہ اور کلام کے ساتھ ان باقی چھ مرکبات کو بھی علم نحو کا موضوع قرار دینا چاہیے۔

جواب ...... :۔ باقی مرکبات کی بحث کلمہ اور کلام کی طرف ہی لوٹتی ہے اس لئے ان کی ابحاث کو مستقل شمار نہیں کیا گیا۔

...... علم نحو کی غرض ......

علم نحو کی غرض یہ بیان کی گئی ہے ﴿ ’’...... صِیَانَۃُ الذِّھْنِ عَنِ الْخَطَاءِ اللَّفْظِیِّ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ...... ﴾

☆...... ذہن کو عربی کلام میں لفظی غلطی سے بچانا اور محفوظ رکھنا ...... ☆

﴿...... بسم اللہ الرحمن الرحیم ...... ﴾

اعتراض :۔ مصنف نے اپنی کتاب کو بسم اللہ سے کیوں شروع کیا ہے؟

جواب :۔ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں

﴿ **پہلی وجہ یہ ہے** کہ قرآن کریم کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کیا ہے اس لئے کہ قرآن کریم کی ابتداء میں بسم اللہ ہے۔ اور اقراء باسم ربک میں قرآن کریم شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ **دوسری وجہ** ...... یہ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک رقعہ کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ملکہ سبا بلقیس کو لکھا تھا وہ رقعہ ’’ بسم اللہ الرحمن الرحیم ‘‘ سے شروع کیا گیا تھا۔ اور پہلی امتوں کے احکامات جو قرآن وسنت میں ثابت ہیں اور ان کی تردید نہ کی گئی ہو تو وہ ہماری شریعت کا بھی حصہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کے رقعہ کا ذکر کر کے تعلیم دی گئی ہے کہ تحریر کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہونا چاہئے۔

﴿ **تیسری وجہ** ...... یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی حدیث کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کیا ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی تحریریں مسلمانوں کو لکھیں ان کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور جو تحریریں غیر مسلمانوں کو لکھیں ان کی ابتداء میں ’’ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ‘‘ ہے۔

کافیه لکھنے سے مقصود مسلمانوں کو تعلیم دینا ہے۔ اس لئے اس کی ابتداء میں **بسم اللہ** لکھی ہے۔

﴿...... **چوتھی وجہ** ...... یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک فرمان پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''

﴿...... **اَلاَ مَنْ کَتَبَ کِتَابًا فَلْیَکْتُبْ فِیْ اَوَّلِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**......''﴾

خبردار جو کوئی تحریر لکھے تو اسکی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھے۔ اور اور ایک روایت میں ہے

'' **بسم اللہ الرحمن الرحیم مفتاحُ کُلِّ کتابٍ** ''(الجامع الصغیر للسیوطی حرف الباء کی پہلی حدیث) ہر تحریر کی چابی بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر سلف کے عمل اور دوسری احادیث کے مفہوم کے موافق ہونے کی وجہ سے قابل عمل ہے اور پھر حضور علیہ السلام کا عمومی فرمان ہے

'' **کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِبِسْمِ اللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ** '' جو بھی شان والا کام بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جائے تو وہ ناقص ہوتا ہے۔ اور کسی روایت میں **فَھُوَ اَبْتَرُ** اور کسی میں **فَھُوَ اَجْذَمُ** کے الفاظ ہیں ۔ کتاب کے ذریعہ سے تعلیم دینا بھی ذی شان کام ہے اس لئے کتاب کو بسم اللہ سے شروع کیا گیا ہے۔

﴿ **پانچویں وجہ** ...... یہ ہے کہ سلف صالحین نے اپنی کتابوں کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے تو مصنف نے بھی سلف صالحین کی پیروی کرتے ہوئے اپنی کتاب کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے۔

...... **اعتراض**:۔ مصنف نے بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو کیوں نہیں لکھا حالانکہ قرآن کریم میں بسم اللہ کے بعد الحمد للہ ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں یوں آتا ہے۔

''﴿ **کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ** ''﴾...... کہ جو بھی شان والا کام الحمد للہ کے بغیر شروع کیا گیا تو وہ ناقص ہوتا ہے۔ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب ۔ حدیث میں تحریر کی ابتداء میں بسم اللہ لکھنے کا حکم ہے جیسا کہ پہلے روایت گزری ہے جس میں الفاظ

ہیں'' فلیکتب ''تو بسم اللہ لکھنے کا حکم ہے جبکہ الحمد للہ لکھنے کا حکم نہیں بلکہ صرف اس کو ذکر کرنے کی تلقین ہے تو ہوسکتا ہے کہ مصنف نے بسم اللہ لکھنے کے بعد الحمدللہ کا زبانی ذکر کر کے حدیث کا مفہوم پورا کر دیا ہو۔

دوسرا جواب :۔بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ضمن میں الحمد للہ کا مفہوم بھی ادا ہو جاتا ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالی کی دو صفات الرحمن اور الرحیم ذکر کیں تو ان کے ذکر کرنے کے ساتھ حمد کا مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

تیسرا جواب ۔بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حدیث میں جو بحمد اللہ کے الفاظ آئے ہیں ان کا معنیٰ'' بذکر اللّٰہ'' ہے یعنی اللہ تعالی کے ذکر کے ساتھ نیک کام شروع کیا جائے اور بسم اللہ کو ذکر کر دینے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے

﴿......قاعدہ......﴾ ۔جار مجرور کا متعلق اگر لفظوں میں مذکور ہو تو اسکو ظرف لغو کہتے ہیں اور اگر لفظوں میں مذکور نہ ہو تو اسکو ظرف مستقر کہتے ہیں۔ایسی حالت میں موقع ومحل کے مطابق اس کا متعلق نکالا جاتا ہے جیسے کھانے کے موقع پر ''اٰکل '' اور پینے کے موقع پر ''اَشرب'' وغیرہ یا ہر فعل کے آغاز کا لحاظ رکھ کر ''اَشرَعُ یا اَبتَدِءُ نکالتے ہیں یہاں چونکہ کتاب کو شروع کرنا ہے اس لئے بسم اللہ الرحمن الرحیم میں جار مجرور کا متعلق اشرع یا ابتدءُ نکالتے ہیں کہ میں اللہ تعالی کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں یا ابتداء کرتا ہوں۔

۞......اعتراض :۔بسم اللہ میں اسم کا ہمزہ وصلی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ہمزہ وصلی پڑھنے میں تو گر جاتا ہے مگر لکھنے میں نہیں گرتا تو یہاں لکھنے میں بھی کیوں گرایا گیا ہے۔

﴿......اس کا پہلا جواب......﴾ :۔قرآن کریم کے رسم الخط کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں ہمزہ کو لکھنے میں بھی گرا دیا گیا ہے اس لئے کہ قرآن کریم کے رسم الخط میں بسم اللہ میں ہمزہ نہیں لکھا گیا جیسے ''بسم اللہ مجریھا '' میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہمزہ نہیں لکھا گیا اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ میں قرآنی رسم الخط میں ہمزہ لکھنے میں موجود ہے اس لئے اس میں ہمزہ کو لکھنے میں باقی رکھیں گے۔

﴿دوسرا جواب......﴾ ۔جو کلمات کثرت سے استعمال ہوتے ہیں ان میں خفت پیدا کی جاتی ہے تو یہاں بسم اللہ کا

استعمال کثرت سے ہے اس لئے خفت پیدا کرنے کے لئے ہمزہ کو پڑھنے میں گرانے کے ساتھ ساتھ لکھنے میں بھی گرایا دیا گیا ہے۔☆...... **بسم اللہ** :۔اسم سے متعلق بحث آگے ''اِسْمٌ'' کی بحث میں آئیگی۔لفظ اللہ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ جامد ہے یا مشتق ﴿اس کے بارہ میں دونظریئے ہیں پہلانظریہ یہ ہے کہ ﴾ بعض علماء کے نزدیک یہ مشتق ہے پھر اس کے مشتق منہ کے بارہ میں کئی اقوال ہیں۔

﴿**پہلاقول**﴾...... یہ ہے کہ اللّٰہ اصل میں اِلٰہٌ تھا جو کہ اَلِہَ یَأْلَہُ کا مصدر ہے۔اس کے ہمزہ کو حذف کر کے اس کے عوض ابتداء میں الف لام تعریف لائے اور لام کا لام میں ادغام کیا پھر لام تعریف کی وجہ سے آخر سے تنوین گرادی تو اَللّٰہُ بن گیا۔

﴿**دوسراقول**﴾...... یہ ہے کہ اللّٰہ اصل میں وِلٰہٌ تھا جو کہ وَلِہَ یَوْلَہُ کا مصدر ہے وِعدٌ اور وِشاحٌ والے قانون کے تحت واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا تو اِلٰہٌ ہو گیا۔پھر ہمزہ کو حذف کر کے اس کی جگہ الف لام تعریف لائے اور آخر سے تنوین گرادی تو اللّٰہُ ہو گیا۔

﴿**تیسراقول**﴾......:یہ ہے کہ اللّٰہ اصل میں تَاَلُّہٌ تھا جو کہ تَاَلَّہَ یَتَاَلَّہُ مصدر ہے تاء کو حذف کیا اور لام کے ضمہ کو فتحہ اشباعی (کھڑی زبر) سے بدل دیا اور آخر سے تنوین گرادی تو اللّٰہ ہو گیا۔

﴿**چوتھاقول**﴾......:۔یہ ہے کہ اللّٰہ اصل میں لَاہٌ تھا جو کہ لَاہَ یَلُوْہُ کا مصدر ہے ابتداء میں الف لام تعریف لائے اور آخر سے تنوین گرادی تو اللّٰہُ ہو گیا۔

﴿**دوسرانظریہ**﴾:۔بعض حضرات کے نزدیک لفظ اللّٰہ مشتق نہیں بلکہ جامد ہے اور یہ ﴿عَلَمٌ لِذَاتِ الوَاجِبِ الوُجُوْدِ المُسْتَجْمِعِ لِجَمِیْعِ صِفَاتِ الکَمَالِ المُنَزَّہِ عَنِ النَّقْصِ وَ الزَّوَالِ﴾ کہ یہ اس ذات کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور کمال کی تمام صفات کو جمع کرنے والی ہے اور ہر قسم کے عیب اور

زوال سے منزہ اور پاک ہے۔

☆......وجود کی اقسام......☆ :۔وجود کی تین قسمیں ہیں

﴿۱﴾واجب الوجود ﴿۲﴾ممتنع الوجود ﴿۳﴾ممکن الوجود

﴿واجب الوجود ......:۔وہ ہے جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ اس کا وجود اپنا ذاتی ہو اور وہ صرف اللہ تعالی ہی کی ذات ہے۔

﴿ممتنع الوجود...... :۔اس کو کہتے ہیں جس کا عدم لازمی ہو یعنی اس کا وجود نہ پایا جا سکتا ہو۔ جیسے شریک باری تعالی۔ یعنی اللہ تعالی کے شریک کا وجود پایا ہی نہیں جا سکتا۔

﴿ممکن الوجود......:۔اس کو کہتے ہیں جو اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہو جیسے ساری مخلوق جو کہ اپنے وجود میں رب تعالی کی محتاج ہے۔

۞......**الرحمن الرحیم** :۔یہ دونوں اللہ تعالی کی صفات ہیں رحمان صفت عام ہے اور رحیم صفت خاص ہے، رحمٰن والی صفت کا اثر کائنات کی ہر چیز پر ہے اور رحیم والی صفت کا اثر قیامت کے دن مومنوں پر خاص طور پر ہوگا۔

۞......**اعتراض** :۔ الرحمن اور الرحیم کو اللہ تعالی کی صفات نہیں بنایا جا سکتا اس لئے کہ دونوں رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت کہتے ہیں ''رِقَّةُ الْقَلْب'' دل کی نرمی کو۔ جب اللہ تعالی جسم اور جسمانیات دل وغیرہ سے پاک ہے تو پھر رقۃ القلب کیسے ہوگا۔

جواب :۔جب یہ رب تعالی کی صفات ہیں تو ان کا معنی رقۃ القلب نہیں بلکہ اس سے مراد رقۃ القلب کا جو اثر مہربانی اور احسان اور فضل کی صورت میں ہوتا ہے وہ مراد ہے اس لحاظ سے رحمٰن کا معنی ہوگا ''مُحْسِنُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَة'' دنیا اور آخرت میں احسان کرنے والی ذات اور رحیم کا معنی ہوگا محسن الآخرۃ ۔آخرت میں مومنوں پر خصوصی فضل و احسان کرنے والی ذات۔

......"اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ وَهِيَ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ"

کلمہ وہ لفظ ہوتا ہے جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو اور وہ اسم اور فعل اور حرف ہے۔

یہاں سے مصنف نے کلمہ کی تعریف کی ہے۔

اعتراض:۔ مصنف کو تو علم نحو کے مسائل بیان کرنے چاہییں اس نے کلمہ اور کلام کی تعریف کیوں کی ہے؟

جواب:۔ کلمہ اور کلام علم نحو کے موضوع ہیں اور کسی علم کو موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کرنی ہو پہلے اس کی تعریف معلوم ہونا ضروری ہے اس لئے مصنف نے کلمہ اور کلام کی تعریف کی ہے۔

......**اعتراض**:۔ جب علم نحو کے دو موضوع ہیں کلمہ اور کلام تو مصنف نے پہلے کلمہ کی بحث کیوں کی ہے حالانکہ کلمہ کی بہ نسبت کلام معنی کا زیادہ فائدہ دیتی ہے۔

جواب:۔ کلمہ لفظاً اور معنیً دونوں لحاظ سے کلام کا جز ہے۔ لفظاً جز ہے جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ کلام ہے اور زَیْدٌ اس کی ایک جز ہے اور قَائِمٌ اس کی دوسری جز ہے اور کلمہ معناً بھی کلام کی جز ہے اس لئے کہ کلام کی تعریف میں کہا جاتا ہے۔ "اَلْكَلَامُ مَا تَضَمَّنَ كَلِمَتَيْنِ" کہ کلام وہ ہوتی ہے جو دو کلموں پر مشتمل ہو۔ جب کلمہ لفظاً اور معناً کلام کا جز ہے اور قاعدہ ہے کہ جزء کل پر مقدم ہوتی ہے تو اس لئے مصنف نے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا ہے۔

......**اعتراض**۔ الكلمة میں تین چیزیں ہیں ﴿۱﴾ الف لام ﴿۲﴾ كَلِمٌ ﴿۳﴾ آخر میں تاء۔ تو ان تین چیزوں میں سے مصنف نے کلم کی بحث کو مقدم کیوں کیا۔

جواب:۔ کلم اصل اور معروض ہے جبکہ الف لام اور تاء اس پر عارض ہوئے ہیں اور قاعدہ ہے کہ معروض عارض پر مقدم بالذات ہوتا ہے اسی لئے مصنف نے کلم کی بحث کو مقدم کیا ہے۔

......الف لام کی اقسام......

الف لام کی دو قسمیں ہیں ﴿۱﴾ **الف لام اسمی** ﴿۲﴾ **الف لام حرفی** ۔

الف لام اسمی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور **الذی** کے معنی میں ہو کر اسم موصول بنتا ہے جیسے **الضارب** اور **المضروب** کا الف لام ۔صفت مشبہ پر جو الف لام داخل ہوتا ہے اسمیں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک وہ اسمی اور بعض کے نزدیک حرفی ہوتا ہے اور اسم تفضیل پر جو الف لام ہوتا ہے جیسا کہ **الافضل** میں تو وہ اسمی نہیں ہوتا بلکہ حرفی ہوتا ہے ۔الف لام حرفی وہ ہوتا ہے جو اسمی کے علاوہ ہو۔

پھر الف لام حرفی کی دو قسمیں ہیں ۔﴿۱﴾ **زائدہ** ﴿۲﴾ **غیر زائدہ** ۔

الف لام حرفی زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے حذف کرنے سے کلمہ کے مقصودی معنی میں فرق نہ آئے۔

اور غیر زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے حذف کرنے سے کلمہ کے مقصودی معنی میں فرق آئے۔

......الف لام حرفی زائدہ کی اقسام......

الف لام حرفی زائدہ کی چار قسمیں ہیں۔

﴿۱﴾ **عوضی لازم** ﴿۲﴾ **عوضی غیر لازم** ﴿۳﴾ **غیر عوضی لازم** ﴿۴﴾ **غیر عوضی غیر لازم**

......(۱) **عوضی لازم**:۔ جیسے لفظ اللہ کے ابتداء میں الف لام ۔ یہ الف لام عوض ہے ہمزہ کا اگر اصل اِلٰہ ہو یا یہ عوض ہے واؤ کا اگر اصل **وَ لِہ** ہو یا یہ عوض ہے تا کا اگر اس کا اصل **تَا لَہٌ** ہو۔

......(۲) **عوضی غیر لازم**:۔ جیسے **الناس** کا **الف لام** ۔یہ الف لام عوض ہے اس لئے کہ **النَاس** اصل میں **اُنَاسٌ** تھا ۔ہمزہ کی جگہ الف لام لائے اور زائدہ ہے اس لئے کہ اس الف لام کو تعریف حاصل کرنے کے لئے لایا گیا ہے تا کہ اس پر حرف نداء داخل ہو سکے چونکہ اناس میں علمیت نہیں پائی جاتی اس لئے اس پر داخل ہونے والا الف لام غیر لازم ہے۔

(۳) **غیر عوضی لازم**:۔ جیسے **النّجم** . **الصّعق** اور **الثریا** کا الف لام

ان میں سے ہر ایک ستارے کو کہتے ہیں یہ پہلے عام تھے ان کا اطلاق ہر ستارے پر ہوتا تھا مگر بعد میں خاص خاص ستاروں کے

نام رکھ دیئے گئے۔ ان پر الف لام زائدہ ہے۔ اس لئے کہ علمیت کے ساتھ حصول تعریف کے لئے ہے اور لازم ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ مقصد علمیت کا احاطہ ہے جو اس کے بغیر نہیں ہوتا جب یہ الف لام کسی چیز کے عوض نہیں تو یہ غیر عوضی ہے۔

(۴) غیر عوضی غیر لازم۔ یہ الف لام اعلام کے شروع میں صرف تحسین وتزیین کے لئے داخل ہوتا ہے جیسے **الحسن** اور **الحسین** وغیرہ کا الف لام۔

......الف لام حرفی غیر زائدہ کی اقسام......

الف لام حرفی غیر زائدہ کی بھی چار قسمیں ہیں (۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد ذہنی (۴) عہد خارجی

(۱) جنسی :۔ جس اسم پر الف لام داخل ہو اگر اس اسم کی ماہیت مراد ہو تو اس الف لام کو جنسی کہتے ہیں۔ جیسے "الرجل خیر من المرأۃ" آدمی عورت سے بہتر ہے یعنی رجل کی جنس اور ماہیت عورت کی جنس اور ماہیت سے بہتر ہے۔ اس میں جمیع افراد کا لحاظ نہیں ہوتا اس لئے یہ مراد نہیں ہوگا کہ رَجُلٌ کا ہر ہر فرد اِمْرَأۃٌ کے ہر ہر فرد سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بہت سے مردوں سے بہتر ہیں۔

(۲) استغراقی :۔ جس اسم پر الف لام داخل ہو اگر اس کے تمام افراد مراد ہوں تو اس الف لام کو استغراقی کہتے ہیں۔ جیسے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍ" میں الانسان پر الف لام استغراقی ہے اور معنی یہ ہے کہ بے شک سارے کے سارے انسان نقصان میں ہے۔ آگے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے استثناء کردی کہ سوائے ایمان والوں کے۔

(۳) عہد ذہنی :۔ جس اسم پر الف لام داخل ہو اگر اس کے سارے افراد مراد نہ ہوں بلکہ بعض افراد مراد ہوں اور وہ بعض افراد خارج میں متعین نہ ہوں تو اس الف لام کو عہد ذہنی کہتے ہیں جیسے فَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ میں اَلذِّئْبُ پر الف لام عہد ذہنی ہے۔

(۴) عہد خارجی :۔ جس اسم پر الف لام داخل ہو اگر اس کے بعض افراد مراد ہوں اور وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں تو اس الف لام کو عہد خارجی کہتے ہیں جیسے "......فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ......" میں الرسول پر الف لام عہد خارجی

ہے اس لئے کہ فرعون نے جس رسول کی نافرمانی کی تھی وہ خارج میں متعین ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

بعض علماء نے الف لام حرفی غیر زائدہ کی پانچویں قسم الف لام طبعی بیان کی ہے اور الف لام طبعی وہ ہوتا ہے جس سے لغوی معانی بیان کئے جائیں جیسے "**الغضنفر الاسد**" یا جس سے کسی فن کی اصطلاحات بیان کی جائیں۔ جیسے **الکلمہ** اور **الکلام** وغیرہ کی ابتداء میں **الف لام** جب کہ ان کی اصطلاحی تعریفیں کی جائیں۔

☆......کلمہ اور کلام مشتق ہیں یا غیر مشتق......☆

......اس بارہ میں دو مذہب ہیں جمہور کے نزدیک کلمہ اور کلام نہ مشتق ہیں اور نہ مشتق منہ ہیں اس لئے کہ مشتق یا مشتق منہ ماننے کی صورت میں خواہ مخواہ بے فائدہ تکلفات کا ارتکاب ہوتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کلمہ اور کلام دونوں کَلْمٌ سے مشتق ہیں اور کَلْمٌ کا معنی ہے زخم کرنا۔

......اعتراض۔ جو حضرات کلمہ اور کلام کو کَلْمٌ سے مشتق مانتے ہیں ان پر اعتراض ہوتا ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان لفظی اور معنوی مناسبت ہوتی ہے۔ نحوی کلمہ اور کلام کی کَلْمٌ کے ساتھ لفظی مناسبت تو پائی جاتی ہے مگر معنوی مناسبت نہیں پائی جاتی اس لئے کہ کَلْمٌ کا معنی ہے زخم کرنا جبکہ نحویوں نے کلمہ اور کلام کی جو تعریفیں کی ہیں ان میں زخم کرنے کا کوئی معنی نہیں پایا جاتا۔

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مناسبت کی تین قسمیں ہیں (۱) مطابقی (۲) تضمنی (۳) التزامی

"مطابقی"......کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح معنی مشتق منہ میں پایا جاتا ہے اسی طرح وہ معنی مشتق میں پایا جائے جیسے "نَصر" کا معنی ہے مدد کرنا تو اس سے نکلنے والی تمام گردانوں میں مدد کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔

"تضمنی"...... کا معنی یہ ہے کہ جو معنی مشتق منہ میں پایا جاتا ہے وہ مشتق میں صراحتاً نہیں بلکہ ضمناً پایا جاتا ہو۔

"التزامی"......کا مطلب یہ ہے کہ مشتق منہ میں جو معنی پایا جاتا ہے اسکی تاثیر اس معنی کے ساتھ لازم ہوتی ہے تو جب وہی تاثیر مشتق میں بھی پائی جائے تو دونوں میں تاثیر کے لحاظ سے مناسبت پائی جاتی ہے اور اسی مناسبت کو التزامی کہتے ہیں۔ یہاں کلمہ اور کلام کی کلم کے ساتھ اگرچہ مناسبت مطابقی اور تضمنی نہیں پائی جاتی مگر مناسبت التزامی پائی جاتی ہے جیسے زخم

کا اثر ہوتا ہے اسی طرح بعض کلموں اور کلام کی تاثیر بھی سننے والوں کے دلوں میں ہوتی ہے جب بعض کی تاثیر ہوتی ہے تو بعض کی تاثیر کا لحاظ رکھ کر اسکو کلمہ سے تعبیر کر دیا ہے اور اس بارہ میں شاعر کا شعر دلیل میں پیش کرتے ہیں

.......''جَـرَاحَـاتُ السِّـنَـانِ لَهَـا الْتِيَـام .... وَلَا يَـلْـتَـامُ مَـاجَـرَحَ اللِّـسَـانُ''......

(نیزوں کے زخم مندمل ہوجاتے ہیں اور زبان کا لگایا ہوا زخم مندمل نہیں ہوتا۔

......کَلِمٌ مفرد ہے یا جمع......اس بارہ میں دو نظریئے ہیں۔......

پہلا نظریہ جمہور کا ہے: کہ کَلِمٌ جنس ہے اور کلمة اس جنس کا ایک فرد ہے جیسے تَمرٌ جنس ہے اور تَمرةٌ اس کا ایک فرد ہے جمہور نے کلمٌ کے جنس ہونے کی چار دلیلیں دی ہیں۔

پہلی دلیل: ۔کہ کَلِمٌ عدد اوسط کی تمیز واقع ہوتا ہے جیسے ''قَرَأْتُ اثْنَیْ عَشَرَ کَلِما'' اور عدد اوسط کی تمیز مفرد ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کَلِمٌ جمع نہیں ہے۔

دوسری دلیل: ۔کہ کَلِمٌ کی بنفسہ تصغیر آتی ہے جیسا کہ کُلَیْمٌ۔اگر کَلِمٌ جمع ہوتا ہے تو اسکی تصغیر براہ راست نہ آتی بلکہ اسکو مفرد کی طرف لوٹانا پڑتا۔

تیسری دلیل: ۔قرآن کریم میں ہے ''......اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ ......'' پاکیزہ کلمے اسی کی طرف اوپر چڑھتے ہیں۔یہاں اَلْکَلِمُ کی صفت الطیب آئی ہے۔اگر اَلْکَلِمُ جمع ہوتا ہے تو اس کی صفت الطیبة یا الطیبات آتی اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جمع مذکر لا یعقل کی جمع واحدہ مونثہ یا جمع آتی ہے۔

چوتھی دلیل: ۔کہ فَعِلٌ کا وزن جمع کے اوزان قیاسیہ میں سے نہیں اس لئے یہ جمع نہیں۔

......**دوسرا نظریہ:** ۔**بعض نحویوں کا ہے** جن میں صاحب اللباب وغیرہ بھی ہیں ان کے نزدیک کَلِمٌ جمع ہے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ کَلِمٌ کا اطلاق تین یا اس سے زیادہ پر کیا جاتا ہے اگر یہ جنس ہوتا تو اس کا اطلاق ایک اور دو پر بھی ہوتا جب اس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جمع ہے اور انہوں نے جمہور کی پہلی دلیل کا

جواب یہ دیا ہے کہ عدد اوسط کی تمیز جسطرح کَلِماً آتی ہے اسی طرح کلمة تا ء کے ساتھ بھی آتی ہے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیا کہ جسطرح کَلِمٌ کی تصغیر کُلَیْمٌ آتی ہے اسی طرح کُلَیْمَةٌ بھی آتی ہے۔ جب تصغیر دونوں طرح آتی ہے تو پھر صرف ایک ہی کو لے کر دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

اور تیسری دلیل کے انھوں نے دو جواب دیئے ہیں پہلا جواب یہ دیا کہ اَلطَّیِّبُ الْکَلِمِ کی صفت نہیں بلکہ بَعْض کی صفت ہے اور یہ عبارت اصل میں اس طرح ہے۔ ☆......اِلَیْهِ یَصْعَدُ بَعْضُ الْکَلِمِ الطَّیِّبِ......☆

اور دوسرا جواب یہ دیا کہ اَلْکَلِمُ جمع ہے اور جمع مفرد موئنث کی طرح ہوتی ہے اور مونث کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر مونث غیر حقیقی ہو تو اس کی صفت مفرد مذکر آ سکتی ہے اور یہاں الکلم مونث غیر حقیقی ہے اس لئے اس کی صفت الطیب مذکر آ سکتی ہے۔

اور چوتھی دلیل کے انھوں نے دو جواب دیئے ہیں ایک جواب یہ دیا کہ اگرچہ فَعِلٌ کا وزن جمع کے اوزان قیاسیہ میں سے نہیں ہے مگر اوزان سماعیہ میں سے ضرور ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا کہ الکلم جمع نہیں بلکہ اسم جمع ہے۔ جمع وہ ہوتی ہے جس کا معنی اور شکل جمع والی ہو اور اس کو مفرد سے بنایا گیا ہو'' جیسے ......مُسْلِمُوْنَ اور مُسْلِمَاتٌ '' اور اسم جمع وہ ہوتی ہے جس کا معنی جمع والا ہو مگر شکل جمع والی نہ ہو اور اس کا واحد بھی نہ ہو'' جیسے قوم . رهط وغیرہ جب الکلم جمع نہیں بلکہ اسم جمع ہے تو اس کا جمع کے اوزان قیاسیہ میں سے نہ ہونا کوئی نقصان نہیں دیتا۔

☆......**جواب**:. جمہور کی طرف سے صاحب اللباب وغیرہ کے نظریہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اَلْکَلِمُ کا اصل وضع کے اعتبار سے اطلاق ایک اور دو پر بھی ہوتا ہے مگر استعمال میں اس کا اطلاق ایک اور دو پر نہیں ہوتا اور استعمال عارض ہے اور عوارض کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ اصل وضع کا اعتبار ہوتا ہے جب اصل وضع کے اعتبار سے کلمہ کا اطلاق ایک اور دو پر بھی ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ جمع نہیں بلکہ اسم جنس ہے۔

☆......تاء کی اقسام...........☆

اسم کے آخر میں جو گول تاء آتی ہے اور وقف کی حالت میں ھاء سے بدل جاتی ہے اسکی آٹھ قسمیں ہیں۔ جو اس شعر میں مذکور ہیں۔

تاء تانیث است و تذکیر است وحدت هم بدل
مصدریت هم مبالغه زائده شد هم نقل

﴿۱﴾ تاء تانیث جیسے ''ضاربة'' ﴿۲﴾ تاء تذکیر جیسے ''اربعة'' ﴿۳﴾ تاء وحدت جیسے ''نفخة.

﴿۴﴾ تاء بدل جیسے عِدَةٌ اور سِعَةٌ کے آخر کی تاء جو اس واو کے بدلہ میں ہے جو وعد اور وسع کے اول میں تھی۔

﴿۵﴾ تاء مصدریت جیسے ''فاعِلِيَّةٌ اور مَفْعُوْلِيَّةٌ'' کے آخر کی تاء ﴿۶﴾ تاء مبالغه جیسے ''عَلَّامَةٌ'' کے آخر کی تاء

﴿۷﴾ تاء زائده جیسے ''رحمة'' ﴿۸﴾ تاء نقل جیسے ''کافیة اور شافیة'' کے آخر کی تاء۔۔ (کافیہ اور شافیہ اصل میں اس ہوشیار عورت کو کہتے ہیں جو گھریلو امور میں ماہر ہو پھر نقل کر کے یہ کتابوں کے نام رکھ دیئے گئے اس لئے کہ یہ کتابیں بھی پڑھنے والوں کے لئے کافی اور شافی ہوتی ہیں اور ان کو صرف ونحو کے مسائل میں ہوشیار بنا دیتی ہیں۔

﴿......الکلمة کی ابتداء میں الف لام اور آخر میں تاء کونسی ہے؟......

''الـکـلـمة'' میں الف لام جنسی اور عہد خارجی بن سکتا ہے۔۔۔استغراقی اور عہد ذہنی نہیں بن سکتا۔۔۔

استغراقی نہ بن سکنے کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ الکلمة کے آخر میں تاء وحدت کی ہے اور الف لام استغراقی میں عموم یعنی جمعیت ہوتی ہے اور استغراق اور وحدت اکٹھے نہیں ہو سکتے اس لئے الف لام استغراقی نہیں بن سکتا۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ استغراق افراد کے احاطہ کے لئے آتا ہے جبکہ تعریف افراد کی نہیں بلکہ نفس ماہیت کی ہوتی ہے اور یہاں الـکـلـمة کی تعریف کی جارہی ہے اس لئے الف لام استغراقی نہیں بن سکتا۔ اور الف لام عہد ذہنی نہ بن سکنے کی وجہ یہ ہے کہ الف لام عہد ذہنی جس پر داخل ہو سکتا ہے وہ نکرہ ہوتا ہے اگر الکلمة پر الف لام عہد ذہنی ہو تو کلمة کو نکرہ ماننا پڑے

گا اور نکرہ کے مبتداء واقع ہونے کے لئے جو شرائط ضروری ہیں ان میں سے کوئی بھی شرط یہاں نہیں پائی جا رہی حالانکہ یہاں الکلمة مبتداء واقع ہو رہا ہے اس لئے اس پر الف لام عہد ذہنی نہیں ہو سکتا۔

الکلمة میں الف لام جنسی بن سکتا ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ جنس میں عموم ہوتا ہے اور الکلمة کے آخر میں تاء وحدت کی ہے تو عموم اور وحدت جمع نہیں ہو سکتے اس لئے الف لام جنسی نہیں بن سکتا۔ اس کے **دو جواب** دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔ کہ الکلمة کے آخر میں تاء وحدت کی نہیں بلکہ نقل کی ہے اس لئے کہ لغت کے لحاظ سے کلمہ مطلق بات کو کہتے ہیں پھر اس سے نقل کر کے نحو کا خاص کلمہ مراد لیا گیا ہے۔

دوسرا جواب:۔ کہ وحدت کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وحدت جنسی " جیسے الحیوان (۲) وحدت نوعی " جیسے الانسان" (۳) وحدت صنفی " جیسے " رجل " (۴) وحدت فردی جیسے " زید

وحدت کی ان چار اقسام میں سے صرف وحدت فردی اور جنس کے درمیان منافات ہے یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور وحدت کی باقی اقسام جنس کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ الکلمة کے آخر میں تاء وحدت جنسی کے لئے ہے اور ابتداء میں الف لام جنسی ہے اس لئے یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ الکلمة میں الف لام عہد خارجی بھی بن سکتا ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ الف لام عہد خارجی وہاں ہوتا ہے جہاں اس کے مدخول کا ذکر پہلے ہو چکا ہو اور اس کا مدخول معہود موجود فی الخارج ہو اور الکلمة سے پہلے تو کوئی چیز مذکور ہی نہیں اس لئے اس کو عہد خارجی کے لئے نہیں بنایا جا سکتا۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کا معہود موجود فی الخارج ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ اشارہ ہے اس کلمہ کی طرف جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور وہ مشہور ہے اور موجود فی الخارج ہے۔

...... اَلْكَلِمَةُ لَفْظٌ وُضِعَ لِمَعْنًى مُفْرَدٍ ......

یہاں سے علامہ ابن حاجب کلمہ کی تعریف کر رہے ہیں اس میں **لفظ** بمنزلہ جنس کے ہے اس لئے کہ لفظ مفرد۔ مرکب۔ مہمل اور مستعمل سب پر بولا جاتا ہے جب لفظ بمنزلہ جنس کے ہے تو اسی لئے اس کو پہلے ذکر کیا اور **وُضِعَ** بمنز لہ

فصل اول کے ہے اس سے مہمل الفاظ نکل گئے۔ **لِمَعْنیً** بمنزلہ فصل ثانی کے ہے اس سے حروف ہجا اور حروف مبانی نکل گئے اور **مُفْرَدٌ** بمنزلہ فصل ثالث کے ہے اس سے مرکب الفاظ نکل گئے اور **اَلْکَلِمَۃُ** کی تعریف جامع اور مانع ہوگئی۔

اعتراض۔ بعض حضرات نے کلمہ کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے کہ دوال اربعہ یعنی (خطوط۔ عقودُ۔ نصُب اور اشارات) یہ بھی موضوع للمعنی ہوتے ہیں حالانکہ ان کو کلمہ نہیں کہا جاتا اس لئے کلمہ کی یہ تعریف مانع نہیں۔

جواب:۔ یہ اعتراض درست نہیں اس لئے کہ جب کلمہ کی تعریف میں **لفظٌ** کہا ہے تو ہر موضوع للمعنیٰ کو کلمہ نہیں بلکہ لفظ موضوع للمعنی کو کلمہ کہتے ہیں اور دوال اربعہ تو لفظ ہی نہیں اس لئے ان کو کیسے تعریف میں شامل مانا جاسکتا ہے۔

☆...... اَلْکَلِمَۃُ لَفْظٌ کی ترکیب ......☆

...... اَلْکَلِمَۃُ مبتداء اور لفظٌ اس کی خبر ہے ...... اس پر چار اعتراضات وارد ہوتے ہیں

☆ ...... **پہلا اعتراض**:۔ کہ اَلْکَلِمَۃُ میں تین چیزیں ہیں **الف. لام. کلم** اور آخر میں **تاء**.

ان میں سے مبتداء کونسی ہے۔ **الف لام** مبتداء ہے تو یہ درست نہیں اس لئے کہ **الف لام** تو حرف ہیں۔ **کَلِمٌ** مبتدا ہے تو یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ یہ تو نکرہ ہے۔ آخر میں تاء مبتداء ہے تو یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ وہ حرف ہے۔ ان تینوں کے مجموعہ کو مبتداء بنایا جائے تو یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ ان تمام کا مجموعہ مرکب ہے مستقل اور غیر مستقل سے اس لئے کہ حرف غیر مستقل ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو مستقل اور غیر مستقل سے مرکب ہو تو وہ غیر مستقل ہوتا ہے تو اَلْکَلِمَۃُ کا مجموعہ غیر مستقل ہوا اور غیر مستقل مبتداء واقع نہیں ہوسکتا۔

جواب:۔ اَلْکَلِمَۃُ مبتداء ہے بشرط الف لام۔ اور شیئی کی شرط شیئی سے خارج ہوتی ہے اس لئے یہ مستقل اور غیر مستقل سے مرکب نہیں۔ لہذا یہ مبتداء واقع ہوسکتا ہے۔

...... **دوسرا اعتراض**:۔ کہ الکلمۃُ مونث ہے اور لفظٌ مذکر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مبتداء اور خبر میں تذکیر و تانیث وغیرہ میں مطابقت ضروری ہے جبکہ **اَلکلمۃُ** اور **لفظٌ** میں تذکیر و تانیث میں مطابقت نہیں تو یہ

مبتداء خبر نہیں بن سکتے۔

جواب: مبتداء اور خبر میں ان مذکورہ چیزوں میں مطابقت اس وقت ضروری ہے جبکہ خبر مشتق ہو اور جہاں خبر مشتق نہ ہو وہاں مطابقت ضروری نہیں ہے اور یہاں لفظ مشتق نہیں بلکہ مصدر ہے اس لئے مطابقت ضروری نہیں

۞...... **اعتراض**:۔ یہ درست ہے کہ اگر خبر مشتق نہ ہو تو مطابقت ضروری نہیں مگر بہتر اور مستحسن تو ہے۔ مصنف نے مستحسن کو کیوں اختیار نہیں کیا۔

جواب:۔ لَفْظَة ؐ کی بہ نسبت لفظٌ میں اختصار ہے اور کلام میں اختصار بھی مستحسن ہوتا ہے۔ اس لئے مصنف نے مطابقت والے مستحسن کی بجائے اختصار والے مستحسن کو پسند کیا ہے۔

۞...... **تیسرا اعتراض**:۔ کہا جاتا ہے کہ کافیہ علامہ زمخشری کی کتاب المفصّل کا اختصار ہے اور صاحب مفصل نے الکلمۃ کی تعریف میں لفظۃ کہا ہے تو علامہ ابن حاجبؒ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے لفظٌ کیوں کہا ہے۔

جواب:۔ کلمہ کی تعریف میں علامہ ابن حاجبؒ اور صاحب مفصل میں اختلاف ہے۔ صاحب مفصل کے نزدیک کلمہ وہ ہوتا ہے جو لفظ مفرد ہو خواہ معنی مفرد ہو یا نہ ہو۔ اور علامہ ابن حاجبؒ کے نزدیک کلمہ میں معنی کا مفرد ہونا ضروری ہے خواہ لفظ مفرد ہو یا نہ ہو۔ جیسے عبداللہ علیت کی صورت میں اس کا معنی مفرد ہے اس لئے یہ علامہ ابن حاجب کے نزدیک کلمہ ہے جبکہ علامہ زمخشری کے نزدیک عبداللہ علیت کی صورت میں بھی کلمہ نہیں بلکہ کلام ہے اس لئے کہ لفظ مفرد نہیں اس لئے صاحب مفصل علامہ زمخشری نے الکلمۃ کی تعریف میں لفظۃ کہہ کر اپنا نظریہ واضح کیا کہ لفظ مفرد ہونا چاہیئے۔ اور علامہ ابن حاجب نے لفظٌ کہہ کر اپنے نظریہ کی طرف اشارہ کیا کہ کلمہ میں لفظ کا مفرد ہونا ضروری نہیں ہے

۞...... **چوتھا اعتراض**:۔...... کہ اَلْكَلِمَةُ کی خبر لفظ کو نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ خبر کا حمل مبتداء پر ہوتا ہے جبکہ لفظ مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مصدر وصف ہوتا ہے اور وصف کا حمل ذات پر نہیں ہوسکتا اس لئے لفظ کو اَلْكَلِمَة کی خبر نہیں بنایا جاسکتا۔

جواب:۔اگرچہ لفظ اصل میں مصدر ہے جس کا معنی ہے پھینکنا مگر اس کو مصدری معنی سے نقل کر کے ''مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الاِنْسَانُ''...... کے لئے بولا جانے لگا۔یعنی جس کا انسان تلفظ کرتا ہے اس کو لفظ کہتے ہیں۔خواہ حقیقت میں تلفظ کرے یا بالقوۃ کرے کہ اس کے تلفظ پر اس کو قوت حاصل ہو جیسا کہ فرشتوں اور جنات وغیرہ کے کلام پر انسان کو قوت حاصل ہے۔جب لفظٌ کو مصدری معنی سے نقل کر دیا گیا ہے اور مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الاِنْسَان ذات ہے تو ذات کا حمل ذات پر ہے اس لئے لفظٌ کو الکلمۃ کی خبر بنانا درست ہے۔

۞......**اعتراض**:۔علامہ زمخشری نے المفصل میں الکلمۃ کی تعریف میں **اَلدَّالَۃُ** کہا ہے اور علامہ ابن حاجب نے لفظ کے بعد الدال نہیں کہا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:۔ کلمہ کی تعریف میں دلالت کا اعتبار علامہ ابن حاجب کی بیان کردہ تعریف میں بھی ہے فرق صرف یہ ہے کہ علامہ زمخشری نے الدالۃ کو لفظوں میں ذکر کیا ہے اور علامہ ابن حاجب نے الدال کو لفظوں میں ذکر نہیں کیا مگر دلالت کا اعتبار اس میں بھی ہے اس لئے کہ تعریف میں وضع کا ذکر موجود ہے اور وضع دلالت کو مستلزم ہوتی ہے اس لئے کہ دلالت عام ہے اور وضع خاص ہے اور قاعدہ ہے کہ عام خاص کے ضمن میں پایا جاتا ہے تو جب وضع پائی گئی تو اس کے ضمن میں دلالت بھی پائی گئی اس لئے علامہ ابن حاجب نے اس کو لفظوں میں ذکر نہیں کیا۔

۞......**لفظٌ**...... ۞۔۔۔لفظ کا لغوی معنی ہے ''پھینکنا اور اصطلاح میں لفظ کہتے ہیں''

☆......**مَا يَتَلَفَّظُ بِهِ الاِنْسَانُ حَقِيقَةً كَانَ اَوْ حُكْمًا مَوْضُوعًا كَانَ اَوْ مُهْمَلًا مُفْرَدًا كَانَ اَوْ مُرَكَّبًا**......'' کہ اصلاح میں لفظ اس کو کہتے ہیں جس کا انسان تلفظ کرتا ہے خواہ حقیقتاً ہو جیسے زید جبکہ زبان سے اس کو ادا کیا جائے یا تلفظ حکماً ہو جیسے اضربْ میں اَنْتَ ضمیر مستتر ہے۔
جب کوئی اِضْرِبْ کا تلفظ کرتا ہے تو حکماً اَنْتَ ضمیر کا بھی تلفظ کرتا ہے لفظ کسی معنی کے لیے موضوع ہو جیسے پانی۔روٹی۔قلم وغیرہ یا مھمل ہو یعنی کسی معنی کے لئے موضوع نہ جیسے پانی کیساتھ شانی۔اور روٹی کیساتھ شوٹی بول دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے،

روٹی شوٹی کھالو) مفرد ہو (یعنی اس کے لفظ کی جزء معنی کے جزء پر دلالت نہ کرے جیسے زَیْدٌ یا مرکب ہو یعنی لفظ کی جزء معنی کے جزء پر دلالت کرے جیسے **علم** نہ ہونے کی صورت میں عبداللہ کہ اس میں عبد علیحدہ معنی پر اور اللہ علیحدہ معنی پر دلالت کرتے ہیں)

۞...... **اعتراض**: لفظ کی یہ تعریف کی گئی ہے "مَا یَتَلَفَّظُ بِهِ الْاِنْسَانُ" جس کا معنی یہ ہے کہ لفظ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ انسان تلفظ کرے اور انسان تو زبان کے ساتھ تلفظ کرتا ہے اس لئے انسان کی زبان کو لفظ کہنا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بہ میں باء زائدہ ہے اور معنی یہ ہے کہ جس کا انسان تلفظ کرے۔

۞...... **اعتراض**: **لفظ** کی تعریف "**ما یتلفظ به الانسان**" کے ساتھ کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ **لفظ** صرف اس کو کہتے ہیں جس کا انسان تلفظ کرے حالانکہ فرشتے اور جنات جس کا تلفظ کرتے ہیں اس کو بھی لفظ کہتے ہیں۔☆...... **پہلا جواب** بے شک فرشتے اور جنات جس کا تلفظ کرتے ہیں اس کو بھی لفظ کہتے ہیں مگر اس میں **الانسان** کا ذکر اس لئے کیا کہ یہاں کلام انسانوں سے ہو رہی ہے اور یہ **اقرب الی الفھم** ہے۔

☆......**دوسرا جواب**: اس میں الانسان کا ذکر بطور تخصیص کے ہے کہ انسان ہی جسکا تلفظ کرتا ہے اس کو لفظ کہتے ہیں جنات اور فرشتوں کے کلام کا بھی انسان تلفظ کرسکتا ہے اور یہ تلفظ اس میں بالقوہ کے درجہ میں پایا جاتا ہے اس لئے انسان جس کا تلفظ کرتا ہے خواہ تلفظ حقیقتاً ہو یا بالقوۃ ہو اس کو لفظ کہتے ہیں۔

☆......لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں مناسبت......☆

لفظ کا لغوی معنی ہے "پھینکنا" اور یہ عام ہے یعنی کسی چیز کا پھینکنا خواہ منہ سے پھینکے یا ہاتھ وغیرہ سے پھینکے اور اصطلاحی معنی خاص ہے یعنی زبان سے حروف پھینکنا۔

۞...... **وُضِعَ** ...... وضع کا لغوی ایک معنی اجمالی ہے اور ایک تفصیلی ہے۔ لغوی اجمالی معنی ہے ''نہادن'' یعنی رکھنا اور لغوی تفصیلی معنی ہے ''جَعْلُ الشَّيْئِ فِيْ مَرْتَبَتِهٖ'' شیئ کو اس کے مرتبہ میں رکھنا اور وضع کا اصطلاحی معنی ہے

☆...... ''تَخْصِيْصُ الشَّيْئِ بِالشَّيْئِ بِحَيْثُ مَتَى أُطْلِقَ اَوْ أُحِسَّ الشَّيْئُ الْاَوَّلُ فُهِمَ مِنْهُ الشَّيْئُ الثَّانِيْ'' ......☆ (ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اسطرح کا اختصاص کہ جب پہلی چیز بولی جائے یا پہلی چیز کا احساس کیا جائے تو اس سے دوسری چیز سمجھی جائے جیسے کسی کا نام بولنے کے ساتھ ہی اس کی ذات سمجھ آجاتی ہے یا راستہ میں لگے ہوئے اشاروں کو محسوس کرنے سے راستہ سمجھ آجاتا ہے۔

وُضِعَ کی تعریف پر اعتراضات۔ وضع کی تعریف پر کئی اعتراضات کئے گئے ہیں۔

۞...... **پہلا اعتراض**: **وضع** کی تعریف میں **فُهِمَ مِنْهُ** کہا گیا ہے کہ متکلم سے کلام کو سمجھا گیا ہو تو اگر مخاطب نے متکلم کا لفظ سنا ہی نہ ہو یا سنا تو ہو مگر سمجھا نہ ہو تو تعریف کے مطابق متکلم کے اس لفظ کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے حالانکہ وہ لفظ موضوع ہی ہوتا ہے۔

جواب: اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ یہ عبارت مختصر ہے اصل عبارت اسطرح ہے ''مَتٰى أُطْلِقَ وَسُمِعَ وَفُهِمَ'' کہ جب بولا جائے اور سنا جائے اور سمجھا جائے تو اس سے معنی سمجھ آجائے۔

۞...... **دوسرا اعتراض**: **وضع** کی تعریف پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس سے حروف باء. مِنْ . عَلٰى . عَنْ . اور اِلٰى وغیرہ نکل جاتے ہیں اس لئے کہ موضوع وہ کلمہ ہوگا جس کے بولنے سے ہی معنی سمجھ آجائے حالانکہ ان حروف کے ساتھ جب تک کوئی اور کلمہ نہ ملایا جائے اسوقت تک اس کا معنی سمجھ نہیں آتا اس لئے تعریف کے مطابق ان حروف کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے حالانکہ بالاتفاق ان حروف کو موضوع کہا جاتا ہے اس لئے یہ تعریف جامع نہیں۔

پہلا جواب: اس اعتراض کا جواب مولانا نامی نے یہ دیا ہے کہ یہاں اطلق کا مفعول مطلق اپنی صفت سمیت

محذوف ہے اور عبارت اصل میں اسطرح تھی ☆.......مَتٰی اُطْلِقَ اِطْلَاقًا صَحِیْحًا ''......☆ جب اطلاق صحیح کے ساتھ بولا جائے اور حروف کا اطلاق صحیح اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ ان کے ساتھ کوئی دوسرا ایسا کلمہ ملایا جائے جس سے ان کا معنی واضح ہو جائے اور مولانا جامی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں اُطْلِقَ اُسْتُعْمِلَ کے معنی میں ہے اور ان حروف کا استعمال دوسرے کلمہ کو ساتھ ملا کر ہی ہوتا ہے اس لئے وضع کی تعریف میں یہ حروف شامل ہی رہیں گے۔

دوسرا جواب: حروف کے معانی دو قسم پر ہیں (اجمالی اور تفصیلی)

''اجمالی معنی وہ ہوتے ہیں جو بلاضم ضمیمہ یعنی کسی دوسرے کلمہ کو ملائے بغیر پائے جاتے ہیں۔ جیسے مِنْ کا معنی سے اور علی کا معنی اوپر اور الی کا معنی تک اور تفصیلی معنی وہ ہوتے ہیں جو کسی دوسرے کلمہ کو ملانے کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں اور وضع کی تعریف میں الشیئ الثانی سے مراد وہ معنی ہے جو اطلاق کے مطابق ہو یعنی اگر اطلاق بلاضم ضمیمہ ہے تو اجمالی معنی اور اگر دوسرے کلمہ کے ملانے کے ساتھ ہے تو تفصیلی معنی مراد ہے۔

تیسرا اعتراض: وضع کی تعریف میں کہا گیا ہے......''تَخْصِیْصُ الشَّیْئِ بِالشَّیْئِ......''

اور جہاں ایک شیئ کا دوسری شیئ کیساتھ اختصاص ہو تو وہاں حصر پایا جاتا ہے کہ یہ شیئ اسی میں پائی جاتی ہے کسی اور میں نہیں اور جہاں حصر ہوتا ہے وہاں محصور اور محصور علیہ ہوتے ہیں اور یہاں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ لفظ کو محصور اور معنی کو محصور علیہ بنایا جائے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ معنی کو محصور اور لفظ کو محصور علیہ بنایا جائے (اور دونوں صورتوں میں اعتراض وارد ہوتا ہے) اس لئے کہ اگر پہلی الشیئ سے مراد لفظ لیا جائے تو وہ محصور ہوگا اور دوسری الشیئ سے مراد معنی ہوگا اور وہ محصور علیہ ہوگا اور باء محصور علیہ پر داخل ہوگی اور معنی یہ ہوگا کہ وضع میں ایک ہی لفظ ایک ہی معنی کیساتھ مختص ہوتا ہے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ وضع کی اس تعریف کی وجہ سے مشترک الفاظ نکل جاتے ہیں اس لئے کہ وہاں ایک ہی لفظ کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے ''عین'' کا لفظ جو سورج۔ کنویں۔ آنکھ۔ گھٹنے اور چاندی وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اگر پہلی الشیئی سے مراد معنی اور دوسری الشیئی سے مراد لفظ لیا جائے تو باء محصور پر داخل ہوگی اور معنی یہ ہوگا کہ وضع میں ایک ہی معنی ایک لفظ کے ساتھ مختص ہوتا ہے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے الفاظ مترادفہ نکل

جاتے ہیں اس لئے کہ الفاظ مترادفہ میں ایک ہی معنی کئی الفاظ میں پایا جاتا ہے۔ جیسے اسد . لیث . غضنفر کئی الفاظ ہیں مگر ان کا معنی ایک ہی ہے یعنی شیر۔ جب وضع کی اس تعریف سے الفاظ مشترکہ اور الفاظ مترادفہ نکل جاتے ہیں تو یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ الفاظ مشترکہ اور الفاظ مترادفہ بالاتفاق موضوع ہی ہوتے ہیں۔

۔۔۔اس کے **تین جوابات** دیئے گئے ہیں۔

☆...... **پہلا جواب** :اصل تو یہی ہے کہ ایک لفظ کیلئے ایک ہی معنی ہو اور ایک معنی کے لئے ایک ہی لفظ ہو۔ الفاظ مشترکہ یا الفاظ مترادفہ میں جو اشتراک اور ترادف پایا جاتا ہے یہ واضع کے تعدد کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ایک واضع نے ایک معنی کے لئے اور دوسرے واضع نے دوسرے معنی کے لئے اس لفظ کو وضع کر دیا۔ اور اگر ایک ہی واضع سے ہو تو یہ واضع کی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ پہلے ایک لفظ کو ایک معنی کے لئے وضع کیا پھر بھول گیا اور اسی لفظ کو کسی اور معنی کیلئے وضع کر دیا۔ تو اصل یہی ہے کہ ایک لفظ ایک ہی معنی کے لئے وضع ہوتا ہے۔

☆...... **دوسرا جواب** : یہ اعتراض اس وجہ سے پیدا ہوا کہ وضع کی تعریف میں تخصیص الشیئی بالشیئی میں تخصیص کو اپنے معنی میں لے کر حصر ثابت کیا گیا مگر یہاں تخصیص اپنے اصل معنی میں نہیں بلکہ تمییز کے معنی میں ہے اور تمییز الشیئی بالشیئی کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کی وجہ سے ماعدا سے جدا کرنا جیسے کسی آدمی کا نام زید رکھ دیا گیا تو یہ زید کا لفظ اس کی ذات کو دوسروں سے جدا کر دیتا ہے۔

☆...... **تیسرا جواب** :۔۔۔اگر باء کو محصور علیہ یعنی معنی پر داخل کریں تو عبارت یوں ہوگی ''

......تَخْصِيْصُ اللَّفْظِ بِالْمَعْنٰى ...... ''یعنی لفظ کو معنی کیساتھ مختص کرنا۔ اس پر اعتراض ہوتا تھا کہ اس سے الفاظ مترادفہ نکل جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ تخصیص خاصہ سے ہے اور خاصہ کی تعریف میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں ایک ایجابی یعنی ''مایوجد فیه '' کہ یہ چیز اس میں پائی جاتی ہے اور دوسری چیز اسمیں سلبی ہوتی ہے یعنی ''ولا یوجد فی غیرہ '' کہ یہ چیز اس کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔ بعض دفعہ کسی چیز میں پائی جانے والی دو چیزوں میں سے ایک کا اعتبار کیا جاتا ہے اور دوسری کا اعتبار نہیں کیا جاتا تو یہاں بھی خاصہ میں پائے جانے والے ایجابی پہلو کا اعتبار کیا گیا ہے کہ اس لفظ میں یہ معنی پایا جائے اور اس کے سلبی اور منفی پہلو کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ یہ معنی کسی اور میں نہ پایا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس لفظ میں یہ

معنی پایا جائے قطع نظر اس کے کہ یہ معنی کسی اور لفظ میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ جیسے صرفیوں نے کہا کہ باب افعال کا خاصہ تعدیت بھی ہے حالانکہ یہ تعدیت تو باب تفعیل میں بھی پائی جاتی ہے تو صرفیوں نے کہا کہ باب افعال میں تعدیت پائی جاتی ہے قطع نظر اس کے کہ یہ تعدیت کسی اور میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ جب خاصہ کی تعریف کے صرف ایجابی پہلو کا یہاں اعتبار کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں الفاظ مترادفہ وضع کی تعریف میں شامل ہی رہتے ہیں اس لئے اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

......لِمَعْنیً............☆معنیً میں تین صیغے بن سکتے ہیں

(۱) اسم ظرف (۲) مصدر میمی (۳) اسم مفعول

''اگر اسم ظرف ہو تو اس کا معنی ہوگا قصد کی جگہ''۔ ''اور اگر مصدر میمی ہو تو اس کا معنی ہوگا قصد کرنا''۔ ''اور اگر اسم مفعول ہو تو اس کا معنی ہوگا ارادہ کیا ہوا۔

اعتراض: **معنیً** کو اسم ظرف یا مصدر میمی نہیں بنا سکتے اس لئے کہ اسم ظرف کی صورت میں معنی کا معنی ہوگا قصد کی جگہ اور مصدر میمی بنانے کی صورت میں معنی ہوگا قصد کرنا۔ اور لفظ کا جو معنی ہوتا ہے وہ قصد کی جگہ یا قصد کرنا نہیں ہوتا بلکہ متکلم کا مقصود ہوتا ہے۔

جواب: جب اسم ظرف یا مصدر کو اپنے اصل معنی میں نہ لیا جا سکے تو اس صورت میں اس کو مفعول کے معنی میں کر دیا جاتا ہے جیسے **مشروب عذب** میں عذب مصدر ہے اور معذوب کے معنی میں ہے۔ اسی طرح یہاں معنی کو اسم ظرف یا مصدر میمی کی صورت میں مجازاً مفعول کے معنی میں کیا جائیگا۔

......**اعتراض:** اگر کسی لفظ کو اپنے اصل معنی کی بجائے مجازاً کسی دوسرے لفظ کے معنی میں لیا جائے تو ان دونوں لفظوں کے درمیان علاقہ یعنی تعلق ضروری ہے یہاں اسم ظرف اور اسم مفعول یا مصدر میمی اور اسم مفعول کے درمیان کیا علاقہ ہے۔

جواب: مصدر اور اسم مفعول کے درمیان علاقہ کلیت اور جزئیت کا ہے اس لئے کہ اسم مفعول مصدر ہی سے بنایا جاتا ہے اس لحاظ سے اسم مفعول مصدر کا جزء بنتا ہے اور اسم ظرف اور اسم مفعول کے درمیان علاقہ فُضلیت کا ہے اس لئے کہ اسم ظرف اور

اسم مفعول دونوں زائد ہوتے ہیں بلکہ کہا جاتا ہے ''المنصوبات فُضلة '' کہ منصوبات سارے کے سارے زائد ہوتے ہیں اس لئے کہ جملہ فعل اور فاعل کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔

......معنیً کا اصل معنی کیا ہے؟......

......اگر **معنی** کو اسم ظرف یا مصدر میمی بنائیں تو یہ اصل میں مَعْنَیٌ تھا۔ یاء متحرک ماقبل مفتوح یاء کو الف سے بدل دیا تو معنانٌ ہو گیا پھر الف اور تنوین کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کو گرا دیا تو معنیً ہو گیا۔ اور اگر معنی کو اسم مفعول بنائیں تو یہ اصل میں مَعْنُوِیٌ تھا مَرْ مُوِیٌ کیطرح۔ واؤ اور یاء دونوں ایک کلمہ میں اکٹھی ہو گئیں ان میں پہلا حرف یعنی واؤ ساکن ہے اور کسی سے بدلا ہوا بھی نہیں بلکہ اصلی ہے تو سید اور مَرْمِیٌّ والے قاعدہ کے مطابق اس واؤ کو یاء سے بدل دیا پھر یاء کا یاء میں ادغام کیا تو مَعْنُیٌّ ہو گیا۔۔ پھر یاء کی مناسبت سے یاء کے ماقبل ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا تو مَعْنِیٌّ ہو گیا پھر خلاف قیاس نون کے کسرہ کو فتحہ سے بدلا اور ایک یاء کو گرا دیا تو مَعْنَیٌ ہو گیا پھر یا متحرک ماقبل مفتوح ہے تو اس یاء کو باع والے قانون کے مطابق الف سے بدل دیا تو معنانٌ ہو گیا پھر الف اور تنوین کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کو گرا دیا تو معنیً ہو گیا۔

☆......معنیً کو اسم ظرف، مصدر میمی اور اسم مفعول میں سے کیا بنانا بہتر ہے؟......

معنیً کو اسم ظرف یا مصدر میمی بنانا باعتبار لفظ کے قریب ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنی کے صیغہ میں تاویل کم کرنی پڑتی ہے مگر باعتبار معنی کے بعید ہے اس لئے کہ ان کو مجازاً اسم مفعول کے معنی میں لینا پڑتا ہے اور معنی کو اسم مفعول بنانے کی صورت میں باعتبار معنی کے قریب ہے اس لئے کہ اس کو اپنے معنی میں ہی رکھا جاتا ہے مگر باعتبار لفظ کے بعید ہے اس لئے کہ اس میں بہت تعلیلات کرنی پڑتی ہیں۔

☆معنیً کا اصطلاحی معنی۔۔۔معنیً کا اصطلاحی معنی ہے

☆......''مَایُقْصَدُ بِشَیْئٍ لَفْظًا کَانَ اَوْ غَیْرَهٗ '' ☆۔معنی وہ ہوتا ہے جس کا ارادہ کیا جائے خواہ لفظ ہو یا غیر لفظ ہو

۞......**اعتراض۔ معنیً** کا اصطلاحی معنی یہ کیا گیا ہے کہ جس کا ارادہ کیا جائے۔ یعنی جس کا ارادہ کیا جائے

وہ اس کا معنی ہوتا ہے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ حروف ہجا سے ترکیب مقصود ہوتی ہے تو اس لحاظ سے حروف ہجا کا معنی غرض ترکیب ہوا حالانکہ ترکیب کو حروف ہجا کا معنی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے معنی کا یہ اصطلاحی معنی درست نہیں۔

☆ ...... **جواب** :اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ معنی اس کو کہتے ہیں جو لفظ سے قصد کئے جائیں اور وہ لفظ میں داخل ہوں اور غرض ترکیب الفاظ بھی نہیں بلکہ فعل ہے اور لفظ میں داخل بھی نہیں بلکہ یہ حروف ہجا سے خارج ہے اس لئے غرض ترکیب کو حروف ہجا کا معنی نہیں کہہ سکتے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ معنی وہ ہوتا ہے کہ جب لفظ بولا جائے تو وہ معنی سمجھ آئے جبکہ حروف ہجا کے بولنے سے غرض ترکیب سمجھ نہیں آتی اس لئے غرض ترکیب کو حروف ہجا کا معنی نہیں کہہ سکتے۔

☆......مُفْرَدٌ......☆

مفرد کو مرفوع مُفْرَدٌ۔ منصوب مفرداً اور مجرور مفردٍ تینوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔

اگر مفردٌ کو مرفوع پڑھیں تو یہ **لفظ** کی صفت ہوگی......اور اگر مفردٍ مجرور پڑھیں تو یہ **معنًی** کی صفت ہوگی......اور اگر مُفرداً منصوب پڑھیں تو یہ حال واقع ہوگا۔ اور اس کے ذو الحال میں دو احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ اس کا ذو الحال **وُضِعَ** کے اندر **ھُوَ** ضمیر مستتر ہے جو لفظ کی طرف لوٹتی ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہوتا ہے جو معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ لفظ مفرد ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مفرداً کا ذو الحال معنیً ہو اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہوتا ہے جو معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ معنی مفرد ہو۔

۞......**اعتراض**: مفردٌ کو لفظٌ کی صفت نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے کہ لفظٌ کی پہلی صفت وُضع لمعنیً ہے جو کہ جملہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی موصوف کی دو صفتیں ہوں ان میں سے ایک مرکب اور ایک مفرد ہو تو مفرد کو مرکب پر مقدم کرتے ہیں۔ اگر مفردٌ لفظٌ کی صفت ہوتی تو قاعدہ کے مطابق اس کو وُضِعَ لِمَعْنًی سے مقدم ہونا چاہیے تھا۔ اس اعتراض کے **دو جواب** دیئے گئے ہیں۔

☆......**پہلا جواب**:۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ مفرد صفت کو مرکب صفت پر مقدم کرنا چاہیئے بلکہ قرآن کریم میں تو اس کے

خلاف موجود ہے جیسے'' وھذا کتاب انزلناہ مبارک ''میں انزلناہ اور مبارک دونوں کتابٌ کی صفتیں ہیں پہلی صفت انزلناہ ہے جو مرکب ہے اور دوسری صفت مبارکٌ ہے جو کہ مفرد ہے۔ اسی طرح وضع لمعنی جملہ اور مفردٌ مفرد ہونے کے باوجود اسی ترتیب کے ساتھ لفظٌ کی صفات بن سکتی ہیں۔

☆......**دوسرا جواب** ۔جب کسی موصوف کی دوصفات ہوں ایک مرکب اور ایک مفرد ہو تو مفرد کو مرکب پر مقدم کرنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ مرکب کو مقدم کرنے میں کوئی نکتہ اور مصلحت نہ ہو اور جب مرکب کو مقدم کرنے میں کوئی نکتہ یا مصلحت ہو تو پھر مرکب کو مفرد پر مقدم کیا جاسکتا ہے اور یہاں وضع لمعنی کو مقدم کرنے میں نکتہ اور مصلحت یہ ہے کہ لفظ کا موضوع للمعنی ہونا پہلے اور مفرد ہونا بعد میں ہوتا ہے۔ یعنی کلمہ کی تعریف میں لفظ موضوع للمعنی ہونے کا اعتبار پہلے اور مفرد ہونے کا اعتبار بعد میں ہوتا ہے۔

مفردٍ کی مجرور حالت......اگر مفردٍ کو معنیً کی صفت بنا کر مجرور پڑھیں تو معنی یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہوتا ہے جو ایسے معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو جو معنی مفرد ہو۔

۞......**اعتراض**. مفردٍ کو معنیً کی صفت بنانا درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں معنی کا مفرد ہونا پہلے اور لفظ کیلئے وضع ہونا بعد میں ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ موصوف کا اپنی صفت کے ساتھ تعلق پہلے اور فعل یا شبہ فعل کے ساتھ تعلق بعد میں ہوتا ہے جیسے'' جاء زید عالم ''میں زید کا وصف علم کے ساتھ تعلق پہلے اور جاء کے ساتھ تعلق بعد میں ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق معنیً کا وَصفِ اِفراد کے ساتھ تعلق پہلے اور وضع کے ساتھ اس کا تعلق بعد میں ثابت ہوتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ معنی کا وضع کے ساتھ تعلق پہلے اور وصف افراد کے ساتھ تعلق بعد میں ہے اس لئے مفرد کو معنی کی صفت نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے **دو جوابات** دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب ۔ یہ دیا گیا ہے کہ اس میں مایول کا اعتبار کر کے مجازاً ایسا کہہ دیا گیا ہے جیسے کوئی بچہ قرآن کریم حفظ کرنا شروع کرے تو مایؤل (اس کے آخر نتیجہ) کا اعتبار کر کے اس کو حافظ صاحب کہہ دینا درست ہے۔ اسی طرح معنی کی مایول کے اعتبار سے مجازاً وصف مُفرَدٌ بیان کر دی گئی کہ وضع کا آخر نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ معنی وصف افراد کے ساتھ متصف

ہوتا ہے۔

☆......**دوسرا جواب**:۔وضع اور افراد کا زمانہ قریب قریب ہے یعنی وضع کے متصل بعد معنی کا افراد پایا جاتا ہے اس لئے وضع اور افراد کے درمیان جو معمولی قبلیت اور بعدیت تھی اس کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ اتصال کا لحاظ رکھ کر مجازاً مفرد کو معنی کی صفت بنا دیا گیا ہے۔

۞......**اعتراض** ---۔یہاں کلمہ کی تعریف کی جا رہی ہے اور تعریفات میں حقیقت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور مجاز کا استعمال تعریفات میں درست نہیں ہوتا اس لئے **مفرد** کو مجازاً **معنیً** کی صفت بنانا درست نہیں ہے۔

☆......**جواب**: مجاز کی دو قسمیں ہیں (۱) مجاز متعارف (۲) مجاز غیر متعارف ۔

☆......مجاز متعارف حقیقت کے قریب قریب ہوتا ہے اس لئے اس کا استعمال تعریفات میں ممنوع نہیں ہوتا بلکہ وہ تعریفات میں استعمال ہوتا ہے۔اور یہاں بھی مجاز متعارف ہے،

☆......مفرداً کی نصبی حالت......☆

اگر مفرداً کو معنیً سے حال بنا کر منصوب پڑھیں تو اس پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض: حال فاعل یا مفعول سے واقع ہوتا ہے جبکہ **لمعنیً** نہ فاعل ہے اور نہ ہی مفعول ہے اس لئے اس کو ذوالحال بنانا درست نہیں ہے۔

جواب:۔مفعول بہ عام ہے خواہ صریح ہو یا غیر صریح ہو۔ نحویوں کی اصطلاح میں جار مجرور کو مفعول بہ غیر صریح کہتے ہیں۔جب **لمعنیً** جار مجرور ہے تو یہ مفعول بہ غیر صریح ہے اس لئے اس کو ذوالحال بنانا درست ہے۔

دوسرا اعتراض۔قاعدہ ہے کہ جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو ذوالحال پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہاں لمعنی نکرہ ہے تو مفرداً کو اس پر مقدم کیوں نہیں کیا گیا۔

☆**جواب**:۔یہ قاعدہ بھی ہے کہ نکرہ ذوالحال پر حال کو اس وقت مقدم کیا جاتا ہے جب کہ ذوالحال جار مجرور نہ ہو اور جب ذوالحال جار مجرور ہو تو اس صورت میں حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا درست نہیں ہے اور یہاں **لمعنی** ذوالحال جار مجرور

ہے اس لئے **مفردا** کو اس پر مقدم کرنا درست نہیں ہے۔

☆ **تیسرا اعتراض** ۔قاعدہ ہے کہ جب اسم کے آخر میں تنوین نصب کی صورت میں ہو تو اس کو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جیسے علیماً، حکیماً وغیرہ میں اگر مفرد حال واقع ہو کر منصوب مُنَوَّنْ ہوتا تو اس کو بھی الف کے ساتھ لکھا جاتا حالانکہ کافیہ کے کسی نسخہ میں بھی اس کو الف کے ساتھ نہیں لکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ منصوب نہیں جب منصوب نہیں تو یہ حال نہیں بن سکتا۔

جواب: ۔اسم منصوب مُنَوَّنْ کے آخر میں الف لکھنا اس وقت ضروری ہے جبکہ اس کی نصب یقینی ہو اور نصب کے علاوہ اس میں کوئی اور احتمال نہ ہو۔ اگر نصب کے علاوہ اسمیں کوئی اور احتمال بھی ہو تو پھر اس کے آخر میں الف نہیں لکھا جاتا۔ یہاں چونکہ مفرد میں نصب کے علاوہ اس کے مجرور اور مرفوع ہونے کا احتمال بھی ہے اس لئے اس کے آخر میں الف نہیں لکھا گیا۔

☆...... **چوتھا اعتراض** ۔ ذوالحال اور حال کا آپس میں تعلق ایسا ہوتا ہے جیسا کہ موصوف کا صفت کے ساتھ تو جیسے موصوف کا صفت کے ساتھ تعلق پہلے اور فعل کے ساتھ بعد میں ہوتا ہے اسی طرح ذوالحال کا حال سے تعلق پہلے اور فعل سے بعد میں ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر مفرداً کو معنیً سے حال بنائیں تو معنیً کا مفرد ہونا پہلے اور وضع ہونا بعد میں ثابت ہوتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

جواب :۔اس کا جواب بھی وہی دیا گیا ہے جو مفرد کو معنی کی صفت بنانے کی صورت میں دیا گیا ہے کہ یہ مجاز اما یؤل کے اعتبار سے یا اتصال کا لحاظ رکھ کر ہے۔

☆...... **پانچواں اعتراض**:۔قاعدہ ہے کہ ذوالحال اور حال کا عامل ایک ہوتا ہے جبکہ یہاں مفرد حال کا عامل وضع ہے اور معنی ذوالحال کا عامل لام جارہ ہے۔

☆...... **جواب** :۔جس طرح مفرد حال کا عامل وضع ہے۔اسی طرح معنی ذوالحال کا عامل بھی بواسطہ لام جارہ وضع ہی ہے اس لئے دونوں کا عامل ایک ہی ہے۔

......مفرداً کو وُضِعَ کی ضمیر سے حال بنانا......

اگر مفرداً کو وضع کی ضمیر سے حال بنائیں تو معنی یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ لفظ مفرد ہو۔اس صورت میں بھی کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض :۔اگر مفرداً حال ہے تو منصوب مُنَوَّنْ ہونے کی وجہ سے اس کے آخر میں الف ہونا چاہیے۔

☆ ......**جواب** :۔چونکہ نصب کے علاوہ اور احتمال بھی اس میں ہے اس لئے الف نہیں لکھا گیا۔

☆ **دوسرا اعتراض**:۔قاعدہ ہے کہ ذوالحال کے عامل اور حال کے درمیان اتحاد زمانی ہوتا ہے یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہوتا ہے اور یہاں ضمیر مستتر جو ذوالحال ہے اس کا عامل وُضِعَ ہے اور وضع پہلے ہوتی ہے اور لفظ کا مفرد ہونا بعد میں ہوتا ہے تو اس لحاظ سے ذوالحال کے عامل اور حال کے درمیان اتحاد زمانی نہیں پایا جارہا۔اس لئے **مفرداً** کو وضع کی ضمیر سے حال نہیں بنایا جاسکتا۔

جواب :۔ذوالحال کے عامل اور حال کے درمیان اتحاد زمانی یعنی زمانہ کا ایک ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مقارنت زمانی یعنی دونوں کے زمانوں کا ایک دوسرے سے ملا ہوا ہونا شرط ہے اور یہاں مقارنت زمانی پائی جارہی ہے اس طرح کہ لفظ کے وضع ہونے کے متصل بعد اس کا مفرد ہونا پایا جاتا ہے۔

☆ ......**تیسرا اعتراض** :۔حال کو ذوالحال کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔اگر **مُفْرَداً وُضِعَ** کی ضمیر سے حال ہوتا تو اس کو وضع کے ساتھ ہی ذکر کیا جاتا حالانکہ یہاں **وُضِعَ** اور **مُفْرَداً** کے درمیان **لمعنیً** کا فاصلہ ہے۔

☆ ......**جواب**:۔حال کو ذوالحال کے ساتھ ذکر کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جبکہ ساتھ ذکر نہ کرنے کی وجہ سے التباس لازم آتا ہو اور جہاں التباس لازم نہ آتا ہو وہاں ذوالحال اور حال کے درمیان فاصلہ لانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا اور یہاں کوئی التباس لازم نہیں آتا اس لئے **وُضِعَ** اور **مُفْرَداً** کے درمیان **لمعنیً** کا فاصلہ لانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

﴾......**چوتھا اعتراض**:۔ اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال بنائیں تو لفظ کا مفرد ہونا پہلے اور اس کا وضع ہونا بعد میں ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ **ھو** ضمیر لفظ کی جانب راجع ہے اور معنی یہ ہے کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ لفظ مفرد ہو۔ ☆ ......**جواب**: اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ یہ مایؤل کے اعتبار سے مجازاً ہے۔

﴾......**مفرد کی تعریف**:۔ مفرد وہ ہوتا ہے جو اکیلا ایک معنی پر دلالت کرے یعنی لفظ کے جزء سے معنی کے جزء پر دلالت مقصود نہ ہو۔ علم نحو میں مفرد چار چیزوں کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) مرکب کے مقابلہ میں اور یہ کلمہ کی بحث میں ہوتا ہے (۲) جملہ کے مقابلہ میں اور یہ مبتدا وخبر کی بحث میں ہوتا ہے ۔(۳) تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں اور یہ بھی مبتداء اور خبر کی بحث میں ہوتا ہے (۴) مضاف اور مشابہ بالمضاف کے مقابلہ میں اور یہ لائے نفی جنس کے اسم کی بحث میں ہوتا ہے۔

﴾......**وَهِیَ اسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ**: ......﴿......اور وہ کلمہ اسم اور فعل اور حرف ہوتا ہے۔

علامہ ابن حاجبؒ نے پہلے کلمہ کی تعریف کی اور اب اس کی تقسیم کرتے ہیں۔۔ اور کئی وجوہات کی بنا پر تقسیم سے پہلے کلمہ کی تعریف کی ہے۔

پہلی وجہ:۔ تعریف کے ذریعہ سے شیئ ذھن میں پائی جاتی ہے اور تقسیم کے ذریعہ سے خارج میں پائی جاتی ہے اور شیئ کا خارج کی بہ نسبت ذھن میں پایا جانا مقدم ہوتا ہے اس لئے کلمہ کی تعریف پہلے اور تقسیم بعد میں کی ہے۔

دوسری وجہ:۔ تعریف کے ذریعے سے شیئ اجمالاً معلوم ہوتی ہے اور تقسیم کے ذریعہ سے تفصیلاً معلوم ہوتی ہے اور تفصیل سے اجمال مقدم ہے اس لئے تعریف پہلے کی ہے۔

تیسری وجہ:۔ تعریف کے ذریعہ سے شیئ کا مفہوم اور تقسیم کے ذریعہ سے اس کا مصداق معلوم ہوتا ہے اور مصداق کی بہ نسبت مفہوم مقدم ہوتا ہے اس لئے تعریف پہلے کی ہے۔

☆......**ھی ضمیر کا مرجع**۔۔۔۔ھی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ الکلمۃ کا لفظ اس کا مرجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ الکلمۃ کا لفظ نہیں بلکہ اس کا مفہوم اس کا مرجع ہے۔ اگر ھی ضمیر کا مرجع الکلمۃ کے لفظ کو بنائیں تو ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت ہوگی اس لئے کہ الکلمۃ بھی مونث ہے اور ھی ضمیر بھی مونث ہے۔مگر اس پر تین اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

۞......**پھلا اعتراض** :۔ ھی ضمیر کا مرجع الکلمۃ ہے۔اور ھی ضمیر مبتدا ہے اور **اسمٌ و فعلٌ وحرفٌ** اس کی خبر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ خبر کا حمل مبتداء پر ہوتا ہے اس لحاظ سے اسم کا حمل تو الکلمۃ پر درست ہے اس لئے کہ الکلمۃ اسم ہے۔مگر **فِعلٌ وحَرفٌ** کا حمل درست نہیں۔اس لئے کہ معنی یہ بن جاتا ہے کہ **الکلمۃ** فعل ہے اور حرف ہے حالانکہ **الکلمۃ** نہ فعل ہے اور نہ حرف ہے بلکہ اسم ہے۔

☆......**جواب** :۔ھی ضمیر کا مرجع تو **الکلمۃ** کا لفظ ہے مگر خبر کا حمل **الکلمۃ** کے لفظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مفہوم کے لحاظ سے ہے۔اور مفہوم کلمہ اسم بھی ہے اور فعل بھی ہے اور حرف بھی ہے۔

دوسرا اعتراض :۔ **الکلمۃ** کا لفظ اسم ہے اور اس کی اقسام اسم، فعل اور حرف بنائی گئی ہیں۔تو یہ تقسیم **الشیئی الی نفسہ** والی غیرہ لازم آتی ہے یعنی الکلمۃ جو اسم ہے اس کو اسم اور فعل وحرف میں تقسیم کیا گیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

۞......**تیسرا اعتراض** :۔...... **الکلمۃ** کا لفظ ذات ہے اور اس کی تقسیم کی جارہی ہے حالانکہ تقسیم ذات کی نہیں بلکہ مفہوم کی ہوتی ہے۔

جواب :۔ان دونوں اعتراضوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ھی ضمیر کا مرجع تو الکلمۃ کا لفظ ہی ہے مگر تقسیم مفہوم کلمہ کی ہے۔ جب تقسیم مفہوم کلمہ کی ہے تو نہ تَقسِیمُ الشَّیئِی اِلٰی نَفسِہٖ وَاِلٰی غَیرِہٖ لازم آتی ہے اور نہ ہی ذات کی تقسیم لازم آتی ہے۔

...........ھی ضمیر کا مرجع مفہوم کلمہ

اگر ھی ضمیر کا مرجع الکلمۃ کے لفظ کو نہیں بلکہ مفہوم کلمہ کو بنائیں تو اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں اس لئے کہ ھی ضمیر مونث ہے جبکہ مفہوم کلمہ مذکر ہے۔

☆......**جواب** اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ درست نہیں کہ الکلمۃ کا مفہوم مذکر ہے اس لئے کہ مفہوم کلمہ کے تابع ہوتا ہے اگر کلمہ مذکر ہو تو مفہوم مذکر اور اگر کلمہ مونث ہو تو مفہوم مونث ہوتا ہے اور یہاں الکلمۃ مونث ہے تو اس کا مفہوم بھی مونث ہے اس لئے ھی ضمیر مفہوم کلمہ کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔

......اسمٌ میں لغات.........اِسْمٌ میں اٹھارہ لغات ہیں۔

(۱) ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اِسْمٌ (۲) ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اَسْمٌ (۳) ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ اُسْمٌ (۴) ہمزہ کو گرا کر سین کے کسرہ کے ساتھ سِمٌ (۵) ہمزہ گرا کر سین کے فتحہ کے ساتھ سَمٌ (۶) ہمزہ گرا کر سین کے ضمہ کے ساتھ سُمٌ (۷) ہمزہ کی جگہ آخر میں تا لا کر اور سین کے کسرہ کیساتھ سِمَۃٌ (۸) آخر میں تاء لا کر سین کے فتحہ کے ساتھ سَمَۃٌ (۹) آخر میں تاء لا کر سین کے ضمہ کے ساتھ سُمَۃٌ (۱۰) ہمزہ گرا کر آخر میں الف تاء کا اضافہ کر کے سین کے کسرہ کے ساتھ سِمَاۃٌ (۱۱) سین کے فتحہ ساتھ سَمَاۃٌ (۱۲) سین کے ضمہ کے ساتھ سُمَاۃٌ (۱۳) ہمزہ گرا کر آخر میں الف کا اضافہ کر کے سین کے کسرہ کے ساتھ سِمَا (۱۴) سین کے فتحہ کے ساتھ سَمَا (۱۵) سین کے ضمہ کے ساتھ سُمَا (۱۶) ابتداء سے ہمزہ گرا کر آخر میں الف اور ہمزہ کا اضافہ کر کے سین کے کسرہ کے ساتھ سِمَاءٌ (۱۷) سین کے فتحہ کے ساتھ سَمَاءٌ (۱۸) سین کے ضمہ کے ساتھ سُمَاءٌ)

﴿......اسم کا اصل......:۔اسم کے اصل میں بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف ہے۔

﴿''بصری کہتے ہیں''﴾......کہ اسم کا اصل سِمْوٌ تھا۔آخر سے واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض ابتداء میں ہمزہ لے آئے تو اِسْمٌ ہو گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سِمْو کا معنی ہے بلند ہونا اور اسم بھی اپنے دو قسیموں فعل اور حرف پر بلند ہوتا ہے اس لئے کہ اسم مسند اور مسند الیہ دونوں بن سکتا ہے اور فعل صرف مسند ہوتا ہے اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ ہی مسند الیہ ۔جب اسم اپنے دونوں قسیموں پر بلند ہوتا ہے تو اسی لئے اس کو اسم کہتے ہیں۔

﴿''اور کوفی کہتے ہیں''﴾......کہ اسم کا اصل وِسْمٌ تھا واؤ کی جگہ ہمزہ لائے تو اِسْمٌ ہو گیا اور وِسْمٌ کا معنی ہے علامت اور نشانی۔اور اسم بھی اپنے معنی پر علامت اور نشان ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہتے ہیں۔نیز یہ کہ اس صورت میں ابتداء ہی کی واؤ کو ہمزہ سے بدلا جاتا ہے جب کہ سِمْوٌ کی صورت میں آخر کی واؤ کی جگہ ابتداء میں ہمزہ لایا جاتا ہے۔جو کہ وِسْمٌ میں تعلیل کہ بہ نسبت بعید تعلیل ہے۔

مگر **بصریوں کا قول راجح** ہے اس لئے کہ جس طرح اسم اپنے معنی پر علامت ہوتا ہے اسی طرح فعل اور حرف بھی تو اپنے اپنے معنی پر علامت ہوتے ہیں اس لئے ان کو بھی اسم کہنا چاہیئے۔اور بصری اپنے نظریہ پر یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ تصغیر اسماء کو اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے ۔اور اِسْمٌ کی تصغیر سُمَیٌّ آتی ہے جو اصل میں سُمَیْوٌ تھا واؤ کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام کیا تو سُمَیٌّ ہو گیا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسمٌ اصل میں سِمْوٌ تھا۔

﴿......فعل اور حرف کی وجہ تسمیہ......﴾

فعل درحقیقت فاعل کا فعل ہوتا ہے تو اصل کا لحاظ رکھ کر اس کو فعل کہتے ہیں۔حرف کا معنی ہے کنارہ۔اور یہ بھی کنارہ پر واقع ہوتا ہے اس لئے اسکو حرف کہتے ہیں۔

☆......**اعتــــراض**:۔یہ درست نہیں کہ حرف کنارہ پر ہی واقع ہوتا ہے بلکہ وہ کبھی درمیان میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے اُرِیْدُ اَنْ تُحْسِنَ میں اَنْ حرف ہے اور دو فعلوں کے درمیان واقع ہے۔

جواب:۔ کنارہ میں واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسم اور فعل کے جانب مقابل واقع ہوتا ہے۔

۞...... **اعتراض**۔ اسم اور فعل تو اپنے معنی میں مستقل ہوتے ہیں جبکہ حرف غیر مستقل ہوتا ہے تو حرف کیسے اسم اور فعل کے جانب مقابل ہوسکتا ہے۔

جواب:۔ جانب مقابل کا مطلب یہ ہے کہ اسم اور فعل عمدہ کلام میں واقع ہوتے ہیں اس لئے کہ اسم مسند اور مسند الیہ دونوں اور فعل صرف مسند بن سکتا ہے جبکہ حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ اس لیے یہ اسم اور فعل کے جانب مقابل ہوتا ہے۔

وَهِيَ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ میں اسم کو پہلے ذکر کرنے کیوجہ:۔ کلمہ کی اقسام بیان کرتے ہوئے پہلے اسم کو بیان کیا اس لئے کہ وہ مسند اور مسند الیہ دونوں بن سکتا ہے اس لحاظ سے وہ اپنے دونوں قسموں فعل اور حرف سے اعلی ہے۔ پھر فعل کا ذکر کیا ، اس لئے کہ فعل مسند بن سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں بن سکتا اس لحاظ سے یہ اسم سے کم درجہ اور حرف سے اعلی ہے۔ اور حرف نہ مسند بن سکتا ہے اور نہ مسند الیہ بن سکتا ہے اس لئے اس کا ذکر آخر میں کیا۔

هی کو مبتدا اور وَهِيَ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ کو خبر بنانے پر اعتراضات:۔

هی مبتدا ہے اور اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ اس کی خبر ہے اس پر تین اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

☆...... **پہلا اعتراض**:۔ مبتدا اور خبر میں تذکیر و تانیث کے لحاظ سے مطابقت ہوتی ہے جبکہ یہاں **هی** ضمیر مونث ہے اور وَهِيَ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْف مذکر ہے تو مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں۔

جواب :۔ مبتدا اور خبر میں تذکیر و تانیث کے لحاظ سے مطابقت وہاں ضروری ہوتی ہے جہاں مبتدا اور خبر دونوں اسم ظاہر ہوں اور یہاں مبتدا اسم ظاہر نہیں بلکہ اسم ضمیر ہے اس لئے مطابقت ضروری نہیں۔

دوسرا اعتراض:۔ قاعدہ ہے کہ جب ضمیر دائر ہو مرجع اور خبر کے درمیان تو تذکیر و تانیث کے لحاظ سے ضمیر خبر کے مطابقت لائی جاتی ہے مگر علامہ ابن حاجبؒ نے **الکلمة** مرجع کا لحاظ رکھ کر ضمیر مونث لائی ہے حالانکہ اسکو اسمٌ وفعلٌ وحرف خبر کا لحاظ رکھ کر ھو ضمیر مذکر لانی چاہیے تھی۔۔۔۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔ یہ قاعدہ ہی معتبر نہیں کہ جب ضمیر مرجع اور خبر کے درمیان دائر ہو تو ضمیر خبر کے مطابق لانی چاہیے۔

دوسرا جواب:۔ اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ ھی کی خبر نہیں بلکہ ھی کی خبر "مُنْقَسِمَةٌ اِلٰی ثَلاثَةِ اَقْسَامٍ" ہے جو کہ محذوف ہے یعنی وہ کلمہ تین اقسام میں منقسم ہوتا ہے۔اور اسمٌ خبر ہے مبتدا محذوف احدھا کی اور فِعلٌ خبر ہے ثانیھا محذوف کی اور حرفٌ خبر ہے ثالثھا محذوف کی۔جب ھِیَ اِسْمٌ آپس میں مبتدا خبر ہی نہیں تو عدم مطابقت کا اعتراض ہی نہیں ہوسکتا۔

تیسرا اعتراض:۔ جس چیز کو تقسیم کیا جاتا ہے اس کو مقسم کہتے ہیں اور جو اقسام حاصل ہوتی ہیں وہ اس چیز کی اقسام ہوتی ہیں اور وہ اقسام آپس میں ایک دوسرے کی قسیم ہوتی ہیں۔ یہاں کلمہ مقسم ہے۔اسم فعل اور حرف اس کی اقسام ہیں اور یہ آپس میں ایک دوسرے کی قسیم ہیں۔

کلمہ کی اقسام میں حرف عطف لانے پر اعتراض:۔

علامہ ابن حاجبؒ نے کلمہ کی تقسیم کرتے ہوئے کہا ہے **ھی اسم و فعل و حرف**۔ کہ کلمہ کی اقسام اسم، فعل، اور حرف ہیں۔اور اقسام کے درمیان واؤ عاطفہ لائے ہیں اور واؤ جمعیت کے لئے آتی ہے تو اس لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ اسم فعل اور حرف کا مجموعہ کلمہ ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسم۔فعل اور حرف میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ کلمہ ہے۔اسکے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔ تقسیم کی دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم کہ کلی کی تقسیم اپنی جزئیات کی طرف ہو اور دوسری قسم یہ ہے کہ کل کی تقسیم اپنے اجزاء کی طرف ہو۔اور قاعدہ ہے کہ جہاں عطف ہوتا ہے وہاں معطوف اور معطوف علیہ میں ربط ہوتا ہے اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جہاں کل کی تقسیم اپنے اجزاء کی طرف ہو تو وہاں عطف مقدم اور ربط موخر ہوتا ہے اور حکم مجموعہ پر لگتا ہے جیسے ٹھنڈے شربت کے اجزاء۔پانی۔شکر۔اور برف ہیں تو ٹھنڈے شربت کا حکم ان کے مجموعہ پر لگے گا ان میں سے ہر ایک پر نہیں اور جہاں کلی کی تقسیم اپنی جزئیات کی طرف ہوتی ہے تو وہاں ربط مقدم اور عطف موخر ہوتا ہے اور حکم ہر ایک فرد پر لگتا ہے جیسے انسان کی تقسیم زید . بکر . عمرو ۔وغیرہ کی طرف ہو تو ان میں سے ہر ایک پر انسان ہونے کا حکم لگتا ہے۔اسی طرح یہاں بھی الکلمۃ کلی ہے اور کلی کی تقسیم اپنی جزئیات کی طرف ہے اس لئے ربط مقدم اور عطف موخر ہے اور کلمہ ہونے کا حکم

اسم . فعل ۔اور حرف میں سے ہرایک پر لگتا ہے۔

دوسرا جواب :۔اسم و فعل و حرف میں جو واؤ ہے وہ اَوْ کے معنی میں ہے اور معنی یہ ہے کہ کلمہ یا اسم ہوتا ہے یا فعل ہوتا ہے یا حرف ہوتا ہے۔ان کے علاوہ نہیں ہوتا۔جب واؤ جمعیت کے لئے یہاں ہے ہی نہیں تو اعتراض بھی وارد نہیں ہوسکتا۔

"لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ تَدُلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِهَا اَوْلَا اَلثَّانِیْ اَلْحَرْفُ وَالْاَوَّلُ اِمَّا اَنْ یَّقْتَرِنَ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ اَوْلَا اَلثَّانِیْ اَلْاِسْمُ وَالْاَوَّلُ الْفِعْلُ وَقَدْ عُلِمَ بِذٰلِکَ حَدُّ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا......

"اس لئے کہ بے شک وہ کلمہ یا تو بذاتہا یعنی خود بخود معنی پر دلالت کرے گا یا نہ کرے گا۔دوسرا (معنی پر خود بخود دلالت نہ کرے) ہو تو حرف ہے اور پہلا (معنی پر خود بخود دلالت کرے) یا تو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کیساتھ ملا ہوا ہوگا یا نہ ہوگا۔دوسرا یعنی کسی زمانہ سے ملا ہوا نہ ہو تو وہ) اسم ہے اور پہلا (جو کسی زمانہ سے ملا ہوا ہو تو وہ) فعل ہے اور بے شک اس کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم کر لی گئی ہے۔

لانها ۔۔۔یہاں سے علامہ ابن حاجبؒ کلمہ کے تین اقسام میں منحصر ہونے کی دلیل اور وجہ حصر بیان کر رہے ہیں۔کہ کلمہ کی تین ہی صورتیں ہوسکتی ہے ایک صورت یہ ہے کہ وہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت نہ کرے بلکہ دوسرے کلمے کا محتاج ہو تو وہ حرف ہے۔دوسری صورت یہ کہ اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور اس میں ماضی۔حال اور مستقبل تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ نہ پایا جائے تو وہ اسم ہے۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ اپنے معنی پر خود بخود پر دلالت کرنے کے ساتھ اسمیں کوئی زمانہ بھی پایا جائے تو وہ فعل ہے۔بعض حضرات نے کلمہ کی تین اقسام میں وجہ حصر یوں بیان کی ہے کہ کلمہ یا تو ذات ہوگا یا وصف ہوگا یا ربط ہوگا۔اگر ذات ہو تو اسم اور اگر وصف ہو تو فعل اور اگر ربط ہو تو حرف ہوگا۔

۞...... **اعتراض**۔قاعدہ یہ ہے کہ پہلے دعوی کیا جاتا ہے اور پھر دلیل دی جاتی ہے۔مصنف نے جب حصر کا دعوی ہی نہیں کیا تو دلیل کیسے بیان کر رہے ہیں۔

۞...... **پہلا جواب**:۔جب مصنف نے کلمہ کی تین ہی اقسام بیان کر کے سکوت کیا ہے تو یہ سکوت کرنا ہی حصر کے دعوی کے مترادف ہے اس لئے کہ اگر اور اقسام بھی ہوتیں تو سکوت نہ کرتا۔

۞...... **دوسرا جواب**:۔جب اسم وفعل وحرف کے درمیان واؤ کو اَوْ کے معنی میں لیا گیا ہے تو معنی یہ ہو گیا کہ کلمہ یا تو اسم ہے یا فعل ہے یا حرف ہے ان کے علاوہ نہیں یعنی کلمہ ان تین ہی میں بند ہے تو حصر کا دعوی ثابت ہو گیا۔

۞...... **تیسرا جواب**:۔"لانها" جار مجرور کا متعلق محذوف ہے اور اصل عبارت ہے "وَمُنْحَصِرَةٌ فِيهَا لِاَنَّهَا" اور وہ کلمہ ان اقسام میں منحصر ہے اس لئے کہ وہ۔جب **لانها** کا متعلق منحصرۃ محذوف ہے اور قاعدہ ہے کہ **اَلْمَحْذُوفُ كَالْمَذْكُورِ** کہ محذوف مذکور کیطرح ہوتا ہے تو حصر کا دعوی پایا گیا اور آگے **لانها** سے اسکی دلیل دے دی۔

﴿لام کی اقسام﴾۔لانها میں لام جارہ ہے اور لام کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم لام جارہ:۔یہ اسم پر داخل ہوتا ہے پھر اگر اسم ظاہر پر داخل ہو تو مکسور ہوتا ہے جیسے **لِزَيْدٍ** ۔اور اگر واحد متکلم کی ضمیر کے علاوہ کسی اور ضمیر پر داخل ہو تو مفتوح ہوتا ہے۔جیسے **لَهُ . لَكَ** اور **لَنَا** وغیرہ اور اگر واحد متکلم کی ضمیر پر داخل ہو تو مکسور ہوتا ہے جیسے **لِيْ**۔

دوسری قسم لام تعریف۔یہ بھی اسم پر داخل ہوتا ہے اور اکیلا نہیں ہوتا بلکہ الف کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **اَلْحَمْدُ**۔

تیسری قسم لام تاکید:۔یہ مفتوح ہوتا ہے اور اسم پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے **لَزَيْدٌ** اور فعل پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے **لَيَضْرِبَنَّ**

چوتھی قسم لام امر:۔یہ فعل امر پر داخل ہوتا ہے اور مکسور ہوتا ہے جیسے **لِيَفْعَلْ**

حصر کی اقسام:۔علامہ ابن حاجبؒ نے **لانها** سے دلیل حصر بیان کی ہے تو یہ حصر کونسا ہو گا اس لئے کہ حصر کی چار قسمیں ہیں (۱) حصر عقلی (۲) حصر طبعی (۳) حصر استقرائی (۴) حصر وضعی ۔اگر عقل کسی چیز کو معدود اقسام میں حصر کا فیصلہ

کرے تو حصر عقلی ہوگا۔اور اگر عقل فیصلہ نہ کرے بلکہ دلیل کی جانب احتیاجی ہو تو حصر طبعی ہوگا۔اور اگر تتبع اور تلاش کے بعد اس چیز کی اتنی ہی اقسام ملی ہوں تو حصر استقرائی ہوگا اور اگر واضع نے کسی چیز کو اتنی ہی اقسام میں بند کر دیا ہو تو اسکو حصر وضعی کہتے ہیں۔کلمہ کا تین اقسام میں حصر استقرائی بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ تتبع وتلاش کے بعد اس کی صرف یہی تین قسمیں ملی ہیں ۔اور حصر عقلی بھی ہوسکتا ہے اس لئے کہ عقل کلمہ کی ان تین قسموں کے علاوہ کسی اور قسم کو جائز قرار نہیں دیتی۔اور حصر وضعی بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اہل فن نے کلمہ کہ یہی تین اقسام وضع کی ہیں۔

۞......**اعتراض**۔علامہ نے دلیل حصر میں اَنْ تَدُلَّ کہا ہے حالانکہ کلمہ کی تعریف جو بمنزلہ دعوی کے ہے اس میں دلالت کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے دعوی اور دلیل میں مطابقت نہیں پائی جارہی حالانکہ دعوی اور دلیل میں مطابقت ضروری ہے۔**جواب :** ۔علامہ نے کلمہ کی تعریف میں وُضِعَ کہا ہے اور وضع دلالت کو مستلزم ہے اس لئے اگرچہ تعریف میں بظاہر دلالت کا لفظ مذکور نہیں مگر حکماً پایا جارہا ہے۔لہذا دعوی اور دلیل میں مطابقت پائی جارہی ہے۔

۞......**اعتراض**۔علامہ نے کلمہ کی تقسیم میں پہلے اسم کو پھر فعل اور پھر حرف کو ذکر کیا ہے اور دلیل میں اس ترتیب کو بدل کر پہلے حرف کو کیوں ذکر کیا ہے۔

جواب : ۔دلیل میں اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلے حرف کو ذکر کیا ہے اس لئے کہ اگر حرف کو پہلے ذکر نہ کرتے تو دلیل میں تکرار ہوتا اور کلام لمبی ہو جاتی۔

۞**لانّھا امّا اَنْ تَدُلَّ کی ترکیب:** لانھا میں لام جارہ ہے اور اَنّ حرف از حروف مشبہ بالفعل ہے اور ھا ضمیر اس کا اسم ہے جو کلمہ کی طرف لوٹتی ہے اور اَنْ تدل بتاویل مصدر مفرد ہو کر اَنَّ کی خبر ہے۔

۞......**اعتراض**۔۔ اَنَّ کا اسم ھا ضمیر ہے جو کہ الکلمۃ کی طرف لوٹتی ہے اور ان تدل بتاویل مصدر مفرد ہو کر اس کی خبر ہے۔کلمہ ذات ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے اور وصف محض کا حمل ذات پر درست نہیں اس لئے ان تدل کو اَنَّ کی خبر بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ جسطرح خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے اسی طرح اَنَّ کی خبر کا اس کے اسم پر حمل ہوتا ہے

۔اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:اَنَّ کا اسم صرف ھا ضمیر نہیں بلکہ ھا ضمیر کا مضاف یہاں محذوف ہے اور مضاف مضاف الیہ مل کر اَنَّ کا اسم ہے۔ھا ضمیر کا مضاف صفة یا حال محذوف ہے اور اصل میں لِاَنَّ صِفَتَهَا یا لِاَنَّ حَالَهَا ہے۔ صفت اور حال وصف ہے اس لئے ان کا اسم بھی وصف اور خبر بھی وصف ہے اور وصف کا حمل وصف پر درست ہے محذوف عبارت کا لحاظ رکھ کر معنی یہ ہوگا اس لئے کہ بے شک اس کلمہ کی حالت یا اس کی صفت یہ ہے کہ یا تو وہ فی ذاتھا معنی پر دلالت کرے گا یا نہ کرے گا۔

دوسرا جواب :۔ان تدل بتاویل مصدر ہے اور پھر مصدر مبنی للفاعل ہوکر دالة ہے اور عبارت یوں ہوگی لانھا اما دالة ۔اور دالة وصف مع الذات ہے اور وصف مع الذات کا حمل ذات پر درست ہے اس لئے ان تدل اَنَّ کی خبر بن سکتی ہے۔

تیسرا جواب:۔صرف اَنْ تدل اَنَّ کی خبر نہیں ہے بلکہ ان تدل بتاویل مصدر مبتدا موخر ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح تھی "لِاَنَّهَا اِمَّامِنْ صِفَتِهَا اَنْ تَدُلَّ" اور معنی یوں ہوگا اس لئے کہ بے شک وہ کلمہ یا تو فی ذاتھا معنی پر دلالت کرنا اس کی صفت ہے۔ اَنْ تدل اپنی خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہوکر اَنَّ کی خبر ہے ۔اور پورا جملہ ذات یا ذات مع الوصف ہوتا ہے اس لئے یہاں وصف کا حمل ذات پر نہیں بلکہ ذات کا ذات پر یا ذات مع الوصف کا حمل ذات پر ہے جو کہ درست ہے۔ یہ جواب ملا جامی نے دیا ہے اور یہی جواب بہتر ہے۔

چوتھا جواب :۔ اَنْ پر اکثر باء جارہ محذوف ہوتی ہے اور یہاں بھی محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح تھی بان تدل ۔اور جار مجرور کا تعلق ثَبَتَ یا ثَابِتٌ مقدر سے ہے اس لحاظ سے بِاَنْ تَدُلَّ ظرف مستقر ہے اور ظرف مستقر ذات ہوتی ہے اس لئے ذات کا حمل ذات پر ہے۔

پانچواں جواب :۔ ان تدل سے پہلے ذو محذوف ہے جب ان تدل کو بتاویل مصدر کیا تو عبارت ہوگئی ذو دلالتھا ۔اور ذو مصدر کو ذات میں بدل دیتا ہے اس لئے ذات کا حمل ذات پر ہے۔

چھٹا جواب :۔جو مصدر صریحی ہو اس کا حمل ذات پر درست نہیں ہوتا اور جو مصدر تاویلی ہو اس کا حمل ذات پر درست ہوتا ہے اور یہاں ان تدل مصدر تاویلی ہے اس لئے اس کا حمل ذات پر درست ہے۔

اِمَّـا اَنْ تدل اِماّ کی تین قسمیں ہیں (۱) پہلی قسم اِماّ شرطیہ۔ جیسے ''اِمـا تـخـا فَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْاِ لَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ'' اِمَّـا شرطیہ کی شرط ہمیشہ موکد بانون ہوتی ہے۔ دوسری قسم اِمَّـا زائدہ . جس کے ذکر نہ کرنے سے معنی میں کوئی خرابی نہ آئے۔ تیسری قسم اِمَّـا عـاطفہ۔ اِمَّـا عـاطفہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرا اِماًّ یااَوْ ہوتا ہے۔ یہاں اِمَّا ان تدل میں اِمَّا عاطفہ ہےاس لئے کہ اس کے بعد اَوْ لاَ ہے۔

﴿ اَنْ کی اقسام۔ اَنْ کی چار قسمیں ہیں ﴾

......پہلی قسم اَنْ مصدریہ ۔ جو فعل پر داخل ہو کر فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے اَنْ تدل میں اَنْ مصدریہ ہے۔

﴿......دوسری قسم اَنْ تفصیلیہ اور یہ مفعول بہ غیر صریح کی وضاحت کے لئے آتا ہے اور نداء یا دعا کے بعد ہوتا ہے جیسے ''ونا دیناہ اَنْ یا ابراھیم''

﴿...... تیسری قسم۔ اَنْ مُـخَفَّفَۃُ عَنِ الْمُثَقَّلَۃِ۔ یہ اصل میں اَنَّ مشدد ہوتا ہے مگر تخفیف کے لئے اس کو ساکن کر دیا جاتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس ْ کے بعد ان سات حروف میں سے کوئی نہ کوئی ہوتا ہے۔

(۱) قد (۲) سین (۳) سوف (۴) لم (۵) لَنْ (۶) لو (۷) لا ۔

﴿...... چوتھی قسم اَنْ زائدہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی بحث اپنے اپنے مقام پر آئیگی۔ انشاء اللہ

یہاں اَنْ تدل میں اَنْ مصدریہ ہے ۔ عـلـی معنی فی نفسھا ۔فی نفسھا جار مجرور کا متعلق کَائِنٌ محذوف ہے۔ اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض:۔ ظرف مستقر کا متعلق فعل اور اسم دونوں بن سکتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ثَبَتَ یا ثَابِتٌ کے ساتھ ہے۔ مگر یہاں فی نفسھا ظرف مستقر کا متعلق صرف کَائِنٌ کیوں بنایا گیا ہے ۔

جواب ۔ اگر یہاں فعل کو فی نفسھا کا متعلق بناتے تو کانَ فعل محذوف ہوتا اور معنی یہ بن جاتا ہے کہ کلمہ یا تو ایسے معنی پر دلالت کرے گا جو اس کلمہ کی ذات میں تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معنی کلمہ میں پہلے تھا اب نہیں ہے حالانکہ کلمہ کا معنی تو کلمہ میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اس اشکال سے بچنے کے لئے فـی نفسھا کا متعلق کان کو نہیں بنایا بلکہ صرف کَائِنٌ کو بنایا گیا

ہے۔**دوسرا اعتراض** ۔ فی نفسها کوظرف مستقر کیوں بنایا ہے ظرف لغو بنا کر اس کا تعلق اَنْ تَدُلَّ کے ساتھ کیوں نہیں کیا گیا تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب: ان تدل میں دلالت کا مادہ پایا جاتا ہے اور دلالت کے مادہ کا صلہ علی اور باء آتے ہیں فی نہیں آتا اس لئے فی نفسها کا متعلق ان تدل کو نہیں بنا سکتے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ حروف ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اس لئے یہاں بھی فی کو علیٰ یا باء کے معنی میں لے لیا جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ ایک حرف کو دوسرے کے معنی میں لینا مجاز ہے اور تعریفات میں مجاز کا استعمال پسندیدہ نہیں ہے۔اور یہاں اسم و فعل و حرف کی تعریف ہو رہی ہے۔ اس لئے فی کو علیٰ یا باء کے معنی میں لینا درست نہیں ہے۔

دوسرا جواب :۔جس طرح صفت موصوف کے لئے قید ہوتی ہے اسی طرح متعلَّق متعلِّق کے لئے قید ہوتا ہے۔ اگر فی نفسها کو ان تدل کا متعلق بنایا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ کلمہ یا تو فی نفسها معنی پر دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا ۔تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معنی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو فی نفسها ہو اور دوسرا وہ جو فی نفسها نہ ہو بلکہ فِیْ نَفْسِ غَیْرِھَا ہو۔حالانکہ کلمہ کا معنی فی نفسها ہی ہوتا ہے فی نفس غیر ھا نہیں ہوتا۔اس لئے فی نفسها کو ظرف لغو بنا کر ان تدل کا متعلق بنانا درست نہیں ہے۔

علی معنی فی نفسها کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے کلمہ کو ملائے بغیر خود بخود معنی پر دلالت کرے۔

......**اَوْ لاَ** ......اَوْ حرف عطف ہے اور لاَ معطوف اور اَنْ تدل معطوف علیہ ہے ۔

...... **اعتراض**۔ لا حرف ہے اور ان تدل فعل یا بتاویل مصدر اسم ہے تو حرف کا عطف اس پر درست نہیں ہے

جواب :۔معطوف صرف لا نہیں بلکہ لا کے بعد تدل محذوف ہے اس لئے معطوف لا تدل ہے جو کہ فعل ہے۔لہٰذا فعل کا عطف فعل یا اسم پر ہے جو کہ درست ہے۔

☆......**حرف کی تعریف پر اعتراض**:۔حرف کی تعریف میں لا تدل کہا گیا ہے اور دلالت عام اور وضع خاص

ہوتی ہے۔ جب خاص کی استثناء پر مشتمل دلیل نہ ہو تو عام کی نفی سے خاص کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ جب دلالت کی نفی کی گئی تو وضع کی نفی بھی ہوگئی اور حرف موضوع نہ رہا بلکہ مہمل بن گیا اور مہمل کو حرف نہیں کہتے اور نہ ہی وہ کلمہ کی قسم بن سکتا ہے اس لئے حرف کی تعریف میں **لاتدل** کہنا درست نہیں۔

جواب :۔ **لاتدل** میں مطلق دلالت کی نفی نہیں بلکہ دلالت **فی نفسها** کی نفی ہے۔ جب مطلق دلالت کی نفی نہیں تو وضع کی نفی بھی نہ ہوئی اور حرف بدستور موضوع ہی رہا۔

الثانی الحرف پر اعتراض:۔ اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ الثانی صفت ہے **الکلمة** کی تو صفت اور موصوف کے درمیان مطابقت نہیں اس لئے کہ الکلمة موصوف مونث ہے جبکہ الثانی اس کی صفت مذکر ہے۔

جواب :، **الثانی الکلمة** کی صفت نہیں بلکہ کلمہ کو **ان تدل او لا تدل** میں جو تقسیم کیا گیا ہے اس کے ضمن میں القسم پایا جاتا ہے تو **الثانی القسم** کی صفت ہے۔

دوسرا اعتراض :۔ الثانی مبتدا اور **الحرف** اس کی خبر ہے اور دونوں معرفہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو درمیان میں ضمیر فصل لائی جاتی ہے اس لئے عبارت **الثانی ھو الحرف** ہونی چاہیئے۔ علامہ نے یہاں ضمیر فصل کیوں نہیں لائی۔

جواب: جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو ضمیر فصل کا لانا اس وقت ضروری ہوتا ہے جبکہ التباس ہو یعنی یہ شبہ پڑتا ہو کہ یہ دونوں کلمے آپس میں صفت موصوف ہیں یا مبتدا خبر ہیں۔ اور جہاں التباس نہ ہو تو وہاں ضمیر فصل لانا ضروری نہیں ہے اور یہاں کوئی التباس نہیں اس لئے کہ **الثانی الحرف** آپس میں صفت و موصوف بن ہی نہیں سکتے اس لیے کہ **الثانی** مشتق ہے اور **الحرف** جامد ہے اور جامد مشتق کی صفت نہیں بن سکتا۔ جب یہ صفت موصوف نہیں بن سکتے تو ان کا مبتدا خبر ہونا متعین ہوگیا۔ جب التباس نہیں تو ضمیر فصل لانے کی ضرورت بھی نہیں۔

﴿وَالْاَوَّلُ اِمَّا اَنْ یَّقْتَرِنَ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ اَوْ لَا اَلثَّانِیْ اَلْاِسْمُ وَالْاَوَّلُ الْفِعْلُ﴾...... ﴿اور پہلا (یعنی جب کلمہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہو تو وہ) یا تو تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملا ہوا ہوگا یا نہ ہوگا دوسرا (یعنی جب کسی زمانے سے ملا ہوا نہ ہو تو وہ) اسم ہے اور پہلا فعل ہے۔﴾

ان یقترن میں ھو ضمیر کا مرجع المعنی ہے الاول نہیں ہے جس سے مراد کلمه ہے اس لئے کہ زمانہ کے ساتھ اقتران کلمہ کا نہیں بلکہ معنی کا ہوتا ہے۔

اعتراض ...... ۔ان یقترن میں ھو ضمیر کا مرجع المعنی بتایا گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے المعنی کا ذکر ہی نہیں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جواب :۔ المعنی کا ذکر اگرچہ صراحتاً نہیں ہے مگر الاول کے ضمن میں موجود ہے اس لئے کہ الاول دال اور معنی مدلول ہے۔اور جو چیز ضمناً موجود ہو اس کی طرف ضمیر لوٹائی جاسکتی ہے جیسے "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" میں ھو ضمیر کا مرجع وہ عدل ہے جو اعدلو ا کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔

☆......اسم کی تعریف پر اعتراضات......☆

......علامہ ابن حاجبؒ نے اسم کی تعریف یہ کی ہے "کہ وہ ایسا کلمہ ہے جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہوتا ہے اور کسی زمانہ کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوتا۔اس تعریف پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض :۔مصادر کے معانی لازماً تین زمانوں میں سے کسی ایک میں پائے جاتے ہیں اس لئے مصادر کو اسم نہیں بلکہ فعل کہنا چاہیئے حالانکہ وہ اسم ہوتے ہیں۔

جواب :۔اسم اور فعل کی تعریف میں جو ان یقترن کہا گیا ہے تو یہ اقتران سے ہے اور اقتران کی فہم اور وجود کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم اقتران بحسب الفهم اور دوسری قسم اقتران بحسب الوجود۔

"اقتران بحسب الفهم...... کا مطلب یہ ہے کہ جب کلمہ بولا جائے تو اس کے معنی کا کسی زمانہ میں پایا جانا اسی صیغہ سے ہی

سمجھا جائے۔

''اور **اقتران بحسب الوجود**...... کا مطلب یہ ہے کہ اس معنی کا تحقق اور ثبوت کسی زمانہ میں پایا جائے۔

اعتراض اس صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ **ان یقترن** میں اقتران سے مراد **بحسب الوجود** لیا جائے حالانکہ **ان یقترن** میں اقتران سے مراد **بحسب الوجود** نہیں بلکہ **بحسب الفھم** ہے اور وہ صرف فعل ہی میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے مصادر فعل نہیں بلکہ اسم ہی ہوتے ہیں۔

دوسرا اعتراض:۔ اسم کی یہ تعریف جامع نہیں اس لئے کہ اس تعریف سے اسماء افعال نکل جاتے ہیں اس لئے کہ ان میں زمانہ پایا جاتا ہے اس کے باوجود وہ بالاتفاق اسم ہیں۔

تیسرا اعتراض:۔ اسم کی یہ تعریف مانع نہیں اس لئے کہ افعال تعجب اور افعال مقاربہ اسم کی تعریف میں داخل ہوجاتے ہیں اس لئے کہ افعال ہونے کے باوجود ان میں زمانہ نہیں پایا جاتا۔

جواب:۔ ان دونوں اعتراضات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وضع اور استعمال کے لحاظ سے اقتران کی دوقسمیں ہیں:۔

﴿......پہلی قسم **اقتران بحسب الوضع**﴾٭﴿اور دوسری قسم **اقتران بحسب الاستعمال**''﴾

☆...... **اقتران بحسب الوضع** ...... کا مطلب یہ ہے کہ جب واضع نے اس کلمہ کو وضع کیا تھا تو اس میں زمانہ پایا جاتا تھا۔ اور﴾☆......''**اقتران بحسب الاستعمال** ...... کا مطلب یہ کہ جب واضع نے اس کلمہ کو وضع کیا تھا اس وقت تو اس کلمہ میں زمانہ پایا جاتا تھا مگر بعد میں استعمال اور عرف کے لحاظ سے اس میں زمانہ کا اعتبار ساقط ہوگیا۔ یہاں **ان یقترن** میں اقتران سے مراد **بحسب الوضع** ہے۔ اسماء افعال کو جب واضع نے وضع کیا تھا تو ان میں زمانہ نہیں پایا جاتا تھا مگر بعد میں استعمال اور عرف کے اعتبار ان میں زمانہ پایا گیا۔ اسی طرح **افعال تعجب** اور **افعال مقاربہ** میں واضع کے وضع کرتے وقت ان میں زمانہ پایا جاتا تھا مگر بعد میں زمانہ کا اعتبار نہ رہا۔ جب اعتبار **اقتران بحسب الوضع** کا ہے تو دونوں اعتراضات باقی نہ رہے۔ چوتھا اعتراض۔ **زَیْدٌ ضَارِبُ اَمْسِ** میں اقتران زمانہ **بحسب الفھم** ہے مگر اس کے باوجود **ضارب اَمْسِ** کو فعل نہیں کہا جاتا۔

جواب :۔اقتران زمانہ سے مراد یہ ہے کہ اسی صیغہ سے ہی زمانہ سمجھا جائے کسی امر خارج کی وجہ سے نہ سمجھا جائے اور یہاں ضارب کے صیغہ سے نہیں بلکہ اَمْسِ کی وجہ سے زمانہ سمجھا جارہا ہے اس لئے اس کو فعل میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

......**فعل کی تعریف پر اعتراض**:۔فعل کی تعریف میں بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ کہا گیا ہے کہ فعل وہ ہوتا ہے جس میں تین زمانوں میں سے ایک زمانہ پایا جائے۔تو فعل مضارع میں ایک نہیں بلکہ حال اور استقبال دو زمانے پائے جاتے ہیں اس لئے فعل مضارع پر فعل کی تعریف صادق نہیں آتی۔

جواب :۔ایک زمانہ پائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت میں اس میں ایک ہی زمانہ پایا جائے۔اور فعل مضارع میں بھی ایک وقت میں ایک ہی زمانہ پایا جاتا ہے جب اسمیں حال پایا جاتا ہے تو استقبال نہیں اور جب استقبال پایا جاتا ہے تو حال نہیں پایا جاتا اس لئے فعل مضارع پر فعل کی تعریف صادق آتی ہے۔

الازمنة کے بعد الثلاثه کیوں لائے؟------ الازمنة موصوف اور الثلاثه اس کی صفت ہے۔

......علامہ ابن حاجب نے الازمنه کے بعد الثلاثه ذکر کر کے امام سیبویہ اور بعض دیگر کوفی نحویوں کی تردید کی ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک زمانے دو ہی ہیں۔ماضی اور استقبال۔اور وہ فعل امر کو مضارع میں شامل کرتے ہیں۔جبکہ جمہور کے نزدیک زمانے تین ہیں۔ماضی۔حال۔اور استقبال۔علامہ ابن حاجب کو اس بارہ میں جمہور کا نظریہ پسند ہے اس لئے انھوں نے امام سیبویہ وغیرہ کی تردید کرتے ہوئے الازمنه کے بعد الثلاثه کو ذکر کیا ہے۔

وَقَدْ عُلِمَ بِذَالِکَ حَدُّ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا ۔اور اس کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم کرلی گئی ہے۔وقد علم میں واؤ کونسی ہے وقد پر جو واؤ ہے اس میں چار احتمال ہیں۔

☆......پہلا احتمال :۔کہ واؤ استینافیہ ہے اور آگے جملہ سوال مقدر کا جواب ہے۔اس لئے کہ واؤ استینافیہ سوال مقدر کے جواب پر آتی ہے۔اور سوال مقدر یہ ہے کہ علامہ نے کلمہ کی اقسام اور دلیل حصر تو بیان کردی ہے مگر ان اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف کیوں نہیں کی تو جواب دیا کہ دلیل حصر میں ہی ہر ایک قسم کی تعریف معلوم ہو چکی ہے۔

☆......دوسرا احتمال کہ وقد پر واؤ اعتراضیہ ہے اور آگے جملہ معترضہ ہے۔

☆......تیسرا احتمال کہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا معطوف علیہ محذوف ہے اور اصل عبارت تھی "اِنْحَصَرَتِ الْكَلِمَةُ وَقَدْ عُلِمَ" کلمہ منحصر ہے اور بے شک معلوم کر لی گئی۔ اور حذف کا قرینہ یہ ہے کہ علامہ نے دلیل حصر بیان کرنے سے پہلے وھی اسم وفعل وحرف کہہ کر آگے سکوت اختیار کیا ہے اور اس سکوت سے کلمہ کا ان اقسام میں منحصر ہونا ثابت ہوتا ہے یا وقد علم کا معطوف علیہ علم انحصار الکلمۃ بہ محذوف ہوگا اس لئے کہ دلیل حصر کے بعد کلمہ کا ان اقسام میں انحصار معلوم ہو جاتا ہے۔ چوتھا احتمال کہ واؤ حالیہ ہے اور اس سے پہلے **انحصرت الکلمة** جو محذوف مانا ہے اس کی ضمیر سے یہ حال ہوگا۔

علامہ نے وقد علم کیوں کہا؟۔۔۔۔علامہ نے **وقد علم** کہا ہے **وقد عرف** نہیں کہا اس لئے کہ امر کلی اور مرکب کے ادراک میں علم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور جزئی اور بسیط کے ادراک میں معرفت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہاں تعریف میں جنس اور فصل سے مرکب کا ادراک ہے اس لئے **وقد علم** کہا ہے۔

بذالک پر اعتراض:۔ بذالک میں ذالک اسم اشارہ بعید کے لئے ہے اور اس پر باء استعانت کی ہے اور معنی یہ ہے کہ دلیل حصر کی استعانت سے کلمہ کی ہر ایک قسم کی تعریف معلوم ہوگئی ہے۔ اس پر دو اعتراض ہیں۔

☆......**پهلا اعتراض**:۔ اسم اشارہ کا مشار الیہ تو محسوس مبصرہ (دکھائی دینے والا) ہوتا ہے اور یہاں ذالک کا مُشَارٌ اِلَیْہ دلیل حصر ہے جو کہ غیر محسوس اور غیر مبصر ہے۔

جواب:۔ محسوس کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم محسوس حقیقی اور دوسری قسم محسوس ادعائی۔ اگر محسوس کا ادراک حس (آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان۔ اور لمس) کے ساتھ ہو تو اس کو محسوس حقیقی کہتے ہیں۔ اور اگر حس کے ذریعہ سے اس کا ادراک نہ کیا جا سکتا ہو مگر وہ اتنا واضح اور ظاہر ہو کہ اس کو محسوس بالحس کیطرح قرار دیا جا سکتا ہو تو اس کو محسوس ادعائی کہتے ہیں۔ اور دلیل حصر اگرچہ محسوس حقیقی نہیں مگر محسوس ادعائی ضرور ہے اس لئے اس کو ذالک کا مشار الیہ بنایا جا سکتا ہے۔

☆......**دوسرا اعتراض**:۔ **ذالک** اسم اشارہ بعید کے لئے ہے حالانکہ دلیل حصر تو قریب ہی ذکر کی گئی ہے اس لئے اگر اسم اشارہ لانا ہی تھا تو قریب یعنی **بھذہ** لاتے۔ علامہ نے بذالک اسم اشارہ بعید کیوں لایا ہے۔

جواب :۔ بُعد کبھی زمانی ہوتا ہے اور کبھی رتبی ہوتا ہے یہاں بعد رتبی ہے یعنی علامہ نے بذالک اسم اشارہ بعید لا کر بتایا کہ دلیل حصر عظیم الشان ہے۔

کسی چیز کی حقیقت جاننے کے لئے الفاظ۔۔۔کسی چیز کی حقیقت جاننے کے لئے تین الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں (۱) حد (۲) رسم (۳) تعریف ۔اگر کسی چیز کی تعریف ذاتیات سے کی جائے تو اس تعریف کو حد کہتے ہیں۔ جیسے انسان کی تعریف حیوان ناطق ۔یا جسم ناطق یا صرف ناطق سے۔اور اگر کسی چیز کی تعریف عرضیات سے کی جائے تو اس تعریف کو رسم کہتے ہیں جیسے انسان کی تعریف حیوان ضاحک یا جسم ضاحک سے۔اور تعریف دونوں میں مشترک ہے ذاتیات سے کی جائے تب بھی تعریف ہے اور اگر عرضیات سے کی جائے تب بھی تعریف ہے۔

☆ **اعتراض** :۔ ہر فن کی اصطلاحات مفہومات اعتباریہ ہوتی ہیں اور مفہومات اعتباریہ عرضیات ہوتی ہیں ذاتیات نہیں ہوتیں تو علامہ نے عرضیات سے کی گئی تعریف کو حد کیوں کہا ہے اس کو تو رسم کہنا چاہیے تھا۔اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔**پہلا جواب** یہاں حد سے مجازاً تعریف مراد ہے اس لئے کہ لفظ خاص ذکر کر کے مراد عام لیا ہے۔حد خاص ہے اور تعریف عام ہے۔ **دوسرا جواب** ۔حد۔رسم اور تعریف میں جو فرق کیا گیا ہے وہ اہل منطق کے ہاں ہے۔ نحویوں کے نزدیک ہر جامع تعریف کو حد کہا جاتا ہے۔

......کل کی اقسام.........علامہ نے کہا **کل واحد منھا**۔تو کل کی چار قسمیں ہیں۔

☆ پہلی **کل افرادی** "کل افرادی وہ ہوتا ہے جس کا مضاف الیہ ہر ہر فرد ہو جیسے "كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ۔ہم انسان کے ہر ہر فرد کی گردن میں اس کا اعمال نامہ ڈال دیں گے۔

☆......دوسری قسم **کل مجموعی** :۔ "كُل مجموعی وہ ہوتا ہے جس کا مضاف الیہ جمع معرف ہو جیسے "**وعلم آدم الاسماء کلها**" ۔کل کا مضاف الیہ **ھا** ضمیر ہے جو معرفہ بھی ہے اور جمع کی طرف لوٹنے کی وجہ سے جمع بھی ہے۔

☆...... "تیسری قسم **کل بمعنی کلی** ۔یعنی ایسا کل جس کا معنی كُلِّيٌّ ہو جیسے **الانسان كُلٌّ ای كُلِّيٌّ**۔

☆...... "چوتھی قسم **کل اطرادی** ۔ "کل اطرادی وہ ہوتا ہے جو تعریف کو جامع اور مانع کرنے کے لئے لایا

جا تا ہے۔ یہاں کل واحد میں کل میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال کہ کل افرادی ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ دلیل حصر سے ہر ایک قسم کی تعریف معلوم کر لی گئی ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ کل مجموعی ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ دلیل حصر سے تمام قسموں کی تعریف معلوم کر لی گئی ہے۔

۞...... **اَلْکَلَامُ مَاتَضَمَّنَ کَلِمَتَیْنِ بِالْاِسْنَادِ:۔**...... علامہ نے پہلے کلمہ کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کی ہیں اور اب کلام کو بیان کرتے ہیں کہ کلام وہ ہوتی ہے جو ایسے دو کلموں پر مشتمل ہو جن میں سے ایک کلمہ کی دوسرے کی طرف اسناد ہو یعنی ان دو کلموں کا آپس میں مسند اور مسند الیہ ہونے کا تعلق ہو کہ ان کے سننے سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو۔

۞...... **اعتراض**۔ علامہ الکلام پر واوٗ عاطفہ کیوں نہیں لائے۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

☆...... **پہلا جواب** ۔ عطف مغائرت کو چاہتا ہو۔ اگر حرف عطف لاتے تو ظاہر ہوتا کہ کلمہ اور کلام کے درمیان مغائرت ہے حالانکہ ان دونوں میں تو کل اور جزء ہونے کی وجہ سے اتصال ہے۔

☆...... **دوسرا جواب** :۔ معطوف علیہ حکم میں اصل اور مقصود بالذات ہوتا ہے اور معطوف مقصود بالتبع ہوتا ہے ۔ اگر الکلام پر حرف عطف لاتے تو ظاہر ہوتا کہ علم نحو کا موضوع کلمہ اصل اور مقصود بالذات ہے اور کلام اس کا موضوع بالتبع ہے حالانکہ علامہ نظریہ کے مطابق کلمہ اور کلام دونوں علم نحو کا مقصود اور بالذات موضوع ہیں۔

۞...... کلام کی لغوی اور اصطلاحی تعریف...... ۞

لغت میں کلام کہتے ہیں **مَایَتَکَلَّمُ بِہِ الْاِنْسَانُ قَلِیْلاً کَانَ اَوْ کَثِیْرًا** ۔ جس کے ساتھ انسان تکلم کرتا ہے اس کو کلام کہتے ہیں خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ اور نحویوں کی اصطلاح میں کلام اس کو کہتے ہیں جو ایسے دو کلموں پر مشتمل ہو جن میں مسند اور مسند الیہ کا تعلق ہو۔

☆...... کلام کی لغوی اور اصطلاحی تعریف میں فرق:...... ☆

کلام کی لغوی اور اصطلاحی تعریف میں تین فرق ہیں۔

پہلا فرق یہ ہے کہ لغوی تعریف میں مہمل الفاظ بھی شامل ہیں اسلئے کہ ان کا بھی انسان تکلم کرتا ہے اور اصطلاحی تعریف میں مہمل الفاظ شامل نہیں اس لئے کہ جن دو کلموں سے کلام مرکب ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک کلمہ موضوع ہوتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ لغوی تعریف میں مفرد شامل ہے اس لئے کہ مفرد الفاظ کا بھی انسان تکلم کرتا ہے اور اصطلاحی تعریف میں مفردات شامل نہیں اس لئے کہ کلام کم از کم دو کلموں سے مرکب ہوتی ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ لغوی تعریف میں مرکب ناقص بھی شامل ہین جبکہ اصطلاحی تعریف میں شامل نہیں اس لئے کہ اصطلاحی تعریف میں بالاسناد کی قید ہے اور اسناد وہاں ہوتی ہے جہاں مسند اور مسند الیہ دونوں ہوں اور مرکب ناقص میں مسند اور مسند الیہ دونوں اکٹھے نہیں ہوتے بلکہ صرف مسند ہوگا (یا صرف مسند الیہ ہوگا) جیسے غلام زید کو اگر مبتدا بنائیں تو یہ مسند الیہ ہوگا جیسے غُلَامُ زَیْدٍ قَائِمٌ۔ اور اگر اس کو خبر بنائیں تو یہ مسند ہوگا جیسے هٰذَا غُلَامُ زَیْدٍ اور اگر اس کو فاعل بنائیں تب بھی یہ مسند الیہ ہوگا جیسے قَامَ غُلَامُ زَیْدٍ.

...... مَا کی اقسام ......

علامہ نے ماتضمن کہا ہے تو ما کی دو قسمیں ہیں ایک حرفی اور دوسری اسمی۔

مَا حرفی کی اقسام۔ ماحرفی کی چار قسمیں ہیں۔

☆...... "پہلی قسم مانافیہ جو فعل پر داخل ہوتی ہے اور اس کو منفی کے معنی میں کر دیتی ہے جیسے مَا ضَرَبَ زیدٌ.

"☆...... دوسری قسم مَا زائدہ:۔ جو حرف جارہ اور اس کے مجرور کے درمیان واقع ہوتی ہے مگر جارہ کے عمل کو باقی رکھتی ہے جیسے فَبِمَا رَحْمَةٍ۔

☆...... تیسری قسم۔ مَا مصدریہ جو فعل پر داخل ہوتی ہے اور اسکو بتاویل مصدر کر دیتی ہے جیسے وَاذْكُرُوْهُ

كَمَاهَدَاكُمْ اَىْ اُذْكُرُوْهُ كَهِدَايَتِهٖ اِيَّاكُمْ ۔اس کو یاد کرو اس کے تمہیں ہدائیت دینے کیطرح یعنی جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دے کر احسان عظیم کیا ہے اسی طرح تم بھی احسان کے بدلے میں اسی قدر اس کو یاد کرو۔اس میں مـا نے هداكم کو هدايته اياكم کر دیا ہے۔

☆......چوتھی قسم:. مَا كافه یہ حروف مشبہ بالفعل کے ساتھ آ کر ان کو عمل سے روک دیا ہے۔جیسے اِنَّـمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یہاں ما نے اِنَّ کو عمل سے روک دیا ہے۔ یا ما كافه رُبَ کے ساتھ آتی ہے اور اس کو عمل سے روک دیتی ہے جیسے رُبَـما يود الذين كفرو ۔۔یاما کافہ ایسے افعال کے ساتھ لاحق ہوتی ہے جو رُبَ کے معنی میں ہوتے ہیں اور ان کو عمل سے روک دیتی ہے جیسے فَلَمَّا كثر ماطلب ۔اس میں كثر رُ بَ کے معنی میں ہے۔

"ما اسمی کی اقسام:۔ما اسمی کی چھ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم ماموصوله جوالذی اور اس کے اخوات کے معنی میں ہوتی ہے جیسے جاء نی ماضربک میرے پاس وہ شخص آیا جس نے تجھے مارا۔اسمیں ماالذی کے معنی میں ہے۔

دوسری قسم ما موصوفه جو شیئی کے معنی میں ہوتی ہے اور نکرہ ہوتی ہے جیسے اَلْجِسْمُ مَالَهٗ اَبْعَادٌ ثَلَاثَةٌ جسم وہ چیز ہوتی ہے جس کے تین ابعاد۔طول۔عرض۔اور عمق ہوں۔

تیسری قسم ما شرطيه جو حرف شرط کے معنی کو متضمن ہوتی ہے جیسے مَا تَفْعَلْ اَفْعَلْ جو تو کرے گا وہی میں کروں گا اسمیں ما شرطیہ اور تفعل شرط اور افعل اس کی جزاء ہے۔

چوتھی قسم مـا استفهاميه جو حرف استفہام کے معنی کو متضمن ہوتی ہے اور اس کا معنی اَیُّ شیئی ہوتا ہے جیسے ماتلک بیمینک یا موسیٰ (اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے)۔

پانچویں قسم مـا صفتيه جو نکرہ کی صفت واقع ہوتی ہے جیسے قَلِيْلاً مَّاتَذَكَّرُوْنَ ، قليلا نکرہ اور ما اسکی صفت ہے۔

چھٹی قسم ما تامه ہے خبریہ ہے جو نہ صفت کو چاہتی ہے اور نہ ہی صلہ کو جیسے نِعِمَّاهِیَ .

مَاتَضَمَّنَ میں کونسی ما ہے:۔ ما تضمن میں ما اسمی ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ ما موصولہ ہے اور آگے اس کا صلہ ہے اور یہ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر الکلام کی خبر ہے۔
اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ما موصوفہ ہے اور اس ما کو موصوفہ بنانا ہی بہتر ہے اس لئے کہ ما موصوفہ نکرہ ہوتی ہے اور خبر میں بھی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوتی ہے اور یہ ما بھی خبر واقع ہو رہی ہے اس لئے اس کو موصوفہ بنانا بہتر ہے۔ مگر معرفہ بھی خبر واقع ہو سکتی ہے اس لئے اس کو موصولہ بنانا بھی درست ہے۔

مَاتَضَمَّنَ میں ما سے کیا مراد ہے:۔ اس میں چار احتمال ہیں

☆...... پہلا احتمال کہ اس سے مراد شیئی ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ کلام وہ شیئی ہے جو دو کلموں کو بالاسناد متضمن ہوتی ہے یہ احتمال غلط ہے اس لئے کہ اس میں خرابی یہ لازم آتی ہے کہ یہ تعریف اس دیوار یا کاغذ یا تختی وغیرہ پر بھی صادق آتی ہے۔ جس پر دو ایسے کلمے لکھ دیئے گئے ہوں جن میں اسناد ہو۔ اس لئیے کہ دیوار اور کاغذ وغیرہ بھی تو شیئی ہیں۔ اس لئے کلام کی تعریف میں ما سے مراد شیئی لینا درست نہیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ما سے مراد کلمہ ہو اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ کلام وہ کلمہ ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو۔ یہ احتمال بھی غلط ہے۔ اور اس کی خرابی واضح ہے اس لئے کہ ایک کلمہ کیسے دو کلموں کو متضمن ہو سکتا ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ ما سے مراد کلام ہو اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ کلام وہ کلام ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو اس کی خرابی بھی واضح ہے کہ اس سے **تَعْرِيفُ الشَّيْئِ لِنَفْسِهٖ** لازم آتی ہے یعنی جسکی تعریف کی جا رہی ہے اسی کو تعریف میں ذکر کیا جا رہا ہے۔ کہ کلام کی تعریف کلام کے ساتھ کی جا رہی ہے۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ ما سے مراد لفظ ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو اور یہی احتمال درست ہے اور یہاں ما سے مراد لفظ ہی ہے۔

۞...... **اعتراض**:۔ ماتضمن میں ما سے مراد لفظ لینا درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں کلام کی تعریف اس نَعَمْ پر بھی صادق آتی ہے جو هَلْ زید قائم کے جواب میں کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ نعم زید قائم پر مشتمل ہوتا

ہے حالانکہ نعم کلام نہیں ہے۔

جواب: ۔یہ نعم خود دو کلموں کو متضمن نہیں ہوتا بلکہ اس کے بعد دو کلمے محذوف ہوتے ہیں اور اصل میں یوں ہوتا ہے **نعم زید قائم** مگر اختصار کی وجہ سے صرف نعم کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔جب نعم خود دو کلموں کو متضمن نہیں ہوتا تو اس پر کلام کی تعریف بھی صادق نہیں آتی۔

۞...... **اعتراض** ۔:۔علامہ نے کہا ہے کہ **الکلام ما تضمن کلمتین بالا سناد** کہ کلام وہ ہوتی ہے جو بالاسناد دو کلموں کو متضمن ہو۔تو یہاں الکلام متضمِن بغل میں لینے والا کلمتین مُتضمَّنُ بغل میں لیا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ متضمِن اور مُتضمَّنُ دونوں ایک چیز نہیں ہوسکتے بلکہ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں ،حالانکہ یہاں کلام متضمِن اور کلمتین مُتضمَّنُ ایک ہی ہیں تو یہ درست نہیں اس لئے کہ مُتَضَمِّنُ اور مُتَضَمَّنُ میں فرق ہونا چاہیے۔اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

☆...... **پہلا جواب** :۔یہاں کلام متضمَّن اور کلمتین متضمن میں حیثیت کا فرق ہے متضمِّن اجتماعی حیثیت سے ہے اور متضمَّن انفرادی حیثیت سے ہے۔جب دونوں میں حیثیت کا فرق ہے تو دونوں ایک نہ ہوئے۔

☆...... **دوسرا جواب** :۔ کلام جو مُتَضَمِّنُ ہے اس میں دو کلمے بالاسناد ہوتے ہیں اور کلمتین جو مُتَضَمَّنُ ہے اس میں دو کلمے بالاسناد ہوتے ہیں۔اس لئے دونوں میں فرق ہوگیا۔

اعتراض: کلام کی تعریف میں ماتضمن کلمتین کہنا درست نہیں اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام وہ ہوتی ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو حالانکہ کلام تو دو سے زیادہ کلمات پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔

جواب :۔ ماتضمن کلمتین سے یہ مراد نہیں کہ وہ دو ہی کلموں سے مرکب ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کلام کم از کم دو کلموں سے مرکب ہوتی ہے اسی لئے علامہ نے ماتضمن کلمتین کے ساتھ فقط کی قید نہیں لگائی۔یہ دو کلمے حقیقتاً ہوں جیسے ضرب زیدٌ ۔یا دو کلمے حکماً ہوں جیسے اِضرب ُ کہ انتَ ضمیر اسمیں مستتر ہے اور یہ حکماً دو کلمے ہیں۔

علامہ اور صاحب مفصل کے نظریہ میں اختلاف ۔علامہ کے نزدیک مسند اور مسند الیہ کے متعلقات کو

ساتھ ملا کر کلام بنتی ہے جبکہ صاحب مفصل علامہ زمخشری نے کہا ہے " الکلام ھو المرکب من الکلمتین " کلام وہی ہوتی ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مفصل کے نزدیک کلام صرف مسند اور مسند الیہ سے بنتی ہے اور ان کے متعلقات کلام سے خارج ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے صاحب مفصل کے نزدیک ضَرَبْتُ زَیْدًا میں کلام صرف ضربتُ ہے اور زیداً اس سے خارج ہے اس لئے کہ ضربت فعل فاعل دو کلمے بالاسناد ہیں۔ اور علامہ کے نزدیک ضَرَبْتُ زَیْدًا کا مجموعہ کلام ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مسند اور مسند الیہ کے متعلقات کو ساتھ ملا کر کلام بنتی ہے۔

...... بالاسناد میں باء اور الف لام کیسے ہیں ......

بالاسناد میں باء سببیہ ہے اور الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اصل عبارت اس طرح تھی " بِسَبَبِ اِسْنَادِ اِحْدَی الْکَلِمَتَیْنِ اِلَی الْاُخْرٰی "۔ دو کلموں میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اسناد کی وجہ سے۔ پھر اسناد کے مضاف الیہ احدی الکلمتین الی الاخری کو حذف کر کے اس کے عوض اسناد پر الف لام لے آئے۔[1]

☆...... مضاف الیہ کے عوض کتنی چیزیں آتی ہیں۔

مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کے عوض چار چیزوں میں سے کوئی ایک لائی جاتی ہے۔

☆...... پہلی چیز ضمہ ہے جیسے قبل اور بعد کے مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کے عوض قبل اور بعد کے آخر میں ضمہ لے آتے ہیں جیسے لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِن بَعْدُ . یہ اصل میں تھا مِنْ قَبْلِ کُلِّ شَیْئٍ وَمِنْ بَعْدِ کُلِّ شَیْئٍ

☆...... دوسری چیز تنوین ہے جیسے حینئذٍ یہ اصل میں تھا حِیْنَ اِذْ کَانَ کَذَا ۔ کان کذا اذ کا مضاف الیہ ہے اس کو حذف کر کے اس کے عوض اذ کے آخر میں تنوین لے آئے۔

☆...... تیسری چیز تکرار مضاف ہے جیسے یا تیم تیم عدی ۔ پہلے تیم کے مضاف الیہ کی جگہ مضاف کا تکرار لائے۔

☆...... چوتھی چیز الف لام ہے۔ جیسے بالاسناد میں اسناد کے مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کے عوض الف لام لائے۔

......اسناد کالغوی اور اصطلاحی معنی......

اسناد کالغوی معنی ہے نسبت کرنا اور اصطلاحی معنی ہے ''نِسبَۃُ اِحدَی الکَلِمَتَینِ اِلَی الاُخریٰ بِحَیثُ تُفِیدُ المُخاطَبَ فَائِدَۃً تَامَّۃً یَصِحُّ السُّکُوتُ عَلَیہِ'' دو کلموں میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اس حیثیت کے ساتھ نسبت کرنا کہ مخاطب کو اس سے مکمل فائدہ پہنچے اور اس پر چپ کرنا صحیح ہو۔ لغوی معنی میں نسبت عام ہے جو مرکب تام اور ناقص دونوں میں پائی جاتی ہے اور اصطلاحی معنی میں نسبت خاص ہے جو صرف مرکب تام میں پائی جاتی ہے۔ اگر کلام سے مخاطب کو فائدہ تام خبر کے لحاظ سے ہو تو اس کو جملہ خبریہ کہتے ہیں اور اگر فائدہ تام طلب کے لحاظ سے ہو تو اس کو جملہ انشائیہ کہتے ہیں۔ جملہ فعلیہ میں اسناد اصلی اور شبہ فعل میں اسناد شبہی پائی جاتی ہے۔

☆ ......**اعتراض**:۔ علامہ نے مَاتَضَمَّنَ کَلِمَتَینِ کہا ہے مَاتَرَکَّبَ کَلِمَتَینِ کیوں نہیں کہا حالانکہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ **جواب**:۔ اگر مَاتَرَکَّبَ کہا جاتا ہے تو اس سے کلام حکمی خارج ہو جاتی ہے اس لئے کہ ترکیب کلام حقیقی میں ہوتی ہے کلام حکمی میں نہیں ہوتی، جیسے اِضرِب جو بظاہر ایک کلمہ ہے مگر حکماً دو کلمے ہیں اس لئے کہ اس میں اَنتَ ضمیر مستتر ہے اور ماتضمن میں کلام حقیقی اور حکمی دونوں آ جاتے ہیں اس لئے **ماتضمن** کہنا ہی مناسب تھا۔

☆ ......بالاسناد کا متعلق کیا ہے...... ☆

بالاسناد میں جار مجرور کا متعلق حاصلاً محذوف ہے اور حاصلاً اپنے متعلق کے ساتھ مل کر صفت ہے موصوف محذوف تضمنا کی اور موصوف اپنی صفت کے ساتھ مل کر تضمن کا مفعول مطلق ہے۔ اس لحاظ سے اصل عبارت اس طرح ہوگی

''اَلکَلامُ مَاتَضَمَّنَ کَلِمَتَینِ تَضَمُّناً حَاصِلاً بِالاِسنَادِ''۔

کلام وہ ہوتی ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو ایسا تضمن جو اسناد کے ساتھ حاصل ہو۔

☆ ......**اعتراض** :۔ بالاسناد کی وجہ سے تَضَمُّناً حَاصِلاً کو محذوف کیوں مانا گیا ہے۔

جواب :۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب جار مجرور کلام میں واقع ہوتے ہیں تو ان کا اعراب محلی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بالاسناد کا اعراب محلی کیا ہے تو اس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ یہ **ماتضمن** کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس لئے کہ

تضمنا حاصلا کو حذف کر کے اس کی جگہ بالاسناد کو رکھ کر دیا گیا ہے۔

☆......**اعتراض** :۔ بالاسناد کو ماتضمن کا مفعول مطلق کیسے بنایا جا سکتا ہے حالانکہ مفعول مطلق تو وہ مصدر ہوتا ہے جو اس فعل کے ہم معنی ہوتا ہے جس سے یہ مفعول واقع ہو رہا ہو اور بالاسناد تو ماتضمن کے ہم معنی نہیں اس لئے اس کو ماتضمن کا مفعول مطلق بنانا درست نہیں۔

جواب:۔ ما تضمن کا مفعول مطلق تضمنا محذوف ہے جو کہ بالاسناد کا موصوف ہے چونکہ بالاسناد کو اس کی جگہ رکھا گیا ہے اس لئے اس کو ماتضمن کا مفعول مطلق کہہ دیا گیا ہے۔ اور بالاسناد جار مجرور ہے اور جار مجرور اکیلے صفت نہیں بنتے بلکہ اپنے متعلق کے ساتھ مل کر صفت بنتے ہیں اور یہاں بالاسناد اپنے متعلق حاصلاً کے ساتھ مل کر تضمناً کی صفت واقع ہے۔

......بالاسناد کے اعراب میں احتمالات......

ایک احتمال تو پہلے بیان ہوا کہ بالاسناد اپنے متعلق کے ساتھ مل کر تضمنا کی صفت واقع ہے اور صفت موصوف مل کر ما تضمن کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب محلی ہے۔

دوسرا احتمال:۔ بالاسناد اپنے متعلق حاصلا کے ساتھ مل کر مَا تَضَمَّنَ سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لحاظ سے اصل عبارت تھی "ما تضمن کلمتین حاصلا بالاسناد" کہ کلام وہ لفظ ہوتا ہے جو دو کلموں کو متضمن ہو درانحالیکہ وہ تضمن اسناد کے ساتھ حاصل ہو۔

تیسرا احتمال:۔ بالاسناد اپنے متعلق کے ساتھ مل کر کلمتین کی صفت ہے اصل عبارت ہے " اَلْکَلَامُ مَاتَضَمَّنَ کَلِمَتَیْنِ حَاصِلَتَیْنِ بِالْاَسْنَادِ "۔ کلام وہ ہوتی ہے جو ایسے دو کلموں کو متضمن ہو جو اسناد کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔ اس میں حاصلتین بالاسناد صفت ہوگی کلمتین کی اور کلمتین مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے اس کی صفت بھی منصوب ہوگی۔

☆......کلام اور جملہ میں کیا فرق ہے؟......☆

کلام اور جملہ میں فرق کے بارہ میں تین نظریات ہیں۔ پہلا نظریہ کہ کلام خاص اور جملہ عام ہے اس لئے کہ کلام

میں صرف اسناد اصلی پائی جاتی ہے جبکہ جملہ میں اسناد اصلی اور شبہی دونوں پائی جا سکتی ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ کلام عام ہے اور جملہ خاص ہے اس لئے کہ کلام رب العالمین ،فرشتوں ،جنوں اور انسانوں میں سے ہر ایک کے کلام کو کہا جاتا ہے جبکہ جملہ صرف انسانی کلام کو کہا جاتا ہے۔

تیسرا نظریہ جمہور کا ہے کہ کلام اور جملہ میں کوئی فرق نہیں بلکہ ایک چیز ہی کے دونام ہیں۔

وَلَا يَتَاتّٰى ذَالِكَ اِلَّا فِىْ اِسْمَيْنِ اَوْ اِسْمٍ وَ فِعْلٍ.

اور وہ حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں میں یا اسم اور فعل میں۔ یہاں ذالک کے مشار الیہ میں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ الکلام ہے اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ کلام صرف دو اسموں یا اسم اور فعل کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ **ما تضمن کلمتین بالا سناد** کے ضمن میں جو تضمن ہے وہ اس کا مشار الیہ ہے یعنی دو کلموں کا اسناد کے ساتھ تضمن صرف دو اسموں یا اسم اور فعل کی صورت میں پایا جاتا ہے۔

☆......**اعتراض**:۔علامہ نے کہا ہے **وَلَا يَتَاتّٰى** اور **يَتَاۤتّٰى اِتْيَانٌ** سے ہے جس کا معنی ہے آنا اور یہ تو صرف ذی روح چیز میں ہی پایا جا سکتا ہے۔اور کلام ذی روح چیز نہیں اس لئے یہاں **لا یتاتی** کہنا درست نہیں۔

جواب:۔یہاں **لا یتاتی** کا معنی **لا یحصل** ہے کہ وہ حاصل نہیں ہوتا۔ **وَلَا يَتَاتّٰى ذٰالِكَ اِلَّا فِى اِسْمِين او اسمٍ و فعلٍ** کی عبارت پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ علامہ نے کلمہ کی بحث میں پہلے کلمہ کی اقسام بیان کی ہیں اور پھر وجہ حصر بیان کی ہے اور یہاں کلام کی تقسیم میں ہی حصر کو بیان کر دیا ہے اس لئے کہ **اِسْمَيْنِ** میں جملہ اسمیہ اور اسم وفعل میں جملہ فعلیہ اور ان ہی سے جملہ انشائیہ بھی ثابت ہوتا ہے تو اس میں کلام کی اقسام بیان ہوئیں اور پھر **لا یتاتی** نفی کے بعد جب **الا فی اسمین** کہا تو نفی کے بعد استثناء حصر کا فائدہ دیتی ہے تو ایک ہی جملہ میں کلام کی تقسیم اور حصر بیان کر دی۔علامہ نے ایسا کیوں کیا ہے کلمہ کی بحث کی طرح پہلے اقسام اور پھر وجہ حصر کیوں بیان نہیں کی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جیسے کلمہ کی اقسام کی علیحدہ وجہ حصر بیان کی ہے اسی طرح کلام کی اقسام کی علیحدہ وجہ حصر

کیوں بیان نہیں کی۔ **جواب**:۔ان دونوں اعتراضوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کلمہ کی عقلی طور پر جو اقسام ہوسکتی تھیں ان میں سے ہر ایک پر کلمہ کی تعریف صادق آتی ہے جبکہ کلام کی عقلی طور پر جو اقسام ہوسکتی ہیں ان میں سے ہر ایک پر کلام کی تعریف صادق نہیں آتی بلکہ بعض پر صادق آتی ہے۔

عقلی طور پر کلام کی اقسام

عقلی طور پر کلام کی سات اقسام بن سکتی ہیں۔

پہلی قسم کہ دونوں کلمے اسم ہوں جیسے زید قائم ۔دوسری قسم کہ دونوں کلمے فعل ہوں جیسے ضَرَبَ یَضْرِبُ ۔

تیسری قسم کہ دونوں کلمے حرف ہوں جیسے بِاَنَّ ۔چوتھی قسم کہ ایک فعل اور ایک اسم ہو جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ۔

پانچویں قسم کہ ایک اسم اور ایک حرف ہو جیسے .لزید۔ چھٹی قسم کہ ایک فعل اور ایک حرف ہو جیسے اَن یَّضْرِب ۔

ساتویں قسم کہ اسم فعل اور حرف تینوں کا مجموعہ ہو جیسے زید ان یضرب یا ان یضرب زید ۔کلام میں اسناد کا ہونا ضروری ہے اور ان سات صورتوں میں سے صرف تین صورتوں میں اسناد پائی جاتی ہے اور وہ تین صورتیں یہ ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں کلمے اسم ہوں جیسے زید قائم ۔زید مسند الیہ اور قائم مسند ہے۔

دوسری صورت کہ ایک فعل اور ایک اسم ہو جیسے ضرب زید۔اس میں ضرب مسند اور زید مسند الیہ ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ تینوں کا مجموعہ ہو جیسے اُرِیدُ اَنْ تَضْرِبَ ۔علامہ ابن حاجب نے اس تیسری صورت کو علیحدہ ذکر نہیں کیا اس لئے کہ اگر فعل پہلے ہو تو وہ جملہ فعلیہ ہے اور اگر پہلے اسم ہو تو جملہ اسمیہ ہے اس لئے اس صورت کو علامہ نے علیحدہ ذکر نہیں کیا۔جب کلام کی عقلی طور پر حاصل ہونے والی تمام اقسام پر کلام کی تعریف صادق نہیں آتی تو ضروری تھا کہ تقسیم کے اندر ہی حصر لایا جاتا۔اور جب تعریف کے اندر ہی حصر لایا گیا تو بعد میں علیحدہ وجہ حصر بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔

وَلَایَتَاَتّیٰ ذَالِکَ میں اسم اشارہ لانے پر اعتراض

ولا یتاتی ذالک میں ذالک اسم اشارہ ہے اور الکلام اس کا مشار الیہ ہے۔اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا ذکر پہلے ہو چکا ہو اور اسی کا اعادہ مقصود ہو تو ضمیر لائی جاتی ہے جو کہ اس کی طرف راجع ہوتی ہے۔ایسی صورت میں اسم اشارہ لانے کی بہ نسبت ضمیر لانا بہتر ہوتا ہے اس لئے ذالک کی بجائے ہو ضمیر لا کر عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ ولا

یتاتی هو الا فی اسمین :۔

جواب: بے شک ایسی صورت میں ضمیر کالانا بہتر ہے مگر اسم اشارہ اوقع فی النفس ہوتا ہے یعنی اسم اشارہ سے بات جلدی سمجھ آجاتی ہے اس لئے یہاں ضمیر کی بجائے اسم اشارہ لائے ہیں۔

☆......اَوْ اِسْمٍ وَ فِعْلٍ پر اعتراض......☆

علامہ نے اسم وفعل سے جملہ فعلیہ مراد لیا ہے حالانکہ فعلیہ میں تو فعل مقدم ہوتا ہے تو یہاں علامہ نے جملہ فعلیہ مراد لینے کے باوجود اسم کو پہلے کیوں ذکر کیا ہے۔

جواب :۔اسم کو فعل پر رتبہ حاصل ہے اس لئے اس کے رتبے کا لحاظ رکھ کر اس کو پہلے ذکر کر دیا ہے۔

☆ ...... **اعتراض** :۔علامہ نے کہا کہ کلام صرف دو اسموں یا ایک اسم اور فعل سے حاصل ہوتی ہے حالانکہ جملہ ندائیہ میں حرف اور اسم سے مرکب کو بھی کلام کہا جاتا ہے جیسے یازید جو کہ نحویوں کے نزدیک جملہ ہے۔

جواب :۔ جملہ ندائیہ میں حرف نداء اَدْعُوْ یا اطلبُ فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔اس لئے یازید بظاہر تو حرف اور اسم سے مرکب ہے مگر درحقیقت یہ فعل اور اسم سے مرکب ہوتا ہے۔

❀ ۔**اسم کی تعریف** ''اَلِاسْمُ مَا دَلَّ عَلٰی مَعْنیً فِیْ نَفْسِه غَیْرِ مُقْتَرِنٍ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلاثَةِ'' 'اسم وہ کلمہ ہوتا ہے جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل ہو (یعنی کسی دوسرے کلمہ کا محتاج نہ ہو) اور تین زمانوں میں سے کسی ایک کیساتھ ملا ہوا نہ ہو اور مَادَلَّ میں ما سے مراد کلمہ ہے اس لئے کہ تقسیم کلمہ کی ہوئی ہے (اور مقسم اپنی اقسام کی تعریفات میں معتبر ہوتا ہے اس لئے ما سے مراد کلمہ ہے اور یہ ما بمنزلہ جنس کے ہے اور علی معنی فی نفسه بمنزلہ فصل اول کے ہے اس سے حروف نکل گئے اور غیر مقترن بمنزلہ فصل ثانی کے ہے اس سے افعال نکل گئے)

☆......الاسم پر الف لام کونسا ہے؟......☆

الاسم پر جو الف لام ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ الف لام جنسی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام عہد خارجی ہے الف لام جنسی بنانے کی دلیل یہ ہے کہ علامہ یہاں سے اسم کی تعریف کر رہے ہیں اور تعریف جنس کی ہوتی ہے

اس لئے یہ الف لام جنسی ہے۔ اور الف لام عہد خارجی بنانے کی دلیل یہ ہے کہ ایک قاعدہ ہے کہ اگر ایک اسم کو پہلے ذکر کر دیا گیا ہو تو پھر اگر دوبارہ اسی کا ذکر کیا جائے تو اس پر الف لام عہد خارجی ہوتا ہے اور علامہ جس اسم کی تعریف کر رہے ہیں اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اس لئے الاسم پر الف لام عہد خارجی ہے۔

☆......اعادۂ اسم کی صورتیں اور ان کا حکم......☆

اگر ایک اسم کو پہلے ذکر کر دیا گیا ہو تو پھر دوبارہ اس کو ذکر کرنے کی چار صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ پہلا اور دوسرا اسم دونوں اسم معرفہ ہوں جیسے فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا میں العسر پہلا اور دوسرا دونوں معرف باللام ہیں۔ اگر دونوں اسم معرفہ ہوں تو پہلے اور دوسرے اسم سے ایک ہی مراد ہوتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مذکورہ آیات میں دونوں العسر سے ایک ہی مراد ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اسموں میں سے پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو تو اس صورت میں بھی پہلے اور دوسرے اسم سے ایک ہی مراد ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے ''كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ ، پہلے رسولاً نکرہ ہے اور پھر الرسول معرفہ ہے اور دونوں سے مراد ایک ہی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اسی طرح علامہ نے کلمہ کی تقسیم میں اِسْم نکرہ ذکر کیا اور یہاں الاسم معرفہ ذکر کیا ہے تو اس سے مراد وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہوا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں اسم نکرہ ہوں تو ایسی صورت میں پہلے اسم سے مراد اور ہوگا اور دوسرے اسم سے مراد اور ہوگا۔ جیسے فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا میں دونوں جگہ یُسْراً نکرہ ہے اس لئے پہلے یسراً سے مراد اور اور دوسرے یسراً سے مراد اور ہوگا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک تنگی پر دو آسانیاں ملتی ہیں۔۔۔۔۔ یہ قاعدہ جو بیان کیا گیا ہے کہ اگر دونوں اسم نکرہ ہوں تو پہلے سے مراد اور اور دوسرے سے مراد اور ہوتا ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اکثری ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے ''وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ'' اس میں پہلا اور دوسرا دونوں اِلٰـہٌ نکرہ ہیں۔ اور اگر قاعدہ کلیہ قرار دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ آسمان پر الٰہ اور ہے اور زمین پر اور ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ زمین و آسمان میں معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ پہلا اسم معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو تو اس صورت میں بھی پہلے سے مراد اور اور دوسرے سے مراد اور ہوگا جیسا کہ حضرات فقہاء کرام نے مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی ایک مجلس میں کہتا ہے "عَلَیَّ الاَلِفُ لِزَیْدٍ" میرے ذمہ زید کے ہزار درہم ہیں اور دوسری مجلس میں کہتا ہے عَلَیَّ اَلْفٌ لِزَیْدٍ ۔ تو اس آدمی پر زید کے لئے دو ہزار لازم ہوں گے اس لئے کہ پہلے الالف معرف بالام سے مراد اور ہے اور وہ دوسرے الف" نکرہ سے مراد اور ہے۔ اور یہ دو علیحدہ علیحدہ اقرار ہوں گے۔

☆ ...... **اعتراض** :۔ جب کلمہ کی اقسام کی دلیل حصر میں اسم فعل اور حرف میں سے ہر ایک کی تعریف ہو چکی ہے جس کی جانب علامہ نے وَقَدْ عُلِمَ بِذَالِکَ حَدُّ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهَا سے توجہ دلائی ہے تو پھر اسم فعل اور حرف کی دوبارہ تعریفیں کیوں کی گئی ہیں۔

جواب:۔ پڑھنے والوں کے ذہن ایک ہی درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ کچھ طلبہ بہت ذکی اور ذہین ہوتے ہیں وہ ضمناً کہی گئی بات کو بھی سمجھ جاتے ہیں ایسے لوگ تو دلیل حصر کے ضمن میں کی گئی اسم فعل اور حرف کی تعریفات کو سمجھ جائیں گے۔ اور کچھ ذہن کے لحاظ سے درمیانہ درجہ کے ہوتے ہیں جب تک ان کو توجہ نہ دلائی جائے وہ بات کو نہیں سمجھ سکتے ایسے لوگوں کو **وقد علم بذالک** سے توجہ دلا دی۔ اور کچھ ذہن کے کمزور ہوتے ہیں۔ جب تک ان کو صراحت سے بات نہ بتائی جائے اسوقت تک ان کو بات سمجھ نہیں آتی۔ ایسے لوگوں کا لحاظ رکھ کر اسم فعل اور حرف میں سے ہر ایک کی تعریف صراحت سے بھی کر دی۔

......اسم کی تعریف پر اعتراض......

اس کی تعریف میں **دل علی معنی فی نفسه** کی قید سے جس طرح حروف نکل جاتے ہیں اسی طرح فعل بھی نکل جاتے ہیں فصل ثانی غیر مقترن لانے کی کیا ضرورت تھی؟ فعل اس طرح نکل جاتے ہیں کہ جب اسم کی تعریف میں **مادل علی معنیً فی نفسه** کہا اور دَلَّ میں دلالت مطلقہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے اور دلالت کا فرد کامل دلالت مطابقی ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ اسم وہ کلمہ ہوتا ہے جس کی اپنے معنی پر دلالت مطابقی ہو۔ اور فعل کی اپنے معنی مستقل پر دلالت مطابقی نہیں ہوتی اس لئے کہ فعل معنی مصدری، اقتران بالزمان اور نسبت الی

الفاعل تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے ان میں صرف معنی مصدری مستقل ہوتا ہے اور اقتران بالزمان اور نسبت الی الفاعل دونوں غیر مستقل ہوتے ہیں۔اور پھر قاعدہ ہے کہ جو چیز مستقل اور غیر مستقل سے مرکب ہو وہ غیر مستقل ہوتی ہے اس لئے کہ منطقی ضابطہ ہے کہ نتیجہ ہمیشہ ارذل یعنی گھٹیا کے تابع ہوتا ہے اس لحاظ سے فعل کا معنی مطابقی غیر مستقل ہے جب اسم اپنے معنی مطابقی پر دلالت کرنے میں مستقل ہے اور فعل غیر مستقل ہے تو اسم کی تعریف سے فعل التزاماً نکل گئے اس لئے آگے غیر مقترن کی قید لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب:۔اسم کی تعریف میں **مادل** سے فعل التزاماً نکلتے ہیں اور تعریفات میں دلالت التزامی اور تضمنی کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے فعل کے التزاماً نکلنے کا اعتبار نہیں ہوگا۔جب اس کا اعتبار نہیں تو اسم کی تعریف میں مادل سے فعل خارج نہیں ہوئے اس لئے غیر مقترن کی قید ضروری تھی تاکہ فعل نکل جائیں۔اور اسم کی تعریف جامع و مانع ہو جائے۔

☆...... **اعتراض** قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جو مستقل اور غیر مستقل سے مرکب ہوتا ہے وہ غیر مستقل ہوتا ہے تو کلام کا ایک جزو اسناد ہے اور اسناد غیر مستقل ہوتی ہے۔تو اس قاعدہ کے مطابق کلام کو بھی غیر مستقل کہنا چاہیے۔

جواب:۔یہ قاعدہ ہر مستقل اور غیر مستقل سے مرکب کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ ایسے مرکب کے بارہ میں ہے جس کی ترکیب کسی ایسے غیر مستقل سے ہو جو امر خارج اور اجنبی کا محتاج ہو جیسے فعل کا ایک جزء نسبت الی الفاعل ہے جو امر خارج یعنی فاعل کا محتاج ہے۔اور کلام کے اندر جو اسناد ہوتی ہے وہ کسی امر خارج اور اجنبی کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ اس کی احتیاج مسند اور مسند الیہ ہی میں سے کسی کی طرف ہوتی ہے اس لئے کلام میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔

☆...... **اعتراض**:۔**مادل** میں **ما** سے مراد کلمہ ہے جو کہ مونث ہے اور **دَل** میں **ھو** ضمیر کا مرجع بھی **ما** ہے اور **ھو** ضمیر مذکر ہے اس لئے ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں۔اس لئے کہ ما سے مراد جب کلمہ ہے تو ما مونث ہے جبکہ **ھو** ضمیر مذکر ہے۔

جواب:۔ **ما** لفظاً مذکر اور معنیً مونث ہے۔جب ما سے مراد کلمہ لیا تو اس حالت میں ما کے معنی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔اور جب ھو ضمیر اس کی طرف لوٹائی گئی تو اس حالت میں ما کے لفظ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔اس لئے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔

☆......**اعتراض**:۔علامہ نے دلیل حصر میں اسم فعل اور حرف کی جو تعریف کی ہے اسمیں علی معنی فی نفسھا کہا اور یہاں اسم کی تعریف میں فی نفسہ کہا ہے۔دونوں جگہ فی نفسھا یا دونوں جگہ فی نفسہ کیوں نہیں کہا۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا **جواب**:۔دلیل حصر میں ھا ضمیر کا مرجع الکلمة ہے جو کہ مونث ہے اس لئے ضمیر مونث کی لائے۔اور یہاں اسم کی تعریف میں نفسہ میں ہٖ ضمیر کا مرجع ما ہے جس سے مراد کلمہ ہے اور مالفظاً مذکر ہے اس لئے مذکر کی ضمیر لائے ہیں۔دوسرا **جواب**:۔ فی نفسہ میں جس طرح ہٖ ضمیر کا مرجع ما کو بنایا جاسکتا ہے اسی طرح اسکا مرجع معنیٰ کو بنانے کا بھی احتمال ہے جیسا کہ بعض شارحین نے ہٖ ضمیر کا مرجع معنیٰ کو بنایا ہے اس لئے ضمیر مذکر کی لائے۔

فی نفسہ کی ترکیب......فی نفسہ کا متعلق ثابت محذوف ہے اور ثابت اپنے متعلق کے ساتھ مل کر معنیٰ کی صفت ہے۔اور معنی یہ ہوگا کہ اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو معنیٰ اس کی ذات میں ثابت ہے۔

☆......**اعتراض**:۔جب فی نفسہ میں ضمیر کا مرجع معنیٰ بن سکتا ہے تو اسی کو مرجع کیوں نہیں بنایا گیا جبکہ یہ قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار بھی ہے اور مذکر ہونے کی وجہ سے ضمیر کے مطابق بھی ہے۔

جواب:۔قریب ہونے کی وجہ سے معنی کو مرجع بنانا بہتر تھا مگر ایک خوبی کی وجہ سے اس کے خلاف کیا گیا۔خوبی یہ ہے کہ اس صورت میں ضمائر کا اتحاد ہو جاتا ہے یعنی سب ضمیروں کا مرجع ایک ہی ہو جاتا ہے۔اور وہ کلمہ ہے۔اگر معنی کو مرجع بنائیں تو ضمائر میں انتشار ہوگا کہ کسی چیز کا مرجع کلمہ اور کسی ضمیر کا مرجع معنیٰ ہوگا۔اس لئے اس خوبی کو مدنظر رکھتے ہوئے معنیٰ کی بجائے ما کو مرجع بنایا گیا ہے۔باقی رہی یہ بات کہ معنی ً مذکر ہے اور ہٖ ضمیر اس کے مطابق ہے تو اس کا جواب پہلے ہو چکا ہے کہ ما لفظاً مذکر اور معنیٰ مونث ہے اور جو لفظاً مذکر اور معنیٰ مونث ہو اس کی طرف مذکر اور مونث میں سے ہر ایک ضمیر لوٹائی جاسکتی ہے۔

☆......**اعتراض**:۔فی نفسہ میں ہٖ ضمیر کا مرجع معنیٰ کو بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہو جائیگا کہ اسم وہ ہوتا ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس معنی میں ثابت ہے۔اس سے تو ظَرفِیَّةُ الشَّیْئِ لِنَفْسِہٖ. شیئی کا اپنی ذات میں پایا جانا لازم آتا ہے کہ معنی معنی میں ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

جواب :.فی نفسہ میں فی ظرفیت کے لئے نہیں ہے بلکہ اعتبار کے معنی میں ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ''اَلشَّجَرُ فِیْ نَفْسِہٖ بِمِائَۃِ دِرْھَمٍ '' درخت اپنی ذات کے اعتبار سے سو درہم کا ہے۔اس لحاظ سے ما دل علی معنی فی نفسہ کا معنی یہ ہوگا کہ اسم وہ ہوتا ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معنی اپنی ذات میں معتبر ہوتا ہے اور اپنی ذات میں معتبر وہی معنی ہوتا ہے جو کسی دوسرے کلمہ کو ملائے بغیر حاصل ہو جائے۔جب فی نفسہ میں فی ظرفیت کے لئے نہیں ہے تو ظرفیۃ الشیئی لنفسہ لازم نہیں آتا۔

☆......غیر مقترن کی ترکیب......☆

اگر غیر کو مرفوع پڑھیں تو اس میں دو احتمال ہیں۔ایک یہ ہے کہ یہ الاسم کی خبر ثانی ہے جبکہ اس کی پہلی خبر ماد ل ہے ۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے۔اور اصل عبارت تھی ھو غیر مقترن ۔اگر غیر کو مجرور پڑھیں تو یہ معنیً کی صفت ہوگی اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اسم وہ ہوتا ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک کو ملا ہوا نہیں ہوتا۔۔۔اگر غیر کو منصوب پڑھیں تو یہ معنیً سے حال ہوگا ''وَمِنْ خَوَاصِہٖ دُخُوْلُ اللَّامِ وَالْجَرِّ وَالتَّنْوِیْنُ وَالْاِ ضَافَۃُ وَالْاِ سْنَادُ اِلَیْہِ۔اور اس اسم کے خواص میں سے ہے لام کا داخل ہونا اور جر۔تنوین۔اضافت اور اس کی جانب اسناد کا ہونا۔یعنی مسند الیہ ہونا۔

☆......**اعتراض** :۔علامہ کو نحوی ہونے کی حیثیت سے اسم کی تعریف اور احکام ہی بیان کرنے چاہییں اس کے خواص کیوں ذکر کئے ہیں۔

جواب :۔اسم کے خواص اس لیئے بیان کئے ہیں کہ ان کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے عبارت میں اسم کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔نیز یہ کہ اسم کے دو وجود ہیں۔ایک وجود ذہنی اور دوسرا خارجی۔اسم کی تعریف سے اس کے وجود ذہنی کی معرفت حاصل ہو گئی جبکہ وجود خارجی کی پہچان کے لئے خواص کا بیان ضروری تھا تا کہ اس کی زیادہ وضاحت ہو جائے۔

☆ ......**اعتراض**۔۔۔۔علامہ نے ومن خواصہ کہا ہے اور خواص جمع کثرت ہے جو دس یا اس سے زیادہ پر بولی جاتی ہے ۔اس کا یہاں لانا درست نہیں اس لئے کہ علامہ نے آگے صرف پانچ خاصے بیان کئے ہیں جو کہ جمع قلت کے افراد ہیں۔اس لئے علامہ کو جمع کثرت کی بجائے جمع قلت کا صیغہ لانا چاہیئے تھا۔

جواب :۔علامہ نے خواص جمع کثرت لا کر یہ بتایا کہ اسم کے خاصے بہت سے ہیں۔جبکہ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اسم کے خاصے بائیس (۲۲) کے قریب ہیں۔اور پھر خواص پر **من تبعیضیہ** داخل کر کے بتادیا کہ آگے جو خاص بیان کئے گئے ہیں وہ اسم کے سارے خواص نہیں بلکہ ان میں سے بعض ہیں۔علامہ نے اسم کے جو خواص بیان کئے ہیں وہ مشہور اور بڑے بڑے ہیں۔اس لئے ان کو بیان کرنے کی وجہ سے ترجیح بلا مرجح کا اعتراض نہیں ہوسکتا۔

☆......**اعتراض** ۔علامہ نے من خواصہ کیوں کہا ہے وخواصہ کیوں نہیں کہا۔جواب۔اگر خواصہ کہتے تو ظاہر ہوتا کہ اسم کے سارے خواص وہی ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں حالانکہ اسم کے خواص صرف یہی نہیں بلکہ یہ خواص میں سے بعض ہیں۔ ☆......**اعتراض** :۔ومن خواصہ میں مِنْ تبعیضیہ ہے جو کہ چند افراد پر دلالت کرتا ہے اس کو جمع قلت پر تو لایا جاسکتا ہے مگر جمع کثرت پر اس کو لانا درست نہیں۔مِنْ چند افراد پر اور جمع کثرت دس یا اس سے زائد افراد پر بولی جاتی ہے تو ان دونوں کو اکٹھے لانے سے اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔اس لئے خواصہ جمع کثرت پر مِنْ تَبعیضیہ کا لانا درست نہیں ہے۔<u>اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔</u>

پہلا جواب :عرب لوگ جمع قلت اور جمع کثرت کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں اس لئے خواص اگر چہ جمع کثرت ہے مگر مراد اس سے جمع قلت ہے لہذا کوئی تضاد نہ رہا۔

دوسرا جواب :۔علامہ رضی نے کہا کہ مِن خواصہ میں مِنْ تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ وصلیہ ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب جمع کثرت ضمیر کی طرف مضاف ہو تو وہ جنس یا استغراق کا فائدہ دیتی ہے،اور یہاں بھی خواص آگے ضمیر کیطرف مضاف ہے تو اس نے استغراق کا فائدہ دیا پھر قاعدہ ہے کہ استغراق پر مِنْ تبعیضیہ نہیں آتا اس لئے مِن خواصہ پر من تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ وصلیہ ہے،جب من تبعیضیہ نہیں تو اجتماع ضدین بھی نہ ہوا۔

☆......وَمِنْ خَوَاصِہٖ دُخُوْلُ اللَّامِ کی ترکیب......☆

من خواصہ خبر مقدم اور دخول اللام مبتداء موخر ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک ظرف مستقر مبتدا واقع نہیں ہوتی۔علامہ زمخشری کے نزدیک واقع ہوسکتی ہے اسی لیئے اس نے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ میں من الناس کو مبتدا بنایا ہے

یہاں من خواصہ خبر کو مبتدا پر قرب مرجع کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

☆......اسم کے خواص......☆

اسم کے خواص دو قسم پر ہیں۔ پہلی قسم لفظیہ اور دوسری قسم معنویہ ہیں۔علامہ نے اسم کے جو خواص بیان کئے ہیں ان میں سے الف لام جر اور تنوین خواص لفظیہ ہیں اور اضافت اور اسناد خواص معنویہ ہیں۔علامہ نے خواص لفظیہ کو معنویہ پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ لفظ معنی پر مقدم ہوتا ہے۔

☆......دخول اللام......☆

اسم کی ابتداء میں الف لام داخل ہوتا ہے اور لام سے مراد الف لام تعریف ہے مطلق لام مراد نہیں کہ اس کی وجہ سے لام امر اور لام تاکید کی صورت میں اس پر اعتراض ہو سکے۔الف لام اسم کی ابتداء میں آتا ہے اس لئے دخول کا لفظ استعمال کیا کہ لام اسم پر داخل ہوتا ہے۔لام ابتداء میں آتا ہے اس لئے اس کو باقی خواص لفظیہ پر مقدم کیا ہے۔

☆......**اعتراض** :۔علامہ نے دُخُوْلُ اللَّامِ کہا ہے دُخُوْلُ الْاَلِفِ وَ اللَّامِ یا دُخُوْلُ حَرْفِ التَّعْرِیْفِ کیوں نہیں کہا۔ **جواب**:۔حرف تعریف کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے امام سیبویہ کا نظریہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے اسلئے کہ تعریف تنکیر کی ضد ہے اور تنکیر کے لئے صرف تنوین ہے تو اس کے مقابل تعریف کے لئے بھی صرف ایک حرف لام ہے اور یہ لام ساکن ہوتا ہے اور ابتداء سکون کے ساتھ محال ہوتی ہے اس لئے اس لام پر ہمزہ زیادہ کیا گیا تا کہ ابتداء آسان ہو جائے۔اور امام خلیل بن احمد کا نظریہ ہے کہ حرف تعریف اَلْ ہے اس لئے کہ تعریف تشکیک کی ضد ہے اور تشکیک کے لئے هَلْ آتا ہے تو اس کے مقابل تعریف کے لئے اَلْ ہے۔

☆...... **اعتراض** :۔امام خلیل کے نظریہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر اَلْ الف لام کا مجموعہ حرف تعریف ہے تو پھر درج کلام میں ہمزہ گر کیوں جاتا ہے اور جب ہمزہ گر جاتا ہے تو اس کے بعد اسم نکرہ کیوں نہیں بنتا۔

☆ **جواب** :۔ہمزہ کے گر جانے کے بعد لام باقی رہتا ہے وہ کل کے قائم مقام ہو جاتا ہے جب لام کل کے قائم مقام بن جاتا ہے تو ہمزہ کے گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور امام مبرد کا نظریہ یہ ہے کہ حرف تعریف ہمزہ ہے اس لئے کہ تعریف

تشکیک کی ضد ہے اور تشکیک کے لئے ہمزہ استفہام آتا ہے تو تعریف کے لئے بھی ہمزہ ہے پھر اس کے بعد لام زیادہ کیا گیا تا کہ ہمزہ تعریف اور ہمزہ استفہام کے درمیان فرق کیا جا سکے امام مبرد کے نظریہ پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر حرف تعریف ہمزہ ہے تو یہ درج کلام میں گرتا کیوں ہے اور پھر اس کے گر جانے کے بعد اسم نکرہ کیوں نہیں بن جاتا۔

ان نظریات میں سے علامہ کو امام سیبویہ کا نظریہ پسند ہے اس لئے **دخول اللام** کہا ہے۔

☆......**اعتراض**:۔ جب تعریف کے لئے صرف لام ہے اور صرف اس کے سکون کی وجہ سے ابتداء میں ہمزہ لایا گیا ہے تو ہمزہ لانے کی بجائے لام کو حرکت کیوں نہ دے دی گئی تا کہ ہمزہ کا اضافہ بھی نہ کرنا پڑتا اور ابتداء بھی آسان ہو جاتی۔

جواب :۔ لام کو حرکت دینے میں دشواری اور التباس تھا اس لئے اس کو حرکت نہیں دی گئی۔ اس لئے کہ اگر لام کو ضمہ کی حرکت دیتے تو ابتداء ضمہ کے ساتھ دشوار ہوتی ہے۔ اگر لام کو فتحہ کی حرکت دی جاتی تو اس کی لام تاکید کے ساتھ مشابہت ہوتی اور اگر جر کی حرکت دی جاتی ہے تو اس کی لام امر کے ساتھ مشابہت ہوتی اس لئے لام کو حرکت دینا مناسب نہیں تھا۔

☆......**اعتراض**:۔ علامہ نے **ومن خواصه دخول اللام** کہا ہے کہ لام کا داخل ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ اور خاصہ اس کو کہتے ہیں **مایوجد فيه ولا يوجد في غيره** کہ جس کا خاصہ قرار دیا گیا ہے اس میں وہ پایا جائے اور اس کے علاوہ میں نہ پایا جائے۔ اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ لام ہر قسم کے اسم پر داخل ہو سکتا ہے حالانکہ اسماء اشارات، اسماء موصولات اور مضمرات ایسے اسماء ہیں جن پر لام تعریف داخل کرنا درست نہیں ہے۔ جب ہر قسم کے اسم پر لام تعریف داخل نہیں ہو سکتا تو **دخول اللام** کو اسم کا خاصہ بنانا درست نہیں ہے۔

جواب : خاصہ کی دو قسمیں ہیں <u>پہلی قسم خاصہ شاملہ</u> اور <u>دوسری قسم خاصہ غیر شاملہ</u>۔

'' خاصہ شاملہ وہ ہوتا ہے جو شیئی کے تمام افراد میں پایا جائے جیسے انسان کے لئے کاتب بالقوہ خاصہ شاملہ ہے کہ انسان کا کوئی فرد اس سے خالی نہیں ہے۔

'' اور <u>خاصہ غیر شاملہ</u> وہ ہوتا ہے جو شیئی کے بعض افراد میں پایا جائے اور اس شیئی کے علاوہ کسی اور میں نہ پایا جائے جیسے انسان کے لئے کاتب بالفعل خاصہ غیر شاملہ ہے اس لئے کہ یہ انسان کے بعض افراد میں پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں پایا جاتا مگر انسان کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔ دخول اللام اسم کا خاصہ ہے غیر شاملہ ہے کہ اسم کے بعض افراد میں پایا جاتا

ہے مگر اسم کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا۔

☆......**اعتراض**:۔۔۔جس طرح اسم پر لام تعریف داخل ہوتا ہے اسی طرح تعریف کے لئے میم بھی داخل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "لَیْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِیَامِ فِی امْسَفَرِ" یہاں بِر. صیام اور سفر پر میم تعریف داخل ہے۔ جب تعریف کے لئے میم بھی آتی ہے تو علامہ کو **دخول اللام** کے ساتھ **المیم** بھی کہنا چاہیئے تھا یا پھر **دخول اللام** کی بجائے **دخول حرف التعریف** کہتا تا کہ میم بھی اس میں شامل ہو جاتی۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔ میم کا تعریف کے لئے ہونا مشہور نہیں بلکہ اس کا استعمال بہت نادر ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

دوسرا جواب میم اصل میں تعریف کے لئے ہی نہیں بلکہ بعض مقامات میں لام کو ہی میم سے بدل دیتے ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ جب میم اصل کے لحاظ سے تعریف کے لئے نہیں تو اسی لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

☆......**اعتراض**:۔ منادی کی تعیین کے لئے منادی پر جو حرف نداء داخل ہوتا ہے وہ حرف نداء بھی تعریف کے لئے ہوتا ہے اس لئے مناسب یہی تھا کہ **دخول اللام** کی بجائے **دخول حرف التعریف** کہا جاتا تا کہ ایسا حرف نداء بھی اسمیں شامل ہو جاتا۔

جواب:۔ منادی صرف اسم ہی ہوتا ہے اسلئے اس کا اختصاص بالکل واضح تھا اس لئے علامہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

☆......لام تعریف کو اسم کا خاصہ بنانے کی وجہ......☆

واضع نے لام تعریف کو ایسے معنی کے لئے وضع کیا ہے جو مستقل بالمفہومیت ہوتا ہے اور معنی مستقل بالمفہومیت مطابقۃً صرف اسم میں پایا جاتا ہے اس لئے لام تعریف کو اسم کا خاصہ بنایا گیا ہے۔

☆......**والجر**......☆ جر بھی اسم کے خواص میں سے ہے اگر الجرُّ کے آخر میں ضمہ پڑھیں تو اس کا عطف دخول اللام پر ہوگا، اور یہ من خواصہ کی مبتدا ہوگی۔ اور اگر الجر کے آخر میں جر پڑھیں تو اس کی دو وجہیں ہونگی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف اللام پر ہوگا جو کہ دخول کا مضاف الیہ ہے اور اصل عبارت ہوگی و من خواصہ دخول الجر۔

☆......**اعتراض** :۔ الجر کو دخول کا مضاف الیہ بنانا درست نہیں اس لئے کہ دخول تو ابتداء میں ہوتا ہے جبکہ جر اسم کے آخر میں آتی ہے۔

جواب :۔ یہاں دخول عروض کے معنی میں ہے اور عروض عام ہے اسم کی ابتداء میں ہو یا آخر میں۔ اس لحاظ سے اصل عبارت ہوگی " وَمِنْ خَوَاصِہٖ عُرُوْضُ الْجَرِّ " کہ اسم کے خواص میں سے ہے جر کا عارض ہونا۔ الجر کے آخر میں جر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا مضاف لحوق محذوف ہے اور اس کا عطف الجر پر ہے اور اصل عبارت ہے وَمِنْ خَوَاصِہٖ لُحُوْقُ الْجَرِّ ۔ کہ اسم کے خواص میں سے ہے اسکے آخر میں جر کا لاحق ہونا۔ اور لحوق کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں مضاف محذوف کا اعراب مضاف الیہ کو دے کر رفع کیساتھ الجر پڑھنا بھی درست ہے۔

☆......جر کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا گیا ہے......☆

کلمہ کے آخر میں جر حرف جارہ کی وجہ سے آتی ہے یا اضافت کی وجہ سے آتی ہے اور جر حرف جارہ یا اضافت کا اثر ہے ۔ جب حرف جارہ کا داخل ہونا اور اضافت اسم کے ساتھ مختص ہے تو ان کا اثر جر بھی اسم کا خاصہ ہوگا۔

☆......**والتنوین**......التنوین کے آخر میں بھی وہی اعراب آسکتے ہیں جو الجر میں بیان ہوئے ہیں تنوین کی تعریف اور اس کی اقسام اپنے مقام پر بیان ہوں گی تنوین کی اقسام میں سے تنوین ترنم اور تنوین غالیہ کے سوا باقی سب اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ تنوین ترنم وہ ہوتی ہے جو اشعار کے آخر میں آتی ہے۔ اور تنوین غالیہ وہ ہوتی ہے جو مقید قافیہ کے آخر میں آتی ہے تنوین کی یہ دو قسمیں۔ اسم۔ فعل۔ اور حرف سب کے آخر میں آسکتی ہیں۔

تنوین کو اسم کا خاصہ کیوں بنایا گیا ہے؟ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جس کلمہ کے آخر میں تنوین آتی ہے یہ تنوین اس کلمہ کا مابعد سے انقطاع واجب کرتی ہے۔ جبکہ فعل میں فاعل کے ساتھ اتصال ضروری ہوتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان تنوینات میں جو معانی ہوتے ہیں وہ معانی صرف اسم کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسا کہ تنوین تمکن یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کلمہ کی فعل کے ساتھ مشابہت نہیں۔ اور تنوین تنکیر کلمہ کے نکرہ ہونے پر دلالت کرتی ہے اور تنوین مقابلہ جمع مذکر سالم کی واؤ کے مقابلہ میں جمع مونث سالم کے آخر میں آتی ہے اور تنوین عوض وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری چیز کے بدلہ میں ہو اور یہ سب معانی اسم ہی میں

پائے جاتے ہیں کسی اور میں نہیں پائے جاتے اس لئے تنوین کو اسم کا خاصہ بنایا گیا ہے۔

☆......**والاضافة**......الاضافة کے آخر میں صرف ضمہ پڑھ سکتے ہیں اور اس کا عطف دخول اللام پر ہوگا اس کے آخر میں جر نہیں پڑھ سکتے اس لئے کہ اس کو دخول کا مضاف الیہ بنانا درست نہیں اور اس لئے کہ اضافت اسم پر داخل نہیں ہوتی بلکہ یہ تو دو کلموں کے درمیان ایک نسبت کا نام ہے۔

☆......اضافة کی اقسام......☆

اضافت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم اضافت لفظیہ اور دوسری قسم اضافت معنویہ ہے۔

اضافت لفظیہ وہ ہوتی ہے کہ مصدر یا صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُ زَیْدٍ عَمْرًا اس میں ضرب مصدر ہے اور اپنے معمول زید کی طرف مضاف ہے۔ اور ضَارِبُ زَیْدٍ۔ اس میں ضارب صفت کا صیغہ ہے اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اضافت لفظیہ میں بھی حرف جر مقدر ہوتا ہے جیسا کہ تحریر سنبٹ میں لکھا ہے مگر جمہور نحویوں کے نزدیک اضافت لفظیہ میں حرف جر مقدر نہیں ہوتا۔

اضافت معنویہ وہ ہوتی ہے کہ مصدر یا صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں

ایک صورت یہ ہے کہ مصدر اور صفت کا صیغہ ہی نہ ہو بلکہ کوئی اور صیغہ ہو جیسے **غُلَامُ زَیْدٍ**۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مصدر یا صفت کا صیغہ تو ہو مگر وہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ کسی اور کی طرف مضاف ہو جیسے کریم البلد۔ اس میں کریم صفت کا صیغہ ہے مگر اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں ہے۔

☆......لفظ اضافت کا استعمال......☆

لفظ اضافت کا استعمال تین طریقہ پر ہوتا ہے

پہلا طریقہ کہ اضافت کا لفظ باء کے ساتھ استعمال ہو جیسے الاضافة بہ . ایسی صورت میں اس سے مضاف مراد ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اضافت کا لفظ الی کے ساتھ استعمال ہو جیسے الاضافة الیہ ایسی صورت میں اس سے مراد مضاف

الیہ ہوتا ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اضافت کا لفظ مطلق استعمال کیا جائے تو ایسی صورت میں اس سے مضاف اور مضاف الیہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

(کیا مضاف اور مضاف الیہ دونوں اسم کا خاصہ ہے) جب علامہ نے **الاضافة** مطلق کیا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں اسم کا خاصہ ہیں۔ اور یہی جمہور نحویوں کا نظریہ ہے اور اسی کو علامہ نے پسند کیا ہے اور بعض نحویوں کے نزدیک صرف مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے اور مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ نہیں ہے اس لئے کہ فعل بھی مضاف الیہ واقع ہو سکتا ہے جیسا کہ ''يَوْمَ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ'' میں یوم مضاف ہے اور **ينفع الصادقين** فعل ہونے کے باوجود اس کا مضاف الیہ ہے اسی طرح يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ میں یوم مضاف اور **ينفخ في الصور** اس کا مضاف الیہ ہے۔ جمہور کی طرف سے اس کا ایک **جواب** یہ دیا گیا ہے کہ اسم سے مراد عام ہے خواہ اسم حقیقی ہو یا اسم تاویلی ہو اور یہاں جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں ان میں **ينفع** اور **ينفخ** اگرچہ بظاہر فعل ہیں مگر اسم تاویلی ہیں۔ اس لئے کہ ان کو بتاویل مصدر کیا گیا ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے يَوْمَ نَفْعِ الصَّادِقِيْنَ اور يَوْمَ نَفْخِ الصُّوْرِ.

اور دوسرا **جواب**:۔ یہ دیا گیا ہے کہ جب ظرف کی اضافت جملہ کی طرف ہو تو اضافت درحقیقت مضمون جملہ کی طرف ہوتی ہے اور **ينفع الصادقين** کا مضمون جملہ نفع ہے اور وہ اسم ہے اسی طرح **ينفخ في الصور** کا مضمون جملہ نفخ ہے اور یہ بھی اسم ہے۔ اس لئے یوم کا مضاف الیہ اگرچہ بظاہر فعل ہے مگر درحقیقت اسم ہے۔

☆......والا سنا دُ اليه......☆

الا سنا د پر رفع ہے اور اس کا عطف دخول اللام پر ہے اسناد کا استعمال تین طریقہ سے ہوتا ہے۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ باء کے ساتھ ہو جیسے **الاسنا د به** اس سے مراد مسند الیہ ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ الیٰ کے ساتھ ہو جیسے الاسناد الیہ۔ اس سے مراد مسند الیہ ہوتا ہے

اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کا استعمال مطلق ہو تو ایسی صورت میں اس سے مراد مسند اور مسند الیہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

یہاں علامہ نے الاسناد کے ساتھ الیہ کہا ہے تو اس سے مراد مسند الیہ ہے یعنی مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے (مسند الیہ کو

اسم کا خاصہ کیوں بنایا گیا ہے۔۔۔ مسند الیہ کو اسم کا خاصہ اس لئے بنایا گیا ہے) کہ مسند الیہ وہ چیز بن سکتی ہے جس پر حکم لگایا جا سکے اور حکم اسی پر لگایا جا سکتا ہے جس کا معنی مُسْتَقِلٌ بِالْمَفْهُومِيَّتِ ہو اور وہ صرف اسم ہے اس لئے مسند الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے۔

﴿......وَهُوَ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِيْ لَمْ يُشْبِهْ مَبْنِيَّ الْاَصْلِ وَحُكْمُهٗ اَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهٗ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيْرًا

﴿......اور وہ اسم معرب اور مبنی ہوتا ہے۔ پس معرب وہ مرکب ہوتا ہے جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر اختلاف عوامل کیوجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ خواہ تبدیلی لفظاً ہو یا تقدیراً ہو۔ یہاں سے علامہ بیان فرماتے ہیں کہ اعراب و بناء کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم معرب اور دوسری قسم مبنی ہے۔......﴾

☆......معرب کو مبنی پر مقدم کیوں کیا......☆

معرب کو مبنی پر مقدم کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ معرب کے افراد اور مسائل زیادہ ہیں۔ مسائل زیادہ ہونے کی وجہ سے معرب کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے اس کو مقدم کیا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ الفاظ کو معانی کے لئے اس لئے وضع کیا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعے سے مافی الضمیر کو ظاہر کیا جائے اور جن الفاظ پر اعراب ہوتے ہیں ان کے معانی جلدی سمجھ آ جاتے ہیں۔ اور اعراب معرب پر ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس سے مقصد زیادہ حاصل ہوتا ہے اس لئے معرب کو مبنی پر مقدم کیا ہے۔

☆......معرب اور مبنی کی وجہ تسمیہ......☆

معرب اعراب سے مشتق ہے اور اس کا ایک معنی ہے اظہار یعنی ظاہر کرنا اور اس کا ایک معنی ہے فساد کو دور کرنا۔ اس لئے کہ اعراب باب افعال سے ہے اور باب افعال کا ہمزہ سلب کیلئے بھی آتا ہے تو ہمزہ سلب کے لئے ہے ورنہ مجرد میں اس کا معنی فساد ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "عَرِبَتِ الْمَعِدَةُ" معدہ خراب ہو گیا۔ اگر معرب کو ظاہر کرنے کے معنی میں لیا جائے تو معرب اسم ظرف کا صیغہ ہوگا جس کا معنی ہے ظاہر کرنے کی جگہ۔ معرب بھی مختلف حرکات کو ظاہر کرنے کا محل ہے اس

لئے اس کو معرب کہتے ہیں۔۔۔۔اگر معرب کو فساد دور کرنے کے معنی میں لیا جائے تو معرب اسم مفعول کا صیغہ ہوگا جس کا معنی ہوگا فساد دور کیا ہوا۔اور معرب پر پے در پے عوامل کے مطابق حرکت آنے سے معنی متعین ہو جاتا ہے اور فساد دور ہو جاتا ہے اس لئے اس کو معرب کہتے ہیں جیسے اسم پر رفع کی صورت میں اس کا فاعل، مبتدا یا خبر ہونا متعین ہو جاتا ہے اور نصب کی صورت میں اس کا مفعول یا حال ہونا متعین ہو جاتا ہے اور جر کی صورت میں اس کا مجرور بالجار یا مضاف الیہ ہونا متعین ہو جاتا ہے۔اور مبنی بناء سے مشتق ہے اور بناء کے دو معانی ہیں ایک معنی ہے پختہ اور مضبوط ہونا اس لحاظ سے مبنی کو اس لئے مبنی کہتے ہیں کہ اس کا آخر بھی پختہ ہوتا ہے اور مختلف عوامل کے باوجود نہیں بدلتا۔اور مبنی کا دوسرا معنی ہے قرار کی جگہ۔اس لحاظ سے مبنی کو مبنی اسلئے کہتے ہیں کہ اس کے آخر میں بھی ایک ہی حالت قرار پکڑتی ہے جیسے جَاءَنِیْ هٰؤُلَاءِ رَأَیْتُ هٰؤُلَاءِ اور مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ۔جاء عامل رافع ہے اور رائیت عامل ناصب ہے اور باجارہ عامل جارہ ہے اس کے باوجود ھؤلاء ایک ہی حالت پر برقرار ہے۔

☆......**اعتراض** :۔اسم کو معرب اور مبنی میں تقسیم کرنا درست نہیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ **مقسمؔ** (جس کو تقسیم کیا جاتا ہے) وہ عام ہوتا ہے اور اس کے اقسام خاص ہوتے ہیں اور یہاں اس قاعدہ کا الٹ ہے کہ مقسم یعنی اسم خاص ہے اور اس کی اقسام معرب اور مبنی عام ہیں اس لئے کہ معرب اور مبنی ہونا فعل میں بھی پایا جاتا ہے اور مبنی ہونا تو حرف میں بھی پایا جاتا ہے اس لحاظ سے اقسام عام اور مقسمؔ خاص ہو گیا اور یہ درست نہیں ہے۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔پہلا جواب۔معربؔ اور مبنی صفت کے صیغے ہیں اور صفت کے صیغے کا موصوف ضروری ہوتا ہے اگر وہ لفظوں میں مذکور نہ ہو تو محذوف ہوتا ہے اور یہاں ان کا موصوف محذوف ہے اور وہ اِسمؔ ہے اس لحاظ سے عبارت ہوگی **اسم معرب واسم مبنی** ۔اور ان کا موصوف اِسم محذوف ماننے کا قرینہ یہ ہے کہ بحث اسم کی ہے۔جب ان کا موصوف اِسمؔ محذوف ہے تو اس سے واضح ہو گیا کہ اسم کی تقسیم مطلق معرب اور مبنی کی جانب نہیں بلکہ اسم معرب اور اسم مبنی کی جانب ہے اس لحاظ سے قاعدہ کے مطابق مقسم عام اور اس کی اقسام خاص ہو گئیں۔

دوسرا جواب:۔ ہر چیز میں تین چیزوں میں سے کسی ایک کا اعتبار ضروری ہوتا ہے۔(۱) وجود کا (۲) عدم وجود کا (۳) وجود اور عدم وجود دونوں کا اگر وجود کا لحاظ ہو تو اس کو بشرط شیئ کہتے ہیں یعنی بشرط الوجود۔۔اگر عدم وجود کا لحاظ ہو تو اس کو بشرط لا شیئ کہتے ہیں یعنی بشرط عدم الوجود۔۔۔اور اگر وجود اور عدم وجود دونوں کا اعتبار ہو تو اس کو لا بشرط شیئی کہتے ہیں

یعنی بشرط الوجود و بشرط عدم الوجود۔۔ان تینوں اعتبارات میں سے لا بشرط الشیئی عام ہے اور باقی دو خاص ہیں۔

۔۔۔یہاں اسم جو مقسم ہے وہ لا بشرط الشیئی ہے اور عام ہے یعنی بشرط الاعراب بھی ہے جیسے معرب بشرط الشیئی کے درجہ میں ہے یعنی بشرط الاعراب۔اور مبنی بشرط لا شیئی کے درجہ میں ہے یعنی بشرط عدم الاعراب۔اس لحاظ سے معرب اور مبنی میں سے ہر ایک خاص ہے اور اسم عام ہے۔۔۔اس لئے یہ قاعدہ کے مطابق ہے کہ مقسم عام ہے اور اس کی اقسام خاص ہیں۔

☆......وَهُوَ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ کی ترکیب:......☆

﴿۔ ھو مبتدا ہے اور معرب و مبنی اس کی خبر ہے۔﴾

☆......وھو معرب و مبنی کی ترکیب پر اعتراض......☆

معرب و مبنی کو ھو کی خبر بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ معرب و مبنی کا مجموعہ خبر بنے گا یا ان میں سے ہر ایک خبر بنے گا۔دونوں میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔اگر معرب و مبنی کے مجموعہ کو خبر بنائیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں ایک خرابی یہ کہ ان دونوں کا ایک اسم ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ معرب اور مبنی دو علیحدہ علیحدہ اسم ہیں اور دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ ان کا اعراب خبر ہونیکی وجہ سے ہے تو جب مجموعہ خبر بنتا ہے تو اعراب بھی صرف آخر میں آنا چاہیئے ان میں سے ہر ایک پر اعراب کیوں آیا ہے۔اور اگر معرب اور مبنی میں سے ہر ایک خبر ہے تو خرابی یہ لازم آتی ہے کہ ایک مبتدا کی دو متضاد خبریں ثابت ہوتی ہیں۔

اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ **پہلا جواب:** شارح ھندی نے یہ جواب دیا ہے کہ معربٌ و مبنیٌ ھُوَ کی خبر نہیں بلکہ ھو کی خبر قسمان محذوف ہے۔اس لحاظ سے اصل عبارت تھی وَھُوَ قِسْمَانِ مُعْرَبٌ وَمَبْنِيٌّ۔اور قسمان تثنیہ ہے اس کے ہر ایک مفرد کو ان میں سے ہر ایک کی مبتدا بنایا گیا تو عبارت ہوگئی وَھُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ مُعْرَبٌ وَقِسْمٌ مَبْنِيٌّ۔مگر اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا اس لئے کہ تثنیہ دو کے مجموعہ کے لئے موضوع ہوتا ہے ایک ایک فرد کے لئے نہیں ہوتا اس لئے قسمان کے فرد قِسمٌ کو علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا جواب:۔بعض حضرات نے کہا ہے کہ ھو کی خبر تو قسمان محذوف ہے اور آگے معرب کی مبتدا احد ھما محذوف

ہے اور مبنی کی مبتدا ثانیھما محذوف ہے اس جواب کو بھی پسند نہیں کیا گیا اس لئے کہ اس صورت میں کلام کے اہم رکن مبتدا کو محذوف ماننا پڑتا ہے۔

تیسرا جواب:۔ معربٌ و مبنیٌ میں سے ہر ایک ھو کی خبر ہے مَبْنِیٌ کا عطف معرب پر ہوگا تو معنی یہ ہو جائیگا کہ اسم معرب بھی ہے اور مبنی بھی ہے۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ ایک مبتدا کی دو متضاد خبریں ثابت ہوتی ہیں تو یہ اعتراض درست نہیں اس لئے کہ بے شک معرب اور مبنی آپسمیں ایک دوسرے کے متضاد ہیں مگر مبتدا کی خبر واقع ہونے میں ان میں کوئی تباین اور تضاد نہیں ہے ان میں سے ہر ایک ھو کی خبر بن سکتی ہے۔

......اسم کے معرب اور مبنی میں حصر کی وجہ......

علامہ زمخشری نے کہا ہے کہ اسم کی دو حالتیں ہیں ایک حالت یہ ہے کہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھے اور دوسری حالت یہ ہے کہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھے۔ اگر مشابہت رکھے تو مبنی ورنہ معرب ہے جمہور نحویوں نے وجہ حصر یہ بیان کی ہے کہ اسم کی دو حالتیں ہیں اس کا آخر مختلف عوامل کی وجہ سے بدلے گا یا نہ بدلے گا اگر بدلے گا تو معرب ورنہ مبنی ہوگا اسی لئے کہا جاتا ہے۔

معرب آں باشد کہ گردد بار بار مبنی آں باشد کہ ماند برقرار

☆......معرب کی تعریف......☆

علامہ زمخشری نے معرب کی تعریف یوں کی ہے...... "فَالْمُعْرَبُ الْمُرَكَّبُ الَّذِي لَمْ يَشْبَهُ مَبْنِيَّ الْاَصْلِ"

......کہ معرب وہ ہوتا ہے جو مرکب ہو اور مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھے۔ اس تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ معرب کے لئے مرکب ہونا ضروری ہے اور جو مرکب نہیں ہوتا وہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہوتا ہے جیسے زَیْدٌ جبکہ اس کے ساتھ کوئی اور کلمہ نہ ملایا جائے، تو یہ مبنی ہوگا اور جو مرکب تو ہو مگر مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھے تو وہ بھی مبنی ہے جیسے "ھُوَ زیدٌ" میں ھُوَ المرکب میں مرکب سے مراد ایسا مرکب ہے جو اسم ہو اور اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہو اس لئے کہ اگر اپنے عامل کے ساتھ مرکب نہ ہو تو بے شک وہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھے تب بھی وہ مبنی ہوگا جیسے غُلَامُ زَیْدٍ میں غلام مرکب ہے اپنے مضاف الیہ

کے ساتھ ہے مگر ساتھ اس کا عامل کوئی نہیں تو یہ مبنی علی الضم ہوگا۔ المرکب سے مراد اسم کا اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہونا اس قرینہ کے ساتھ سمجھا گیا ہے کہ بحث اسم کی ہے اس لئے اس مرکب کا اسم ہونا متعین ہوگیا، پھر علامہ نے المرکب مطلق کہا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب مطلق بولا جائے تو اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے اور مرکب کا فرد کامل وہی ہوتا ہے جو اپنے عامل کے ساتھ متحقق ہو۔

☆......**اعتراض**:۔ **فالمعرب المركب** میں المعرب مبتدا اور المرکب اس کی خبر ہے۔ اور المرکب پر الف لام جنسی یا استغراقی ہوگا۔ اور قاعدہ ہے کہ خبر مبتدا پر محمول ہوتی ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ ہر مرکب معرب ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔☆......**جواب**:۔ **المركب** پر الف لام نہ جنسی ہے اور نہ ہی استغراقی ہے بلکہ الذی کے معنی میں ہے اور المرکب کا معنی ہے **الذی رُكّبَ مع غيره** یعنی جس کو دوسرے کلمہ کے ساتھ جوڑا گیا ہو۔

☆......**اعتراض**:۔ علامہ نے کہا ہے کہ معرب وہ مرکب ہوتا ہے جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھے اور مشابہت دو چیزوں کے درمیان کیفیت میں اشتراک کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ معرب وہ کلمہ ہوتا ہے جس کا مبنی الاصل کے ساتھ کیفیت میں اشتراک نہ ہو اور جس کا کیفیت میں اشتراک ہوگا وہ مبنی ہوگا۔ جبکہ کاف ضمیر خطاب کا کاف حرفی کے ساتھ کیفیت میں اشتراک نہیں بلکہ کمیت میں اشتراک ہے تو معرب کی تعریف کے مطابق کاف ضمیر خطاب کو مبنی نہیں بلکہ معرب کہنا چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں کہا جاتا۔

☆......**جواب**:۔۔علامہ نے مبنی کی تعریف میں کہا ہے "**المبني ماناسب مبني الاصل**" **مبنی** وہ ہوتا ہے جو مبنی الاصل کے ساتھ مناسبت رکھے اس لئے معرب کی تعریف میں **لَمْ يشبه** کو بھی لم یناسب کے معنی میں لیں گے اور مناسبت عام ہے خواہ دو چیزوں میں اشتراک فی الکیفیت ہو یا اشتراک فی الکمیت ہو۔ ہر ایک پر مناسبت کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ مسلّم ہے کہ کاف ضمیر خطاب کا کاف حرفی کے ساتھ اشتراک فی الکمیت ہوتا ہے اس لئے وہ مبنی ہی ہے۔

☆......**اعتراض**:۔ مبنی الاصل کے ساتھ مناسبت کسی نہ کسی درجہ میں تو ہر کلمہ کی پائی جاتی ہے اور نہیں تو کم از کم لفظ ہونے اور موضوع للمعنی ہونے میں تو مناسب پائی جاتی ہے اس لحاظ سے تو کوئی کلمہ معرب نہیں رہتا بلکہ سب مبنی ہوں گے۔

☆......**جواب**:اس مناسبت سے مناسبت مطلقہ مراد نہیں بلکہ ایسی مناسبت مراد ہے جس کا اعراب کے معاملہ میں اعتبار

کیا جاتا ہے۔

اعتراض :۔معرب کی تعریف میں لم یشبه کولم یناسب کے معنی میں لینا مجاز ہے حالانکہ تعریفات میں مجاز کا استعمال اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ جواب:۔تعریفات میں مجاز کا استعمال اس وقت قبیح ہوتا ہے جبکہ مجاز کا قرینہ نہ پایا جائے اور یہاں قرینہ موجود ہے کہ علامہ نے مبنی کی تعریف میں مناسب کہا ہے تو اس کے مقابل معرب کی تعریف میں لم یناسب ہی ہونا چاہئے۔

......مبنی الاصل میں اضافت کونسی ہے......

مبنی اسم مفعول کا صیغہ ہے اور الاصل کی طرف مضاف ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے اضافت بیانیہ وہ ہوتی ہے کہ اگر مضاف کو مبتدا بنائیں تو مضاف الیہ کو بواسطہ الذی هو یا بلا واسطہ الذی هو کے خبر بنائیں تو خبر کا مبتدا پر حمل درست ہو۔اور یہاں ایسا ہوسکتا ہے۔اگر الاصل کو الذی هو کے واسطہ سے خبر بنائیں تو عبارت یوں ہوگی" اَلْمَبْنِیُّ الَّذِیْ هُوَ الْاَصْلُ فِی الْبِنَاءِ" مبنی وہ ہوتا ہے جو بناء میں اصل ہو۔اور اگر الاصل کو الذی هو کے واسطہ کے بغیر خبر بنائیں تو عبارت یوں ہوگی "المبنی اصله فی البناء" اور دونوں صورتوں میں خبر کا حمل مبتدا پر درست ہے اس لئے مبنی کی الاصل کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔

☆......مبنی الاصل کتنی چیزیں ہیں۔......☆

۔۔اس بارہ میں نحویوں کا اختلاف ہے" کوفی کہتے ہیں کہ مبنی الاصل دو چیزیں ہیں ماضی اور جملہ حروف" "اور بصری کہتے ہیں کہ مبنی الاصل تین چیزیں ہیں ماضی۔ جملہ حروف اور امر حاضر معلوم۔" امام اخفش اور امام سیبویہ کہتے ہیں کہ مبنی الاصل چار چیزیں ہیں۔ماضی۔ جملہ حروف۔امر حاضر معلوم اور جملہ من حیث الجملہ" یعنی جملہ جملہ کی حیثیت سے مبنی ہوتا ہے۔۔۔اور مبنی الاصل کو مبنی الاصل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مبنی ہونے میں کسی غیر کے محتاج نہیں ہوتے۔

......وَحُكْمُهُ اَنْ يَخْتَلِفَ آخِرُهُ بِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ لَفْظاً اَوْ تَقْدِيْراً"

......اور اس معرب کا حکم یہ ہے کہ عامل کے بدلنے سے اس کا آخر بدل جاتا ہے۔خواہ تبدیلی لفظاً ہو یا تقدیراً ہو......۔

وحکمه میں واؤ استینافیہ ہے اور اس کے بعد جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کے جواب میں آتا ہے۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا تھا کہ **ماحکم المعرب** کہ معرب کا حکم کیا ہے تو اس کا جواب دیا **وحکمه ان یختلف آخرہ**۔

☆......**حکم کے معانی**۔۔ حکم کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنی مصدری یعنی حکم کرنا۔ دوسرا معنی محکوم بہ یعنی جس چیز کا حکم دیا گیا ہو اس پر حکم کا اطلاق۔ تیسرا معنی نسبت تامہ خبریہ۔ چوتھا معنی اللہ تعالیٰ کا اپنے مکلف بندوں کو خطاب اور پانچواں معنی اثر مرتب۔۔ اور یہاں حکم سے اثر مرتب ہی مراد ہے یعنی کلمہ کے مرکب ہونے اور مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھنے کا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ اس کلمہ کا آخر اختلاف عوامل سے بدلتا رہتا ہے۔

......**اعتراض**:۔ علامہ نے معرب کی تعریف میں باختلاف العوامل کہا ہے اور عوامل جمع ہے عامل کی اور جمع پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو وہ جمع کثرت بن جاتی ہے اس لحاظ سے العوامل جمع کثرت ہوگی اور معنی یہ ہوگا کہ اگر کلمہ پر کم از کم دس مختلف عوامل آئیں گے تو پھر اس کے آخر بدلے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ایک عامل کے بدلنے سے بھی معرب کا آخر بدل جاتا ہے۔☆......**جواب**:۔ العامل پر الف لام جنسی ہے اور جمع پر جب الف لام جنسی داخل ہوتا ہے تو جمع کا معنی ختم کر دیتا ہے اور مراد جنس ہوتی ہے، اور یہاں بھی جنس عامل مراد ہے۔

......**اعتراض**:۔ معرب کا حکم یہ بتایا ہے کہ مختلف عوامل کی وجہ سے اس کا آخر بدلتا رہتا ہے مگر اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ . لَیْتَ زَیْدًاقَائِمٌ . لَعَلَّ زَیْدًا قَائِمٌ میں عوامل مختلف ہیں پہلے جملہ میں اِنَّ اور دوسرے میں لیتَ اور تیسرے جملہ میں لَعَلَّ ہے مگر تینوں میں **زیدا قائم** ہی ہے۔ **زیدا قائم** کا اعراب نہیں بدلا۔ اس لئے معرب کا حکم جو بیان کیا گیا ہے وہ درست نہیں۔☆......**جواب**:۔ اختلاف عوامل سے مراد یہ ہے کہ وہ عوامل عمل کرنے میں مختلف ہوں۔ اور یہاں تینوں عوامل میں متحد ہیں ان میں سے ہر ایک اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔

لفظاً اَوْ تَقْدِیْراً کی ترکیب...... **لفظاً او تقدیراً** ترکیب میں کیا واقع ہیں اور ان کی نصب کس وجہ سے ہے اس میں کئی احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ **یختلف** میں جو اختلاف ہے اسمیں ابہام ہے کہ اختلاف کس قسم کا ہے تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے تمیز لائے **لفظاً او تقدیراً**۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت ہیں اور ان کا موصوف اختلافاً محذوف ہے اور یہ اپنے موصوف کے ساتھ مل کر مفعول مطلق ہیں اور اصل عبارت ہے **یَخْتَلِفُ آخِرُہٗ اِخْتِلَافاً لَفْظاً اَوْ تَقْدِیْراً**۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ بنزع خافض منصوب ہیں یعنی یہ اصل میں مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہیں جب ان کے مضاف کو حذف کیا تو مضاف کا اعراب مضاف الیہ کو دے دیا تو ان کی نصب بنزع خافض ہوگی۔ یعنی جو ان کو جر دینے والا تھا اس کو حذف کر کے مجرور کو اس کی جگہ رکھ کر اس کو نصب دے دی گئی ہے۔ اس صورت میں اصل عبارت ہوگی **یَخْتَلِفُ آخِرُہٗ اِخْتِلَافَ لَفْظٍ اَوْ تَقْدِیْرٍ**۔ اور یہ اپنے مضاف کے ساتھ مل کر **یختلف** کا مفعول مطلق ہوں گے۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ **لفظاً او تقدیراً** کان محذوف کی خبر ہے عبارت میں کان اور اس کا اسم محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے **یختلف آخرہ کان الاختلاف لفظاً او تقدیراً**۔ اس کا آخر مختلف ہو خواہ اختلاف لفظاً ہو یا تقدیراً ہو

اعتراض:۔ علامہ نے معرب کی تعریف پہلے کی پھر اعراب کی اور پھر عامل کی تعریف کی ہے حالانکہ عامل پہلے پھر معرب اور آخر میں اعراب ہوتا ہے۔ علامہ نے اس ترتیب کو کیوں بدلا ہے۔

☆ **جواب** :۔ معرب ذات ہے۔ عامل اور اعراب اس کی صفات ہیں اور قاعدہ ہے کہ ذات صفات سے مقدم ہوتی ہے اس لئے معرب کو مقدم کیا۔ پھر عامل کی تعریف میں اعراب کا لفظ آیا ہے تو علامہ نے پہلے اعراب کی تعریف کی تاکہ عامل کی تعریف سمجھ میں آجائے۔ **اَلْاِعْرَابُ مَا اخْتَلَفَ آخِرُہٗ بِہٖ لِیَدُلَّ عَلَی الْمَعَانِی الْمُعْتَوِرَۃِ عَلَیْہِ**۔ ''اعراب وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ معرب کا آخر بدلتا ہے تاکہ دلالت کرے ان معانی پر جو اس پر یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔

☆......**اعراب کی تعریف**..... **الاعراب** سے علامہ اعراب کی تعریف کررہے ہیں۔

ما اختلف میں **ما** سے مراد شیئ بھی ہوسکتی ہے اور **به** میں **باء** سبیہ ہے۔اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اعراب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا رہتا ہے۔اور ما سے مراد وہ حرکت اور حروف بھی ہوسکتے ہیں جو معرب کے آخر میں آتے ہیں اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اعراب وہ حرکت یا حرف ہوتا ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔

۔۔ مااختلف پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ۔۔۔اگر **ما اختلف** میں ما سے مراد شیئ لیں تو معنی یہ ہوگا کہ اعراب وہ شیئ ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا رہتا ہے۔تو معرب کا آخر تو عامل کیوجہ سے اور ان معانی کی وجہ سے بدلتا ہے جو اعراب کا تقاضا کرتے ہیں۔اس لحاظ سے عامل کو اور معانی **مقتضی اللاعراب** کو اعراب کہنا چاہیئے ۔

جواب:۔ آخر ہ به میں باء سبیہ ہے اور سبب کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم سبب قریب۔ دوسری قسم سبب متوسط اور تیسری قسم سبب بعید ہے۔اور **بہ** میں سبب سے مراد سبب قریب ہے اور وہ معرب کے آخر میں آنے والی حرکت یا حرف ہے جس کے ساتھ معرب کا آخر بدلتا ہے اور یہ سبب معرب میں بلا واسطہ پایا جاتا ہے اس لئے کہ جب عامل آتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ معانی پیدا ہوتے ہیں جو اعراب کا تقاضہ کرتے ہیں اور وہ معانی **مقتضی للاعراب** ہوتے ہیں تو اس سے معرب کے آخر میں وہ حرکت یا حرف پیدا ہوتے ہیں جن سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔اس لئے اعراب کا معرب کے ساتھ تعلق بلا واسطہ ہے تو یہ سبب قریب ہے۔اور معرب کا معانی مقتضی للاعرب کے ساتھ تعلق اعراب کے واسطے سے ہے تو یہ معانی سبب متوسطہ ہیں۔اور عامل کا معرب کے ساتھ تعلق اعراب اور معانی **مقتضی للاعراب** دو واسطوں کے ساتھ ہے اس لئے یہ سبب بعید ہے۔جب یہاں سبب سے مراد سبب قریب ہے تو اس سے معانی **مقتضی للاعراب** اور عامل دونوں نکل گئے ۔اس لئے ان کو معرب نہیں کہا جاسکتا۔

☆......دوسرا **اعتراض** :۔اگر **مااختلف** میں **ما** سے مراد حرکت اور حروف لیں تو معنی یہ ہوگا کہ اعراب وہ حرکت اور حروف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔تو حروف عاملہ کی وجہ سے بھی معرب کا آخر بدلتا رہتا ہے اس لئے حروف عاملہ کو اعراب کہنا چاہیئے ۔

جواب:۔حروف سے مراد وہ ہیں جو حرکت کی جگہ کلمہ کے آخر میں آتے ہیں یا حروف سے مراد حروف مبانی ہیں جن کا اپنا کوئی معنی نہیں ہوتا وہ صرف ترکیب کے لئے ہوتے ہیں جبکہ حروف عاملہ تو حروف معانی ہوتے ہیں اس لئے ان کو اعراب نہیں کہا جا سکتا۔ لِیَدُلَّ عَلَى الْمَعَانِی الْمُعْتَوِرَۃِ عَلَیْہِ ۔تا کہ دلالت کرے ان معانی پر جو اس معرب پر یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔جیسے زیدٌ کے آخر میں کبھی رفع آتا ہے اور یہ رفع زید کے فاعل ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے جاءنی زید ۔ یا مبتدا ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے زیدٌ عالمٌ۔کبھی زید کے آخر میں نصب آتی ہے جو زید کے مفعول ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسے رأیتُ زیداً اور کبھی زید کے آخر میں جر آتی ہے جو اس کے مضاف الیہ ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسے غُلَامُ زَیْدٍ ۔ یہ اعراب معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے معانی پر دلالت کرتا ہے اور وہ معانی فاعلیت ،مفعولیت یا اضافت ہیں اور المعانی پر الف لام عہد خارجی ہے اور یہ الف لام اس لئے لائے ہیں تا کہ بتائیں کہ معانی سے مطلق معانی مراد نہیں بلکہ وہ خاص معانی مراد ہیں جن کا اعراب میں اعتبار کیا جاتا ہے۔

کیالیدل علی المعانی اعراب کی تعریف کا حصہ ہے؟

اس میں اختلاف ہے کہ لیدل علی المعانی المعتورۃ علیہ اعراب کی تعریف میں داخل ہے یا نہیں۔ملا جامیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اعراب کی تعریف کا حصہ نہیں بلکہ یہ عبارت یہ ظاہر کرنے کے لئے لائی گئی ہے کہ اعراب کو مختلف صورتوں میں وضع کرنے کی حکمت اور فائدہ کیا ہے۔ملا جامی کے نزدیک یہ اگرچہ اعراب کی تعریف کا حصہ نہیں مگر اسکا تعریف سے تعلق ہے اسی لئے فرمایا کہ لیدل کا متعلق محذوف ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا تعلق تعریف میں مذکور یختلف کے ساتھ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لیدل علی المعانی اعراب کی تعریف کا حصہ نہیں اور نہ ہی اس کا تعریف سے تعلق ہے بلکہ اس کا متعلق وضع محذوف ہے اور معنی یہ ہے کہ اعراب کو اس لئے وضع کیا گیا ہے تا کہ معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے معانی پر دلالت کرے اور بعض حضرات کے نزدیک لیدل علی المعانی المعتورۃ علیہ اعراب کی تعریف میں شامل اور اس کا حصہ ہے اور یہ قید احترازی ہے تا کہ اس سے غلامی کا کسرہ نکل جائے اس لئے کہ وہ معانی معتورہ پر دلالت نہیں کرتا۔

☆ ...... **اعتراض** :۔ **المعتورة** اعتوار سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اعتوار کا مادہ تو متعدی **بنفسہ** ہوتا ہے تو علامہ نے اس کے بعد علی کیوں ذکر کیا ہے۔

۞ ...... **جواب** :۔ اعتوار کا مادہ ورود اور استعلاء کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اور ورود کا مادہ علی کے ساتھ ہی متعدی ہوتا ہے اس لئے علامہ نے علی کو ذکر کیا ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے **المعتورة واردة عليه** اور یہ **واردة** حال ہوگا **المعتورة** سے اور معنی یہ ہوگا تا کہ دلالت کرے ان معانی پر جو یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں درانحالیکہ وہ اس پر وارد ہوتے ہیں۔

۞ ...... لِيَدُلَّ میں ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ ...... ☆

لِيَدُلَّ میں ضمیر کے مرجع کے بارہ میں متقدمین اور متاخرین نحویوں کا اختلاف ہے۔ متقدمین کے نزدیک اعراب نفس اختلاف کا نام ہے اس لئے ان کے نظریہ کے مطابق ضمیر کا مرجع اختلاف ہوگا اور وہ دلیل دیتے ہیں کہ معرب ضد ہے مبنی کی اور مبنی بناء سے ہے اور بناء کا معنی ہے عدم الاختلاف۔ اس لئے اس کے مقابل اعراب کا معنی ہوگا اختلاف۔ اور متاخرین کے نزدیک اعراب **مابه الاختلاف** کا نام ہے اس لئے ان کے نزدیک **ليدل** میں **ضمیر** کا **مرجع مَابِهِ الْاِخْتِلَافُ** ہوگا یعنی وہ حرکت یا حرف جو معرب کے آخر میں آتے ہیں۔ اور متاخرین دلیل یہ دیتے ہیں کہ اعراب علامت ہے اور علامت وہی ہوتی ہے جو خارج میں موجود ہو۔ اور خارج میں موجود اختلاف نہیں بلکہ **مابه الاختلاف** ہے اس لئے کہ اختلاف تو امر معنوی ہے یہ خارج میں نہیں پایا جاسکتا۔

اس اختلاف میں متاخرین کے نظریہ کو ترجیح دی گئی ہے اس لئے کہ اگر متقدمین کے نظریہ کے مطابق نفس اختلاف کو اعراب کہا جائے تو کئی اسماء معرب ہونے کے باوجود اعراب کے بغیر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ اسماء معدودہ جب ابتداءً ان کو اپنے عامل کے ساتھ ملایا جائے تو معرب ہوتے ہیں حالانکہ ان میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ اختلاف حرکت یا حرف کی تبدیلی کو کہتے ہیں اور وہ تو پایا ہی نہیں گیا اس لئے کہ یہ اسماء پہلے بغیر عامل کے تھے اور اب ان کو اپنے عامل سے جوڑا گیا ہے۔ جب ان میں اختلاف نہیں پایا جاتا تو متقدمین کی تعریف کے مطابق وہ اعراب سے خالی ہوں گے۔ اس لئے متاخرین کی بیان کردہ اعراب کی تعریف کو ترجیح دی گئی ہے۔

......وَاَنْوَاعُهٗ رَفْعٌ وَنَصْبٌ وَجَرٌّ......

"......اور اس اسم کے اعراب کی انواع رفع نصب اور جر ہیں......" جب اسم معرب میں معانی متقضی للاعراب تین ہیں فاعلیت، مفعولیت اور اضافت تو اس کے اعراب بھی تین ہیں۔ فاعلیت کی وجہ سے رفع۔ مفعولیت کی وجہ سے نصب اور اضافت کی وجہ سے جر۔

اور بعض حضرات نے اسم کے اعراب کی تین میں حصر کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ اعراب جملہ کے عمدہ اور اصل جزء یعنی مسند اور مسند الیہ پر دلالت کرے گا یا زائد پر اگر اصل جزء پر دلالت کرے تو رفع ہوگا اور اگر زائد پر دلالت کرے تو بالواسطہ دلالت کرے گا یا بلا واسطہ۔ اگر بلا واسطہ کرے تو نصب ہوگی اور اگر بالواسطہ کرے تو جر ہوگی۔ وانواعہ کہہ کر علامہ نے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ اعراب جنس ہے اور اس کی اقسام میں سے ہر ایک نوع ہے اور ہر نوع کے تحت افراد ہیں۔ جیسے رفع اعراب کی ایک قسم ہے اور یہ کبھی ضمہ کے ساتھ آتا ہے جیسے جَاءَنِیْ زَیْدٌ۔ کبھی واؤ کے ساتھ آتا ہے جیسے جاء نی مسلمون اور کبھی الف کے ساتھ آتا ہے جیسے جَاءَنِیْ رَجُلَانِ۔ اسی طرح نصب کے تحت چار افراد ہیں (۱) نصب فتحہ کے ساتھ جیسے رائیت زیدًا (۲) نصب الف کے ساتھ جیسے رائیت اباک (۳) نصب یا ماقبل مفتوح کے ساتھ جیسے رائیت رجلین (۴) نصب کسرہ کے ساتھ جیسے رائیت مسلماتٍ اور جر کے تحت تین افراد ہیں۔ (۱) جر کسرہ کے ساتھ جیسے مررُتُ بِزیدٍ (۲) جر یاء کے ساتھ جیسے مررُت بمسلمین (۳) جر فتحہ کے ساتھ جیسے مررُت بِعُمرَ.

☆......اِعْرَاب کا ذکر......☆

اعراب کا تین طرح ذکر کیا جاتا ہے (۱) رفع نصب اور جر۔ اس کا اطلاق معرب کے اعراب پر کیا جاتا ہے (۲) ضم۔ فتح اور کسر۔ اس کا اطلاق مبنی کے اعراب پر کیا جاتا ہے۔ (۳) ضمہ۔ فتحہ اور کسرہ۔ یہ عام ہے معرب اور مبنی دونوں کے اعراب پر بولا جاتا ہے۔

☆......رفع کا معنی اور وجہ تسمیہ......**رفع** کا معنی ہے بلندی رفع کی ادائیگی کے وقت ہونٹ بلند ہو جاتے ہیں اس لئے اس کو رفع کہتے ہیں یا رفع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ رفع اس چیز کی علامت ہے جو کلام میں بلند ہے یعنی مرفوعات۔

☆......نصب کا معنی اور وجہ تسمیہ......**نصب** کا معنی ہے کھڑا ہونا۔ نصب کی ادائیگی کے وقت ہونٹ اپنی جگہ کھڑے رہتے ہیں اس لئے اس کو نصب کہتے ہیں یا نصب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس کلمہ پر نصب ہوتی ہے وہ کھڑا رہتا ہے یعنی مسند اور مسند الیہ نہیں بنتا بلکہ زائد ہوتا ہے۔

☆......جر کا معنی اور وجہ تسمیہ......**جر** کا معنی ہے کھینچنا۔ اور جر کو ادا کرتے وقت نیچے کا ہونٹ کھینچا جاتا ہے اس لئے اسکو جر کہتے ہیں۔ یا اس لئے جر کہتے ہیں کہ یہ فعل یا شبہ فعل کے معنی کو اپنے مدخول پر کھینچ لاتی ہے۔

☆"......**فَالرَّفْعُ عَلَمُ الْفَاعِلِيَّةِ وَالنَّصْبُ عَلَمُ الْمَفْعُوْلِيَّةِ وَالْجَرُّ عَلَمُ الْاِضَافَةِ**"......"پس رفع فاعلیت کی علامت ہے اور نصب مفعولیت کی اور جر اضافت کی علامت ہے۔ فالرفع میں فا تفسیر یہ ہے اور الرفع پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس کے ساتھ اس رفع کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر و انواعه رفع میں گزر چکا ہے۔

عَلَمَ کا معنی جھنڈا۔ نام۔ پہاڑ کی چوٹی اور علامت آتا ہے اور یہاں عَلَمَ کا معنی علامت ہے۔

☆......فاعلية اور مفعولية کے آخر میں یاء اور تاء کونسی ہیں......☆

ملا جامیؒ کے نزدیک ☆...... فاعلية اور مفعولية کے آخر میں یاء اور تاء دونوں مصدریہ ہیں اور اضافت چونکہ بذات خود مصدر ہے اس لئے اس کے آخر میں یاء لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ جب فاعلية اور مفعولية کے آخر میں یاء اور تاء مصدریہ ہیں تو یہ بتاویل مصدر ہو گئے اور مصدر مبنی للفاعل ہو گا اور عبارت اس طرح ہو گی "فالرفع علامة کون الشیئ فاعلا حقیقة او حکما"۔ کہ رفع شئی کے فاعل ہونے کی علامت ہے خواہ فاعل حقیقی

ہو یا حکمی ہو۔ فاعل حقیقی کے علاوہ دیگر مرفوعات فاعل حکمی ہوتے ہیں۔ اسی طرح مفعولیہ میں ہوگا اَلنَّصْبُ عَلَامَةُ کَوْنِ الشَّیْئِ مَفْعُوْلًا ...... اور اضافت میں ہوگا...... اَلْجَرُّ عَلَامَةُ کَوْنِ الشَّیْئِ مُضَافًا اِلَیْهِ...... ☆

۔ اور مولانا نامی کے نزدیک فاعلیة اور مفعولیة کے آخر میں یاء نسبت کی اور تاء تانیث ہے اور یہ صفت کا صیغہ ہے جس کا موصوف الخصلة محذوف ہے اس لحاظ سے اصل عبارت اس طرح ہوگی...... فَالرَّفْعُ عَلَامَةُ الْخَصْلَةِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلَی الْفَاعِلِ پس رفع اس خصلت کی علامت ہوتا ہے جو فاعل کیطرف منسوب ہوتی ہے اور فاعل کی خصلت یہ ہے کہ وہ کلام میں عمدہ ہوتا ہے اور یہی خصلت دیگر مرفوعات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور مفعولیة میں ہوگا...... اَلنَّصْبُ عَلَامَةُ الْخَصْلَةِ الْمَنْسُوْبَةِ اِلَی الْمَفْعُوْلِ ☆۔ نصب اس خصلت کی علامت ہوتی ہے جو مفعول کی طرف منسوب ہوتی ہے اور مفعول کی خصلت کلام میں فُضلہ یعنی زائد ہونا ہے اور یہی خصلت دیگر منصوبات میں بھی پائی جاتی ہے۔

اعتراض :۔ پہلے یہ قاعدہ بیان ہو چکا ہے کہ اضافت کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے مضاف اور مضاف الیہ دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ یہاں علامہ نے الاضافة مطلق کہا ہے تو اس سے صرف مضاف الیہ کیوں مراد لیا جا رہا ہے۔

☆ ...... **جواب** :۔ یہاں اضافت کو فاعلیة اور مفعولیة کا قسیم بنایا گیا ہے تو اس قرینہ کی وجہ سے اضافت کا معنی مضاف الیہ لیا ہے اس لئے کہ مضاف تو فاعل اور مفعول بھی ہوتے ہیں۔

...... **اعتراض** :۔ فاعل کی علامت رفع۔ مفعول کی علامت نصب اور اضافت کی علامت جر کو کیوں قرار دیا گیا ہے اس کے الٹ کیوں نہیں کر دیا گیا۔

☆ ...... **جواب**:۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں :۔ کہ رفع ثقیل ہوتا ہے اور فاعل قلیل ہے اس لئے قلیل کو ثقیل اعراب دے دیا گیا۔ اور نصب خفیف ہے اور مفاعیل کثیر ہیں اس لئے یہ خفیف حرکت مفعول کو دے دی ان کے علاوہ باقی اعراب جر رہ گئی تو وہ مضاف الیہ کو دے دی۔

اور مولانا نامیؒ فرماتے ہیں:۔ کہ فاعل قوی ہوتا ہے اور رفع بھی قوی ہے اس لئے اسی مناسبت سے رفع فاعل کو دے دیا۔ اور نصب خفیف ہے اور مفاعیل بھی خفیف ہوتے ہیں اس مناسبت سے مفاعیل کو نصب دے دی۔ اور جر متوسط ہے اور مضاف الیہ بھی متوسط ہوتا ہے اسلئے جر مضاف الیہ کو دے دی۔

عامل کی تعریف: وَالْعَامِلُ مَابِهٖ يَتَقَوَّمُ الْمَعْنَى الْمُقْتَضِیْ لِلْاِعْرَابِ"

﴿اور عامل وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معنی حاصل ہوتا ہے جو اعراب کا تقاضہ کرنے والا ہوتا ہے﴾

علامہ نے عامل کی تعریف میں يَتَقَوَّمُ کہا ہے اس کا معنی يَحْصُلُ کیا گیا ہے اس لئے کہ اعراب کا تقاضہ کرنے والے معنی کا قیام عامل کیساتھ نہیں ہوتا بلکہ معرب کے ساتھ ہوتا ہے مگر وہ معنی عامل کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اس لئے یتقوم کا معنی یحصل کیا گیا ہے جیسے جاء زید میں جاء عامل ہے اس کی وجہ سے زید میں فاعلیت کا معنی حاصل ہوا اور فاعلیت کا معنی رفع کا تقاضہ کرتا ہے اس لئے زید کے آخر میں رفع آیا ہے۔ مابه یتقوم میں به کو مقدم اس لئے کیا تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو اس لئے کہ معنی مُقْتَضِیْ لِلْاِعْرَابِ کے حصول کا سبب صرف عامل ہی ہوتا ہے۔ مابه میں ما سے مراد شیئی ہے اس لیے کہ شیئی اصل ہے اور اصل دلیل کی محتاج نہیں ہوتی اور شیئی مراد لینے کی صورت میں عامل لفظی اور معنوی دونوں اسمیں آ جاتے ہیں۔ اور اگر ما سے مراد شیئی نہ لیں بلکہ لفظ لیں تو پھر اس سے عامل معنوی نکل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لفظ نہیں ہوتے

﴿......فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ وَالْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ الْمُنْصَرِفُ بِالضَّمَّةِ رَفْعًا وَالْفَتْحَةِ نَصْبًا وَالْكَسْرَةِ جَرًّا ...... پس مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کا اعراب رفع کی حالت میں ضمہ کے ساتھ اور نصب کی حالت میں فتحہ کے ساتھ اور جر کی حالت میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے......"

(اعراب کی پہلی قسم اور اس کا محل:۔

اسم متمکن کے اعراب کی پہلی قسم رفع ضمہ کے ساتھ نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ تین اسموں میں پائی جاتی

ہے مفرد منصرف صحیح میں ۔ جاری مجری صحیح میں اور جمع مکسر منصرف میں ۔علامہ نے پہلے عامل کی تعریف کی اور اب محل اعراب بیان کرتے ہوئے ۔ پہلے مفرد منصرف اور جمع مکسر کا اعراب بیان کرر ہے ہیں ۔ **فالمفرد** پر فاء بظاہر تفسیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ماقبل میں جو بیان ہوا اس کی تفسیر کی جارہی ہے مگر یہ **فاء** تفسیر یہ نہیں بلکہ **فاء فصیحیہ** ہے۔اور **فاء فصیحیہ** وہ ہوتی ہے جو ایسی جزاء پر داخل ہو جس کی شرط محذوف ہوتی ہے اس لحاظ سے یہاں اصل عبارت اس طرح ہوگی ''......اِذَا عَرَفْتَ اَنْوَاعَ الْاِعْرَابِ وَاَقْسَامَهَا فَاعْلَمْ اَنَّ الْمُفْرَدَ الْمُنْصَرِفَ''......☆

جب تو نے اعراب کی انواع اور اس کی اقسام کو جان لیا تو اب جان لے کہ بے شک مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کا اعراب ایسا ہوگا۔ پہلے مفردؔ کی بحث میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ مفرد چار چیزوں کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور یہاں المفرد تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں ہے۔

☆......**اعتراض** :۔بعض حضرات نے **المفرد المنصرف** کے ساتھ **الصحیح** کی قید بھی ذکر کی ہے تو علامہ نے **الصحیح** کی قید کیوں نہیں ذکر کی۔

☆ ......**جواب**:۔علامہ نے **المنصرف** کو مطلق ذکر کیا ہے اور جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے اور منصرف کا فرد کامل صحیح ہے اس لئے وہی یہاں مراد ہے جب اختصار سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو **الصحیح** کا لفظ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

☆صحیح کی اقسام......

نحویوں کے نزدیک صحیح کی دو قسمیں ہیں۔ **صحیح حقیقی او ر صحیح حکمی**

صحیح حقیقی وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو جیسے **زیدٌ . رجُلٌ** وغیرہ اور صحیح حکمی وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں حرف علت متحرک ہو اور اس کا ماقبل ساکن ہو جس کو جاری مجری صحیح بھی کہتے ہیں۔جیسے **دَلْوٌ ظَبْیٌ** وغیرہ

مفرد منصرف صحیح حقیقی کی مثال جیسے **جاء نی زید . رائیت زیدا . مررت بزید** ۔مفرد منصرف صحیح حکمی کی مثال جیسے **ھی ظَبْیٌ .رائیت ظبیاً . مررت بظبیٍ .ھو دلوٌ . رأیت دلواً .شربت بدلوٍ .**

جمع مکسر کی تعریف۔ جمع مکسر وہ ہوتی ہے جس میں جمع بنانے کے بعد واحد کی بناء سلامت نہ رہے۔ خواہ اسمیں اضافہ ہوا ہو جیسے رجالٌ جو جمع ہے رجل کی یا اسمیں کمی کی گئی ہو جیسے حُمرٌ جو جمع ہے حِمَارٌ کی۔ یا اسمیں کمی اور زیادتی دونوں کی گئی ہوں جیسے طلبۃٌ جو جمع ہے طالبٌ کی۔

......رَفعاً نَصبًا اور جَرّاً کی نصب کس وجہ سے ہے......

رفعا وغیرہ کی ترکیب میں کئی احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ مفعول فیہ ہیں۔ رفعا وغیرہ کا مضاف حالۃ محذوف ہے، مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسکی جگہ رکھ کر نصب دے دی اور یہ مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول فیہ ہوگا۔ اس لئے کہ حالۃ وقت اور ظرف کے لئے آتا ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مضاف محذوف سے مل کر مفعول مطلق ہیں۔ اس لحاظ سے اصل عبارت یہ ہوگی...... **أُعْرِبَ الْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ وَالْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ بِالضَّمَّةِ إِعْرَابَ رَفْعٍ وَبِالْفَتْحَةِ إِعْرَابَ نَصْبٍ وَبِالْجَرِّ إِعْرَابَ كَسْرٍ**۔ مفرد منصرف اور جمع مکسر کو اعراب دیا گیا رفع کا اعراب ضمہ کے ساتھ نصب کا اعراب فتحہ کے ساتھ اور جر کا اعراب کسرہ کے ساتھ۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ ان کا موصوف محذوف ہے اور موصوف صفت مل کر مفعول مطلق ہے۔ اس لحاظ سے اصل عبارت ہوگی ''☆...... **أُعْرِبَ الْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ وَالْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ بِالضَّمَّةِ إِعْرَابًا رَفْعًا. وَبِالْفَتْحَةِ إِعْرَابًا نَصْبًا وَبِالْكَسْرَةِ إِعْرَابًا جَرًّا** ...... ☆۔ مفرد منصرف اور جمع مکسر کو اعراب دیا گیا ہے اعراب دیا جانا رفع کا ضمہ کے ساتھ اور نصب کا فتحہ کے ساتھ اور جر کا کسرہ کے ساتھ۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ رفعاً وغیرہ مفرد منصرف اور جمع مکسر سے حال ہیں۔

......**اعتراض**:۔ رفعا نصبا اور جرا کو مفرد منصرف اور جمع مکسر سے حال نہیں بنایا جا سکتا اس لئے کہ رُفعاً. نَصْبًا۔ اور جرّاً مصادر ہیں اور مصدر وصف محض ہوتا ہے جبکہ مفرد منصرف اور جمع مکسر جن کو ذوالحال بنایا جا رہا ہے وہ ذات ہیں اور حال کا ذوالحال پر حمل ہوتا ہے جبکہ وصف محض کا حمل ذات پر درست نہیں ہے اس لئے رفعاً وغیرہ کو حال بنانا درست نہیں ہے

☆ ...... **جواب**:۔ رفعاوغیرہ مصدر مبنی للمفعول ہیں رفعاً مرفوعاً کے معنی میں ہےاور ۔ نصباًمنصوباً کے معنی میں اور جرا مجروراً کے معنی میں ہےاوروہ ذات ہیں اس لئے ذات کا حمل ذات پر ہے۔

﴾...... **اعتراض** :۔ جمع مکسر کو مکسر کیوں کہتے ہیں حالانکہ مکسر تو اس کا واحد ہوتا ہے۔اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں

۔☆...... **پہلا جواب**:۔ المکسر جمع کی صفت بحال متعلقہ ہےاوراصل عبارت الجمع المکسر واحدہ ہے وہ جمع جس کا واحد مکسر ہو ۔یعنی اس کی بناء سالم نہ رہے۔

☆...... **دوسرا جواب**:۔ اصطلاح میں جمع مکسر اس کو کہتے ہیں جس میں واحد کی بناء سالم نہ رہےاور یہاں اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے الجمع المکسر کہا گیا ہے۔

﴾...... **اعتراض**:۔ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کواعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے۔

☆ **جواب**:۔ اعراب کی اقسام میں سے اعراب بالحرکت حکمی اوراعراب بالحرف کی بہ نسبت اعراب بالحرکت لفظی حقیقی اصل ہے۔اوراسماء متمکنہ میں سے مفرد منصرف صحیح ۔جاری مجری صحیح اور جمع مکسر منصرف اپنے مقابل کے اعتبار سے اصل ہیں اس لئے اسماء متمکنہ میں سے جو اصل ہیں ان کو اصل اعراب دے دیا گیا ہے۔ تثنیہ اور جمع کے مقابلہ میں مفرد اصل ہےاور مفرد سے مراد وہ ہے جو لفظاً اور معناً ہر لحاظ سے مفرد ہو۔اسماء ستہ مکبرہ بھی لفظاً مفرد ہوتے ہیں مگر معنیً وہ مفرد نہیں ہیں اس لئے وہ اس اعراب میں شامل نہیں ہیں ۔اور غیر منصرف کے مقابلہ میں منصرف اصل ہےاور غیر صحیح کے مقابلہ میں جاری مجری صحیح اصل ہےاور جمع سالم کے مقابلہ میں جمع مکسر اصل ہے اس لئے کہ اصل یہی ہے کہ مفرد اور جمع کے درمیان تغایر تام ہونا چاہیے اور یہ جمع مکسر کی صورت میں ہوتا ہے۔جبکہ جمع سالم اور مفرد کے درمیان تغایر تام نہیں ہوتا۔ ☆...... **جمع مونث سالم کا اعراب**...... **جَمْعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالِمُ بِالضَّمَّةِ وَالْكَسْرَةِ** ...... **جمع مونث سالم** کا اعراب ضمہ کے ساتھ ہے(رفعی کے حالت میں) اور کسرہ کے ساتھ ہے(نصبی اور جری دونوں حالتوں میں)۔

اعراب کی دوسری قسم اور اس کا محل:۔ اسم متمکن کے اعراب کی دوسری قسم رفعہ ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر دونو کسرہ کے ساتھ ہیں اور یہ جمع مونث سالم میں پائی جاتی ہے۔

علامہ نے جمع مونث سالم کا اعراب یہ بیان کیا ہے کہ اس کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **هُنَّ مُسْلِمَاتٌ** ۔نصب اور جر دونوں کسرہ کیساتھ ہوتے ہیں نصب کی مثال جیسے **رأيتُ مُسلماتٍ** ۔اور جر کی مثال جیسے **مررتُ بمسلماتٍ**۔

جسطرح **المکسر** کو جمع مذکر کی صفت بحال متعلقہ بنایا گیا ہے اسی طرح السالم کو بھی جمع المونث کی صفت بحال متعلقہ بنایا گیا ہے یعنی جمع المونث السالم واحدہ یا جمع مونث کے اصطلاحی معنی کے پیش نظر السالم کو اس کی صفت بنایا گیا ہے اور جمع مونث وہ ہو تی ہے جو واحد کے صیغے کے بعد **الف** اور **تاء** کا اضافہ کر کے بنائی جائے۔ جیسے **مسلمة** سے **مسلمات**۔

......**اعتراض**:۔ **السالم کو جمع المونث** کی صفت بنانا درست نہیں اس لئے کہ صفت اور موصوف کے درمیان معرفہ ہونے میں برابری ضروری ہے اور یہاں جمع المونث اور السالم میں معرفہ ہونے میں برابری نہیں اس لئے کہ سالم صفت کا صیغہ ہے اور اس پر الف لام داخل ہے اور معرف باللام تعریف میں قوی ہوتا ہے جبکہ جمع مضاف ہے المونث کیطرف جو کہ معرف بالام ہے اور جمع مضاف نے اکتساب تعریف کیا ہے مضاف الیہ سے تو یہ معرفہ ہونے میں معرف باللام کی بہ نسبت کمزور ہے اس لئے جمع المونث کی صفت السالم کو نہیں بنایا جا سکتا۔

☆ ......**جواب**:۔**امام اخفشؒ کے نزدیک** معرفہ بالاضافت یعنی جب مضاف نے معرف باللام مضاف الیہ سے اکتساب تعریف کی ہو تو وہ معرف باللام کی بہ نسبت تعریف میں کمزور ہوتا ہے اور امام سیبویہؒ کے نزدیک دونوں تعریف میں برابر ہوتے ہیں۔ علامہ کو امام سیبویہ کا نظریہ پسند ہے اور اسی کو اختیار کرتے ہوئے **معرف باللام السالم** کو **معرفه بالاضافه جمع المونث** کی صفت بنایا ہے۔

......**اعتراض** :۔علامہ نے پہلے مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کا ذکر کیا ہے تو چاہیے تھا کہ ان کے بعد غیر منصرف کا ذکر کرتا۔ اس نے درمیان میں جمع مونث سالم کا ذکر کیوں کیا ہے۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں ۔

☆**پہلا جواب**:۔جمع مکسر اور جمع مونث جمع ہونے میں برابر ہیں اس لیے اس کا لحاظ رکھ کر جمع مکسر کے بعد جمع مونث کا

ذکر کیا ہے۔☆...... **دوسرا جواب** :۔علامہ نے پہلے جمع مکسر کا ذکر کیا ہے اس میں جمع کی صفت مکسر ہے پھر جمع مونث کا ذکر کیا ہے جس کی صفت السالم ہے۔مکسر اور سالم دونوں آپس میں متضاد ہیں۔جب یہ دو صفات ایک دوسرے کے متضاد ہیں تو ان کے موصوف بھی ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور دو متضاد کو ایک دوسرے کے ساتھ ذکر کرنا مناسب ہوتا ہے اس لئے جمع مکسر کے بعد جمع مونث سالم کا ذکر کیا ہے۔مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ دو متضاد کو ہی لانا تھا تو جمع مونث سالم کی بجائے جمع مذکر سالم کو لاتے۔یا جمع مونث سالم کے ساتھ جمع مذکر سالم کو بھی لاتے۔

☆...... **تیسرا جواب** :۔منصرف کے بعد غیر منصرف کا لانا ہی مناسب تھا مگر غیر منصرف کی بہ نسبت جمع مونث سالم کلام میں زیادہ واقع ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر غیر منصرف سے پہلے کر دیا۔

☆**چوتھا جواب** :۔جمع مونث سالم کا اعراب لازم ہے جو کسی حالت میں ساقط نہیں ہوتا۔اور غیر منصرف کا اعراب بعض حالات میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ غیر منصرف پر جب الف لام داخل کیا جائے تو غیر منصرف والا اعراب ساقط ہو جاتا ہے جیسے جاء نی الاحمدُ. رائیت الاحمدَ. مررتُ بالاحمدِ ۔اسی طرح غیر منصرف میں سے علیت کو جب نکرہ کر دیا جائے تو اس پر غیر منصرف والا اعراب نہیں رہتا جیسے جاءَنِي عُمَرٌ رائیتُ عُمَراً . مررتُ بِعُمَرٍ ۔ جب جمع مونث سالم کا اعراب لازم ہے اور ہر حالت میں رہتا ہے جیسے اگر کسی عورت کا نام مسلمات رکھ دیا جائے یا کسی کا نام عرفات رکھ دیا جائے تو اس کا اعراب وہی رہے گا جو جمع مونث سالم کا ہوتا ہے۔جب جمع مونث کا اعراب لازم ہے اور غیر منصرف کے اعراب کی حالت ایسی نہیں ہے تو جمع مونث سالم کو غیر منصرف سے پہلے ذکر کیا۔

☆...... **اعتراض** :۔علامہ نے کہا ہے کہ جمع مونث سالم کا اعراب رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب و جر دونوں کسرہ کے ساتھ ہونگی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اعراب جمع مونث سالم کے ساتھ مختص ہے اور اسی میں پایا جاتا ہے۔

اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک یہ کہ قِلَةٌ کی جمع قِلُوْنَ . سَنَةٌ کی جمع سِنُوْنَ اور اَرْضَةٌ کی جمع اَرْضُوْنَ آتی ہیں ان میں سے ہر ایک جمع مونث سالم ہے مگر ان میں اعراب کی وہ قسم نہیں پائی جارہی جو علامہ نے جمع مونث سالم کے لئے بیان کی ہے۔ تو اعراب کی یہ قسم تمام افراد میں نہیں پائی جارہی۔

اور دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ مرفوع کی جمع مرفوعات۔منصوب کی جمع منصوبات اور مجرور کی جمع مجرورات آتی ہے یہ

جمعیں جمع مذکر کی ہیں اوران میں اعراب کی وہ قسم پائی جارہی ہے جوعلامہ نے جمع مونث سالم کی بیان کی ہے۔تو اعراب کی یہ قسم اس میں بھی پائی جارہی ہے جوجمع مونث سالم نہیں ہے۔

☆...... **جواب**:۔ان دونوں اعتراضوں کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں **جمع المو نث** کا مضاف صیغۃ محذوف ہے اوراصل عبارت ہے **صیغۃ جمع المو نث السالم**۔اور صیغہ بمعنی شکل ہے اس لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جوکلمہ جمع مونث سالم کے صیغہ کی شکل پر ہوگا اس کے لئے اعراب کی یہ قسم ہوگی۔اور جمع مونث کا صیغہ وہی ہوتا ہے جو الف تاء کے ساتھ ہو۔خواہ وہ حقیقتاً جمع مونث کا صیغہ ہو جیسے **مسلمات**۔یا صرف جمع مونث کے صیغہ کی شکل پر ہو۔جیسے مرفوعات۔منصوبات اور مجرورات وغیرہ۔اور **قلون . سنون .** اور **ارضون** وغیرہ جمع مونث سالم کے صیغہ کی شکل پر نہیں اس لئے ان میں اعراب کی یہ قسم نہیں پائی جاتی۔

...... **اعتراض**:۔جمع مونث سالم کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے اور پھر جمع مونث سالم کو اعراب بالحرکت کیوں دیا گیا ہے جبکہ اسکے مقابل جمع مذکر سالم کو اعراب بالحرف دیا گیا ہے۔

☆ **جواب**:۔جمع مذکر سالم اصل اور جمع مونث سالم اس کی فرع ہے۔جس طرح مفرد میں اعراب بالحرکت اصل ہے اسی طرح جمع مونث سالم میں اعراب بالحرکت اصل ہے۔اور تثنیہ اور جمع میں اعراب بالحرف اصلی ہے تو ان کو اعراب بالحرف دیا گیا۔جب جمع مذکر سالم اصل ہے تو اس کو اصل اعراب بالحرف دیا گیا اور اس کی فرع جمع مونث سالم کو اعراب بالحرکت دیا گیا ہے اور جمع مذکر کی نصبی اور جری حالت دونوں میں اعراب یاء کے ساتھ ہے تو اس کی مناسبت سے جمع مونث کی نصبی اور جری حالت میں اعراب کسرہ کے ساتھ دیا گیا۔اور پھر اعراب بالحرف اس اسم کو دیا جاتا ہے جس کا آخر اعراب بالحرف کی صلاحیت رکھتا ہو اور اعراب بالحرف کی صلاحیت وہ اسم رکھتا ہے جس کے آخر میں حرف علت آسکے اور جمع مونث اس کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے اس کو اعراب بالحرف نہیں دیا گیا بلکہ اعراب بالحرکت دیا گیا ہے۔

...... **غَیْرُ الْمُنْصَرِفِ بِالضَّمَّۃِ وَالْفَتْحَۃِ** ...... غیر منصرف کا اعراب ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی رفع کی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **جاء نی احمد جاء نی عمر** وغیرہ۔ نصب اور جر

دونوں حالتوں میں فتحہ کے ساتھ ہوتا ہے نصب کی مثال جیسے رَاَیْتُ اَحْمَدَ . رَاَیْتُ عُمَرَ ۔اور جر کی مثال جیسے مَرَرْتُ باحمد ،اور مررتُ بعمر وغیرہ۔

اعراب کی تیسری قسم اوراس کا محل ......۔اعراب کی تیسری قسم رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب اور جر دونوں فتحہ کے ساتھ ہیں اور اعراب کی یہ قسم غیر منصرف میں پائی جاتی ہے۔

......**اعتراض**: غیر منصرف کے آخر میں کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے؟

☆ ...... **جواب** ۔غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت ہے جیسے فعل میں فاعل کیطرف احتیاجی اور اشتقاق من المصدر دو چیزیں پائی جاتی ہیں اسی طرح غیر منصرف میں بھی منع صرف کے اسباب میں سے دو سبب پائے جاتے ہیں جب غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت ہے اور فعل کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آتے اسلئے کہ کسرہ اور تنوین اسم کے ساتھ مختص ہیں جب فعل کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آتے تو اس کیساتھ مشابہت رکھنے والے غیر منصرف کے آخر میں بھی کسرہ اور تنوین نہیں آتے ۔

......**اعتراض**۔غیر منصرف کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے؟

☆......**جواب** : غیر منصرف اسم منصرف کی فرع ہے اور اعراب کی حالتوں میں سے رفعی۔ نصبی اور جری ہر حالت میں مستقل اعراب اصل ہے۔اور کسی حالت کو دوسری حالت کے تابع کر دینا فرعی حالت ہے، جب اسم منصرف کو اصل اعراب دیا گیا تو غیر منصرف جو کہ اسکی فرع ہے اسکو فرعی اعراب دیا گیا ہے اور اسکی جر کو فتحہ کے تابع کر دیا گیا ہے۔

اَبُوْكَ وَاَخُوْكَ وَحَمُوْكَ وَهَنُوْكَ وَفُوْكَ وَذُوْمَالٍ مُضَافَةً اِلٰى غَيْرِيَاءِ الْمُتَكَلِّمِ بِالْوَاوِ وَالْاَلِفِ وَالْيَاءِ، اب ،اخ، حم، هن، فم ،اور ذو جب یاء متکلم کے علاوہ کسی اور اسم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب واو، الف اور یاء، کے ساتھ ہوتا ہے۔

اعراب کی چوتھی قسم اوراس کا محل ......اسم متمکن کے اعراب کی چوتھی قسم اعراب بالحرف لفظی ہے اس کا رفع واو کے ساتھ جیسے جاءنی ابوک وغیرہ نصب الف کے ساتھ جیسے رایتُ اباک وغیرہ اور جر یاء کے ساتھ جیسے مَرَرْتُ بابیک وغیرہ۔

اعراب کی یہ قسم اسماء ستہ مکبرہ میں پائی جاتی ہے۔ان اسماء ستہ میں اعراب کی یہ حالت اسوقت پائی جاتی ہے جب کہ ان میں چارشرطیں پائی جائیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ یہ مصغرہ نہ ہوں بلکہ مکبرہ ہوں اسلئے کہ جب یہ مصغرہ ہوں گے تو ان کا اعراب بالحرکت لفظی حقیقی ہوتا ہے جیسے جاء نی اخیُّکَ. رایْتُ اُخیَّکَ .اورمَرَرْتُ باخیِّکَ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ مضاف ہوں اگر مضاف نہ ہوں تو اس صورت میں بھی ان کا اعراب بالحرکت لفظی حقیقی ہوتا ہے جیسے جاء نی اَب .را یتُ ابا . مررت بِاَبٍ ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ یہ مضاف بھی یاءِ متکلم کے علاوہ کسی اور اسم کی طرف ہوں اسلئے کہ اگر یہ یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت تقدیری ہوتا ہے جیسے جاء نی ابی ، رایت ابی ، مررت بابی ۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اسماء ستہ مفردہ ہوں یعنی تثنیہ جمع نہ ہوں اسلئے کہ اگر یہ تثنیہ جمع ہوں گے تو ان کا اعراب تثنیہ جمع والا ہوگا جیسے جاء نی ابوان، رایت ابوین ،اورمررت بابوین اور جمع کی صورت میں جاء نی اَبُوْنَ ،رَأَیْتُ اَبِیْنَ ،مَرَرْتُ بِاَبِیْنَ،

﴿ ...... **اعتراض** ۔اگر اسماء ستہ مکبرہ کے اعراب کے لئے یہ چار شرطیں ہیں تو علامہ نے ان کو کیوں نہیں بیان کیا۔

☆ ...... **جواب** ۔علامہ نے جب یہ کہا ہے کہ یہ اسماء مضاف ہوں یاءِ متکلم کے علاوہ کسی اور کی طرف تو اس میں دو شرطوں کی وضاحت ہوگئی۔ایک یہ کہ یہ مضاف ہوں اور دوسری یہ کہ یہ مضاف بھی یاءِ متکلم کے علاوہ کسی اور کی طرف ہوں۔ باقی دو شرطیں یعنی ان کا مکبرہ ہونا اور مفردہ ہونا تو یہ دونوں شرطیں ان مثالوں سے سمجھی جاسکتی ہیں جو علامہ نے بیان کی ہیں جیسا کہ ابوک میں ابٌ مکبر بھی ہے اور مفرد بھی ہے۔ان شرائط کو علامہ کی عبارت اور مثالوں سے سمجھا جاسکتا تھا اسلئے ان کو صراحت سے ذکر نہیں کیا۔۔۔ اب کے معنی باپ۔اخ کے معنی بھائی۔ ھن کا معنی شرمگاہ اور فم کا معنی منہ ہے یہ جس طرح مرد کے ہوسکتے ہیں اسی طرح عورت کے بھی ہوسکتے ہیں اسلئے ان کی اضافت مرد اور عورت دونوں کی طرف ہوسکتی ہے جیسے جاء نی ابوکَ . جاء نی ابوکِ وغیرہ۔اور حم کا معنی ہے دیور۔اور یہ عورت کے خاوند کے بھائی یا خاوند کے

قریبی رشتہ دار مرد کو کہا جاتا ہے اور حم صرف عورت کا ہوسکتا ہے اسلئے حم کی اضافت ہمیشہ مونث کی جانب ہوتی ہے مذکر کی جانب نہیں ہوسکتی، جیسے جاء نی حموکِ درست ہے اور جاء نی حموکَ درست نہیں ہے ۔

اسماء ستہ مکبرہ کے اعراب میں اختلاف اسماء ستہ مکبرہ کے اعراب کے بارہ میں نحویوں کے چار نظریات ہیں،، پہلا نظریہ:۔ امام مبرد فرماتے ہیں کہ اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بالحرکت تقدیری ہے اور ان کے آخر میں جو واو ،الف، اور یاء ہیں وہ اعراب نہیں بلکہ دال علی الاعراب ہیں،، جیسے واو ضمہ پر اور الف فتحہ پر اور یاء کسرہ پر دال ہے مگر یہ نظریہ درست نہیں اسلئے کہ جب ان کے آخر حرف کو اعراب بنایا جاسکتا ہے تو ان کو اعراب بنانا حقیقت اور ان کو دال علی الاعراب بنانا مجاز ہے اور مجاز کی بہ نسبت حقیقت مقدم ہے اسلئے ان کا اعراب تقدیری نہیں بلکہ بالحرف لفظی حقیقی ہوگا۔ دوسرا نظریہ:۔ امام سیبویہ کہتے ہیں کہ ان اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بالحرکت لفظی حقیقی ہے اور ان کے آخر میں جو واو، الف، اور یاء ہیں وہ حرکت میں اشباع کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اشباع کا معنی ہے کھینچنا۔ ضمہ کو کھینچا تو واو، فتحہ کو کھینچا تو الف ،اور کسرہ کو کھینچا تو یاء پیدا ہوگئی۔ ۔ یہ نظریہ بھی درست نہیں اس لئے کہ جب یہ حروف خود اعراب بن سکتے ہیں تو ان کو اشباعی حرکت قرار دینے کی کیا ضرورت ہے۔

تیسرا نظریہ: جمہور نحویوں کے نزدیک اسماء ستہ مکبرہ میں سے اب ،اخ، هن، اور حم یہ چار اصل میں ناقص واوی ہیں اور اصل میں اَبَوٌ ،اَخَوٌ، هَنَوٌ، اور حَمَوٌ تھے۔ ان کا لام کلمہ محل اعراب ہے تو رفعی حالت میں یہ تو جاء نی اَبُوٌکَ ہوا تو واو متحرک ماقبل ساکن کی وجہ سے واو کی حرکت ماقبل کو دے دی تو جاء نی اَبُوکَ ہوگیا اسی طرح نصبی حالت میں رایت ابوک تھا تو جب واو کی حرکت ماقبل کو دی تو فتحہ کی مناسبت سے واو کو الف سے بدل دیا تو رایت اباک ہوگیا اسی طرح جری حالت میں مررتُ بِاَبُوِکَ تھا واو کی حرکت ماقبل کو دی اور کسرہ کی مناسبت سے واو کو یاء سے بدل دیا تو مررت بابیک ہوگیا۔ اسی طرح باقی تین اَخَوٌ وغیرہ میں بھی ہے اور فو اصل میں فوهٌ بروزن فُعْلٌ اجوف واوی تھا اسلئے کہ اسکی تصغیر فویۃ اور جمع تکسیر افواہٌ آتی ہے اور قاعدہ ہے کہ تصغیر اور جمع تکسیر اسماء کو اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتی ہیں پھر فوہ کے آخر سے ھا کو حذف کیا اور واو کو میم سے بدل دیا اسلئے کہ واو اور میم قریب المخرج ہیں پھر میم کو ضمہ دیا تو فَمٌ ہو

گیا،۔پھر جب فم کی اضافت کریں گے تو میم گر جائیگی اور اصلی واؤ واپس آجائیگی، تو رفعی حالت ہوگی ھو فوک ضمہ واو پر ثقیل ہے اس کے ماقبل کی حرکت گرا کر ضمہ اسکو دیدیا تو فوک ہو گیا، اور نصبی حالت میں رایت فوک تھا واو کو الف سے بدلا، تو فاک ہو گیا اسی طرح جری حالت میں فِيْ فِوَکَ تھا واو کے ماقبل کی حرکت گرا کر واو کا کسرہ اسکو دے کر واو کو یاء سے بدل دیا تو فیک ہو گیا، ،اور ذو اصل میں ذُوَوٌ یا ذُوَیٌ تھا اور یہ لفیف مقرون ہے، آخر سے واو یا یاء کو حذف کر دیا تو ذو ہو گیا اس لحاظ سے جمہور کے نزدیک فو اور ذو میں عین کلمہ ہی اعراب ہے، اور اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب رفعی نصبی اور جری تینوں حالتوں میں اعراب بالحرف لفظی حقیقی ہے۔

چوتھا نظریہ علامہ ابن حاجب کا ہے علامہ کو جمہور کے ساتھ ذو اور فو میں اختلاف ہے کہ ان کا عین کلمہ اعراب نہیں بلکہ ان کا عین کلمہ محذوف نسیامنسیا ہے اسلئے کہ فوہ میں فاء اور ھا تو اصل ہیں۔ جب آخر سے ھا کو گرایا تو صرف ف رہ گیا، اور اس کے عین کلمہ کا پتہ ہی نہیں کہ کیا تھا اسلئے کہ وہ نسیامنسیا ہے جب صرف ف رہ گیا تو اس کے آخر میں حروف اعراب لائے، اسی طرح ذُوَوٌ میں ذال اور آخری واو اصل ہیں جب آخر سے واو کو حذف کیا تو صرف ذال باقی رہ گئی تو اس کے آخر میں حروف اعراب لائے، اس لحاظ سے علامہ ابن حاجب کے نزدیک فو اور ذو میں اعراب بالحرف ہوگا، مگر علامہ کے نظریہ پر اشکال ہوتا ہے کہ جب جزو کلمہ اعراب بن سکتا ہے تو اپنی طرف سے حروف اعراب لانے کی کیا ضرورت۔ ہے جیسے ضاربان میں الف جزو کلمہ ہے اور اعراب بھی بن سکتا ہے اسی طرح ذو اور فو میں واو جزو کلمہ بھی ہے اور اعراب بھی بن سکتا ہے۔تو اسی کو اعراب بنانا چاہیئے۔ ﴿...... **اعتراض** ،،اسماء ستہ مکبرہ میں ذو کے علاوہ باقی اسماء کی اضافت ضمیر کی طرف ہے مگر ذو کی اضافت ضمیر کی بجائے اسم ظاہر کی طرف ہے اسکی کیا وجہ ہے۔

☆ **جواب**:۔ذو کی اضافت ضمیر کی طرف صرف اشعار میں ہو سکتی ہے

جیسا کہ شاعر کا قول ہے اِنَّمَا یَعْرِفُ ذَا الْفَضْلِ ذُوُوْہُ فضیلت والے کو فضیلت والے ہی جانتے ہیں۔۔اور اشعار کے علاوہ ذو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں ہوسکتی اسلئے کہ ذو وضع کیا گیا ہے اسم جنس کو کسی چیز کی صفت بنانے کے لئے یعنی یہ اسم جنس پر داخل ہوتا ہے تا کہ اس اسم جنس کو کسی کی صفت بنایا جاسکے اور اسم جنس اسم ظاہر ہی ہوتا ہے۔اس لئے ذو ضمیر پر داخل نہیں ہوسکتا اور اشعار میں ضرورت شعری کی وجہ سے ضمیر پر داخل ہوتا ہے۔

اعتراض:۔ اسماء ستہ مکبرہ کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے۔

☆......**جواب**:۔ مفرد تثنیہ اور جمع کے درمیان اتحاد ذاتی ہے اسلئے کہ تثنیہ اور جمع مفرد سے بنتے ہیں، جب مفرد منصرف کو اعراب بالحرکت لفظی حقیقی دیا گیا اور تثنیہ جمع کو اعراب بالحرف دیا گیا تو مفرد اور تثنیہ جمع کے درمیان وحشت اور **بُعد** آ گیا تو نحویوں نے ان میں مناسبت پیدا کرنے کے لئے کچھ ایسے مفرد منصرف کلمات کو اعراب بالحرف دے دیا جن کی تثنیہ وجمع کے ساتھ لغوی اور معنوی مشابہت تھی تا کہ مفرد اور تثنیہ وجمع کے درمیان جو **بُعد** اور وحشت پیدا ہوگئی تھی اسمیں کمی آجائے اور مفرد منصرف کلمات میں سے اسماء ستہ مکبرہ کی تثنیہ وجمع کے ساتھ لغوی اور معنوی مشابہت ہے،۔ لغوی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح تثنیہ اور جمع کا آخری حرف اعراب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی طرح اسماء ستہ مکبرہ کا آخری حرف بھی اعراب بنتا ہے، اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ جیسے تثنیہ وجمع میں تعدد ہوتا ہے اسی طرح ان اسماء ستہ مکبرہ کے معنے میں بھی تعدد ہوتا ہے اسلئے کہ **اَبٌ** وہاں ہوگا جہاں **ابن** ہوگا اور **اخ** وہاں ہوگا جہاں دوسرا اخ ہوگا، اور **ھن** وہاں ہوگا جہاں صاحب **ھن** ہو اور **فم** وہاں ہوگا جہاں صاحب **فم** ہو اور ذو مال اسوقت ہوگا جبکہ مال ہو۔ جب اسماء ستہ مکبرہ کی تثنیہ وجمع کے ساتھ مشابہت تھی تو ان کو مفرد منصرف ہونے کے باوجود اعراب بالحرف دے دیا گیا تا کہ مفرد اور تثنیہ وجمع کے درمیان جو **بُعد** اور وحشت آگئی تھی اسکو ختم کر دیا جائے۔

اعتراض:۔۔ جب مقصد مفرد اور تثنیہ وجمع کے درمیان وحشت کو ختم کرنا تھا تو یہ مقصد تو ایک یا دو اسموں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے چھ اسموں کو کیوں منتخب کیا گیا ہے،، اسکے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

☆......**پہلا جواب** ملا جامی نے فرمایا کہ تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کی تین تین حالتیں ہیں رفعی، نصبی اور جری تو ان کی کل چھ حالتیں ہوگئیں تو ہر ایک حالت کے مقابلہ میں ایک اسم کر دیا،، مگر یہ جواب درست نہیں اسلئے کہ ایسی حالت میں یہ چاہئے تھا کہ ہر ایک حالت کے مقابلہ میں جو اسم رکھا گیا ہے اس پر اعراب کی وہی حالت آتی جس کے مقابلہ میں اسکو رکھا گیا ہے اس پر کوئی اور اعراب نہ آتا، حالانکہ استعمال میں ان میں سے ہر ایک اسم پر تینوں اعراب جاری ہوتے ہیں۔

☆......**دوسرا جواب**:۔ مولانا نامی فرماتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع اور ان کے ملحقات کو ملا کر کل چھ بنتے ہیں۔ تثنیہ اور اس کے دو ملحقات **کِلْتَا** اور **اِثْنَانِ** و **اِثْنَتَانِ** کل تین ہوگئے۔ اسی طرح جمع اور اس کے دو ملحقات **عشرون**

واخواتها اور اولو کل تین ہو گئے اور سب ملا کر چھ ہو گئے۔ اس لئے جب ان میں سے ہر ایک کے مقابلہ میں مفرد اسم کیا گیا تو وہ بھی چھ ہو گئے۔ مولانا نامی کے جواب کو نحویوں نے پسند کیا ہے۔

﴿...... اَلْمُثَنّٰی وَ کِلَا مُضَافاً اِلٰی مُضْمَرٍ وَ اِثْنَانِ وَ اِثْنَتَانِ بِالْاَلِفِ وَ الْیَاءِ

﴿...... تثنیہ کا اعراب اور کِلاَ جب کہ ضمیر کی طرف مضاف ہو اور اثنان و اثنتان کا اعراب الف اور یاء کے ساتھ ہوتا ہے﴾

﴿...... اعراب کی پانچویں قسم اور اس کا محل ...... اسم متمکن کے اعراب کی پانچویں قسم یہ ہے کہ رفع الف کے ساتھ ہو اور نصب و جر ایسی یاء کے ساتھ جس کا ماقبل مفتوح ہو۔ اور اعراب کی یہ قسم تثنیہ میں اور کلا و کلتا جبکہ ضمیر کی طرف مضاف ہوں ان میں اور اثنان و اثنتان میں پائی جاتی ہے ان کا رفع الف کے ساتھ ہوگا جیسے جاء نی رجلان ، جاء نی کلاھما ، جاء تنی کلتا ھما ، جاء نی اثنان ۔ جاء تنی اثنتان ان کی نصب یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے رایتُ رجلین ، رَاَیتُ کلیھما ، رَاَیتُ کلتیھما ، رایت اثنین ، رایت اثنتین ۔۔ اور ان کی جر بھی یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوتی ہے جیسے مررتُ برجلین ، مررتُ بکلیھما ، مررتُ بکلتیھما ، وغیرہ

☆ تثنیہ کی اقسام :۔ تثنیہ کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم تثنیہ حقیقی، دوسری قسم تثنیہ صوری اور تیسری قسم تثنیہ معنوی۔

تثنیہ حقیقی وہ ہے کہ مفرد کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور آخر میں نون مکسورہ اعرابی لگا کر اس کا صیغہ بنایا گیا ہو جیسے رجلان اور رجلین جو کہ رجل سے بنائے گئے ہیں۔

تثنیہ صوری وہ ہوتا ہے کہ جس کو مفرد سے نہ بنایا گیا ہو بلکہ اس کا اپنے صیغہ سے مفرد ہی نہ ہو مگر اسکی صورت تثنیہ جیسی ہو اور معنے بھی دو کا اسمیں پایا جاتا ہو جیسے اثنان اور اثنتان۔

اور تثنیہ معنوی وہ ہوتا ہے جس میں صرف دو کا معنی پایا جاتا ہو، نہ تو اسکو مفرد سے بنایا گیا ہو اور نہ ہی اسکی صورت تثنیہ جیسی ہو

جیسے کلا و کلتا ۔ کلا اصل میں کلو تھا واو متحرک ماقبل مفتوح واو کو الف سے بدل دیا تو کلا ن ہو گیا پھر الف اور تنوین کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کو گرا دیا تو کِلاً ہو گیا پھر وقف کی حالت میں تنوین کو الف سے بدل دیا تو کِلاَ ہو گیا۔ کلتا بھی اصل میں کلو تھا واو کو خلاف القیاس تاء سے بدل دیا تو کلة ہو گیا پھر تنوین کو الف سے بدل دیا اور تاء کے ماقبل کا فتحہ تاء کو دے دیا تو کلتا ہو گیا کلتا میں تاء تانیث نہیں بلکہ واو کے عوض ہے اور اس کے آخر میں الف علامت تانیث ہے ۔

﴿...... **اعتراض** ۔ قاعدہ ہے کہ علامت حذف نہیں ہوتی جبکہ کِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ میں کلتا کا الف گر گیا ہے اسلئے اس الف کو علامت تانیث کہنا درست نہیں ہے ۔

☆...... **جواب** ۔ کلتا الجنتین میں الف اسلئے گر گیا ہے کہ الف سے پہلے تاء موجود ہے یہ تاء اگرچہ تانیث کی نہیں مگر اسکی تاء تانیث کے ساتھ مشابہت ہے۔ اسلئے اس تاء کو الف کے قائم مقام کر کے الف کو حذف کرنا جائز ہے

﴿...... **اعتراض**:۔ علامہ نے اثنان اور اثنتان مذکر اور موءنث دو صیغے ذکر کیے ہیں جبکہ کلا اور کلتا میں سے صرف کلا کو ذکر کیا ہے اور کلتا کو ذکر نہیں کیا اسکی کیا وجہ ہے۔

﴿...... **جواب**:۔ کلا اصل اور کلتا اسکے تابع ہے اسلئے علامہ نے اصل کلا کو ذکر کر دیا ہے اور کلتا کو ذکر نہیں کیا اسلئے کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے جبکہ اثنان اور اثنتان دو مستقل لغتیں ہیں اسلئے دونوں کو ذکر کیا تا کہ دونوں لغتوں کا پتہ چل جائے ،اور پھر دونوں کو ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ یہ اسماء معدودہ ہیں مگر ان کا استعمال باقی اسماء معدودہ کی طرح نہیں بلکہ دیگر اسماء کی طرح ہے کہ مذکر کیلئے مذکر اور مونث کیلئے مونث استعمال ہوتے ہیں جبکہ اسماء معدودہ کی تمیز مذکر کیلئے مونث اور مونث کیلئے مذکر استعمال ہوتی ہے۔

﴿**اعتراض** ۔ اثنان کا مفرد اثنٌ کو اور اثنتان کا مفرد اثنة کو بنا کر اثنان اور اثنتان کو تثنیہ حقیقی کیوں نہیں بنایا گیا

☆...... **جواب**:۔ مفرد اور تثنیہ کا معنی میں ایک ہونا ضروری ہے اگر اثنان کا مفرد اثن کو بنائیں تو دونوں میں معنی کے اندر مطابقت نہیں اسلئے کہ اثن کا معنی ہے رسی کا دہرا ہونا اور اثنان کا معنی ہے دو۔ اسلئے ان کو تثنیہ حقیقی نہیں بنایا جا سکتا۔

……**اعتراض** ۔ المثنی معطوف علیہ ہے اور کلا معطوف ہے اور اسکے بعد مضافا الی مضمر حال ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب معطوف علیہ اور معطوف دونوں کے بعد حال ہو تو وہ دونوں سے حال ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ تثنیہ بھی جب ضمیر کی طرف مضاف ہو تو اس کا یہ اعراب ہو گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

☆…… **جواب** :۔ مضافا صرف کلا سے حال ہے باقی رہا یہ کہ قاعدہ ہے کہ حال دونوں سے واقع ہوتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے،،۔۔

☆…… **اعتراض** ،،۔۔ کلا کے ساتھ مضافا الی مضمر کی قید کیوں لگائی ہے؟

☆…… **جواب** ،،۔ کلا اور کلتا جب ضمیر کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب تثنیہ والا ہوتا ہے اور اگر اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت تقدیری ہوتا ہے جیسے جاء نی کلا الرجلین ۔ رایت کلا الرجلین اور مررت بکلا الرجلین ۔ ان تینوں حالتوں میں اعراب بالحرکت ہے مگر تقدیری ہے جب اسم ظاہر کی جانب مضاف ہونے کی صورت میں کلا کا اعراب علیحدہ تھا تو اسلئے اسکے ساتھ قید لگائی کہ اعراب کی یہ قسم اسوقت پائی جاتی ہے جبکہ یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو۔ ……**اعتراض**:۔۔ تثنیہ اور کلا اور اثنان کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے؟

☆ **جواب**: کلا لفظاً مفرد اور معنی جمع ہے اسلئے جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اسکے لفظ کا لحاظ رکھ کر اسکو اعراب بالحرکت تقدیری دیا گیا ہے اسلئے کہ اعراب بالحرکت اصل ہے۔ اور جب یہ اسم ضمیر کی طرف مضاف ہو تو اسکے معنی کا لحاظ رکھ کر اسکو فرعی اعراب یعنی اعراب بالحرف دیا گیا ہے۔ تثنیہ فرع ہے مفرد کی اسلئے تثنیہ اور اس کے ملحقات کو فرعی اعراب دیا گیا ہے جو کہ اعراب بالحرف ہے ۔

……**جَمْعُ الْمُذَكَّرِ السَّالِمُ وَ أُولُوْ وَ عِشْرُوْنَ وَ اَخَوَاتُهَا بِالْوَاوِ وَالْيَاءِ**…… جمع مذکر سالم اور اولو اور عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب واو اور یاء کے ساتھ ہوتا ہے۔

اعراب کی چھٹی قسم اور اس کا محل ......اسم متمکن کے اعراب کی چھٹی قسم یہ ہے کہ رفع واو کے ساتھ ہو اور نصب اور جر دونوں ایسی یاء کے ساتھ ہوں جس کا ماقبل مکسور ہو اور اعراب کی یہ قسم جمع مذکر سالم اور اُو لــو اور عشرون اور اس کے اخوات میں پائی جاتی ہے۔ عشرون کے اخوات سے مراد تسعون تک دہائیاں ہیں یعنی ثلاثون ،اربعون، خمسون ،ستون، سبعون، ثمانون ،اور تسعون۔ رفعی حالت جیسے۔ جاء نی مسلمون ،حاء نی اولو مال جاء نی عشرون رجلا ۔نصبی حالت جیسے۔ رایت مسلمین، رایت اولی مالٍ ، رایت عشرین رجلا ،اور جری حالت جیسے مررتُ بمسلمین ، مررت باولی مالٍ، مررت بعشرین رجلا۔ جمع مذکر کی صفت السالم کو بنایا گیا ہے اور یہ صفت بحال متعلقہ ہے اور یہ اصل میں ہے جمع المذکر السالم واحده ۔اور السالم کی قید احترازی ہے اور اس سے جمع مکسر کو نکالنا مقصود ہے۔

جمع مذکر سالم سے مراد وہ جمع ہے جس کو واحد سے بنایا گیا ہو اور وہ جمع واؤ اور نون یا یاء اور نون کے ساتھ ہو خواہ اس کا واحد مذکر ہو جیسے مسلم کی جمع مسلمون ۔یا اس کا واحد مونث ہو جیسے سَنَةٌ کی جمع سنون ۔اس کو جمع مذکر سالم حقیقی کہتے ہیں او لو ذو کی جمع ہے من غیر لفظہ یعنی مفرد کے الفاظ اور ہیں اور جمع کے الفاظ اور ہیں اسی لئے اولو کو حقیقتاً جمع نہیں کہا گیا بلکہ اس کو جمع کے ملحقات میں شمار کیا گیا ہے۔ اور اولو کو جمع معنوی کہتے ہیں۔ عشرون اور اس کے اخوات بھی جمع نہیں بلکہ جمع کے ملحقات میں سے ہیں اس لئے کہ حقیقتاً جمع وہ ہوتی ہے جس کے واحد کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم اور نون مفتوح یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح کا اضافہ کر کے جمع بنائی گئی ہو۔ اور ان میں سے کسی کا بھی واحد نہیں ہے اس لئے یہ جمع نہیں بلکہ جمع کا معنی دینے کی وجہ سے جمع کے ملحقات میں سے ہیں۔ عشرون و اخواتها کو جمع صوری کہتے ہیں۔

......**اعتراض** :۔ عشرون کو عشر کی اور ثلاثون کو ثلاث کی جمع کیوں نہیں بنایا جاتا اسی طرح عشرون کے باقی اخوات میں بھی۔☆...... **جواب** :۔جمع کے تحت کم از کم تین افراد ہوتے ہیں۔اگر عشرون کو عشر کی جمع بنائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ عشرون میں تین عشر ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ عشرون میں صرف دو عَشْرٌ ہیں

۔جب کہ تین عَشْـرٌ ہونے کی وجہ سے یہ ثلاثون بن جاتا ہے اور عشـرون کا معنی ہی باطل ہو جاتا ہے۔اور یہی حال ثلاثون وغیرہ کا ہے کہ ان کو جمع بنانے کی صورت میں ان کا معنی ہی باطل ہو جاتا ہے۔

جمع مذکر سالم کی اقسام......پہلی قسم وہ جمع مذکر سالم جس کا مفرد صفت کا صیغہ نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی اسم ہو۔اور دوسری قسم وہ جمع مذکر سالم جس کا مفرد صفت کا صیغہ ہو۔

اگر مفرد صفت کا صیغہ نہ ہو تو اس سے جمع سالم بنانے کی شرائط:۔ اگر مفرد ایسا اسم ہو جو صفت کا صیغہ نہ ہو تو اس سے جمع مذکر سالم بنانے کی پانچ شرطیں ہیں۔پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم عَلَم یعنی نام ہو۔دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مذکر ہو۔تیسری شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو۔چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں تـاء نہ ہو بلکہ وہ اسم تاء سے خالی ہو۔اور پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب سے خالی ہو۔جیسے زَیْدٌ علم بھی ہے مذکر بھی ہے عاقل بھی ہے تـاء سے اور ترکیب سے خالی بھی ہے تو اس کی جمع زیدون آسکتی ہے۔رَجل کی جمع رجلون نہیں آسکتی اس لئے رَجلٌ علم نہیں ہے ۔اور زینب کی جمع زینبون نہیں آسکتی اس لئے کہ یہ مذکر نہیں بلکہ مونث ہے ہے۔اگر کسی گھوڑے یا کسی اور جانور کا نام سابق رکھ دیا جائے تو اس کی جمع سابقون نہیں آسکتی اس لئے یہ عاقل نہیں ہے اور سیبویه کی جمع سیبویون نہیں آسکتی اس لئے کہ اس کے آخر میں تاء ہے۔اور معد یکرب کی جمع معد یکربون نہیں آسکتی اس لئے کہ یہ ترکیب سے خالی نہیں ہے۔

☆......**اگر مفرد صفت کا صیغہ ہو تو اس سے جمع سالم بنانے کی شرائط**......☆

اگر مفرد صفت کا صیغہ ہو تو اس سے جمع مذکر سالم بنانے کی چھ شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ صفت کا صیغہ مذکر کی صفت ہو۔دوسری شرط یہ ہے کہ مذکر عاقل ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ تاء سے خالی ہو۔چوتھی شرط یہ ہے کہ اَفْعَلُ اور فُعَلَاء کے وزن پر نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ فَعْلَان اور فَعْلیٰ کے وزن پر نہ ہو۔

اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ صفت کا صیغہ مذکر اور مونث کے درمیان برابر نہ ہو۔جیسے ضـاربٌ کی جمع ضـاربونَ اور

مضروبٌ کی جمع مضروبونَ وغیرہ۔ طالق کی جمع طالقون اور حائض کی جمع حائضون نہیں آسکتی اس لیئے کہ یہ صفت کا صیغہ مذکر کی صفت نہیں بلکہ مونث کی صفت ہے۔ اس لئے کہ طالق طلاق والی عورت کو اور حائض حیض والی عورت کو کہتے ہیں۔ لاحق کی جمع لاحقون نہیں آسکتی اس لئے کہ یہ عاقل کی صفت نہیں۔ علاّمةٌ کی جمع علامتون نہیں آسکتی اس لئے کہ یہ صفت کا صیغہ تاء سے خالی نہیں ہے۔ اَحمر کی جمع احمرون اور حمراء کی جمع حمرائون نہیں آسکتی اس لئے کہ یہ افعل اور فعلاء کے وزن پر ہیں اور سکران کی جمع سکرانون اور سَکْرٰی کی جمع سَکرِیُّون نہیں آسکتی اس لئے کہ یہ صفت کا صیغہ فعلان اور فعلی کے وزن پر ہے۔ اور جریح کی جمع جریحون اور صبور کی جمع صبورون نہیں آسکتی اس لئے کہ جریح اور صبور ایسے صفت کے صیغے ہیں جو مذکر اور مونث دونوں کے لئے برابر ہیں۔

☆...... **اعتراض**:۔ جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے۔

☆...... **جواب**:۔ مفرد اصل ہے اور جمع اس کی فرع ہے جب مفرد کو اصل اعراب بالحرکت لفظی دیا گیا تو اس کی فرع جمع کو اور اس کے ملحقات کو فرعی اعراب بالحرف لفظی دے دیا گیا۔

☆...... **اَلتَّقْدِيْرُ فِيْمَا تَعَذَّرَ كَعَصَاوَ غُلَامِيْ مُطْلَقاً اَوِ اسْتُثْقِلَ كَقَاضٍ رَفْعًا وَجَرًّا وَنَحْوُ مُسْلِمِيَّ رَفْعاً وَاللَّفْظِيُّ فِيْمَا عَدَاهُ.** ...... اعراب تقدیری ہوگا اس اسم میں جس میں اعراب کا ظاہر کرنا متعذر یعنی ممتنع ہو جیسا کہ عصا اور غلامی میں مطلقا یا اس اسم میں جس میں اعراب کا ظاہر کرنا ثقیل سمجھا جاتا ہو۔ جیسے قاض، اس میں رفعی اور جری دونوں حالتوں میں اعراب ثقیل سمجھا جاتا اور جیسا کہ مسلمی کہ اس کی رفعی حالت میں اعراب ثقیل سمجھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ باقی حالتوں میں اعراب لفظی ہوگا۔

☆...... **اعراب کی ساتویں قسم اور اس کا محل** ...... اسم متمکن کے اعراب کی ساتویں قسم یہ ہے کہ رفع تقدیر ضمہ کے ساتھ۔ نصب تقدیر فتحہ کے ساتھ اور جر تقدیر کسرہ کے ساتھ ہو۔ اور اعراب کی یہ قسم عصا یعنی اسم مقصور اور غلامی یعنی جمع مذکر سالم کے علاوہ کوئی اور اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو ان میں مطلقا یعنی رفعی نصبی اور جری تینوں حالتوں میں پائی جاتی

ہے (جیسے **ھوَ عصا جاء نی غلامی** اس میں عصا اور غلامی مرفوع بالضمہ تقدیراً ہے **رأیت عصا رأیت غلامی** میں عصا اور غلامی منصوب بالفتحہ تقدیراً ہے اور **ضربت بعصا** اور **مررتُ بغلامی** میں **عصا** اور **غلامی** مجرور بالکسرہ تقدیراً ہے)

"**التقدیر** پر الف لام میں دو احتمال ہیں

ایک احتمال یہ ہے کہ یہ عہد خارجی ہے اور **معہود** وہ تقدیراً ہے جو معرب کے حکم میں گزرا ہے۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اصل عبارت تھی **تقدیر الاعراب**۔ اعراب کا مقدر رہنا ۔اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ **التقدیر** کا موصوف الاعراب محذوف ہے اور تقدیر مصدر مبنی للمفعول مقدر کے معنی میں ہے اس لحاظ سے اصل عبارت ہوگی **الاعراب المقدر** ۔اور بعض نے کہا ہے کہ **التقدیر** کے بعد یاء نسبت کی بھی محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **الاعراب التقدیری فیما تعذر**۔

☆......**تعذَّر کی ضمیر کا مرجع کیا ہے**...... "**فِیمَا تعذَّرَ**" میں **فیما** ظرف مستقر متعلق ہے ثابتٌ یا کائنٌ مقدر کے ساتھ اور **ما** سے مراد اسم معرب ہے اس لئے کہ بحث اسم معرب ہی کی ہو رہی ہے اور تعذر میں ضمیر کا مرجع یا تو ما ہے یا الاعراب ہے۔ اگر مرجع ما کو بنائیں تو معنی فاسد ہو جاتا ہے اس لئے کہ معنی یہ بن جاتا ہے کہ اعراب تقدیری اس اسم میں ہوگا جو اسم متعذر رہو۔ حالانکہ اسم متعذر نہیں ہوتا بلکہ اعراب متعذر رہوتا ہے۔ اور اگر ضمیر کا مرجع الاعراب کو بنائیں تو پھر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ فیما میں ما موصولہ ہے اور ما موصولہ کے بعد ضمیر ضروری ہوتی ہے اور اس کے بعد کوئی ضمیر نہیں ہے۔ جو ما کی طرف لوٹتی ہو۔ تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس میں ضمیر محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **تَقْدِیْرُ الْاِعْرَابِ فِیْمَا تَعَذَّرَ فِیْہِ**۔ اعراب تقدیری اس اسم معرب میں ہوگا جس میں اعراب کا ظاہر کرنا متعذر رہو۔

☆......**اعراب تقدیری کی حالتیں**...... علامہ ابن حاجبؒ نے فرمایا کہ اعراب تقدیری دو حالتوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک حالت یہ ہے کہ اسم معرب کے آخر میں اعراب کا لفظاً ظاہر کرنا متعذر رہو یعنی ممتنع ہو۔ اور دوسری حالت یہ ہے کہ اسم معرب کے آخر میں اعراب کا ظاہر کرنا ثقیل ہو۔ معرب کے آخر میں اعراب کا ظاہر کرنا دو حالتوں میں متعذر رہوتا

ہے۔ایک عصا جیسی حالت اور دوسری غلامی جیسی حالت میں۔۔علامہ نے عصا پر کاف مثلیہ داخل کر کے بتایا کہ یہ صرف عصا اور غلامی کے الفاظ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عصا سے مراد اسم مقصور ہے۔خواہ اس کے آخر میں الف مقصورہ مذکور ہو جیسے موسیٰ۔ عیسیٰ۔ یحیٰ وغیرہ میں یا اس کے آخر میں الف مقصورہ مقدر ہو جیسے عصاً میں ہے۔اور غلامی سے مراد ایسا اسم ہے جو جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو اور یاء ضمیر متکلم کی طرف مضاف ہو۔علامہ ابن حاجب کی عادت یہ ہے کہ وہ مثال بیان کر کے اس سے قاعدہ مراد لیتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے مثال ذکر کر کے مراد قاعدہ ہی لیا ہے کہ عصا سے مراد اسم مقصور اور غلامی سے مراد وہ اسم ہے جو جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو اور یاء متکلم کی طرف مضاف ہو۔

☆......غلامی کے بارہ میں نحویوں کا اختلاف......غلامی کے بارہ میں علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ مبنی ہے اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک معرب ہے اور الفیہ ابن مالک والے کے ہاں یہ نہ معرب ہے اور نہ ہی مبنی ہے۔علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ غلام اسم مفرد ہے اور یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اور اسم مفرد جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو وہ مبنی ہوتا ہے اس لئے غلامی مبنی ہے۔ الفیہ ابن مالک والے نے کہا کہ غلامی میں دو اعتبار ہیں ایک اعتبار یہ ہے کہ یہ اسم مفرد یاء متکلم کی طرف مضاف ہے اس لحاظ سے یہ مبنی ہے۔اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ یہ مضاف ہے اور اضافت اسماء کا سب سے بڑا خاصہ ہے تو اس لحاظ سے غلامی معرب ہوگا جب اس میں دو اعتبار متضاد پائے جاتے ہیں اور قانون یہ ہے اذا تعارضا تساقطا جب دو چیزوں میں تعارض آجائے تو دونوں ساقط ہو جاتی ہیں اس لئے غلامی میں معرب اور مبنی ہونے کا اعتبار ساقط ہو گیا اس لئے یہ نہ مبنی ہے اور نہ معرب ہے۔علامہ ابن حاجبؒ نے جب غلامی کے بعد مطلقا کہا تو اس میں اپنا نظریہ واضح کیا کہ غلامی کا اعراب ہر حالت میں تقدیری ہے جب اس کا اعراب تقدیری ہے تو یہ معرب ہے (اس لئے کہ اعراب لفظی اور تقدیری اسم معرب پر آتا ہے جبکہ مبنی کا اعراب محلی ہوتا ہے) اس سے علامہ کے اپنے نظریہ کی وضاحت کے ساتھ علامہ زمخشری کے نظریہ کی تردید بھی ہوگئی جو غلامی کو مبنی کہتے ہیں اور الفیہ ابن مالک والے کی بھی تردید ہوگئی جو غلامی کو نہ معرب کہتے ہیں اور نہ مبنی کہتے ہیں۔ ”بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ غلامی میں جری حالت میں اعراب لفظی ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر جری حالت میں غلامی کا اعراب لفظی ہو تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ باء

جارہ سے پہلے غلام کے آخر میں کسرہ یاء کی مناسبت کی وجہ سے تھا اور باء داخل ہونے کے بعد وہ کسرہ باء جارہ کی وجہ سے ہے تو ایک ہی حرف پر دو کسرے ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یاء کی مناسبت کی وجہ سے اور ایک باء جارہ کی وجہ سے اور ایک ہی حرف پر دو حرکتوں کا جمع ہونا جائز نہیں ہے خواہ وہ دونوں حرکتیں ذات کے لحاظ سے مختلف ہوں جیسے زیدٌ کے آخر بیک وقت ضمہ اور فتحہ یا ضمہ اور کسرہ پڑھنا یا دو حرکتیں ذات کے لحاظ سے مختلف نہ ہوں مگر وصف کے لحاظ سے مختلف ہوں جیسے ایک حرکت کا سبب اور ہو اور دوسری حرکت کا سبب اور ہو۔ جیسے غلامی میں ایک کسرہ کا سبب یاء کی مناسبت اور دوسرے کسرہ کا سبب باء جارہ ہے اور اس کو یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں تَوَارُدِ عِلَّتَيْنِ لازم آتا ہے یعنی بیک وقت دو علتوں کا پایا جانا اور یہ ناجائز ہے۔ جب غلامی کی جری حالت میں بھی اعراب لفظی نہیں ہوسکتا تو اس حالت میں بھی اعراب تقدیری ہوگا۔

☆ **اعتراض**۔ غلامی کی جری حالت میں میم کا کسرہ یاء کی مناسبت سے کیوں مانا جاتا ہے عامل کی وجہ سے کیوں نہیں مانا جاتا۔ ☆ **جواب**: ۔ یاء کی مناسبت سے کسرہ مقدم اور راجح ہوتا ہے بہ نسبت عامل کی وجہ سے کسرہ کے اس لئے اسمیں کسرہ عامل کی وجہ سے نہیں بلکہ یاء کی مناسبت سے مانا گیا ہے۔

☆...... **اعتراض**: ۔ اسم مقصور اور غلامی کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے۔

جواب: اسم مقصورہ کو اعراب تقدیری اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے آخر میں الف لام ہے جو اعراب کا متحمل نہیں ہوتا۔ اور غلامی کو اعراب تقدیری اس لئے دیا گیا ہے کہ غلامی میں میم کا کسرہ یاء کی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ اگر اس پر ضمہ یا فتحہ پڑھیں تو یاء کی مناسبت نہیں رہتی۔ اور جری حالت میں بھی چونکہ کسرہ یاء کی مناسبت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ یہ کسرہ عامل کی وجہ سے نہیں مانا جا سکتا تو اس وجہ سے غلامی کو اعراب تقدیری دیا گیا ہے۔

...... اعراب کی آٹھویں قسم اور اس کا محل

...... اسم متمکن کے اعراب کی آٹھویں قسم یہ ہے کہ رفع تقدیر ضمہ کے ساتھ اور جر تقدیر کسرہ کے ساتھ ہو اور نصب فتحہ لفظی کے ساتھ ہو اور اعراب کی یہ قسم اسم منقوص میں پائی جاتی ہے۔ نحویوں کے نزدیک اسم منقوص وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں ایسی یاء ہو جس کا ماقبل مکسور ہو جیسے قَاضِي۔

علامہ ابن حاجب نے اس صورت کو اَوِ اسْتُثْقِلَ كَقَاضٍ سے بیان کیا ہے کہ اعراب تقدیری کی دوسری حالت یہ ہے کہ

اسم کے آخر میں اعراب ثقیل سمجھا جائے۔علامہ نے قاض پر کاف مثلیہ لاکر بتایا کہ اس سے مراد صرف قاضی کا لفظ نہیں بلکہ ایسا اسم مراد ہے جو قاضی کی طرح ہو یعنی ایسا اسم جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو۔جس کو اسم منقوص کہتے ہیں۔خواہ اس کی یاء آخر میں لفظوں میں مذکور ہو جیسے۔ القاضی ۔یا وہ کسی عارضہ کیوجہ سے محذوف ہو جیسے قاضٍ کے آخر میں یاء محذوف ہے اس لئے کہ یہ اصل میں قاضیٌ تھا۔ضمہ یاء پر ثقیل تھا اس کو گرادیا تو قاضِیْنُ ہو گیا پھر یا اور تنوین کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو گرادیا تو قاضٍ ہو گیا۔اسم منقوص کی رفعی اور جری حالت میں اعراب ظاہر کرنا ثقیل سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ ضمہ یاء پر ثقیل ہوتا ہے اور کسرہ کی صورت میں ایک ہی کلمہ میں لگا تار چار کسرے لازم آتے ہیں ایک یاء کے ماقبل کا کسرہ۔دوسرا یاء کا کسرہ اور پھر یاء خود دو کسروں کے برابر ہوتی ہے اس لئے چار کسروں کا ایک ہی کلمہ میں پایا جانا ثابت ہوتا ہے اور یہ درست نہیں اس لئے اس کے آخر میں کسرہ کی بجائے اس کو اعراب تقدیری دیا گیا ہے۔اسم منقوص کی نصبی حالت میں اعراب فتحہ لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔جیسے رَاَیتُ القاضی اس لئے کہ فتحہ خفیف حرکت ہے اور یاء اس کو برداشت کر سکتی ہے اور فتحہ دینے کی صورت میں کوئی خرابی بھی لازم نہیں آتی اس لئے نصبی حالت میں اعراب تقدیری کی بجائے اعراب بالحرکت لفظی دیا گیا ہے۔

……**اعتراض** :۔اسم منقوص کو اعراب کی یہ حالت کیوں دی گئی ہے۔

☆ ……**جواب**:۔یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اسم منقوص کی رفعی اور جری حالت میں اعراب کا ظاہر کرنا دشوار ہے اس لئے ان حالتوں میں اس کو اعراب تقدیری دیا گیا ہے جبکہ نصبی حالت میں فتحہ خفیف ہے اس لئے نصبی حالت میں اعراب بالحرکت لفظی دیا گیا ہے۔

……اعراب کی نویں قسم اور اس کا محل: اسم متمکن کے اعراب کی نویں قسم۔

جس کو علامہ نے نَحْوُ مُسْلِمِیَّ سے بیان کیا ہے۔ یہ ہے کہ رفع تقدیر واؤ کے ساتھ ہو اور نصب و جر دونوں یاء لفظی کے ساتھ ہوں۔اعراب کی یہ قسم اس وقت پائی جاتی ہے جبکہ جمع مذکر سالم مضاف ہو یاء متکلم کی طرف۔جیسے رفعی حالت میں جاء نی مسلمیّ جو اصل میں مسلمونی تھا۔جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔تو مسلموئَ ہو گیا۔ پھر واؤ اور یاء اکٹھی ہو گئیں تو واؤ کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام کیا تو مُسْلِمُیَّ ہو گیا۔پھر یاء کی مناسبت سے یاء کے ماقبل ضمہ کو کسرہ

سے بدل دیا تو مُسْلِمِیّ ہو گیا۔ اس حالت میں واؤ کا ظاہر کرنا دشوار ہے اس لئے اس حالت میں اعراب تقدیری ہوگا۔ اور نصبی حالت میں رائیت مُسلمیّ اور جری حالت میں مررتُ بمسلمیَّ ہے اور یہ نصبی اور جری دونوں حالتوں میں مسلمینیَ تھا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا پھر دو یاء اکٹھی ہو گئیں تو یاء کا یاء میں ادغام کر دیا تو مسلمی ہو گیا۔

......**وَاللَّفْظِیُّ فِیْمَا عَدَاہُ** ...... تعذر اور استثقل میں جو تعذر اور استثقال ہے وہ عداہ کی ضمیر کا مرجع ہے اور وہ مصدر ہے اور مصدر مبنی للمفعول ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ جو اعراب متعذرہ یعنی ممنوع سمجھا گیا ہے یا ثقیل سمجھا گیا ہے اس کے علاوہ ان اسماء میں اعراب لفظی ہوگا۔

☆ ......**اعتراض** :۔ **عداہ** کی ضمیر کا مرجع **تعذر** اور **استثقال** دو چیزوں کو بنایا گیا ہے حالانکہ ہٗ ضمیر تو مفرد کی ہے اس لئے مرجع اور ضمیر کے درمیان مطابق نہیں ہے ۔

☆ ......**جواب** :۔ ان میں سے ہر ایک کی جانب ضمیر کا لوٹنا بواسطہ عطف کے ہے یا دونوں کو بتاویل مذکور لیا گیا ہے یعنی جو ذکر کیا گیا ہے اس کے سوا اعراب لفظی ہے اور مذکور مفرد ہے اس لیے ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت ہے ۔

☆ ......**اعتراض** :۔ اعراب لفظی اصل ہے بہ نسبت تقدیری کے تو علامہ نے قاضی اور مسلمی میں پہلے اعراب تقدیری کو کیوں ذکر کیا ہے۔ ☆ ......**جواب** :۔ اعراب تقدیری قلیل اور اعراب لفظی کثیر ہے اور قلیل بہ نسبت کثیر کے مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔ اور یہ انداز اختیار کر کے علامہ نے تنبیہ فرما دی کہ قلیل کا یاد کرنا آسان ہوتا ہے اس لیئے اس کو بیان کر دیا جائے اور باقی کو دوسری چیز قرار دے دیا جائے تا کہ ضبط میں آسانی ہو۔ مگر یہ جواب درست نہیں اس لئے کہ اگر یہی وجہ تھی تو اعراب تقدیری۔ (کو بالکل ابتداء میں ذکر کیا جاتا اور اعراب لفظی کو آخر میں ذکر کیا جاتا ۔ بہتر جواب یہ ہے کہ جن اسماء میں اعراب تقدیری اور اعراب لفظی دونوں پائے جا رہے ہیں ان میں اعراب تقدیری کو صراحت سے ذکر کر کے اس کی اہمیت کو بیان کر دیا اور خصوصیت سے اس پر تنبیہ کر دی اور باقی کے بارہ میں کہہ دیا کہ اس کے سوا لفظی ہے۔)

☆ ......**اعتراض** :۔ مُسْلِمِی جیسے اسم کو اعراب کی یہ قسم کیوں دی گئی ہے۔

☆ ......**جواب** :۔ جمع مذکر سالم جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں تعلیلات کرتے ہوئے واؤ کو یاء سے بدلا جاتا

ہے اور قاعدہ ہے کہ ابدال کے ساتھ چیز اپنی اصل حالت سے نکل جاتی ہے تو اس قانون کے تحت گویا اس صیغہ میں واؤ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لئے اس کو اعراب تقدیری دیا گیا۔ جبکہ نصبی اور جری حالت میں یاء کا یاء میں ادغام ہے اور ادغام کی وجہ سے چیز اپنی اصل حالت سے نہیں نکلتی تو گویا دونوں یاء باقی ہیں ایک آخر میں یاء متکلم اور دوسری جمع مذکر سالم کی یاء جو کہ اعراب بن سکتی ہے اس لئے اسی یاء کو اعراب بنایا گیا جو کہ لفظوں میں مذکور ہے۔ اس لئے نصبی اور جری حالت میں مسلمیَّ کا اعراب لفظاً یاء کے ساتھ ہے۔

☆ ......غیر منصرف کی بحث...... ☆

﴾...... غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَا فِيْهِ عِلَّتَانِ مِنْ تِسْعَةٍ أَوْ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا تَقُوْمُ مَقَامَهُمَا وَهِيَ شِعْرٌ:

عَدْلٌ وَوَصْفٌ وَتَانِيْثٌ وَمَعْرِفَةٌ وَعُجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيْبٌ :

وَالنُّوْنُ زَائِدَةٌ مِنْ قَبْلِهَا أَلِفٌ : وَوَزْنُ فِعْلٍ وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ

غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس میں منع صرف کے نو اسباب میں سے دو سبب پائے جائیں یا ایک ایسا سبب پایا جائے جو ان دو کے قائم مقام ہو۔ اور وہ نو اسباب اس شعر میں مذکور ہیں۔ عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ۔ اور عجمہ پھر جمع پھر ترکیب اور ایسا نون جو زائدہ ہو اور اس سے پہلے الف ہو اور وزن فعل اور یہی قول درست ہے۔ ﴿

کافیہ کے بعض مطبوعہ نسخوں میں مِنْ تسع کی بجائے من تسعة کے الفاظ ہیں اور بعض میں مِنْ تسع کے الفاظ ہیں اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ شرح جامی سمیت کافیہ کی شروحات میں من تسع ہی ہے۔

علامہ نے اسباب منع صرف سے متعلق جو اشعار پیش کیے ہیں یہ ابو سعید الانباری الکوفی کے ہیں اور ان سے پہلے ایک اہم شعر ہے جس کو علامہ نے ذکر نہیں کیا اور وہ شعر یہ ہے۔

موانع الصرف تسع کلما اجتمعت ، ثنتان منھما فما للصرف تصویب

منع صرف کے اسباب نو ہیں جب بھی ان میں سے دو جمع ہو جائیں تو اس اسم کو منصرف پڑھنا درست نہیں ہے۔ علامہ نے اس کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اسمیں منع صرف کی دو قسموں میں سے صرف ایک کا ذکر ہے کہ جب دو سبب جمع ہوں تو اس کو منصرف پڑھنا درست نہیں اور دوسری قسم کا اسمیں ذکر نہیں کیا کہ جب ایک ایسا سبب پایا جائے جو دو سببوں کے قائم مقام ہوتا ہے تو اس کو بھی منصرف پڑھنا درست نہیں ہے۔

☆...... **غیر منصرف کی تعریف**...... متن کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس میں علامہ نے غیر منصرف کی تعریف کی ہے کہ غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس میں منع صرف کے دو سبب پائے جائیں یا ایک ایسا سبب پایا جائے جو دو کے قائم مقام ہے علامہ نے جمہور نحویوں سے ہٹ کر غیر منصرف کی تعریف کی ہے اس لئے کہ جمہور غیر منصرف کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہ آسکے۔

۞...... **اسم کی اقسام**...... علامہ نے پہلے **وَهُوَ مُعْرَبٌ وَ مَبْنِيٌّ** کہہ کر اسم کی دو قسمیں بیان کی تھیں۔ اسم معرب کو اسم متمکن اور اسم مبنی کو غیر متمکن بھی کہتے ہیں۔ پھر علامہ نے اسم معرب کا اعراب بیان کیا اب یہاں سے اسم معرب کی تقسیم کر رہے ہیں۔ ☆...... **اعتراض**:۔ علامہ نے غیر منصرف کی تعریف کی ہے منصرف کی تعریف کیوں نہیں کی۔

۞...... **جواب**:۔ جب علامہ نے **غیر المنصرف** کی یہ تعریف کی کہ غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس میں منع صرف کے دو اسباب یا ایک ایسا سبب ہو جو دو کے قائم مقام ہوتا ہے تو اسی سے منصرف کی تعریف بھی سمجھ آجاتی کہ جو ایسا نہ ہو وہ منصرف ہوتا ہے تو اس لئے علامہ نے منصرف کی تعریف نہیں کی۔

غَيْرُ الْمُنْصَرِفِ مَافِيهِ عِلَّتَانِ میں **غیر المنصرف** مبتداء اور **مافیه علتان** اس کی خبر ہے۔

۞...... **اعتراض**:۔ **غیر المنصرف** کو مبتدا بنانا درست نہیں اس لئے کہ **غَيْرُ اسماء متوغل فی الا بهام** یعنی ان اسماء میں داخل ہے جن میں ابہام ہوتا ہے۔ اور اسماء **متوغل فی الابهام** معرفہ کی جانب اضافت کے باوجود تعریف کا فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ اس لئے غیر مضاف ہونے کے باوجود نکرہ رہا اور نکرہ کے مبتداء واقع ہونے کے لئے جو شرائط ہیں ان میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اس کو مبتدا بنانا درست نہیں ہے۔

اس کے تین **جواب** دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب یہ مطلقاً قاعدہ نہیں کہ **اسماء متوغل فی الابہام** اضافت کے باوجود تعریف کا فائدہ حاصل نہیں کرتے بلکہ یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جبکہ **اسماء متوغل فی الابہام** کے مضاف الیہ کی بہت سے ضدیں ہوں جیسے **جاء نی رجل غیر زید** میں غیر نے اضافت کے باوجود تعریف کا فائدہ حاصل نہیں کیا اس لئے کہ زید کی ضدیں **بکر عمر و خالد** وغیرہ بہت سی ہیں۔ اور اگر **اسماء متوغل فی الابہام** کے مضاف الیہ کی ضد صرف ایک ہی ہو تو اس حالت میں یہ اضافت کی وجہ سے تعریف کا فائدہ حاصل کرتے ہیں جیسے **علیک بالحرکۃ غیر سکون**۔ تو سکون کو نہیں بلکہ حرکت کو لازم پکڑ اس میں غیر کے مضاف الیہ سکون کی صرف ایک ضد ہے جو کہ حرکت ہے اسی طرح یہاں غیر کا مضاف الیہ **المنصرف** ہے اور منصرف کی صرف ایک ہی ضد غیر منصرف ہے اس لئے غیر نے اضافت کی وجہ سے تعریف کا فائدہ حاصل کرلیا تو وہ نکرہ نہ رہا بلکہ معرفہ بن گیا اس لئے مبتدا واقع ہوسکتا ہے۔

دوسرا جواب ۔**اسماء متوغل فی الابہام** اضافت کی وجہ سے اگر چہ تعریف کا فائدہ حاصل نہیں کرتے مگر تخصیص کا فائدہ ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اور نکرہ مخصصہ مبتدا واقع ہوسکتا ہے۔

تیسرا جواب :۔ **غیر المنصرف** سے اصطلاحی غیر منصرف مراد ہے کہ نحویوں کی اصطلاح میں یہ ایک اسم کا نام رکھ دیا گیا ہے اور یہ **عَلَم** ہے اس اسم کا **مافیہ علتان** جس میں منع صرف کے دو سبب یا ایک ایسا سبب پایا جاتا ہو جو دو کے قائم مقام ہے۔ اور علم معرفہ ہوتا ہے اس لئے **غیر المنصرف** مبتدا واقع ہوسکتا ہے۔

......**اعتراض**:۔ غیر منصرف کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ جس میں منع صرف کے دو اسباب پائے جائیں تو **ضَرَبَتْ** میں وزن فعل اور تانیث دو سبب پائے جارہے ہیں اس لئے اس کو غیر منصرف کہنا چاہیے۔ اسی طرح **طِمار** جو ایک ستارے کا نام ہے اور **حضار** جو ایک ٹیلے کا نام ہے ان میں علمیت اور تانیث دو سبب پائے جارہے ہیں اس لئے ان کو بھی غیر منصرف کہنا چاہیے حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں ہیں۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب۔ **مافیہ علتان** میں ما موصولہ ہے اور اس سے مراد اسم معرب ہے اس لئے کہ تقسیم اسی کی ہورہی ہے اور

مقسم اپنی اقسام کی تعریفات میں معتبر ہوتا ہے جب ما سے مراد اسم معرب ہے تو ضربت غیر منصرف میں شامل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ فعل ہے جب ما سے مراد اس معرب ہے تو حضار اور طمار غیر منصرف کی تعریف میں داخل نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ مبنی ہیں۔ **دوسرا جواب:۔ علتان** سے مراد مطلق دو اسباب کا پایا جانا نہیں بلکہ مراد ایسی دو علتیں ہیں جو اکٹھی پائی جائیں اور مؤثر ہوں اور اپنی شرائط کے ساتھ پائی جا رہی ہوں جو شرائط ان کے لئے رکھی گئی ہیں۔

۞......مِنْ بیانیہ کا قاعدہ......من تُسع میں **مِنْ بیانیہ** ہے اور من بیانیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس کا ماقبل معرفہ ہو یا نکرہ مخصصہ ہو تو ان دو حالتوں میں من بیانیہ اپنے مدخول سمیت ماقبل کے لئے حال واقع ہوتا ہے جیسے **فَاجْتَنِبُو الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ** ۔ میں من بیانیہ کا ماقبل **الرجس** معرفہ ہے اس لئے **من الاوثان** حال واقع ہے **الرجس** سے۔ اور **جاء نی رجل فارس من بنی تمیم** میں **مِنْ بیانیہ** کا ماقبل رجل نکرہ ہے مگر فارس کی وجہ سے اس میں تخصیص آ گئی تو **من بنی تمیم** حال واقع ہے **رجل فارس** نکرہ مخصصہ سے۔ اور اگر **من بیانیہ** کا ماقبل نکرہ محضہ ہو تو ایسی صورت میں مِنْ بیانیہ اپنے مدخول سمیت ماقبل کی صفت بنتا ہے جیسے **جاء نی رجل من بنی تمیم** میں مِنْ بیانیہ کا ماقبل رجل نکرہ محضہ ہے اس لئے **من بنی تمیم** اس کی صفت واقع ہو رہا ہے۔

☆......من تسع کی ترکیب:۔ من تسع کی ترکیب میں ملا جامی فرماتے ہیں **تسع** صفت ہے اور اس کا موصوف علل محذوف ہے اس لئے اصل عبارت ہے **من علل تسع**۔ اور مولانا نامی فرماتے ہیں کہ **تسع** اسم عدد ہے اس کی تمیز محذوف ہے ان کے نزدیک اصل عبارت **مِنْ تِسعِ عللٍ** ہے۔ اور **واحدة** میں ملا جامی اور ملا نامی دونوں کے نزدیک موصوف محذوف ہے اس لئے کہ واحدۃ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے صیغے کے لئے موصوف ضروری ہوتا ہے اور واحدۃ کا موصوف علۃ محذوف ہے اس لحاظ سے اصل عبارت ہے **او علۃ واحدۃ**۔۔۔**وھی شعر عدل الخ**۔ اس میں **ھی** مبتدا ہے (اور ھی کا مرجع تسع ہے جو پہلے شعر میں مذکور ہے جس کا علامہ نے ذکر نہیں کیا۔) اور اس کی خبر میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ **ھی** کی خبر شعر ہے جو اصل میں مذکورۃ فی شعر تھا۔

مذکورۃ فی کو حذف کر کے شعر کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور آگے عدل خبر ہے مبتدا محذوف احدھا کی اور وصف خبر ہے **ثانیھا** محذوف اور اسی طرح آخر تک ہر ایک عدد کے مطابق خبر ہی بنتی جائیگی۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ عدل ووصف آخر تک ھی کی خبر ہے اور درمیان میں شعر کو ویسے ہی ذکر کر دیا گیا ہے۔

☆ ...... **اعتراض:۔** خبر کا حمل ہوتا ہے مبتدا پر تو جب عدل ووصف کو آخر تک بواسطہ عطف ھی کی خبر بنایا گیا تو معنی یہ بن جائیگا کہ وہ نو علتیں عدل ہے اور نو علتیں وصف ہے وغیرہ حالانکہ یہ تو بالکل غلط ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نو نہیں بلکہ ان کا مجموعہ نو ہے۔ ☆ ...... **جواب:۔** پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ تسع کا موصوف یا اس کی تمیز محذوف ہے اور یہ اصل میں عِلَلٍ تِسْعٍ یا تِسْع عِلَلٍ ہے اور یہ کل ہے اور عدل ووصف اس کے اجزاء ہیں اور یہ تقسیم کل کی اجزاء کی طرف ہے اور جب تقسیم کل کی اجزاء کیطرف ہوتی ہے تو ہر ہر فرد مراد نہیں ہوتا بلکہ ان کا مجموعہ مراد ہوتا ہے تو یہاں بھی شعر میں مذکور تمام علتوں کا مجموعہ مراد ہے اور وہ مجموعہ خبر بن رہا ہے۔ شعر میں جو ثم آیا ہے وہ اپنے اصل معنی تراخی کے لئے نہیں بلکہ صرف وزن شعری کے لئے اس کو لایا گیا ہے۔

❁ ...... **تَقُوْمُ مَقَامَهُمَا** ...... **مَقَامَهُمَا** میں ابتداء میں آنے والی میم پر فتحہ ہے اس لیئے کہ اگر ایک چیز کو دوسری چیز کی جگہ رکھا جائے اور وہ دوسری چیز اپنی ہی جگہ پر ہو کسی اور چیز کی جگہ پر نہ ہو تو وہاں مقام فتحہ کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اگر ایک چیز کو دوسری چیز کی جگہ پر رکھا گیا اور دوسری چیز بھی اپنی جگہ نہ ہو بلکہ وہ بھی کسی اور کی جگہ پر ہو تو وہاں ضمہ کے ساتھ **مُقام** استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے **تاء** قسمیہ کو واوٗ قسمیہ کی جگہ رکھا گیا اور واوٗ قسمیہ بھی اپنی جگہ پر نہیں بلکہ وہ **باء** قسمیہ کی جگہ پر ہے اس لئے کہ قسم میں اصل **باء** ہے تو ایسی حالت میں یوں کہا جائیگا ''**التاء مُقام الواو**'' **والواو مَقام الباء** . اور یہاں جن دو علتوں کی جگہ پر ایک علت کو رکھا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر ہیں کسی دوسری چیز کی جگہ نہیں اس لئے **تقوم مقامهما** میم کے فتحہ کے ساتھ ہی پڑھا جائیگا۔ ☆ ...... **اعتراض** ۔ قاعدہ ہے کہ ایک ہی جگہ میں دو مختلف علتیں نہیں پائی جاسکتیں تو غیر منصرف میں دو علتیں کیسے پائی جاسکتی ہیں۔ ❁ ...... **جواب:۔** ایک جگہ میں دو مختلف علتوں کا پایا جانا اس وقت منع ہے جبکہ دونوں کا معلول یعنی حکم بھی مختلف ہو اور جہاں معلول مختلف نہ ہو وہاں دو علتوں کا اکٹھے پایا جانا منع نہیں ہے۔ اور

غیر منصرف میں دوعلتوں کا حکم مختلف نہیں بلکہ ان کا حکم ایک ہی ہے کہ جس اسم میں یہ دوعلتیں پائی جائیں اس اسم کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آسکتے۔اس لئے غیر منصرف میں دوعلتوں کا پایا جانا ممنوع نہیں ہے۔

☆**والنون زائدۃ من قبلھا الف کی ترکیبیں**......اس جملہ کی چھ ترکیبیں کی گئی ہیں۔

پہلی ترکیب:۔ النون موصوف زائدۃ اس کی پہلی صفت۔ من جارہ قبل مضاف ھا ضمیر مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور ہوئے من جار کے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہوئے ثبت فعل محذوف کے ساتھ الف فاعل ہے ثَبَتَ کا۔ ثبت اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صفت ثانی ہوئی النون کی۔ اس صورت میں زائدۃ مرفوع ہوگا اس لئے کہ یہ النون کی صفت ہے۔

دوسری ترکیب:۔النون موصوف زائدۃٌ اس کی پہلی صفت من قبلھا جار مجرور متعلق ثابت مقدر کے ساتھ۔ ثابت اپنے متعلق کے ساتھ مل کر خبر مقدم اور الفٌ مبتدا موخر ۔مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر دوسری صفت ہوئی النون کی۔ اس صورت میں بھی زائدۃ مرفوع ہوگا۔

تیسری ترکیب:۔ النون ذوالحال زایدۃ اس سے حال۔ من قبلھا الف جملہ فعلیہ یا جملہ اسمیہ بھی النون سے حال۔ النون ذوالحال اپنے دونوں حالوں سے ملکر فاعل ہوا تمنع فعل مقدر کا۔ اس صورت میں ایک ذوالحال کے دو حال واقع ہورہے ہیں تو یہ احوال مترادفہ ہوں گے۔ اس صورت میں زائدۃً حال ہونے کیوجہ سے منصوب ہوگا۔

چوتھی ترکیب:۔ النون ذوالحال زائدۃ صیغہ اسم فاعل من قبلھا الف جملہ اسمیہ یا جملہ فعلیہ حال ہیں زائدۃً کہ ضمیر مستتر سے۔ زائدۃً اپنے حال کے ساتھ مل کر حال ہوا لنون کا۔ اس صورت میں زائدۃً النون کا حال بھی ہے اور من قبلھا الف کا ذوالحال بھی ہے تو اس کو احوال متداخلہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں بھی زائدۃً منصوب ہوگا۔

پانچویں ترکیب:۔ النون ذوالحال زائدۃ صیغہ اسم فاعل من قبلھا جار مجرور متعلق زائدۃ کے ساتھ اور الفُ فاعل ہے زائدۃ کا۔ زائدۃ اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر حال۔ اس صورت میں بھی زائدۃً منصوب ہوگا۔

چھٹی ترکیب:۔النون موصوف زائدۃ صیغہ اسم فاعل من قبلھا متعلق زائدۃ کے تھا اور الف فاعل ہے زائدۃ کا۔

زائدۃ اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر صفت ہوئی موصوف کی۔ موصوف صفت مل کر فاعل ہوا فعل مقدر تمنع کا۔ اس صورت میں زائدۃٌ مرفوع ہوگا۔

☆...... **اعتراض**: زائدۃ کو النون کی صفت نہیں بنایا جا سکتا اس لئے کہ النون معرف باللام ہے اور زائدۃ نکرہ ہے۔ اس صورت میں صفت اور موصوف کے درمیان مطابقت نہیں۔

...... **جواب**:۔ النون پر الف لام عہد ذہنی ہے اور الف لام عہد ذہنی کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے صفت اور موصوف میں مطابقت ہے۔

☆...... **اعتراض**:۔ زائدۃ کو النون سے حال نہیں بنایا جا سکتا اس لئے کہ حال واقع ہوتا ہے۔ فاعل یا مفعول سے اور النون نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے۔

...... **جواب**:۔ النون اگرچہ فاعل حقیقی نہیں مگر فاعل معنوی ہے اس لئے کہ نو اسباب کو موانع الصرف کہتے ہیں یعنی منصرف ہونے سے روکنے والے۔ اس لحاظ سے اصل عبارت ہوگی "تَمْنَعُ النُّوْنُ الصَّرْفَ زَائِدَۃٌ مِنْ قَبْلِھَا اَلِفٌ" وہ نون اسم کو منصرف ہونے سے روکتا ہے جو زائدہ ہو اور اس سے پہلے الف ہو۔

...... **اعتراض**:۔ علامہ نے النون زائدۃ من قبلھا الف کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نون زائدہ ہوتا ہے حالانکہ درحقیقت الف اور نون دونوں زائدہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کو الف نون مزید تان کہا جاتا ہے۔

☆...... **جواب**:۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کلمہ لفظاً ایک چیز کی اور معناً دوسری چیز کی صفت واقع ہو رہا ہو اور اس چیز کے ساتھ ظرف کا تعلق بھی ہو تو وہ چیز دونوں کی صفت واقع ہوتی ہے۔ صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ جس کی معناً صفت واقع ہو اس کی صفت پہلے اور جس کی لفظاً صفت واقع ہو اس کی بعد میں صفت بنتی ہے جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ رَاکِبًا مِنْ قَبْلِہٖ اَخُوْہُ۔ اس میں راکباً معناً اخوہ کی صفت اور لفظاً زید کی صفت واقع ہو رہا ہے تو یہ دونوں کی صفت ہے اور معنی یہ ہوگا کہ میرے پاس زید کا بھائی سوار ہو کر آیا اور اس کے بعد زید خود بھی سوار ہو کر آیا۔ اسی طرح یہاں زائدۃ لفظاً صفت واقع ہو رہا ہے النون کی اور معناً صفت واقع ہو رہا ہے اَلِفٌ کی اور من قبلھا ظرف متعلق ہے زائدۃ کے ساتھ۔ اس لحاظ سے زائدۃ النون اور الف دونوں کی صفت واقع ہو رہا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ نون اور الف دونوں زائدہ ہوتے ہیں۔

......**وَهٰذَا الْقَوْلُ تَقْرِیب** ......اس عبارت کے تین **مطلب** ہو سکتے ہیں۔

پہلا مطلب:۔ یہ ہے کہ تقریب کی آخر میں یاء نسبت کی محذوف ہے اور یہ اصل میں ہے تقریبیٌّ ۔یعنی مجازیٌ ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اسباب منع صرف میں سے ہر ایک کو سبب اور علت کہنا مجازاً ہے اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب سبب پایا جائے تو حکم بھی پایا جاتا ہے۔تو اگر نو اسباب میں سے ہر ایک سبب ہے تو ہر ایک کے پائے جانے کیوجہ سے حکم پایا جانا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دو سبب یا ایک ایسا سبب جو دو سببوں کے قائم مقام ہے اس کے پائے جانے کی وجہ سے حکم پایا جاتا ہے تو شاعر نے کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو علت اور سبب کہنا تقریبی یعنی مجازاً ہے۔

دوسرا مطلب: یہ ہے کہ تقریب مصدر مبنی للفاعل ہے اور مقرب کے معنی میں ہے۔اور اس کے بعد **الی الحفظ** جار مجرور محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **هٰذَا الْقَوْلُ مُقَرِّبٌ اِلَى الْحِفْظِ**۔یہ قول یاد کرنے کی طرف قریب کرنے والا ہے۔ یعنی یہ دو شعر یاد کر لینے سے اسباب منع صرف یاد ہو جاتے ہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ تقریب مصدر مبنی للمفعول ہے اور اس کے بعد **الی الصواب** جار مجرور محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **هذا القول مقرّبٌ الی الصواب** یہ قول درست بات کے قریب کیا گیا ہے یعنی منع صرف کے نو اسباب کہنا حق اور بہتر ہے۔

☆......**منع صرف کے اسباب میں اختلاف**......**شاعر کو** هذا القول تقریب اس لئے کہنا پڑا کہ منع صرف کے اسباب کی تعداد کے بارہ میں نحویوں کے چار مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب:۔ یہ ہے کہ منع صرف کے صرف دو اسباب ہیں ایک حکایت اور دوسرا ترکیب ۔ حکایت سے مراد فعلیت سے اسمیت کے جانب انتقال ہے جیسے ضُرِبَ اور شَمَّرَ ۔ یہ اصل میں تو فعل ہیں مگر ان کو کسی کے نام رکھ کر فعلیت سے اسمیت کی جانب منتقل کر دیا گیا ہے۔شَمَّرَ اصل میں شلوار کو ٹخنوں سے اوپر کرنے کو کہتے ہیں پھر یہ حضرت امیر معاویہؓ کے گھوڑے کا نام رکھ دیا گیا۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ اسباب منع صرف نو ہیں جو کہ جمہور کا مذہب ہے۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ منع صرف کے اسباب دس ہیں۔ نو وہی جو جمہور نے بتائے ہیں اور دسواں سبب الف ہے جسمیں تانیث کا شبہ ہو یعنی اسم مقصورہ جس میں الف علامت تانیث نہ ہو جب وہ کسی کا علم بنا دیا جائے تو یہ کلمہ غیر منصرف ہوگا جیسے اشیاء جو مشابہ ہے حمراء کے اور ارطی جو مشابہ ہے جعلی کے۔ اشیاء جمع ہے شیئ کی تو اس میں ہمزہ اصلیہ ہے تانیث کی علامت نہیں ہے اس لئے کہ علامت زائد ہوتی ہے اور ارطی کی جمع ارطاۃ آتی ہے۔ اگر ارطی کے آخر میں الف تانیث کا ہوتا تو اس پر تاء داخل نہ ہوتی۔ اس لحاظ سے اشیاء اور ارطی غیر منصرف ہیں اس لئے کہ ان کے آخر میں الف ہے جس کی تانیث کے الف کے ساتھ مشابہت ہے۔ چوتھا مذہب یہ ہے کہ منع صرف کے اسباب گیارہ ہیں۔ دس وہی جو بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ گیارہواں سبب وصف اصلی ہے۔ یعنی جس اسم میں وزن فعل اور وصف پائے جائیں اور وہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو وہ بھی غیر منصرف ہوگا۔ جیسے احمر۔ تو جب اس کے بعد اس کو نکرہ کریں تو وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اسم پھر بھی غیر منصرف رہے گا۔ جب اسباب منع صرف کے بارہ میں شاعر کے بیان کردہ نظریہ کے علاوہ اور مذاہب بھی تھے تو شاعر نے اپنے بیان کردہ نظریہ کے بارہ میں کہا کہ یہ قول بہتر اور حق ہے اس لئے کہ دو سبب ماننے کی صورت میں ایسا اختصار ہے جو سمجھنے میں خلل ڈالتا ہے اور دس یا گیارہ اسباب ماننے کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ جو الف تانیث کے الف کے ساتھ مشابہ ہے وہ الف تانیث کے حکم میں شامل ہے اور وصف اصلی وصف میں داخل ہے تو ان کو علیحدہ سبب قرار دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

﴿……مِثْلُ عُمَرَ وَاَحْمَرَ وَطَلْحَةَ وَزَيْنَبَ وَاِبْرَاهِيْمَ وَمَسَاجِدَ ومَعْدِ يْكَرِبَ وَعِمْرَانَ وَاَحْمَدَ …… جیسا کہ عمر اور احمر اور طلحہ اور زینب اور ابراہیم اور مساجد اور معدیکرب اور عمران اور احمد……﴾ یہاں سے علامہ نے لف نشر مرتب کے طور پر مثالیں بیان کی ہیں۔ لف نشر مرتب کا مطلب یہ ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ اجمال ہو اسی ترتیب کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کی جائے۔ اور لف نشر غیر مرتب کا مطلب یہ ہے کہ اجمال میں جو ترتیب رکھی گئی ہو تفصیل میں اس ترتیب کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ علامہ نے جس ترتیب سے اجمال بیان کیا ہے اسی ترتیب سے ان کی مثالیں ذکر کی ہیں۔ اجمال میں پہلے عدل کو بیان کیا ہے تو اس کی مثال عمر بیان کی ہے اور عمر میں عدل اور علمیت دو سبب پائے جاتے ہیں۔ پھر وصف کا ذکر تھا تو اس کی مثال احمر بیان کی ہے اس میں وصف اور وزن فعل دو سبب ہیں۔

پھر تانیث کا ذکر تھا تو اس کی مثال طلحہ ذکر کی ہے اس میں تانیث کے ساتھ علمیت پائی جاتی ہے۔ پھر معرفہ کی مثال زینب دی ہے جس میں تانیث معنوی کے ساتھ علمیت پائی جاتی ہے طلحہ کے بعد زینب ذکر کے اشارہ کیا اس بات کی جانب کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں تانیث لفظی جیسے طلحہ اور تانیث معنوی جیسے زینب۔ پھر عجمہ کی مثال ابراہیم ذکر کی ہے اس میں عجمہ اور علمیت دو سبب پائے جاتے ہیں۔ پھر جمع کی مثال مساجد ذکر کی ہے اور یہ جمع منتہی الجموع ہونے کی وجہ سے اکیلی دوسببوں کے قائم مقام ہے۔ پھر ترکیب کی مثال معدیکرب ذکر کی ہے اس میں ترکیب سے مراد مرکب منع صرف ہے معدیکرب میں ایک سبب ترکیب اور دوسرا سبب علمیت ہے پھر الف نون زائدتان کی مثال عمران ذکر کی ہے اس میں الف نون زائدتان کے ساتھ علمیت پائی جاتی ہے۔ اور پھر وزن فعل کی مثال احمد ذکر کی ہے اس میں وزن فعل کے ساتھ علمیت پائی جاتی ہے۔

☆......وَحُكْمُهُ اَنْ لَّا كَسْرَةَ وَلَا تَنْوِيْنَ.

اور اس کا حکم یہ ہے کہ بے شک اس پر نہ کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین آتی ہے۔......☆

وحکمه میں واؤ استینافیہ ہے اور آگے جملہ مستانفہ ہے جو سوال مقدر کا جواب ہے جب علامہ نے غیر منصرف کی تعریف بتادی تو سوال ہوا کہ اس کا حکم کیا ہے تو جواب دیا کہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے۔

وحکمہ مبتدا ہے اور ان لا کسرۃ ولا تنوین اس کی خبر ہے۔۔ اَنْ لَّا میں اَنْ مُخَفَّفَة عَنِ الْمُثَقَّلَة ہے یعنی یہ اصل میں اَنَّ تھا پھر نون کو ساکن کر کے اَنْ کر دیا۔ لا کسرۃ معطوف علیہ اور لا تنوین معطوف ہے پھر لانفی جنس کا ہے اور کسرۃ اس کا اسم ہے اور اس کی خبر فیہ محذوف ہے پھر لانفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی اور اَن کا اسم ہٗ ضمیر شان محذوف ہے۔ ضمیر شان کا مرجع نہیں ہوتا۔ اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی حکمہ کی۔

☆......**اعتراض**:۔ ان لا کسرۃ جملہ کو حکمہ کی خبر بنایا گیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جملہ خبر بنے تو اس میں ضمیر ضرور ہوتی ہے جو مبتدا کی طرف لوٹتی ہے حالانکہ یہاں کوئی ایسی ضمیر نہیں ہے۔

☆......**جواب**:۔ جب لانفی جنس کی خبر فیہ محذوف مانی گئی ہے تو ضمیر موجود ہے جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہے۔

تَكْرَارِ لَا کی صورتیں:۔ لا کسرۃ ولا تنوین میں لانفی جنس کا ہے اور جب لانفی جنس اسم نکرہ مفردہ متصلہ ہو اور تکرار

لا کا دوسرے نکرہ کے ساتھ ہو تو اسمیں پانچ صورتیں جائز ہوتی ہیں۔

پہلی صورت پہلے لا کا اسم مبنی برفتحہ اور دوسرے لا کا اسم بھی مبنی برفتحہ ہو جیسے **لا کسرةَ ولا تنوینَ**۔

دوسری صورت:۔ پہلے لا کا اسم مبنی برفتحہ ہو اور دوسرے لا کا اسم مجرور ہو جیسے **لا کسرةَ ولا تنوینٍ**۔

تیسری صورت:۔ پہلے لا کا اسم مبنی برفتحہ اور دوسرے لا کا اسم مرفوع ہو جیسے **لا کسرةَ ولا تنوینٌ**.

چوتھی صورت:۔ دونوں کا اسم مرفوع ہو جیسے **لا کسرةٌ ولا تنوینٌ**۔

پانچویں صورت:۔ پہلے لا کا اسم مرفوع اور دوسرے لا کا اسم مبنی برفتحہ ہو جیسے **لا کسرةٌ ولا تنوینَ**.

☆...... **اعتراض**:۔ **علامہ نے وحکمہ** کہا ہے۔ حکم کی اضافت ضمیر کی جانب ہے اور ضمیر راجع ہے غَیْرُ الْمُنْصَرِفِ کی جانب۔ اور حکم کا معنی اثر ہوتا ہے تو اس لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ غیر منصرف کا اثر یہ ہے کہ اس میں کسرہ اور تنوین نہیں آتے حالانکہ یہ اثر غیر منصرف کا نہیں بلکہ ان دو اسباب کا ہوتا ہے جو اس میں پائے جاتے ہیں۔

☆...... **جواب**:۔ حکم کی اضافت ضمیر کی جانب ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ ادنی ملابست کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مضاف کا مضاف الیہ کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔ غیر منصرف دو اسباب پر مشتمل ہوتا ہے تو دو اسباب مشتمل اور غیر منصرف مشتمل ہوا تو مشتمل (دو اسباب) کے اثر کی اضافت مشتمل (غیر منصرف کی طرف) کر دی۔ تو یہ نسبت مجازاً ہے۔

※...... **اعتراض**:۔ غیر منصرف کے آخر میں کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آسکتے۔

☆...... **جواب**:۔ غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور فعل کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آسکتے تو غیر منصرف کے آخر میں بھی نہیں آسکتے۔ اور غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت اس طرح ہے کہ جیسے فعل میں دو فرعیں پائی جاتی ہیں اسی طرح غیر منصرف میں بھی دو فرعیں پائی جاتی ہیں۔ فعل مصدر سے مشتق ہوتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مشتق منہ اصل اور مشتق اسکی فرع ہوتا ہے۔ اسی طرح فعل محتاج ہوتا ہے فاعل کی طرف اور قاعدہ یہ ہے کہ محتاج الیہ اصل اور محتاج اس کی فرع ہوتا ہے تو فعل میں دو فرعیں پائی گئیں۔ اور غیر منصرف میں منع صرف کے دو اسباب پائے جاتے ہیں اور منع صرف کا ہر سبب فرع ہوتا ہے جیسے عدل فرع ہے معدول عنہ کا۔ اور وصف فرع ہے موصوف کا۔ تانیث فرع ہے تذکیر کی۔ معرفہ فرع ہے تنکیر کا

۔عجمہ فرع ہے عربی کا۔جمع فرع ہے واحد کا۔ترکیب فرع ہے افراد کا۔الف نون زائدتان فرع ہے اس اسم کا جس پر ان کو زائد کیا جاتا ہے۔اور وزن فعل فرع ہے اس اسم کا جس میں یہ پایا جاتا ہے۔جب غیر منصرف میں دو سبب پائے جاتے ہیں تو اس میں دوفرعیں پائی گئیں۔فعل میں بھی دوفرعیں پائی جاتی ہیں **اشتقاق من المصدر اوراحتیا ج الی الفاعل**۔ اسی طرح غیر منصرف میں بھی دوفرعیں پائی جاتی ہیں تو غیر منصرف فعل کے مشابہ ہوا۔جب غیر منصرف فعل کے مشابہ ہے تو جیسے فعل کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آسکتے اسی طرح غیر منصرف کے آخر میں بھی کسرہ اور تنوین نہیں آسکتے۔

☆......**اعتراض:** وحکمہ میں حکم مصدر ہے اور مضاف ہے ضمیر کی طرف اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مصدر ضمیر کی طرف مضاف ہو تو استغراق کا فائدہ دیتا ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوا کہ غیر منصرف کے تمام احکام یہ ہیں کہ اس کے آخر میں تنوین اور کسرہ نہیں آسکتا۔حالانکہ غیر منصرف کے یہی احکام نہیں بلکہ اور احکام بھی ہیں جن کو علامہ نے یجوز صرفہ کے تحت بیان کیا ہے۔ ☆......**جواب:**۔جس طرح مصدر ضمیر کی طرف مضاف ہو کر استغراق کا فائدہ دیتا ہے ہے اسی طرح جنس کا بھی فائدہ دیتا ہے اور یہاں اس نے جنس کا فائدہ دیا ہے اور معنی یہ ہے کہ غیر منصرف کے حکم کی جنس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آتے۔اوران لاتنوین میں تنوین کی اقسام میں سے تنوین تمکن مراد ہے۔

......وَيَجُوْزُ صَرْفُهٗ لِلضَّرُوْرَةِ اَوْ لِلتَّنَاسُبِ مِثْلُ سَلاسِلاً وَّاَغْلالاً

......اوراس غیر منصرف کو ضرورت یا تناسب کی وجہ سے منصرف کرنا جائز ہے جیسے سلا سلا اور اغلالا ۔

☆......غیر منصرف کو منصرف کرنے کی صورتیں......☆

غیر منصرف کو منصرف کرنے کی پانچ صورتیں ہیں۔

پہلی صورت۔ضرورت شعری کے لئے۔پھر اس کی دوقسمیں ہیں۔ایک قسم یہ ہے کہ اگر اس کلمہ کو منصرف نہ پڑھیں تو شعر کا وزن ہی ٹوٹ جائے اور قافیہ برابر نہ رہے۔جیسے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا شعر ہے۔

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا ... صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيًا ۔

مجھ پر ایسے مصائب ڈالے گئے کہ اگر وہ مصائب روشن دنوں پر ڈالے جاتے تو وہ بھی کالی راتیں بن جاتیں۔

اس شعر میں مصائب اصل میں غیر منصرف ہے۔ اگر اس کو منصرف نہ پڑھیں تو شعر کا وزن ہی برابر نہیں رہتا۔ ایسی حالت کو ضرورت انکساری کہتے ہیں۔ اور ضرورت شعری کی دوسری قسم ضرورت زحافی ہے کہ اگر غیر منصرف کو منصرف نہ پڑھیں تو شعر کا وزن تو نہیں ٹوٹتا مگر اس میں کچھ معمولی خرابی آجاتی ہے (مثلاً شعر کی روانی اور سلاست میں فرق آجاتا ہو۔) جیسے حضرت امام شافعیؒ کے اشعار جو امام ابو حنیفہؒ کی تعریف میں ہیں ان میں ہے۔

اَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا اَنَّ ذِكْرَهٗ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ

ہمارے سامنے نعمان یعنی امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ بار بار کر۔ اس لئے کہ بے شک اس کا تذکرہ تو ایسی کستوری ہے کہ اس کو جتنا رگڑے گا اتنی ہی اس کی خوشبو مہکتی جائیگی۔

اس شعر میں نعمان دراصل غیر منصرف ہے اس لئے کہ اسمیں الف نون زائدتان اور علمیت دو سبب پائے جاتے ہیں مگر ضرورت شعری کی قسموں میں سے ضرورت زحافی کی وجہ سے اس کو منصرف پڑھا گیا ہے زحاف علم عروض کی ایک اصطلاح ہے

دوسری صورت:۔ غیر منصرف کو منصرف کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھنا۔ اور تناسب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت کی وجہ سے اور دوسری قسم صفت اور موصوف میں مناسبت کی وجہ سے۔ اگر معطوف منصرف ہو اور معطوف علیہ غیر منصرف ہو تو معطوف کی مناسبت سے معطوف علیہ کو بھی منصرف پڑھا جاسکتا ہے۔ جیسے سَلَاسِلاً وَّاَغْلَالاً میں معطوف علیہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ یہ جمع منتہی الجموع ہے اور اغلالا معطوف منصرف ہے مگر معطوف علیہ کی مناسبت کی وجہ سے اس کو بھی غیر منصرف پڑھا گیا۔ اسی طرح اگر صفت منصرف ہو اور موصوف غیر منصرف ہو تو صفت کی مناسبت سے موصوف کو بھی منصرف پڑھا جاسکتا ہے جیسے قُرْاٰناً عَرَبِيًّا۔ میں قران غیر منصرف ہے اس لئے کہ اسمیں الف نون زائدتان اور علمیت دو سبب پائے جاتے ہیں۔ اور عربیا اس کی صفت منصرف ہے تو صفت کی مناسبت سے قران کو بھی منصرف پڑھا گیا۔

تیسری صورت:۔ غیر منصرف کو منصرف کرنے کی تیسری صورت اضافت ہے کہ غیر منصرف کو کسی کلمہ کیطرف مضاف کرنے کی وجہ سے بھی غیر منصرف منصرف ہوجاتا ہے جیسے جَاءَنِیْ اَحْمَدُكُمْ۔ رَاَيْتُ اَحْمَدَكُمْ۔ اور مَرَرْتُ بِاَحْمَدِكُمْ۔ میں احمد جو غیر منصرف تھا اس کو اضافت کی وجہ سے منصرف پڑھا گیا۔

چوتھی صورت :۔ غیر منصرف پر الف لام داخل کریں تو وہ منصرف ہو جاتا ہے جیسے جاء نی الاحمد .رأیت الاحمد . مررْت بالاحمدِ

پانچویں صورت :۔ جس غیر منصرف میں ایک سبب علمیّت اور دوسرا سبب کوئی اور پایا جاتا ہو تو اس علمیّت کو نکرہ کرنے سے بھی غیر منصرف منصرف بن جاتا ہے۔ جیسے جاء نی احمدٌ ، رأیت احمداً. مررْت ُباحمدٍ ۔

اعتراض :۔ جمہور نحویوں نے غیر منصرف کی تعریف یہ کی ہے کہ غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں کسرہ اور تنوین نہ آئے تو ان کے نزدیک **یجوز صرفه** کہنا درست ہے اس لئے کہ غیر منصرف کے آخر میں جب کسرہ اور تنوین پڑھیں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا مگر علامہ نے غیر منصرف کی جو تعریف کی ہے اس کے پیش نظر **یجوز صرفه** کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ **علامہ نے کہا ہے** کہ غیر منصرف وہ ہوتا ہے جس میں منع صرف کے دو اسباب پائے جاتے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں دو سبب پائے جانے کے باوجود اس کا منصرف کرنا جائز ہے تو یہ اجتماع ضدین ہے اس لئے اس کا **یجوز صرفه** کہنا درست نہیں ہے۔ ...... **جواب** :۔ **یجوز صرفه** کے چار معانی ہو سکتے ہیں۔

پہلا معنی کہ غیر منصرف کو منصرف کرنا جائز ہے اس معنی کی صورت میں علامہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ غیر منصرف کو غیر منصرف ہوتے ہوئے منصرف کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

دوسرا معنی کہ صرفہ میں صرف کا لغوی معنی مراد ہے یعنی پھیرنا۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ غیر منصرف کو اس کے غیر منصرف ہونے سے پھیرنا۔ اسکا مفہوم بھی پہلے معنی کے قریب قریب ہے۔

تیسرا معنی جَعْلُ غَیْرِ الْمُنْصَرِفِ فِیْ حُکْمِ الْمُنْصَرِفِ یعنی غیر منصرف کو منصرف کے حکم میں کرنا۔ اس معنی کے پیش نظر علامہ کی غیر منصرف کی ہوئی تعریف کے باوجود یجوز صرفہ کہنا درست ہے اس لئے کہ معنی یہ ہوگا کہ وہ غیر منصرف ہونے کے باوجود منصرف کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ چوتھا معنی :۔ یَجُوْزُ التَّغَیُّرُ فِیْ حُکْمِ غَیْرِ الْمُنْصَرِفِ ۔ کہ غیر منصرف کے حکم میں تغیر جائز ہے۔ اس معنی کے پیش نظر بھی علامہ کا یجوز صرفہ کہنا درست ہے اس لئے کہ معنی یہ بنتا ہے کہ وہ کلمہ رہتا تو غیر منصرف ہے مگر اس کے حکم میں ان عوارض کی وجہ سے تبدیلی کر دی جاتی ہے۔

۞...... **اعتراض**:۔ علامہ نے کہا ہے "یَجُوْزُ صَرْفُهٗ لِلضَّرُوْرَةِ اَوِ التَّنَاسُبِ" کہ ضرورت شعری یا تناسب کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف کرنا جائز ہے۔ حالانکہ ضرورت شعری کی وجہ سے تو منصرف کرنا واجب ہے۔

☆...... **جواب**:۔ یجوز صرفه میں یجوز لا یمتنع کے معنی میں ہے کہ غیر منصرف کو منصرف کرنا منع نہیں ہے۔ آگے منع نہ ہونا عام ہے صرف جواز کی صورت میں ہو جیسے تناسب کے لئے یا وجوب کی صورت میں ہو جیسے ضرورت شعری کے لئے ہوتا ہے۔

۞...... "وَمَا يَقُوْمُ مَقَامَهُمَا الْجَمْعُ وَاَلِفَا التَّانِيْثِ"......

☆...... اور ان دو سببوں کے قائم مقام جمع ہے اور تانیث کے دونوں الف ہیں۔......☆

☆...... **دو سببوں کے قائم مقام ایک سبب**...... علامہ نے فرمایا کہ دو سببوں کے قائم مقام جو ایک سبب قرار دیا گیا ہے وہ دو چیزیں بن سکتی ہیں ایک جمع اور دوسری تانیث کا الف خواہ مقصودہ ہو یا ممدودہ ہو۔ الف تانیث کے بعد کل واحد منهما محذوف ہے یعنی ان دو الفوں میں سے ہر ایک دو سببوں کے قائم مقام ہے ورنہ ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تانیث کے دونوں الف بیک وقت دو سببوں کے قائم مقام ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ الجمع پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے مراد جمع منتہی الجموع ہے۔

۞...... جمع منتهی الجموع کی اقسام......

جمع منتہی الجموع کی دو قسمیں ہیں ایک جمع منتہی الجموع حقیقی اور دوسری منتہی الجموع حکمی۔

جمع منتہی الجموع حقیقی وہ ہوتی ہے کہ پہلے مفرد سے جمع بنائی جائے اور پھر جمع سے جمع بنائی جائے جیسے کَلْبٌ کی جمع اَكْلُبٌ اور اَكْلُبٌ کی جمع اَكَالِبُ۔ یہ اکالب جمع منتہی الجموع حقیقی ہے۔ اسی طرح نِعْمَةٌ کی جمع اَنْعَامٌ اور اَنْعَامٌ کی جمع اَنَاعِيْمُ اور قَوْلٌ کی جمع اَقْوَالٌ اور اَقْوَالٌ کی جمع اَقَاوِيْلُ۔ اور جمع منتہی الجموع حکمی وہ ہوتی ہے کہ ابتداء ہی سے مفرد کی ایسی جمع لائی جائے جو جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہو اور اس کے دو وزن ہیں مفاعل جیسے مساجدٌ جو جمع ہے مسجدٌ کی اور مفاعیل جیسے مصابیح جو جمع ہے مصباح کی۔

☆......منتہی الجموع کو دو سببوں کے قائم مقام کرنے کی وجہ......☆

جمع منتہی الجموع میں جمع اور لزوم جمع دو چیزیں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کو دو سببوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

☆......تانیث کے الف کو دو سببوں کے قائم مقام کرنے کی وجہ......تانیث کے دو الفوں سے مراد الف مقصورہ اور الف ممدودہ ہیں الف مقصورہ کی مثال جیسے حُبلیٰ ۔اور الف ممدودہ کی مثال جیسے حمر آء۔الف مقصورہ اور الف ممدودہ میں تانیث اور لزوم تانیث دو چیزیں پائی جاتی ہیں اس لئے ان کو دو سببوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

☆......عدل کی تعریفُ...... فَالْعَدْلُ خُرُوْجُهٗ عَنْ صِيْغَتِهِ الْاَصْلِيَّةِ تَحْقِيْقًا كَثُلٰثَ وَمَثْلَثَ وَ اُخَرَ وَ جُمَعَ اَوْتَقْدِيْرًا كَعُمَرَ وَبَابِ قِطَامِ فِيْ تَمِيْمٍ"

پس عدل وہ ہوتا ہے جو اپنی شکل سے نکلا ہوا ہو خواہ تحقیقاً ہو جیسے ثلاث ومثلث اور اُخر اور جُمعَ یا تقدیراً ہو جیسے عمر اور خاص کر بنی تمیم کی لغت میں قطام کا باب۔ عدل کو باقی اسباب پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ عدل کسی شرط کے بغیر ہی موثر ہے جبکہ باقی اسباب کے موثر ہونے کے لئے شرائط ہیں۔

فالعدل پر فا تفسیر یہ ہے اس لئے کہ پہلے عدل کا اجمالاً ذکر ہوا اب اس کی تفصیل کی جا رہی ہے۔اور الف لام عہد خارجی ہے اور اس کے ساتھ اشارہ ہے اس عدل کی طرف جس کا ذکر منع صرف کے اسباب میں ہوا ہے۔

عدل کا معنیٰ:۔عدل کے کئی معانی آتے ہیں (۱) مساوات جیسے عَدَلَ الْاَمْرُ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو معاملہ زید اور عمرو کے درمیان برابر ہے ۔اس صورت میں عدل کے صیغے کے ساتھ بَيْنَ بھی آئے گا۔(۲) انصاف جیسے عَدَلَ زَيْدٌ زید نے انصاف کیا۔(۳) میلان جیسے عَدَلَ زَيْدٌ اِلٰى عَمْرٍو ۔زید نے عمرو کی طرف میلان کیا اس صورت میں عدل کا صلہ الی ہوگا۔(۴) اعراض جیسے عَدَلَ زَيْدٌ عَنْ عَمْرٍو ۔زید نے عمرو سے اعراض کیا۔اس صورت میں عدل کا صلہ عَنْ آتا ہے۔(۵) دوری جیسے عَدَلَ زَيْدٌ مِنْ لَاهَوْرَ زید لاہور سے دور چلا گیا۔اس صورت میں عدل کا صلہ مِنْ آتا ہے (۶) تغیر

اور تصرف جیسے عَدَلَ زَیْدٌ فِیْ کِتَابِہٖ زید نے اپنی تحریر میں تغیر کیا۔ عَدَلَ زَیْدٌ فِي مالِهٖ. زید نے اپنے مال میں تصرف کیا۔ اس صورت میں عدل کا صلہ فی آتا ہے۔ فالعدل میں عدل مصدر مبنی للمفعول یعنی معدولاً ہے۔ اور اس سے مراد اعراض اور تجاوز ہے۔ خروجہ میں خروج مصدر مبنی للمفعول یعنی مُخرَجاً ہے۔

عَنْ صِیْغَتِهِ الْاَصْلِیَّةِ ۔۔صیغہ کے تین معانی آتے ہیں۔(۱) کلمہ (۲) شکل (۳) مادہ اور ہیئت۔ یہاں صیغہ سے مراد شکل ہے۔

اصل کے معانی۔۔۔اصل کے پانچ معانی آتے ہیں۔

پہلا معنی اصل بمعنی وضع جیسے شَرْطُهٗ اَنْ یَکُوْنَ فِی الْاَصْلِ اَیْ فِی الْوَضْعِ ۔

دوسرا معنی اصل بمعنی اَولیٰ جیسے وَالْاَصْلُ اَنْ یَّلِیَ الْفِعْلُ بہتر یہ ہے کہ فعل کے قریب ہو۔

تیسرا معنی اصل بمعنی دلیل جیسے وَاَصْلُهٗ قَوْلُهٗ تَعَالٰی اور اس کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

چوتھا معنی اصل بمعنی قانون جیسے اَلنَّحْوُ عِلْمٌ بِاُصُوْلٍ نحو ایسے قوانین کے جاننے کا نام ہے۔

پانچواں معنی اصل بمعنی بنیاد جیسے اَصْلُ الدَّارِ گھر کی بنیاد۔ اور یہاں اصل سے مراد قانون ہے اور معنی یہ ہے کہ عدل وہ اسم ہوتا ہے جو اپنی قانونی شکل سے غیر قانونی شکل کی طرف نکلا ہوا ہو۔

❁......**اعتراض**:۔علامہ نے عدل کی جو تعریف کی ہے وہ جامع اور مانع نہیں ہے۔

☆......**جواب**:۔ عدل کی تعریف میں بعض قیود محذوف ہیں اصل میں یوں ہے فَالْعَدْلُ خُرُوْجُهٗ عَنْ صِیْغَتِهِ الْاَصْلِیَّةِ بِغَیْرِ قَانُوْنٍ مَعَ بَقَاءِ مَادَّةِ الْاَصْلِیَّةِ۔ عدل وہ اسم ہوتا ہے جو بغیر کسی قانون کے اپنے اصل صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف نکلا ہوا ہو اور اس کا مادہ اصلیہ باقی ہو۔ عن صیغته الاصلیة سے مراد یہ ہے کہ وہی صیغہ دوسرے صیغہ کی طرف بدلا ہو۔ اس سے مشتقات نکل گئے اس لئے کہ مشتقات کو مصدر سے نکالا جاتا ہے اور مصدر مشتقات کی اصل شکل نہیں ہوتا بلکہ مصدر اپنے صیغہ میں برقرار رہتا ہے اور مشتقات کو ان کے معانی کے ساتھ مصدر سے نکالا جاتا ہے۔ اور دونوں یعنی مصدر اور مشتق میں سے ہر ایک کی شکل اصل ہوتی ہے اور صیغته الا صلیة سے وہ صیغے بھی نکل گئے جن کو پہلے اصل

میں لیا ہی نہیں جاتا اور اصل میں لئے بغیر ہی اصل سے پھیر دیا جاتا ہے جیسے **اقوس** جو جمع ہے **قوس** کی اور **انیبٌ** جو جمع ہے **نابٌ** کی یہ اجوف ہیں اور فعل کے وزن پر ہیں۔ قاعدہ کے مطابق ان کی جمع **افعالٌ** کے وزن پر **اقواس** اور **انیاب** آتی ہے مگر اصل سے پھیر کر ان کی جمع اقوس اور انیبٌ میں استعمال ہونے لگی اور یہ جمعیں شاذ ہیں۔ ان میں چونکہ اصل **اقواس** اور **انیاب** لیا ہی نہیں گیا بلکہ اصل لئے بغیر ہی ان کو قاعدہ کے خلاف اقوس اور انیب استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہ عدل کی **تعریف** سے خارج ہیں۔ **بِغیرِ قانُونٍ** کی قید سے وہ صیغے نکل گئے جن کو قانون کے تحت اصل صیغہ سے پھیر کر دوسرا صیغہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ **قائل** اور **بائع** جو اصل میں **قاوِلٌ** اور **بائع** تھے ان کو اپنے اصل سے دوسرے صیغے کی طرف صرف قانون کیوجہ سے پھیرا گیا ہے اس لئے یہ عدل کی تعریف سے خارج ہیں۔ اور **مع بقاء مادة الاصليه** کی قید سے وہ صیغے نکل گئے جو **مَحْذُوْفَةُ الْاَعْجَاز** ہیں یعنی جن کے لام کلمہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **ید** جو اصل میں **یَدْیٌ** اور **دمٌ** جو اصل میں **دَمْوٌ** تھا۔ ان کا مادہ اصلی باقی نہیں رہتا اس لئے یہ بھی عدل کی تعریف سے خارج ہیں۔

❁ تعریف کے بارہ میں نحویوں کا اختلاف

...... متقدمین اور متاخرین نحویوں کا اس میں اختلاف ہے کہ تعریف میں **مُعَرَّف** کا **جمیع ماعدا** سے ممتاز ہونا ضروری ہے یا **بعض ماعدا** سے ممتاز ہونا ضروری ہے۔

متقدمین کے نزدیک معرف کا بعض ماعدا سے ممتاز اور جدا ہونا ضروری ہے اس لئے متقدمین کے نظریہ کے مطابق ان قیودات کی ضرورت ہی نہیں جو عدل کی تعریف میں محذوف مانی گئی ہیں اس لئے کہ عدل کو دیگر اسباب منع صرف سے ممتاز اور جدا کرنا مقصد ہے اور یہ مقصد ان قیودات کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ملا جامی نے اسی متقدمین کے نظریہ کو پسند کیا ہے اور متاخرین کے نزدیک معرف کا جمیع ماعدا سے ممتاز اور جدا ہونا ضروری ہے اس لئے ان کے نظریہ کے مطابق ان قیودات کی ضرورت ہے۔ علامہ ابن حاجب نے شرح امالی میں اسی متاخرین کے نظریہ کو پسند کیا ہے۔

☆ ...... **اعتراض**:۔ عدل کی تعریف خرجہ کے ساتھ درست نہیں ہے اس لئے کہ عدل متعدی ہے اور اخراج کا مترادف ہے تو جس طرح اخراج متکلم کی صفت ہے اسی طرح عدل بھی متکلم کی صفت ہوگا حالانکہ اسباب منع صرف متکلم کی نہیں بلکہ اسم کی صفت ہیں۔

جواب :۔ عدل مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی **کون الاسم معدولا** اسم کا معدول ہونا اور یہ اسم کی صفت ہے اس لئے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اعتراض:۔ العدل مبتدا ہے اور خروجہ اسکی خبر ہے اور خبر کا حمل مبتدا پر ہوتا ہے۔ اور یہاں عدل متعدی ہے اور خروج لازم ہے اور لازم کا حمل متعدی پر نہیں ہوسکتا۔ ☆ **جواب**:۔ خروج کا معنی ہے خارج ہونا اور خروج کی دو صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی چیز خود بخود خارج ہو اور یہ اخراج کے مبائن اور متضاد ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ شیئ کا کسی کے خارج کرنے سے خارج ہونا۔ اگر کسی کے خارج کرنے سے خارج ہو تو معنی یہ ہوگا کون الشیئ مخرجا کہ شیئ کا خارج کیا ہوا ہونا اور یہ اخراج کو لازم ہے۔ اور اخراج متعدی ہے اور عدل بھی متعدی ہے اس لئے متعدی کا متعدی پر حمل ہے۔

اعتراض :۔ خروجه میں ضمیر کا مرجع العدل ہے اس لحاظ سے محدود کا حد میں لینا لازم آتا ہے یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے اسی کو تعریف میں لینا اور یہ درست نہیں ہے۔

☆...... **جواب**:۔ خروجہ کی ضمیر کا مرجع العدل نہیں بلکہ اسم ہے اور اسم کا قرینہ یہ ہے کہ بحث اسم کی ہو رہی ہے۔

☆تحقیقاً او تقدیراً کی ترکیب میں اختلاف......

ملا جامی فرماتے ہیں کہ **تحقیقا** اور **تقدیرا** مصدر مبنی للمفعول ہیں محققا اور مقدرا کے معنی میں۔ ان کا موصوف اور فاعل دونوں محذوف ہیں۔ اصل عبارت ہے **خروجا محققا اصله . خروجا مقدرا اصله**۔ ایسا خروج کہ اس کا اصل محقق ہے۔ ایسا خروج جس کا اصل مقدر ہے جب عدل کا اصل محقق اور مقدر ہے۔ تو اصل میں حقیقی اور تقدیری معدول عنہ کی قسمیں بنتی ہیں۔ اور معدول عنہ کے اعتبار سے عدل بھی دو قسم ہو گیا۔ حقیقی اور تقدیری۔ **مولانا نامی فرماتے ہیں** کہ تحقیقاً اور تقدیرا مصدر مبنی للمفعول ہیں اور ان کا صرف موصوف محذوف ہے اور یہ اصل میں ہے **خروجا محققا** اور **خروجا مقدرا**۔ اس لحاظ سے یہ حقیقی اور تقدیری معدول عنہ کی نہیں بلکہ عدل ہی کی قسمیں بنتی ہیں۔

……**عدل کی قسمیں: علامہ تحقیقا او تقدیرا** سے عدل کی دو قسمیں بیان کررہے ہیں ایک قسم ہے عدل تحقیقی اور دوسری عدل تقدیری ہے۔ **عدل تحقیقی:** ۔عدل تحقیقی اس کو کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ بھی معدول عنہ کے وجود پر کوئی خارجی دلیل موجود ہو یعنی معدول عنہ خارج میں متحقق ہو۔

(عدل تحقیقی کی مثالیں) عدل تحقیقی کی علامہ نے چار مثالیں دی ہیں۔ ثُلٰث ۔ مثلث ۔ اُخر اور جُمع

(عدل تحقیقی کی پہلی دو مثالیں) ثُلٰث اور مثلث میں معنی کا تکرار ہے اس لئے کہ ثُلاث کا معنی ہے تین تین۔ اسی طرح مثلث کا معنی بھی تین تین ہے اور قاعدہ ہے کہ معنی کا تکرار لفظ کے تکرار پر دلالت کرتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ثُلاث اور مثلث اصل میں ثلاثة ثلاثة تھے۔ اس سے تبدیل کر کے ثُلاث اور مثلث بنا دیا گیا ہے۔ اہل عرب ان کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ اور ان میں وصف تو نمایاں ہے اس لئے فرض کر لیا گیا کہ ان میں دوسرا سبب عدل ہے۔

☆……**متن متین والے کا اعتراض اور اس کا جواب**……صاحب متن متین نے اعتراض کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ معنی کے تکرار سے لفظ کا تکرار بھی ہو اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے یَتَجَرَّعُہٗ کہ جہنمی اس پانی کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا۔ اس میں معنی کا تکرار ہے مگر کوئی بھی اس کو عدل نہیں کہتا پھر صاحب متن متین نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ آسان بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ غیر منصرف کی دو قسمیں ہیں سماعی اور قیاسی۔ جس کلمہ میں منع صرف کے دو سبب یا ایک ایسا سبب ہو جو دو کے قائم مقام ہے تو وہ غیر منصرف قیاسی ہے اور جو صرف اہل زبان سے غیر منصرف ہی سنا گیا ہو خواہ اسمیں کوئی سبب ہو یا نہ ہو وہ غیر منصرف سماعی ہے۔

……**اعتراض** :۔ اگر ثلاث اور مثلث کو معنی کے تکرار کی وجہ سے لفظ مکرر ثلاثة ثلاثة سے معدول مانیں تو معنی کا تکرار تو مثنی وثلاث ورباع میں بھی ہے اس لئے کہ مثنی کا معنی دو دو۔ ثلاث کا معنی تین تین اور رباع کا معنی ہے چار چار۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ مَثْنٰی اِثْنَانِ اِثْنَانِ سے اور ثُلَاثَ ثَلَاثَةً ثَلَاثَةً سے اور رُبَاعَ اَرْبَعَةً اَرْبَعَةً سے معدول ہے۔ اور ان کا مجموعہ اٹھارہ بنتا ہے۔

اور قرآن کریم میں ہے "فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" تو اس آیت کی روشنی میں بیک وقت اٹھارہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا ثابت ہوتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

☆ ...... **جواب** :۔ لفظ کا تکرار تعدد کو مستلزم نہیں ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا لفظ پہلے کی تاکید یا اس سے بدل ہو ۔اور امتی کے لئے بیک وقت چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے ۔ اور نہ ہی اس آیت سے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا ثابت ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ اسماء اعداد میں سے جمع کا لوگوں کے جمع کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان اعداد میں سے ہر ایک عدد کا لوگوں کو اختیار ہوتا ہے اور ایسی حالت میں تمام اعداد کا مجموعہ مراد نہیں ہوتا اس لئے معنی یہ ہوگا کہ تمہیں عورتوں میں سے دو اور تین اور چار میں سے ہر ایک عدد کا اختیار ہے اور آخری حد چار ہے ۔ اس لئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے ۔

...... **اعتراض** :۔ اگر ثلاث اور مثلث کو معنی میں تکرار کی وجہ سے معدول مانا جاتا ہے تو تثنیہ اور جمع کو بھی معدول ماننا چاہیے اس لئے کہ ان کا معنی بھی مکرر ہوتا ہے ۔

☆ ...... **جواب** :۔ تثنیہ اور جمع کے معنی میں تکرار نہیں ہوتا بلکہ تثنیہ کی صورت میں مفرد سے دو کے مرکب کا مجموعہ اور جمع کی صورت میں مفرد سے جمع کا مجموعہ مفہوم ہوتا ہے ۔

☆ ...... **عدل کے اوزان** ...... عدل کے چھ اوزان ہیں جو اس شعر میں مذکور ہیں ۔

اوزان عدل را بتمامی تو شش شمر مَفعَل . فُعَل . مثالها مثلث عُمر
فعِل است چوں امسِ فعال است چوں ثلاث ۔ دیگر فعال داں تو قطام فعَل چوں سحر

یعنی عدل کے کل چھ اوزان تو شمار کر ۔ مفعل جیسے مثلث فُعل جیسے عمر ۔ فِعل جیسے اَمْس فُعال جیسے ثلاث ۔ فعال جیسے قطام فَعَل جیسے سَحرَ ۔ ان چھ اوزان کے علاوہ کسی اور وزن میں عدل نہیں ہوتا ۔

...... **اعتراض** :۔ منع صرف کے اسباب میں سے ایک سبب وصف ہے اور وصف سے مراد وصف اصلی ہے ۔ اگر ثلاث ومثلث کو ثلاثۃ ثلاثۃ سے معدول مانا جائے تو ثلاثۃ ثلاثۃ میں وصف عارضی ہے اس لئے اس کو منع صرف کا سبب نہیں بنایا جاسکتا ۔

☆ ...... **جواب** :۔ اگر چہ ثلاثۃ میں وصف عارضی ہے مگر جب اس سے ثلاث ومثلث بنائے گئے تو ان میں وصف اصلی ہو گئی اس لئے کہ عدل دوسری وضع کے قائم مقام ہے ۔

﴿……**اعتراض:** اگر ثلاثۃ میں وصف عارضی تھا اور معدول یعنی ثلاث ومثلث میں وصف اصلی ہوگیا ہے تو معدول اور معدول عنہ میں معنی کے اندر اتحاد نہیں رہا کہ ایک میں وصف عارضی ہے اور دوسرے میں وصف اصلی ہے حالانکہ عدل میں اتحادِ معنی شرط ہے۔

☆……**جواب:**۔ معدول اور معدول عنہ کے درمیان اصل معنی میں اتحاد شرط ہے اور اس میں اصل معنی وصفیت ہے خواہ وہ وصف اصلی ہو یا عارضی ہو۔ اس لئے دونوں میں اتحاد ہے۔

عدل تحقیقی کی تیسری مثال:۔ علامہ نے عدل تحقیقی کی تیسری مثال اُخر بیان کی ہے اور یہ **فُعل** کے وزن پر ہے اس میں منع صرف کا ایک سبب وصف ہے مگر نحویوں نے اس کو غیر منصرف پڑھا ہے اس لئے اسمیں دوسرا سبب عدل فرض کیا گیا ہے۔ اُخر معدول ہے **اَلاُخر** سے یا **اُخر مِن** سے۔ اس لئے کہ یہ اسم تفضیل کے مونث کے صیغے اخری کی جمع ہے اور اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں پر ہوتا ہے ایک طریقہ یہ ہے کہ اسم تفضیل پر الف لام ہو جیسے **زَیْدُنِ الاَفْضَلُ**۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مِن کے ساتھ ہو جیسے **زید افضل من عمرو**۔ اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اضافت کے ساتھ ہو جیسے **زَیْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ**۔ اُخر اضافت کے ساتھ نہیں ہے اس لئے یہ باقی دو طریقوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔

﴿……**اعتراض:**۔ اُخر کو اضافت کے طریقہ سے معدول کیوں نہیں بنایا گیا۔

☆……**جواب:**۔ اگر یہ اضافت کے طریقہ سے معدول ہو تو اس کا مضاف الیہ محذوف ہوگا۔ اور جب کلام میں مضاف الیہ محذوف ہو تو اس کے عوض ان چار چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہوتی ہے۔

پہلی چیز **الف لام** جیسے بالاسناد میں اسناد کے مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کی جگہ الف لام لائے ہیں۔

دوسری چیز ضمہ جیسے **قبل** اور **بعد** کے مضاف الیہ کو حذف کر کے ان کے آخر میں ضمہ لایا گیا۔

تیسری چیز مضاف کا تکرار ہے جیسے **یا تیم تیم عدی**۔

اور چوتھی چیز تنوین ہے جیسے **حینئذٍ** اور **یومئذٍ** کے آخر میں تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔ جب **اُخر** میں ان چار چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مضاف الیہ محذوف نہیں ہے۔ اس لئے **اُخر**

الآخر یا أخر منه سے معدول ہوگا۔ اگر أخر معدول ہو أخر من سے تو یہ صیغہ مفرد ہوگا اس لئے کہ اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو وہ مفرد ہوتا ہے اور اس میں مذکر۔ مونث۔ تثنیہ جمع سب برابر ہوتے ہیں۔

۞...... **اعتراض** :۔ أخر اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل میں اشدّ کا معنی پایا جاتا ہے اس لحاظ سے أخو کا معنی ہوا اَشَدُّ تَأْخِیْراً ۔ مگر بعد میں اس أخر کو غیر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اس میں اسم تفضیل والا معنی ختم ہو گیا۔ جب اس میں اسم تفضیل کا معنی رہا ہی نہیں تو پھر اس میں اسم تفضیل کے خواص الف لام یا من یا اضافت کے ساتھ استعمال کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اور الف لام اور مــن أخــر پر عارض ہیں اس لئے اس کا معنی معدول میں پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ اسکے باوجود ان خواص کا کیوں اعتبار کیا جاتا ہے۔

☆ ...... **جواب** :۔ اعتبار اصل کا ہوتا ہے استعمال کا نہیں تو جب اصل کے اعتبار سے یہ اسم تفضیل ہے تو اسی کا اعتبار کیا جائیگا اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے اسم تفضیل کے خواص کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۞...... **اعتراض** :۔ اگر أخر معدول ہے الاخــر یــا أخر من سے تو اس کو مبنی ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ حرف یعنی الف لام یا من کے معنی کو متضمن ہے اور عدل میں صرف لفظ کے اندر تغیر ہوتا ہے معنی میں نہیں ہوتا۔ جب یہ حرف کے معنی کو متضمن ہے تو اخر مبنی ہونا چاہیے۔ ☆...... **جواب** :۔ معدول میں معدول عنہ کا اصل معنی پایا جانا ضروری ہے عارضی معنی پایا جانا ضروری نہیں ہے اور الف لام اور مــن أخــر پر عارض ہیں۔ اس لئے اس کا معنی معدول میں پایا جانا ضروری نہیں بلکہ اس کا اصل معنی جو کہ وصف ہے اس کا پایا جانا ضروری ہے۔

۞...... **اعتراض** :۔ اگر أخــر کو الا خر یا أخر من سے معدول مانا جائے تو أخر معرفہ ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ الا خــر یــا أخــر من کے معنی میں ہے جو کہ معرفہ ہے۔ جب یہ معرفہ ہے تو پھر نکرہ کی صفت واقع نہیں ہونا چاہئے حالانکہ یہ نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے۔

☆ ...... **جواب** :۔ الا خر اور أخر مِنْ اصل میں معرفہ نہیں بلکہ اس پر **الف لام** یا مِنْ کے ساتھ اس کو استعمال کر کے معرفہ بنایا گیا ہے تو تعریف اس میں عارض ہے۔ اور معدول میں عارض کا نہیں بلکہ اصل کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جب یہ اصل میں معرفہ نہیں تو یہ نکرہ کی صفت واقع ہوسکتا ہے۔

اعتراض:۔ اگر أخر معدول ہے الاخر یا أخر من سے تو معدول عنہ معرفہ ہوا اور معدول یعنی أخر نکرہ ہے تو یہ عدول اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے اس لئے کہ کلام میں نکرہ کی بہ نسبت معرفہ زیادہ فائدہ دیتا ہے۔

☆ ...... **جواب:۔** الاخر یا أخر من اصل کے اعتبار سے معرفہ نہیں ہیں بلکہ ان میں تعریف عارض ہے تو اس کے معرفہ ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ جب اسکے معرفہ ہونے کا اعتبار نہیں تو یہ عدول اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف نہ ہوا بلکہ نکرہ سے نکرہ کی طرف ہونے کی وجہ سے برابر ہے۔

...... **اعتراض:۔** اگر أخر معدول ہے أخر من سے تو أخر من تو مفرد ہے جبکہ أخر جمع ہے اس لحاظ سے معدول اور معدول عنہ کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔

جواب:۔ اسم تفضیل جب مِن کے ساتھ استعمال ہو تو اس میں تثنیہ جمع۔ مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے معدول اور معدول عنہ کے درمیان مطابقت ہے۔

<u>عدل تحقیقی کی چوتھی مثال</u>:۔ علامہ نے عدل تحقیقی کی چوتھی مثال جُمَعُ ذکر کی ہے اس میں منع صرف کا ایک سبب وصف ہے اس کے باوجود جب اس کو غیر منصرف پڑھایا گیا ہے تو نحویوں نے مجبوراً اس میں دوسرا سبب عدل تحقیقی فرض کیا ہے۔ اس لئے کہ جُمَعُ جمع ہے جَمْعَاء کی جو کہ اَجْمَعُ کی مونث ہے۔ اور جمعاء فعلاء کے وزن پر ہے اور فعلاء کا وزن دو قسم پر ہے ایک اسمی اور دوسری قسم صفتی۔ اگر فعلاء اسمی ہو تو اس کی جمع دو اوزان پر آتی ہے ایک فَعَالیٰ کے وزن پر جیسے صَحَارٰی جو جمع ہے صَحْرَاء کی۔ اور دوسری فَعْلَاوَاتٌ کے وزن پر جیسے صَحْرَاوَاتٌ جو جمع ہے صحراء کی۔ اگر فعلاء صفتی ہو تو اس کی جمع فُعلٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمرٌ۔ اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ جُمع معدول ہے جُمَعٌ یا جَمَاعیٰ یا جَمْعَاوَاتٌ سے۔ اسلئے کہ اگر جُمَعُ میں جمعاء اسمی ہے تو اس کی جمع جماعیٰ یا جمعاوات آتی ہے اور اگر جمعاء صفتی ہے تو اس کی جمع جُمعٌ آنی چاہئے۔ جب ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ جُمَعُ ان ہی تین میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔

...... **اعتراض:۔** جُمَع کو معدول ماننے کی کیا ضرورت ہے اس کو اقوس اور انیبٌ کی طرح جمع شاذ کیوں نہیں قرار

دیا جاتا۔ **جواب**:۔ عدل میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔

پہلی چیز وجود اصل اور دوسری چیز اخراج کا اعتبار اور تیسری چیز خروج کا باعث اقوس اور انیب " کے معدول عنہ کا وجود نہیں پایا گیا اور نہ ہی باعث خروج ہے اس لئے ان کو جمع شاذ قرار دیا گیا ہے جبکہ جُمع میں اصل کا وجود جُمعٌ یا جماعٰی یا جمعاوات " پایا گیا ہے اور خروج کا باعث بھی ہے کہ اسکو غیر منصرف پڑھایا گیا ہے اس لئے جُمَعُ میں اخراج کا اعتبار کرتے ہیں کہ یہ ان تین ہی میں سے کسی ایک سے معدول ہو کر آیا ہے۔

...... **اعتراض**:۔ جُمَعُ تو تاکید معنوی کے الفاظ میں سے ہے جیسے جاء نی المسلمون جُمَعُ۔ جب یہ تاکید کے لئے ہے تو یہ وصف کیسے ہوسکتی ہے اس لیے کہ وصفیت اور تاکید کے درمیان تو منافات ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔ جُمَعُ اصل میں وصف ہے پھر بعد میں اس کو تاکید کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ جس اسم میں وصف اصلی ہو بے شک اس کو تاکید وغیرہ کے معنی میں کثرت سے استعمال کیا جائے تو اس کی وصف اصلی ہی کا اعتبار ہوتا ہے اور وہ وصف اصلی منع صرف کا بدستور سبب رہتی ہے۔

عدل کی دوسری قسم عدل تقدیری:

۔ اَوْ تَقْدِيْرًا كَعُمَر یا اس کا خروج تقدیراً ہو جیسے عُمَر۔ اس میں اُوْ تنویعیہ ہے اس لیے کہ علامہ نے پہلے عدل کی ایک نوع تحقیقی بیان کی ہے۔ تو اب دوسری نوع عدل تقدیری بیان کرتے ہیں۔ عدل تقدیری کی پہلی مثال عُمَرُ بروزن فُعَل ہے اور عمر کو کلام عرب میں غیر منصرف پڑھایا گیا ہے حالانکہ بظاہر اس میں منع صرف کا صرف ایک سبب علمیت ہے تو نحویوں نے مجبوراً اس میں دوسرا سبب عدل تقدیری کو فرض کرلیا ہے کہ عمر اصل میں عامر تھا اور یہ عامر سے معدول ہے اسی طرح زفر زافر سے معدول ہے۔

عدل تقدیری کی دوسری مثال:۔ وباب قطام فی تمیم سے علامہ ابن حاجب عدل تقدیری کی دوسری مثال ذکر کر رہے ہیں قِطام فعال کے وزن پر ہے۔ اور قطام معدول ہے قاطمة سے اور اس کے معدول ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے اس کو عدل تقدیری میں شمار کیا گیا ہے۔ اور علامہ نے باب قطام کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صرف قطام کے لفظ میں یہ حکم نہیں بلکہ اس کے وزن پر جو کلمہ ہوگا اس کا یہی حکم ہے۔ اور باب قطام سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جو فِعالٌ کے وزن پر ہو اور

اعیان مونثہ کا عَلَم ہو اور اس کے آخر میں راء نہ ہو تو ایسا کلمہ بنی تمیم کی لغت میں غیر منصرف ہوتا ہے۔

فِعَال کے وزن کا استعمال:۔ فِعَالٌ کا وزن چار طریقوں پر استعمال ہوتا ہے۔

پہلا طریق کہ امر حاضر معلوم کے معنی میں ہو جیسے نِزَال بمعنی اَنْزِلْ اور تِرَاک بمعنی اُتْرُکْ ۔ نزال اصل میں انزل اور تراک اصل میں اُترک ہی تھا اور قاعدہ ہے کہ جب فعل میں دوام واستمرار کا معنی مقصود ہو تو اس کو اسم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ تو انزل کو نزالٌ اور اُترک کو تَراکٌ میں تبدیل کر دیا۔

دوسرا طریق کہ فعالٌ کا اسم مصدر معرفہ کے معنی میں ہو جیسے فِجَارٌ بمعنی الفُجُوْر اور بِرَارٌ بمعنی البِرّ ۔

تیسرا طریق یہ ہے کہ فعالٌ کا وزن مونث کی صفت ہو اور سبّ و شتم اور طعن کا معنی اس میں پایا جاتا ہو جیسے فِسَاقٌ بمعنی فَاسِقَةٌ یعنی بدکار عورت۔ اور چوتھا طریق یہ ہے کہ فعال کا وزن مونث کا عَلَم ہو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ اس کے آخر میں راء ہو جیسے حِضَارٌ اور طِمَارٌ۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے آخر میں راء نہ ہو جیسے قِطَامٌ اور عِذَابٌ وغیرہ۔ علامہ ابن حاجب نے باب قطام کہہ کر بتایا کہ ہر وہ کلمہ جو فعالٌ کے وزن پر ہو اور مونث کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء نہ ہو تو وہ کلمہ بنی تمیم کی لغت میں غیر منصرف ہوتا ہے۔

بنی تمیم اور باقی نحویوں کے نظریہ میں فرق:۔ فعالٌ کا وزن جو امر حاضر کے معنی میں ہو جیسے نزال بمعنی انزل یا مونث کی صفت ہو جیسے فساقٌ یا مصدر معرفہ کے معنی میں ہو جیسے فُجارٌ بمعنی الفجور ۔ یا مونث کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء ہو تو ان چار صورتوں میں فعال کا وزن اہل حجاز اور بنی تمیم کے نزدیک بھی مبنی ہوتا ہے (اس لئے کہ جو فعال امر کے معنی میں ہوتا ہے وہ مبنی ہوتا ہے اور باقی اسکے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہیں۔) اور پانچویں صورت کہ فعال کا وزن مونث کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء نہ ہو تو وہ بنی تمیم کے نزدیک معرب غیر منصرف ہوتا ہے اور باقی نحویوں کے نزدیک یہ بھی مبنی ہوتا ہے جیسے قَطام ۔ بنی تمیم اس کو قاطمة سے معدول مانتے ہیں اور باقی نحوی اس کو بھی فعال امر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی مانتے ہیں۔

اعتراض: بنی تمیم پر اعتراض ہوتا ہے کہ قطام میں تانیث اور علمیت جب دو سبب پائے جاتے ہیں تو ان دو اسباب کی وجہ سے قطام غیر منصرف ہوگا تو پھر اس کو معدول اعتبار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: بنی تمیم عدل کا اعتبار قطام میں منع صرف حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے نظائر حضار اور طمار وغیرہ پر حمل کرنے کے لئے عدل تقدیری کا اعتبار کرتے ہیں۔

اعتراض: اگر بنی تمیم قطام میں عدل تقدیری کا اعتبار منع صرف حاصل کرنے کے لئے نہیں کرتے تو پھر علامہ نے اس عدل میں اس کا ذکر کیوں کیا ہے جو منع صرف کا سبب بنتا ہے۔

جواب: علامہ کا یہاں اس کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ عدل تقدیری کبھی تو منع صرف کا سبب حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی اس جیسے موازن پر حمل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

اعتراض: بنو تمیم ایسے فعالٌ کے وزن کو جو مونث کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء ہو تو اس میں تانیث۔ علمیت اور عدل تقدیری تین اسباب کی وجہ سے اس کو مبنی مانتے ہیں جیسا کہ حِضَار اور طِمَار وغیرہ۔ اور یہی تین اسباب قطام میں بھی پائے جاتے ہیں اسکو مبنی کیوں نہیں مانتے۔

جواب: بنو تمیم حضار وغیرہ کو تین اسباب کی وجہ سے مبنی نہیں مانتے بلکہ تخفیف کے لئے مبنی مانتے ہیں۔ اس لئے کہ آخر میں راء حرف مکرر ہے یعنی اس میں صفت تکرار پائی جاتی ہے اور یہ حرف ثقیل ہے اس لئے آسانی پیدا کرنے کے لئے اس کو ایک ہی حالت پر رہنے دیا تاکہ مختلف حرکات سے اس میں مزید ثقل نہ پیدا ہو۔

اَلْوَصْفُ شَرْطُهٗ اَنْ يَّكُوْنَ فِي الْاَصْلِ فَلَا تَضُرُّهُ الْغَلَبَةُ فَلِذٰلِكَ صُرِفَ اَرْبَعٌ فِيْ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ وَامْتَنَعَ اَسْوَدُ وَاَرْقَمُ لِلْحَيَّةِ وَاَدْهَمُ لِلْقَيْدِ وَضَعُفَ مَنْعُ اَفْعٰى لِلْحَيَّةِ وَاَجْدَلُ لِلصَّقْرِ وَاَخْيَلُ لِلطَّائِرِ.

منع صرف کے اسباب میں سے وصف بھی ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصل میں وصف ہو پھر اس کے

خلاف استعمال کا غلبہ اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔ پس اسی لئے مررت بنسوۃ اربع میں اربع منصرف ہے اور اسود اورارقم جوسانپ کے نام ہیں۔ اوراد ھم جو بیڑی کو کہتے ہیں یہ غیر منصرف ہیں۔ اورافعیٰ جوسانپ کا نام ہے اور اجدل جوشکرے کا نام ہے اوراخیل جوایک مخصوص پرندہ کا نام ہے (جس کو منحوس سمجھا جاتا ہے) ان کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے...... ---اربع میں وصف عارضی ہے اس لئے کہ یہ اصل وضع میں عدد کے لئے ہے اس لئے یہ منصرف ہے۔ اسوداور ارقم اور ادھم میں وصف اصلی ہے اگر چہ بعد میں یہ کسی کا نام رکھ دیئے گئے مگر وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ غیر منصرف ہیں۔

منع صرف کا دوسرا سبب۔ علامہ نے پہلے منع صرف کا سبب عدل بیان کیا ہے اب دوسرا سبب وصف بیان کررہے ہیں۔ الوصف میں الف لام عہد خارجی ہے اس کے ساتھ اشارہ ہے اس وصف کی طرف جس کا شعر میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ وصف کہتے ہیں اس اسم کو جو وصفی معنی کا لحاظ رکھنے کے ساتھ مبہم ذات پر دلالت کرے پھر وصف کی دو قسمیں ہیں۔ وصف اصلی اور وصف عارضی۔ وصف اصلی وہ ہوتی ہے کہ واضع نے وضع کرتے وقت اس کو وصف کے لئے وضع کیا ہو۔ جیسا کہ اسود کالی چیز کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور وصف عارضی وہ اسم ہوتا ہے کہ اصل وضع کے اعتبار سے تو اس میں وصف نہ ہو مگر کسی عارضہ کی وجہ سے اس کو وصف بنادیا جائے جیسے مررت بنسوۃ اربع میں اربع اصل میں تو عدد ہے مگر عارضی طور پر نِسْوَۃ کی وصف ہے۔

فَلَا تَضُرُّہُ الْغَلَبَۃُ: بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ اسم اصل وضع کے اعتبار سے وصف ہوتا ہے مگر بعد میں وہ کسی کا نام رکھ دیا جاتا ہے اور پھر اسی نام میں اس کا استعمال غالب ہو جاتا ہے تو علامہ نے فرمایا کہ بے شک نام میں اس کا استعمال غالب ہو جائے اس کے باوجود اس میں وصف اصلی کا ہی اعتبار ہوگا۔ اور غلبہ استعمال اس کے وصف اصلی ہونے میں کوئی نقصان نہیں دیتا۔

......**اعتراض**:۔ علامہ نے کہا ہے کہ اسم کے وصف اصلی کا اعتبار ہوتا ہے اور وہ کسی کا نام رکھنے کے بعد بے شک نام میں زیادہ استعمال ہو تب بھی وہ وصف غیر منصرف کا سبب بنتی ہے۔ حالانکہ اگر کسی سفید شخص کا نام اسود یا ارقم رکھ دیا جائے تو اس

اسوداورارقم کووزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف کہا جاتا ہے وصف کی وجہ سے نہیں کہا جاتا۔

☆...... **جواب**:۔ غلبہ سے مراد یہ ہے کہ اس وصف کے افراد ہی میں سے کسی فرد کے ساتھ اس کو مختص کر دیا جائے اور سفید آدمی تو اسود یا ارقم کے افراد میں سے ہی نہیں اس لئے اس میں وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے ہی اسود کو غیر منصرف کہا جائیگا اور سفید آدمی کا نام اسود رکھنا غلبہ استعمال کے ضمن میں نہیں آتا۔۔۔اور اگر کالے شخص کا نام اسود رکھ دیا جائے تو پھر غلبہ استعمال کا مطلب یہ ہے کہ اختصاص سے شخص مراد نہیں بلکہ نوع مراد ہے۔اور اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اختصاص کا مطلب یہ ہے کہ وصف اس پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کی محتاج نہ ہو اور یہاں کالے آدمی پر اسود کا اطلاق قرینہ کی جانب محتاج ہے جبکہ سیاہ سانپ پر اس کا اطلاق بغیر کسی قرینہ کے کیا جاتا ہے۔

فَلِذَالِکَ صُرِفَ اَرْبَعٌ:۔ جب منع صرف کا سبب بننے میں وصف عارضی کا اعتبار نہیں ہوتا تو اسی لئے مررت بنسوۃ اربع میں اربع کے وصف بننے کے باوجود اس کو غیر منصرف نہیں پڑھا جاتا حالانکہ اس میں وزن فعل اور وصف موجود ہیں مگر وصف عارضی ہے۔

فلذالک میں فا تفسیر یہ اور لام تعلیلیہ ہے اور ذالک اسم اشارہ ہے کہ جب وصف میں وصف اصلی کی شرط ہے تو اسی لئے جس میں وصف عارضی ہے تو وہ منصرف پڑھا جائے گا۔ اسود . ارقم اور ادھم یہ تینوں غیر منصرف ہیں اس لئے کہ ان میں وصف اصلی ہے اور دوسرا سبب وزن فعل ہے۔اسود کو واضع نے ہر سیاہ چیز کے لئے وضع کیا مگر بعد میں یہ سیاہ سانپ کا نام رکھ دیا گیا۔اور ارقم کو واضع نے دھاری دار چیز کے لئے وضع کیا مگر بعد میں یہ سیاہ وسفید رنگت والے سانپ کا نام رکھ دیا گیا اور ادھم کو واضع نے سیاہ چیز کے لئے وضع کیا مگر بعد میں بیڑی کا نام رکھ دیا گیا جس کے ساتھ مجرم کو باندھا جاتا ہے۔استعمال کے لحاظ سے اگرچہ ان اسماء میں علمیت غالب آگئی ہے مگر ان میں وصف اصلی ہے اس لئے ان میں وصف اصلی کا اعتبار کر کے ان کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

...... **اعتراض**:۔ علامہ نے کہا ہے وامتنع اسود وارقم جس کا معنی یہ ہے کہ اسود اور ارقم ممتنع ہیں اور ممتنع وہ ہوتا ہے جس کا وجود پایا ہی نہ جا سکے بلکہ اس کا عدم ضروری ہو جیسا کہ شریک باری تعالی۔۔ علامہ نے اسود اور ارقم کو ممتنع کیسے کہہ دیا جبکہ ان کا وجود تو پایا جاتا ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔وامتنع کے بعد عبارت محذوف ہے اصل عبارت ہے **وامتنع عن الصرف** اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اسود اور ارقم منصرف ہونے سے روک دیتا ہے یعنی ان کا منصرف پڑھنا منع ہے۔

وَضَعُفَ مَنْعُ اَفْعٰی لِلْحَیَّۃِ وَاَجْدَلُ لِلصَّقْرِ وَاَخْیَلُ لِلطَّائِرِ۔

افعی مادہ سانپ کو اور اجدل شکرے کو اور اخیل الو کو کہتے ہیں جو منحوس پرندہ ہے ان کو غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

علامہ نے پہلے بیان کیا کہ منع صرف کا سبب بننے میں وصف اصلی کا اعتبار ہوتا ہے عارضی کا اعتبار نہیں ہوتا۔اب یہاں ایک اختلاف کی جانب اشارہ کر کے اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں۔اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر اسم میں وصف یقینی نہ ہو بلکہ وہمی ہو تو اس وصف وہمی کو غیر منصرف کا سبب بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔بعض نحوی اس کا اعتبار کر کے اس کو غیر منصرف کا سبب بناتے ہیں مگر علامہ نے اپنا نظریہ یہ بیان کیا کہ جس میں وصف وہمی ہو اس کو غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے اور ایسا اسم جس میں وصف وہمی ہو اس کی علامہ نے تین مثالیں ذکر کی ہے۔ **افعیٰ . اجدل . اور اخیل**۔ان میں جن حضرات نے وصف وہمی کا اعتبار کیا ہے۔ان کے نزدیک افعیٰ مادہ سانپ کو اس لئے کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ **افعی فعوۃٌ** سے مشتق ہو جس کا معنی ہے خبیث اور موذی۔اور ہو سکتا ہے کہ اجدل جدل سے مشتق ہو جس کا معنی ہے مضبوط اور قوی۔اور شکرے کو اجدل اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی مضبوط اور قوی ہوتا ہے۔اور ہو سکتا ہے کہ اخیل خال سے مشتق ہو جس کا معنی ہے کالے تلوں والا۔اور ہو سکتا ہے کہ الو کو اخیل اس لئے کہتے ہوں کہ اس میں بھی کالے تل ہوتے ہیں۔ان کلمات میں فعوۃ۔جدل اور خال وصفیں ہیں مگر وصف یقینی نہیں بلکہ صرف وہمی ہیں اس لئے ان میں وصف وہمی کا اعتبار کر کے ان کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے مگر علامہ نے کہا ہے وصف وہمی کا اعتبار کر کے ان کلمات کو غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے اس لئے کہ منع صرف کا سبب بننے کے لئے وصف یقینی ہونا ضروری ہے۔ ☆ ...... **اعتراض**:۔جس طرح **افعی . اجدل اور اخیل** میں وصف اصلی ہونے کا یقین نہیں اسی طرح وصف اصلی نہ ہونے کا بھی یقین نہیں تو پھر ان کے منصرف ہونے کو ترجیح کیوں دی گئی ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔اسماء میں اصل منصرف ہوتا ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو۔جب ان میں یقینی طور پر وصف اصلیہ نہیں تو اقوی قول کے مطابق اسم کے اصل انصراف کا لحاظ رکھ کر ان کو منصرف پڑھنا ہی راجح ہے۔

﴾......اَلتَّانِيْثُ بِالتَّاءِ شَرْطُهُ الْعَلَمِيَّةُ وَالْمَعْنَوِيُّ كَذٰلِكَ وَشَرْطُ تَحَتُّمِ تَاثِيْرِهِ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ اَوْ تَحَرُّكُ الْاَوْسَطِ اَوِ الْعُجْمَةُ فَهِنْدٌ يَجُوْزُ صَرْفُهُ وَزَيْنَبُ وَسَقَرُ وَمَاهُ وَجُوْرُ مُمْتَنِعٌ فَاِنْ سُمِّيَ بِهِ مُذَكَّرٌ فَشَرْطُهُ الزِّيَادَةُ عَلَى الثَّلَاثَةِ فَقَدَمٌ مُنْصَرِفٌ وَعَقْرَبٌ مُمْتَنِعٌ......﴾

﴾......تانیث بھی منع صرف کا سبب ہے اوراس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ علمیت ہو۔ اور تانیث معنوی بھی اسی طرح ہے اوراس تانیث معنوی میں منع صرف کی تاثیر کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو یا وہ کلمہ تین حرفی ہومگراس کا درمیانہ حرف متحرک ہو یا وہ عجمہ ہو پس ھنــــدٌ کو منصرف پڑھنا جائز ہے اور زینب اور سقر اور ماہ و جو ر غیر منصرف ہیں۔ پس اگر وہ کلمہ جومونث معنوی ہے وہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تین حرفوں سے زائد ہو۔ پس قدم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف ہے۔......﴾

منع صرف کا تیسرا سبب تاءتانیث اورتانیث معنوی ہے۔تاءتانیث بھی منع صرف کا سبب ہے۔اورتاءتانیث وہ ہوتی ہے جوزائدہ ہواورمتحرک ہواوراس کا ماقبل مفتوح ہواوراسم کے آخرمیں ہواوروقف کی حالت میں ھا سے بدل جائے اوراسی کوتاءمــدوّرہ یعنی گول تا کہتے ہیں۔جس اسم کے آخرمیں تاءتانیث ہواوروہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تووہ اسم غیر منصرف ہوتا ہے۔خواہ مذکر کا نام ہوجیسے طلحة یامونث کا نام ہوجیسے فاطمة ۔اورتانیث معنوی کے لئے بھی یہی شرط ہے کہ وہ علَم ہو ۔علامہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تانیث کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے آخر میں تاء ہواور دوسری تانیث معنوی (تانیث لفظی وہ ہوتی ہے جس کے آخرمیں ایسا حرف ہوجوتانیث کے لئے آتا ہوجیسے طلحہ کے آخر میں تاء۔اورتانیث معنوی وہ ہوتی ہے جس کے آخرمیں تاءمقدرہ ہوجیسے ھـنـدٌ کہ یہ اصل میں ھندۃ تھا۔) پھرتانیث لفظی کی بھی دوقسمیں ہیں ایک وہ جس

کے آخر میں تاء ہو اور دوسری وہ جس کے آخر میں تاء نہ ہو بلکہ الف مقصورہ یا ممدودہ ہو۔

علامہ نے تانیث لفظی **بالتاء** کے غیر منصرف ہونے کا سبب بننے کے لئے شرط یہ بتائی ہے کہ وہ **عَلَم** ہو اور آگے بتائیں گے کہ جو تانیث الف مقصورہ یا ممدودہ کے ساتھ ہو اس میں علمیت شرط نہیں بلکہ وہ اکیلی دوسببوں کے قائم مقام ہے۔

والمعنوی کذالک کہہ کر علامہ نے بتایا کہ تانیث معنوی کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ وہ **عَلَم** ہو خواہ مذکر کا علم ہو جیسے کسی آدمی کا نام **قَدَمٌ** رکھ دیا جائے یا مونث کا علم ہو جیسے **هندٌ** یا کسی شہر کا نام ہو جیسے مصر اور **حَلَب** وغیرہ۔ **تانیث معنوی معلوم کرنے کے طریقے**:۔ تانیث معنوی معلوم کرنے کے کئی طریقے ہیں

پہلا طریقہ کہ تصغیر کے ذریعہ سے اصل معلوم کیا جائے۔ جیسے **هِندٌ** کہ اس کی تصغیر **هنيدةٌ** اور **قَدَمٌ** جس کی تصغیر **قُدَيمَةٌ** آتی ہے۔ دوسرا طریقہ کہ اسم بظاہر مذکر ہو مگر اس کی طرف مونث کی ضمیر لوٹائی جائے جیسے '' **وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا** '' اس میں ھا ضمیر **الشمس** کی طرف راجع ہے اس لئے **الشمس** مونث معنوی ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اسم بظاہر مذکر ہو مگر اس کا فعل موخر مونث لایا جائے جیسے **اَلشَّمْسُ طَلَعَتْ** میں **الشمس** بظاہر مذکر ہے مگر اس کے لئے بعد میں فعل **طلعت** مونث لایا گیا ہے۔ اس لئے **الشمس** مونث معنوی ہے۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ جس اسم کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہو اور ہو بھی جمع صحیح تو وہ اسم بھی مونث معنوی ہوتا ہے جیسے **حائض** کہ اس کی جمع اقصی صحیح **حوائض** آتی ہے اور حامل کی جمع اقصی حوامل آتی ہے اس لئے حائض اور حامل مونث معنوی ہیں۔

❁...... **اعتراض**:۔ جب **مونث بالتاء** اور مونث معنوی دونوں کے لئے علمیت شرط ہے تو ان کو علیحدہ علیحدہ کیوں ذکر کیا ہے۔ اس طرح کیوں نہیں کہہ دیا گیا کہ **التانيث بالتاء والمعنوی شرطه العلمية**۔ تانیث بالتاء اور تانیث معنوی جو ہے اس کے لئے علمیت شرط ہے۔ ☆...... **جواب**:۔ دونوں میں فرق کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے اس لئے کہ **تانیث بالتاء** میں علمیت وجوب کے لئے شرط ہے یعنی اگر **تانیث بالتاء** کے ساتھ علمیت ہو تو اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔ اور تانیث معنوی میں علمیت جواز کی شرط ہے کہ اگر تانیث معنوی کے ساتھ صرف علمیت پائی جائے اور اس کے علاوہ کوئی شرط نہ پائی جائے۔ تو اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔

اعتراض:۔تانیث بالتاء کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے علمیت کو کیوں شرط قرار دیا گیا ہے اور تانیث بالالف میں علمیت کو شرط کیوں نہیں قرار دیا گیا۔ ☆ ...... **جواب**:۔کلمہ کے آخر میں تاء عارضی ہوتی ہے اور جو چیز عارض ہو وہ معرض زوال میں ہوتی ہے۔اور علمیت کی وجہ سے اس زوال کا احتمال نہیں رہتا اسلئے کہ اعلام میں بقدر الامکان تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔اس لئے تانیث بالتاء کے لئے علمیت کو شرط قرار دے دیا تا کہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے اور تاء کے زوال کا احتمال ختم ہو جائے۔اور تانیث بالالف کے ساتھ تانیث لازم ہے جو کسی وقت دور نہیں ہوتی۔اس لئے تانیث بالالف کے ساتھ علمیت کو شرط قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کو اکیلے ہی دو سببوں کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

......تانیث معنوی کی تاثیر کی شرائط......علامہ نے وشرط تحتم تاثیرہ سے تانیث معنوی میں منع صرف کی تاثیر کے واجب ہونے کی شرائط بیان کی ہیں اور پہلی شرط یہ بیان کی ہے کہ وہ کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو اور دوسری شرط یہ بیان کی ہے کہ بے شک وہ کلمہ تین حرفی ہو مگر اس کا درمیانہ حرف متحرک ہو۔اور تیسری شرط یہ بیان کی ہے کہ وہ کلمہ اصل میں عربی نہ ہو بلکہ عجمی ہو۔فھند" میں فا تفریعیہ ہے۔علامہ اس سے بتا رہے ہیں کہ ھند میں دو لحاظ ہیں اگر یہ لحاظ رکھا جائے کہ اسمیں تانیث معنوی اور علمیت پائی جاتی ہے تو اس کو غیر منصرف پڑھیں گے اور اگر یہ لحاظ رکھیں کہ اس میں وجوب کی شرائط میں سے کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔تو اس کو منصرف پڑھا جا سکتا ہے۔ھند عربی کلمہ ہے عجمی نہیں ہے اور یہ متحرک الاوسط بھی نہیں یعنی اس کا درمیان والا حرف متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے اور یہ کلمہ تین حرفوں سے زائد بھی نہیں بلکہ تین حرفی ہے۔اس لئے اس میں وجوب کی کوئی شرط نہیں پائی جاتی اس لئے اسکو منصرف پڑھا جا سکتا ہے۔اور زینب . سقر . ماہ . اور جور کو غیر منصرف ہی پڑھا جائیگا۔اس لئے کہ زینب میں تانیث معنوی اور علمیت کے علاوہ وجوب کی یہ شرط پائی جا رہی ہے کہ یہ تین حرفوں سے زائد ہے۔اور سَقَر جو کہ جھنم کے ایک طبقہ کا نام ہے۔اسمیں تانیث معنوی اور علمیت کے ساتھ وجوب کی یہ شرط پائی جا رہی ہے۔کہ یہ متحرک الاوسط ہے اور ماہ اور جور جو دو شہروں کے نام ہیں۔اور ماہ چاند کا نام بھی ہے۔ ان میں تانیث معنوی اور علمیت کے ساتھ وجوب کی یہ شرط پائی جا رہی ہے کہ یہ کلمے اصل میں عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں۔

اعتراض:۔تانیث معنوی کے غیر منصرف کا وجوبی طور پر سبب بننے کے لئے یہ شرائط کیوں ضروری قرار دی گئی ہیں

☆...... **جواب**:۔ غیر منصرف ثقیل ہوتا ہے جبکہ تانیث معنوی خفیف ہوتی ہے۔ تو ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کا پایا جانا ضروری قرار دیا گیا تا کہ تانیث معنوی میں کچھ ثقل پیدا ہو جائے۔ ساکن الاوسط کی بہ نسبت متحرک الاوسط ثقیل ہے۔ اور تین حرفی کی بہ نسبت تین حرفی سے زائد ثقیل ہے اور عربی کی بہ نسبت عجمی ثقیل ہے اس لئے تانیث معنوی کے ساتھ ان شرائط میں سے کسی ایک شرط کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

مونث معنوی اگر کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی شرائط

علامہ نے فان سمی به سے بیان فرمایا ہے اگر وہ کلمہ جو مونث معنوی ہے اگر وہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کے غیر منصرف ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تین حرفوں سے زائد ہو۔ اس لحاظ سے اگر قدم کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو وہ منصرف ہی ہوگا اس لئے کہ یہ تین حرفوں سے زائد نہیں بلکہ تین حرفی ہے اور عقرب اگر کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو یہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ یہ تین حرفوں سے زائدہ ہے۔

علامہ نے تو صرف یہی شرط بیان کی ہے مگر دیگر نحویوں نے اس کے ساتھ اور شرائط بھی ذکر کی ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تانیث اصل میں مذکر سے منقول نہ ہو۔ اگر وہ مذکر سے منقول ہو تو علمیت کے بعد بھی وہ کلمہ منصرف ہی ہوگا ۔ جیسے ربـــاب جو سحاب (بادل) کے ہم معنی ہے جو کہ مذکر ہے پھر بعد میں رباب اس عورت کا نام رکھ دیا گیا جو راعد (بجلی کڑکنے کی آواز والا) کی آواز پر عاشق ہو گئی تھی تو اس عورت کا نام رکھ دینے کے باوجود رباب منصرف ہے اس لئے کہ یہ اصل میں مذکر سے منقول ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مونث معنوی مونث اصلی ہو مونث تاویلی نہ ہو۔ جمع مکسر کو مونث تاویلی کہتے ہیں۔ اسی لئے اس جمع کی صفت مونث لائی جاتی ہے جیسے رِجَالٌ کَاذِبَۃٌ جھوٹے آدمی۔ کلاب عادیۃ حملہ آور کتے۔ اگر رجال کو بمعنی جماعت کے اور کلاب کتوں کی جماعت کے معنی میں لیں تو یہ مونث تاویلی ہیں۔ اگر رجال یا کلاب کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو علمیت کے باوجود یہ اسم منصرف ہی رہے گا اس لئے کہ یہ مونث اصلی نہیں بلکہ مونث تاویلی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مونث معنوی تین حرفوں سے زائد ہو جیسے عقرب یہ مونث معنوی ہے۔ اس لئے کہ اس کی تصغیر

"عُقَیْربَۃ" آتی ہے۔ اگر عقرب کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو یہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس میں ایک سبب علمیت اور دوسرا سبب تانیث حکمی پائی جارہی ہے۔ اگر چہ مذکر کا نام رکھنے کی وجہ سے تانیث معنوی زائل ہوگئی ہے مگر چوتھا حرف اس تانیث معنوی کے قائم مقام موجود ہے۔ اس لئے دو سبب پائے جانے کی وجہ سے وہ کلمہ غیر منصرف ہوگا۔ اور اگر "قدم" کسی مذکر کا نام رکھ دیں تو یہ منصرف ہوگا اس لئے کہ مذکر کا نام رکھنے کی وجہ سے تانیث معنوی ختم ہوگئی۔ اور اس تانیث کے قائم مقام بھی کوئی حرف نہیں ہے اس لئے اس میں منع صرف کا صرف ایک سبب علمیت ہی رہ گیا اس لئے یہ منصرف ہوگا۔

کچھ اور قواعد جن کا علامہؒ نے ذکر نہیں کیا۔ یہاں تین قاعدے اور ہیں جن کو علامہ نے ذکر نہیں کیا۔

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ اصل میں مذکر کا علم ہو مگر وہ کسی مونث کا نام رکھ دیں تو کیا وہ منصرف ہوگا یا غیر منصرف ہوگا۔ تو اس کلمہ کو غیر منصرف پڑھنے کے لئے تین شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ مونث سے منقول نہ ہو جیسے **ھند** یہ کلمہ اصل میں مذکر کا علم ہے مگر مونث کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ مونث سے منقول ہے اس لئے اسکو منصرف پڑھنا جائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو جیسے **جعفر**۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ اگر وہ کلمہ تین حرفی ہو تو پھر متحرک الاوسط ہو جیسے **عُمَرُ** اور **زُفَرُ**۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اگر تانیث معنوی تین حرفی ہو اور ساکن الاوسط ہو اور وہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسم منصرف ہوگا یا غیر منصرف ہوگا۔ تو جیسے تانیث معنوی تین حرفی ساکن الاوسط میں منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اسی طرح اگر یہ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس میں بھی دونوں جائز ہیں جیسے **ھِنْدٌ**۔

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ قبائل اور جگہوں کے جو نام ہیں ان میں بھی منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ اگر مکان کی تعبیر بلدۃ یا قریۃ سے کریں تو غیر منصرف ہوگا اور اگر اس کی تعبیر ارض سے کریں تو منصرف ہوگا۔ اسی طرح اگر قبیلہ کی تعبیر قبیلۃ سے کریں تو غیر منصرف ہوگا اور اگر اس کی تعبیر قوم سے کریں تو منصرف ہوگا۔ یہ قاعدے چونکہ مشہور تھے اس لئے علامہؒ نے بیان نہیں کئے۔

الـمعرفة شرطها ان تكون علمية ......

منع صرف کے اسباب میں سے معرفہ ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس میں علمیت ہو۔

منع صرف کا چوتھا سبب:۔ یہاں سے علامہ منع صرف کا چوتھا سبب معرفہ بیان کر رہے ہیں۔ معرفہ کا معنی ہے معلوم چیز۔ اور نحویوں کی اصطلاح میں معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی متعین چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ **الـمعرفة شرطها ان تكون علمية** میں عبارت محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **الـمعرفة شرطها في منع الصرف ان تكون علمية** ۔ کہ معرفہ کے منع صرف کا سبب بننے کی شرط یہ ہے کہ علمیت ہو۔ اس لئے کہ بظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ معرفہ کے معرفہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ علمیت ہو۔ حالانکہ ایسا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ معرفہ کے منع صرف کا سبب بننے کی شرط یہ ہے کہ وہ علمیت ہو اس لئے عبارت محذوف مانیں گے تاکہ مفہوم درست ہو جائے۔ معرفہ کی اقسام میں سے صرف اعلام غیر منصرف بن سکتے ہیں اسی لئے کہا کہ معرفہ کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ علمیت ہو۔

معرفہ کی سات اقسام میں سے مضمرات اسماء اشارات اور اسماء موصولات تو مبنی ہیں اور معرفہ بہ نداء بھی اکثر مبنی ہوتا ہے۔ اور معرف باللام اور اضافت تو ایسے معرفہ ہیں جو غیر منصرف کو منصرف کر دیتے ہیں۔ اس لئے معرفہ کہ یہ چھ اقسام منع صرف کا سبب نہیں بن سکتیں۔ باقی صرف علم رہ گیا ہے تو وہی منع صرف کا سبب بنتا ہے۔

...... **اعتراض:۔** جب معرفہ سے مراد صرف اعلام ہیں تو علامہ کو **المعرفة** کہنے کی بجائے **العلمية** کہنا چاہیئے تھا۔

☆...... **جواب:۔** پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ منع صرف کے اسباب میں سے ہر ایک کسی دوسرے کلمہ کی فرع ہوتا ہے تو معرفہ کو نکرہ کی فرع بنانا زیادہ واضح ہے بہ نسبت اس کے کہ علمیت کو نکرہ کی فرع بنایا جائے۔

☆...... **اعتراض:۔** معرفہ ذات ہے جبکہ منع صرف کے اسباب تو صفات ہیں تو ذات کو کیسے سبب بنایا جا سکتا ہے۔

...... **جواب:۔** یہاں معرفہ سے مراد حقیقتاً تعریف ہے اس لئے کہ معرفہ مصدر میمی ہے۔ یا مجازاً اس سے تعریف مراد ہے اس لئے کہ معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جس میں تعریف پائی جاتی ہو۔ اس لحاظ سے تعریف حال اور معرفہ محل ہے تو یہاں مجازاً محل بول کر مراد حال لیا گیا ہے یعنی معرفہ بول کر تعریف مراد لی گئی ہے۔

﴾...... **اعتراض**:۔ اگر معرفہ سے مراد تعریف ہے تو معرفہ کہنے کی بجائے تعریف کیوں نہیں کہا گیا۔

☆...... **جواب**: ۔علامہ نے اجمالاً منع صرف کے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک شعر پیش کیا تھا۔ شعر میں وزن شعری کے لئے معرفہ کہا گیا ہے تو علامہ نے تفصیل اور اجمال میں مطابقت کے لئے یہاں بھی تعریف کی بجائے معرفہ کہہ دیا ہے۔

﴾...... **اعتراض**:۔ علامہ نے کہا ہے **المعرفة شرطها ان تكون علمية** ۔اس عبارت میں **ان تكون** بتاویل مصدر **كونها** ہے اور **علمية** میں **یا ء** اور **تاء** مصدریہ ہیں جس کا مطلب ہے **كونها علماً** ۔اس لحاظ سے عبارت یوں بن جائیگی **المعرفة شرطها كونها كونها علماً** تو **كونها** کا تکرار ہے اور تکرار بلا فائدہ عبارت میں مناسب نہیں ہے۔اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔ پہلے کون سے مراد جنس معرفہ جبکہ دوسرے کون سے مراد نوع معرفہ ہے یعنی **عَلَم** ۔اس لئے یہ تکرار بلا فائدہ نہیں ہے۔جس کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔اس لحاظ سے اصل عبارت ہوگی **المعرفة شرطها كونها منسوبة الى العلم** کہ معرفہ کے منع صرف کے سبب بننے کی شرط اس کا عَلَم کی جانب منسوب ہونا ہے۔

﴾......"**اَلْعُجْمَةُ شَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ عَلَمِيَّةً فِي الْعُجْمَةِ وَتَحَرُّكُ الْاَوْسَطِ اَوِ الزِّيَادَةِ عَلَى الثَّلَاثَةِ فَنُوْحٌ مُنْصَرِفٌ وَشَتَرُ وَ اِبْرَاهِيْمُ مُمْتَنِعٌ** "﴿ عجمہ منع صرف کا سبب ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ غیر عربی زبان میں عَلَم ہو۔اگر تین حرفی ہو تو متحرک الاوسط ہو یا وہ تین حرفوں سے زائد ہو۔پس نوحٌ منصرف ہے اور شَتَرُ اور ابراہیم غیر منصرف ہیں۔

منع صرف کا پانچواں سبب:۔ **العجمة** سے علامہ منع صرف کا پانچواں سبب بیان کررہے ہیں۔

عجمہ کا لغوی معنی ہے گونگا ہونا۔اور اصطلاح میں عجمہ کہتے ہیں ما وضعہ غیر العرب۔وہ کلمہ جس کو اہل عرب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے وضع کیا ہو۔عربی زبان فصیح ہے اس لئے اہل عرب اپنے آپ کو اہل زبان اور دوسرے لوگوں کو عجمی یعنی گونگا

کہتے ہیں۔ عربی زبان کی ابتداء حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمائی ہے اور ان کی اولاد کو ہی اہل عرب کہا جاتا ہے۔ فرشتوں کے ناموں میں سے منکر اور نکیر دو فرشتوں کے ناموں کے علاوہ باقی تمام فرشتوں کے نام غیر منصرف ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ناموں میں سے ملا جامی وغیرہ نے چھ ناموں کو منصرف اور باقی اسماء کو غیر منصرف کہا ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

گر ہمی خواہی کہ دانی نام ہر پیغمبرے　　　تا کدام است نزد نحویاں اے برادر منصرف

صالح۔ وھود۔ ومحمد۔ با۔ شعیب نوح ولوط　　　ایں ہمہ دان منصرف دیگر ہمہ لاینصرف

''اے بھائی اگر تو چاہتا ہے کہ ہر پیغمبر کے نام کے بارہ میں معلوم کرے کہ کونسا نام نحویوں کے ہاں منصرف ہے۔ تو صالح، ھود، محمد، شعیب، نوح، اور لوط میں سے ہر ایک کو منصرف جان اور ان کے علاوہ باقی سب غیر منصرف ہیں۔

اور بعض حضرات نے شیث اور عزیز کو بھی منصرف شمار کیا ہے اس لئے ان کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ناموں میں سے آٹھ نام منصرف اور باقی غیر منصرف ہیں۔

☆ **عجمہ کے منع صرف کا سبب بننے کے لئے شرائط** ...... **عجمہ** اس وقت منع صرف کا سبب بنتا ہے جبکہ اس میں تین شرطیں پائی جائیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم عجمی زبان میں **عَلَم** یعنی نام ہو۔ اگر وہ عجمی زبان میں عَلَم نہ ہو بلکہ عربی میں منتقل ہونے کے بعد کسی تغیر وتبدل کے بعد عَلَم ہو گیا تو وہ غیر منصرف نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ اسم کسی قسم کے تغیر وتبدل کے بغیر عربی زبان عَلَم بن گیا تو وہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس کو علم حکمی کہتے ہیں۔ جیسے **قالون** یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور ہر عمدہ چیز کو قالون کہا جاتا ہے مگر عربی میں منتقل ہونے کے بعد یہ قراء سبعہ میں سے ایک قاری کا نام ہے اور یہ غیر منصرف ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسم تین حرفی ہو تو متحرک الاوسط ہو جیسے **شَتَرَ**۔ اگر متحرک الاوسط نہ ہو بلکہ ساکن الاوسط ہو تو وہ منصرف ہوگا جیسے **نُوحٌ**۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ تین حرفوں سے زائد ہو جیسے **ابراھیم**

☆...... **اعتراض**:۔ منع صرف کا سبب بننے کے لئے عجمہ کے ساتھ علمیت کی شرط کیوں لگائی گئی ہے۔

☆...... **جواب**:۔ اہل عرب جب کسی عجمی لفظ کو اپنی زبان میں منتقل کرتے ہیں تو اس میں کچھ نہ کچھ تغیر وتبدل کر دیتے ہیں اس لئے عجمہ کے ساتھ علمیت کو شرط قرار دیا تاکہ علمیت کی صورت میں کلمہ بقدر الامکان تغیر وتبدل سے محفوظ رہے۔

......**اعتـــراض**:۔ عجمہ کیلئے یہ شرط کیوں لگائی گئی ہے کہ اگر وہ تین حرفی ہے تو متحرک الا وسط ہو یا تین حرفوں سے زائد ہو۔ **جواب:** غیر منصرف ثقیل ہوتا ہے اور متحرک الا وسط اور تین حرفوں سے زائد بھی ثقیل ہوتا ہے اس لئے اس ثقل کو برقرار رکھنے کے لئے یہ شرط لگا دی گئی۔

......**اَلْجَمْعُ شَرْطُهٗ صِيغَةُ مُنْتَهَى الْجُمُوْعِ بِغَيْرِ هَاءٍ كَمَسَاجِدَ وَمَصَابِيحَ وَاَمَّا فَرَازِنَةٌ فَمُنْصَرِفٌ وَحَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعِ غَيْرُ مُنْصَرِفٍ لِاَنَّهٗ مَنْقُوْلٌ عَنِ الْجَمْعِ وَسَرَاوِيْلُ اِذَا لَمْ يُصْرَفْ وَهُوَ الْاَكْثَرُ فَقَدْ قِيْلَ اَعْجَمِيٌّ حُمِلَ عَلٰى مَوَازِنِهٖ وَقِيْلَ عَرَبِيٌّ جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تَقْدِيْرًا وَاِذَا صُرِفَ فَلَا اِشْكَالَ وَنَحْوُ جَوَارٍ رَفْعًا وَجَرًّا كَقَاضٍ**......

جمع بھی غیر منصرف کا سبب ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو اور ھاء کے بغیر ہو جیسے مساجد اور مصابیح بہر حال فرازنۃ تو یہ منصرف ہے اور حضاجر جو کہ بجو کا نام ہے یہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ یہ جمع سے منقول ہے۔ اور سراویل کو جب غیر منصرف پڑھا جائے اور یہی یعنی اس کا غیر منصرف پڑھا جانا ہی اکثر ہے تو اس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اور اس کو اس کے ہم وزن کلمات پر محمول کر کے غیر منصرف پڑھا جائیگا۔ پس بے شک یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سراولۃ کی فرضی جمع ہے۔ اور جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہوتا اور جوار جیسے صیغے رفعی اور جری حالت میں قاضی کی طرح ہیں۔

منع صرف کا چھٹا سبب:۔ الجمع سے علامہ نے منع صرف کا چھٹا سبب بیان کیا ہے کہ چھٹا سبب جمع ہے۔ جمع اس وقت منع صرف کا سبب بنتی ہے جبکہ وہ منتھی الجموع کا صیغہ ہو جس کو جمع اقصی بھی کہتے ہیں۔ جمع اقصی وہ ہوتی ہے جس کی آگے جمع نہ بنائی جا سکے۔ اور اس کے دو اوزان ہیں۔ ایک وزن مفاعل ہے جیسے مساجد اور دوسرا وزن مفاعیل ہے جیسے مصابیح۔

﴾...... **اعتراض**:۔ غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے جمع کے ساتھ منتھی الجموع کی قید کیوں لگائی ہے۔

☆...... **جواب**:۔ جمع منتھی الجموع میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا جبکہ اس کے علاوہ جمع میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے جمعیت میں نقص اور خلل آجاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے کلمہ میں خفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور غیر منصرف میں ثقل ہوتا ہے۔ اور جمع منتھی الجموع میں بھی ثقل ہوتا ہے اس لیے جمع کے ساتھ منتھی الجموع کی قید لگائی گئی ہے۔

﴾...... **اعتراض**:۔ جمع منتھی الجموع کے ساتھ بغیر ھاء کی قید کیوں لگائی ہے اور ھا سے مراد کونسی ھا ہے۔

جواب:۔ **ھــاء** سے مراد وہ ھاء ہے جو تاء سے بدلی ہوئی ہو یعنی جمع منتھی الجموع کے آخر میں ایسی تاء زائدہ نہ ہو جو وقف کی حالت میں ھاء سے بدل جاتی ہے۔ جیسے **فرازنة** کے آخر میں تاء ہے جو وقف کی حالت میں **ھاء** سے بدل جاتی ہے۔ اور اگر ھاء اصل کلمہ کی ہو تو وہ یہاں مراد نہیں ہے۔ جیسے **فارة** کی جمع **فوارهٌ** آتی ہے اور یہ **ھاء** اصل کلمہ کی ہے تاء سے بدلی ہوئی نہیں ہے۔ اور بغیر ھاء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جس جمع کے آخر میں تاء ہوتی ہے اس کی جمعیت میں دو وجہ سے خلل ہوتا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس جمع کی واحد کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جیسے **فرازنة** جمع ہے اور **کراھیةٌ مفرد** ہے تو **فرازنة** کی **کراھیةٌ** کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور جس جمع کی مفرد کے ساتھ مشابہت ہو اس جمع کی جمعیت میں فتور اور خلل ہوتا ہے۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کلمہ جمع ہے یا مفرد ہے اس لئے شرط لگادی کہ ایسی جمع منع صرف کا سبب بنتی ہے جو جمعیت میں کامل ہو اور اس کی مفرد کیساتھ مشابہت نہ ہو اور وہ وہی ہوتی ہے جس کے آخر میں تاء نہ ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کلمہ کے آخر میں تاء زائدہ ہوتی ہے تو وہ تاء عارضی ہوتی ہے اور معرض زوال میں ہوتی ہے جب وہ تاء زائل ہو جائے تو کلمہ میں خفت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ غیر منصرف کے منافی ہے جبکہ غیر منصرف میں ثقل ہوتا ہے اس لئے قید لگادی گئی کہ وہ جمع منع صرف کا سبب بنتی ہے جس کے آخر میں تاء نہ ہو۔

﴾......: جمع کی مثالیں :......﴿

علامہ نے جمع منتھی الجموع بغیر ھاء کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔

ایک مساجد جو کہ مفاعل کے وزن پر ہے اور دوسری مثال مصابیح جو کہ مفاعیل کے وزن پر ہے۔ مساجد بروزن مفاعل سے مراد ایسی جمع ہے جس میں الف جمع کے بعد دو حرف ہوں اور ان میں سے پہلا حرف مکسور ہو خواہ الف جمع کے بعد دو حرف ظاہراً

ہوں جیسے مَسَاجِدُ۔ یا الف جمع کے بعد بظاہر تو ایک حرف ہو مگر حقیقت میں دو حرف ہوں جیسے دَوَاب میں الف جمع کے بعد بظاہر ایک حرف باء ہے مگر وہ مشدد ہے اور مشدد حرف درحقیقت دو حرف ہوتے ہیں اور دواب اصل میں دوابِبُ ہے جو کہ جمع ہے دابۃ کی۔ دوسری مثال مصابیح بروزن مفاعیل ہے اور اس سے مراد وہ جمع ہے جس میں الف جمع کے بعد تین حروف ہوں اور ان میں سے درمیان والا ساکن ہو۔

......اما فرازنۃ فمنصرف .... یہاں سے علامہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فرازنۃ جو کہ فرذون کی جمع ہے یہ منصرف ہے اس لئے کہ اس کے آخر میں تاء ہے۔ جبکہ جمع کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ اسکے آخر میں تاء نہ ہو۔ اور فرازنۃ کے آخر میں تاء زائدہ ہے اس لئے یہ منصرف ہے۔ اما فرازنۃ میں اما تفصیلیہ ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اما تفصیلیہ وہاں آتا ہے جہاں پہلے اجمال ہو اور یہاں تو پہلے کوئی اجمال نہیں اس لئے اس کو اما تفصیلیہ کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ ☆......جواب:۔ اگرچہ صراحتاً اس سے پہلے اجمال نہیں ہے مگر ضمناً اجمال موجود ہے وہ اس طرح کہ جب علامہ نے بغیر ھاء کہا تو اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جمع بھی ہے جو ھاء کے ساتھ ہوتی ہے جب ایسی جمع ضمناً معلوم ہوئی تو اب تفصیلاً اس کا حکم بیان کر دیا کہ ایسی جمع منصرف ہوتی ہے۔

......اعتراض: فرازنۃٌ مبتدا ہے اور منصرف اس کی خبر ہے مگر مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں اس لئے کہ فرازنۃٌ مونث ہے جبکہ منصرف مذکر ہے۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔ کہ منصرف نام ہے اس اسم کا جس میں غیر منصرف کے اسباب میں سے دو سبب یا ایک ایسا سبب جو دو کے قائم مقام ہے نہ پایا جائے۔ تو اسمیت یعنی نام ہونے کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو خبر بنانا درست ہے۔

دوسرا جواب:۔ فرازنۃ سے پہلے نحو محذوف ہے۔ اصل میں ہے اما نحو فرازنۃ فمنصرف بہرحال فرازنۃ جیسی جمع تو وہ منصرف ہے۔ نحو مبتدا ہے اور وہ مذکر ہے اور منصرف بھی مذکر ہے تو مبتدا اور خبر کے درمیان مطابقت موجود ہے۔

......وحضاجر علماً للضبع .... میں واؤ استنافیہ ہے اور اس کے بعد جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کے جواب میں ہے سوال یہ ہے کہ حضاجر جب بجو کا نام رکھ دیا گیا تو اس میں جمعیت ختم ہوگئی۔ اس لئے کہ عَلَم

ہونے کے بعد جمعیت ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ علمیت اور جمعیت دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جب حضاجر میں جمعیت ختم ہو گئی تو اس کو منصرف ہونا چاہیئے حالانکہ اس کو غیر منصرف کہا جاتا ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔ استعمال کے لحاظ سے جمع کی دو قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ جمع فی الحال ہو اور دوسری قسم یہ کہ جمع فی الاصل ہو۔ حضاجر اگرچہ جمع فی الحال نہیں مگر اصل کے اعتبار سے یہ حَضُجَر" کی جمع ہے۔ اور حضجر بڑے پیٹ والے کو کہتے ہیں اور بجو کو حضاجر اس لئے کہتے ہیں کہ کئی بڑے پیٹ والے ملائے جائیں تو یہ اکیلا ان کے برابر ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کے اعتبار سے حضاجر جمع ہے تو اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ یہ جمع سے منقول ہے۔ اور اسی جمع فی الاصل کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو غیر منصرف کہا گیا ہے۔

...... **اعتراض**:۔ شارح اللباب نے کہا ہے کہ حضاجر میں جمع کا اعتبار کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ اس میں علمیت اور تانیث منع صرف کے دو سبب پائے جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ حضاجر صرف مادہ بجو کو ہی کہا جاتا ہے۔ جب اس میں دو سبب موجود ہیں تو یہ ان ہی کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔ حضاجر میں علمیت موثر نہیں ہے ورنہ یہ نکرہ ہونے کے بعد منصرف ہوتا حالانکہ یہ نکرہ ہونے کی حالت میں بھی غیر منصرف ہی رہتا ہے۔ اور پھر جو یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تانیث پائی جاتی ہے تو اس کی تانیث مسلّم نہیں ہے اس لئے کہ حضاجر جنسِ ضبع پر بولا جاتا ہے اور جنس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں۔

...... **اعتراض**:۔ جب جمع میں جمع فی الاصل کا اعتبار ہے تو جیسے وصف میں کہا گیا تھا'' **شرطه ان يكون في الاصل** ''تو اسی طرح جمع میں بھی کہنا چاہیئے **شرطه ان يكون في الاصل** علامہ نے ایسا کیوں نہیں کیا۔

☆ ...... **جواب**:۔ وصف کبھی اصل ہوتی ہے اور کبھی عارضی ہوتی ہے جب کہ جمع کے عارضی ہونے کا احتمال ہی نہیں۔ اس لئے اگر جمع میں بھی فی الاصل کہا جاتا تو وہم پیدا ہوتا کہ وصف کیطرح جمع بھی کبھی اصل اور کبھی عارضی ہوتی ہے اس لئے جمع میں فی الاصل کہنا مناسب ہی نہیں تھا۔

سراویل کو غیر منصرف پڑھنے کی وجہ:۔

وسراویل سے علامہ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اعتراض یہ ہے کہ سراویل نہ جمع اصلی ہے اور نہ ہی جمع حالی ہے تو اس کو غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے تو اس کے جواب میں علامہ نے فرمایا کہ سراویل (شلوار) کے منصرف یا غیر منصرف ہونے میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ بعض اسکو منصرف اور بعض غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں اس لئے کہ یہ درحقیقت جمع نہیں بلکہ مفرد ہے۔ اور اسماء میں اصل انصراف ہے اس لیے اس کو منصرف پڑھنے میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا اور جب سراویل کو غیر منصرف پڑھا جائے جو کہ جمہور نحویوں کا نظریہ ہے تو پھر اس کے غیر منصرف پڑھنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی وجہ امام سیبویہؒ نے بیان کی ہے کہ سراویل عجمی لفظ ہے اور اس کو عربی زبان میں استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اور جو لفظ غیر عربی ہو اور اس کو عربی میں استعمال کیا جانے لگے تو اس کو **دخیل** کہتے ہیں۔ اور **دخیل** کے بارہ میں قانون یہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے ہم وزن اور مشابہ کلمات پر اس کو محمول کر کے ان کے مطابق اس کو حکم دیا جاتا ہے۔ اور سراویل کے ہم وزن عربی الفاظ **قناديل ،مصابيح اورا نا عيم** ہیں جو کہ غیر منصرف ہیں اس لئے سراویل کو بھی غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک جمع کی دو قسمیں ہیں ایک جمع حقیقی اور دوسری جمع حکمی۔ جمع حقیقی تو وہ ہوتی ہے جس کے حقیقتاً کئی افراد ہوں اور جمع حکمی وہ ہوتی ہے جس کو جمع حقیقی پر محمول کر کے اس جیسا حکم دے دیا گیا ہو۔ سراویل اگرچہ جمع حقیقی نہیں مگر جمع حکمی ہے۔ سراویل کو غیر منصرف پڑھنے کی دوسری وجہ امام مبرد نے بیان کی ہے کہ سراویل عربی لفظ ہی ہے اور یہ **سروالة** کی جمع فرضی ہے۔ اس لئے کہ سروالۃ اصل میں کپڑے کے ٹکرے کو کہتے ہیں اور شلوار چونکہ کئی ٹکروں سے بنتی ہے اس لئے سراویل کو سروالۃ کی جمع فرضی مان کر اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

اعتراض کا جواب:۔ ونحو جوار سے بھی علامہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ منع صرف کا سبب وہ جمع بنتی ہے جو منتہی الجموع ہو اور جوار جمع منتہی الجموع نہیں تو اس کا حکم کیا ہے۔ تو علامہ نے جواب میں فرمایا کہ جوار

جیسے صیغوں کا رفعی اور جری حالت میں اعراب قاض کی طرح تقدیری ہوتا ہے۔ **کقاض اصل میں کحکم قاض** ہے کہ جیسے **قاض** کا اعراب رفعی اور جری حالت میں تقدیری ہوتا ہے۔ اسی طرح جوار جیسے صیغوں کا بھی ان حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ ونحو جوار سے مراد ایسے صیغے ہیں جو جمع منقوص ہوں اور فواعل کے وزن پر ہوں خواہ ناقص واوی ہوں جیسے داعٍ جو اصل میں **دَوَاعِوُ** تھا یا ناقص یائی ہوں جیسے **جوار** اور **معانٍ** جو اصل میں **جوارِیُ اور معانِیُ** تھے۔

۞ ...... **اعتراض**:۔ سوال تو یہ تھا کہ جوار جیسے صیغے منصرف ہیں یا غیر منصرف۔

اس کا جواب تو علامہ نے دیا ہی نہیں صرف یہ بتا دیا کہ اس کا اعراب **قاض** کی طرح ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔ اس میں نحویوں کا اتفاق ہے کو **جوارِ** جیسے صیغے نصبی حالت میں غیر منصرف ہیں۔ مگر رفعی اور جری حالت میں نحویوں کا اختلاف ہے اور اس کے بارہ میں تین نظریات ہیں۔

پہلا نظریہ **امام زجاجؒ کا** ہے کہ اسماء میں اصل انصراف ہے اس لئے کہ اعلال سے پہلے منصرف ہیں۔ اور اعلال کے بعد اس لئے منصرف ہیں کہ یہ صیغہ منتہی الجموع نہیں اور اعلال کے بعد ان کی شکل سلام اور کلام سے مشابہ ہوگئی اور سلامٍ اور کلامٍ منصرف ہیں اس لئے جوار جیسے صیغوں کی جمعیت میں فتور اور خلل آ گیا۔ اور امام زجاج نے فرمایا کہ اعلال اور منع صرف میں سے اعلال قوی ہے اس لئے کہ اعلال کلمہ کی ذات میں تغیر کرتا ہے جبکہ منع صرف کلمہ کے احوال میں سے ہے اور جس کا تعلق ذات سے ہو وہ مقدم اور قوی ہوتا ہے۔ اس لئے منع صرف کی بہ نسبت اعلال مقدم اور قوی ہے۔ امام زجاج کے نزدیک **جوار** کی تعلیل اس طرح ہوگی کہ جوارِ اصل میں **جوارِیٌ** تھا۔ ضمہ یا پر ثقیل تھا اسلئے اسکو گرا دیا تو **جوارِین** ہوگیا پھر یاء اور تنوین کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو گرا دیا تو **جوارٍ** ہوگیا۔ اس لحاظ سے امام زجاج کے نزدیک جوارِ کے آخر میں تنوین صرف باقی رہتی ہے اس لئے یہ منصرف ہے۔

دوسرا نظریہ **امام سیبویہؒ اور خلیلؒ کا** ہے ان کے نزدیک **جوارِ** جیسے صیغے **اعلال** سے پہلے منصرف اور اعلال کے بعد غیر منصرف ہوتے ہیں۔ اسماء میں اصل انصراف ہے اس لیے اعلال سے پہلے تو وہ منصرف ہیں اور اعلال کے بعد وہ اس لئے غیر منصرف ہو جاتے ہیں کہ ان کی جمعیت موجود ہے اگرچہ بظاہر اعلال کے بعد جمع منتہی الجموع نہیں رہا مگر تقدیراً وہ صیغہ

منتہی الجموع ہی کا ہے۔اس لئے کہ جوار کالام کلمہ محذوف منوی ہے نسیا منسیانہیں ہے اور جو محذوف منوی ہوتو وہ کالمذکور ہوتا ہے لہذا اس کے آخر میں یاء مقدر ہے اور جوارِ کے لام کلمہ کے محذوف منوی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کالام کلمہ نسیاً منسیاً ہوتا تو اس کے عین کلمہ پر اعراب جاری کر دیا جاتا جیسا کہ دم اور ید میں کیا جاتا ہے۔ جب جوارِ کے عین کلمہ پر اعراب جاری نہیں کیا جاتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کالام کلمہ محذوف منوی ہے۔ان حضرات کے نزدیک جوارِ کی تعلیل اس طرح ہوگی کہ جوار اصل میں جوارِیٌ تھا۔ضمہ یاء پر ثقیل تھا اس کو گرادیا۔ پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو گرادیا پھر تنوین صرف کو گرا کر اس کے آخر میں تنوین عوض لائے تو جوارٍ ہو گیا۔اس لحاظ سے امام سیبویہ اور خلیل کے نزدیک جوار جیسے صیغوں کے آخر میں تنوین صرف نہیں بلکہ تنوین عوض ہے جو کہ غیر منصرف کے آخر میں آسکتی ہے۔اس لئے جوارٍ جیسے صیغے اعلال کے بعد غیر منصرف ہوتے ہیں۔

تیسرا نظریہ امام کسائی کا ہے ان کے نزدیک جوارِ جیسے صیغے اعلال سے پہلے بھی اور اعلال کے بعد بھی غیر منصرف ہوتے ہیں۔اعلال سے پہلے تو اس لئے غیر منصرف ہیں کہ یہ صیغے منتھی الجموع ہیں۔اور اعلال کے بعد اگر چہ لفظاً منتھی الجموع کے صیغے نہیں رہتے مگر تقدیراً صیغے منتھی الجموع کے ہیں۔اور المقدر کالمذکور کہ مقدر مذکور کی طرح ہوتا ہے۔جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ اصل اسماء میں انصراف ہے اس لئے یہ صیغے اعلال سے پہلے منصرف ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے امام کسائی نے فرمایا کہ منصرف اور غیر منصرف تو اسم کی دو قسمیں ہیں ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کی بہ نسبت اصل قرار دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔

امام کسائی کے نزدیک جوار کی تعلیل اس طرح ہوگی کہ جوارِ اصل میں جوارِیُ تھا ضمہ یاء ثقیل تھا اس کو گرادیا پھر یاء کو بھی گرادیا۔ پھر یاء کے ضمہ کے عوض۔یا یاء کے عوض یا دونوں کے عوض آخر میں تنوین لائے تو جوارٍ ہو گیا۔اس لحاظ سے امام کسائی کے نزدیک بھی جوارِ کے آخر میں تنوین صرف نہیں بلکہ تنوین عوض ہے۔

علامہ کا نظریہ:۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ علامہ نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اور اختلاف سے گریز کرتے ہوئے جوارِ جیسے صیغوں کے استعمال کا طریقہ بتادیا اور ان کے منصرف یا غیر منصرف ہونے کا صریح حکم نہیں بتایا۔مگر علامہ کے کقاضٍ فرمانے سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ وہ جوار جیسے صیغوں کو رفعی اور جری حالت میں منصرف مانتے ہیں اسی لیئے

کقاض فرمایا ہے۔

......"**التر کیب شر طه العلمية و ان لا يكون باضافة و لا اسنا د مثل بعلبك**"...... منع صرف کے اسباب میں سے ترکیب بھی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ علمیت ہو اور اضافت کے ساتھ نہ ہو اور نہ ہی اسناد کے ساتھ ہو جیسے **بعلبک**۔

منع صرف کا ساتواں سبب:۔ التر کیب سے علامہ منع صرف کا ساتواں سبب بیان کر رہے ہیں اور وہ ترکیب ہے الترکیب پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے اشارہ ہے اس ترکیب کی جانب جس کا ذکر شعر میں پہلے ہو چکا ہے۔ ترکیب کا لغوی معنی ہے جوڑنا اور اصطلاحی معنی ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کلمات کا ایک ہو جانا بشرطیکہ کلمہ کی کوئی جزءحرف نہ ہو۔ ترکیب کی تعریف میں جو یہ قید لگائی ہے کہ اسکا کوئی جزء حرف نہ ہو تو یہ قید احترازی ہے اور بصری اور النجم جیسی صورتوں سے احتراز ہے۔ اگر بصری یا النجم کسی کا نام رکھ دیا جائے تو ان میں علمیت پائی گئی اور یہ مرکب بھی ہیں مگر اس ترکیب کی وجہ سے ان کو غیر منصرف نہیں کہا جا سکتا اسلئے کہ النجم کی ابتداء میں الف لام اور بصری کے آخر میں یاءحرف ہے اور ایسی ترکیب منع صرف کا سبب نہیں بنتی جس کا کوئی جزءحرف ہو۔

......**ترکیب کے منع صرف کا سبب بننے کی شرائط:**۔ علامہ نے فرمایا کہ ترکیب کے منع صرف کا سبب بننے کے لئے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ عَلَم ہو اور علمیت کی شرط دو وجہ سے لگائی گئی ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ترکیب قابل اعلال ہوتی ہے یعنی جن دو کلموں کو جوڑا جاتا ہے تو ان کی ترکیب توڑی بھی جا سکتی ہے اور اعلام بقدر الامکان تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے ترکیب کے ساتھ علمیت کی شرط لگا دی تا کہ یہ اعلال سے بچ جائے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ترکیب وضع ثانی کی طرح ہوتی ہے یعنی اس کلمہ کی ایک وضع وہ ہے جو علمیت سے پہلے تھی اور دوسری وضع وہ ہے جو علمیت کے بعد ہے جیسے **بعلبک** میں دو لفظ ہیں **بعل** ایک بت کا نام ہے اور بک ایک بادشاہ کا نام ہے تو بعل اور بک کو جوڑ کر ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا اور وضع ثانی علمیت کی صورت میں ہے اور وضع ثانی تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتی ہے

اس لئے اس ترکیب کے ساتھ علمیت کی شرط لگادی گئی ہے۔

دوسری شرط ترکیب کے منع صرف کا سبب بننے کے لئے یہ ہے کہ وہ ترکیب اضافت کے ساتھ نہ ہواس لئے کہ اضافت تو غیر منصرف کو بھی منصرف یا حکم منصرف میں کر دیتی ہے۔تو یہ غیر منصرف کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔

اور تیسری شرط ترکیب کے منع صرف کا سبب بننے کے لئے یہ ہے کہ یہ ترکیب اسناد کے ساتھ نہ ہواس لئے کہ مرکب اسنادی جب **عَلَم** ہوتو وہ مبنی ہوتا ہے جیسے **تابط شرا** یہ ایک شاعر کا نام ہے۔جب مرکب اسنادی **عَلَم** مبنی ہوتا ہے تو وہ غیر منصرف نہیں ہوسکتا اسلئے کہ غیر منصرف تو اسم معرب کی قسم ہے۔اس لئے ترکیب کے ساتھ قید لگادی کہ ترکیب اسناد کے ساتھ نہ ہو۔

......**مرکب اسنادی عَلَم مبنی کیوں ہوتا ہے......مرکب اسنادی** جب **عَلَم** ہوتو وہ مبنی اس لئے ہوتا ہے کہ وہ کسی قصہ عجیبہ وغریبہ پر دلالت کرتا ہے جیسے تابط شرا کہ اس شاعر کی کثرت سے شرارتوں کی وجہ سے اس کا نام رکھ دیا گیا۔اس کا معنیٰ ہے کہ اس نے بغل میں شر کو چھپا رکھا ہے (اسی طرح **شاب قرناها** میں بھی ترکیب اسنادی ہے یہ ایک عورت کا نام رکھ دیا گیا اس لیے یہ بھی مبنی ہے) غیر منصرف قابل تغیر وتبدل ہوتا ہے اگر مرکب اسنادی **عَلَم** کو غیر منصرف مانا جائے تو وہ بھی قابل تغیر وتبدل ہوگا اور اس صورت میں اس کی قصہ عجیبہ وغریبہ پر دلالت باقی نہیں رہتی اس لئے مرکب اسنادی **عَلَم** مبنی ہوتا ہے تاکہ تغیر وتبدل کے قابل نہ ہو اور اس کی قصہ عجیبہ وغیر یبہ پر دلالت باقی رہے۔ **تابط شرا** شاعر کی عجیب عجیب شرارتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔

......**اعتراض**:۔ترکیب کی چھ اقسام ہیں۔

پہلی قسم اضافی۔دوسری تعدادی۔تیسری قسم مزجی، چوتھی اسنادی، پانچویں قسم توصیفی اور چھٹی قسم صوتی۔

ان میں سے صرف ترکیب مزجی ہی منع صرف کا سبب بنتی ہے۔علامہ نے باقی اقسام میں سے صرف اضافی اور اسنادی کی نفی کی ہے باقی اقسام کی نفی کیوں نہیں کی۔اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:۔

☆......**پهلا جواب** ۔مرکب توصیفی اور مرکب تعدادی یعنی مرکب بنائی کی مستقل بحث مبنیات میں موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مبنی ہیں۔جب وہ مبنی ہیں تو وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتیں اس لئے کہ غیر منصرف اسم معرب کی

قسم ہے اگر چہ ترکیب اضافی اور ترکیب اسنادی بھی مبنیات میں سے ہیں مگر ان کی مستقل بحث مبنیات میں نہیں ہے اس لئے ان کے بارہ میں شک ہوسکتا تھا کہ شاید یہ غیر منصرف ہوں تو علامہ نے واضح کر دیا کہ یہ غیر منصرف کا سبب نہیں ہیں۔

☆...... **دوسرا جواب:**۔ مرکب اضافی کے ضمن میں مرکب توصیفی کی نفی ہوگئی اس لئے کہ جس طرح مرکب اضافی میں دوسرا جزء پہلے جزء کی قید ہوتا ہے اسی طرح مرکب توصیفی میں بھی دوسرا جزء پہلے کی قید ہوتا ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک جیسا ہے۔ اور مرکب اسنادی کی نفی سے مرکب بنائی اور صوتی کی بھی نفی ہوگئی اس لئے کہ جس طرح مرکب اسنادی علم کی صورت میں مبنی ہوتا ہے اسی طرح مرکب بنائی اور مرکب صوتی بھی مبنی ہوتے ہیں۔ اور مبنی غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتا۔

......**مثل بعلبک**...... **بعلبک** کے اعراب میں تین مذاہب ہیں۔

ایک مذہب یہ ہے کہ اس کا پہلا جزء مبنی برفتحہ مضاف ہے اور دوسرا جزء مضاف الیہ غیر منصرف ہے جیسے **جاء نی بعلبک، راء یت بُعْلَبَکّ اور مرر ُت ببعلبک**۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ اس کی دونوں جزیں مبنی برفتحہ ہیں۔ جیسے **جاء نی بَعلبک . رائیت ُ بعلبک . مررت ُ ببعلبک** . تیسرا مذہب یہ ہے کہ اسکی پہلی جز مبنی برفتحہ اور دوسری جز معرب ہے جیسے **جاء نی بعلبکٌ . رائیتُ بعلبکاً . مررُ تُ ببعلبکٍ** علامہ نے جب **مثل بعلبک** کہا تو اس نے اس ترکیب کی مثال بیان کی جو منع صرف کا سبب بنتی ہے اس سے واضح ہوگیا کہ علامہ نے نزدیک **بعلبک** کا آخر غیر منصرف ہے۔

...... **" الالف و النُّو نُ ان کا نتَا فی اسمٍ فشر طه العلَمّیةُ کعمر انَ او صفة ٍ فانتفاء فعلانةٍ وقیل وجُو دُ فعلیٰ و من ثم اختلف فی رحمٰن دو نَ سکران و نَدْمَانٍ "**...... الف نون اگر اسم میں ہوں تو اسکے غیر منصرف ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ علمیت ہو جیسے **عمر ان** ۔ یا الف نون صفت میں ہوں تو پھر شرط یہ ہے کہ اس کی مونث فعلانۃ نہ ہو اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس کی مونث فعلی آئے اسی وجہ سے **رحمن** کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں

اختلاف کیا گیا ہے سکران اور ندمان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔...... ☆

منع صرف کا آٹھواں سبب:۔ الالف والنون سے علامہ منع صرف کا آٹھواں سبب بیان کرر ہے ہیں کہ آٹھواں سبب الف نون زائدتان ہیں۔

الالف پر الف لام عہد خارجی ہے اور الف اور النون کے درمیان واوٗ مصاحبت کی ہے اس لئے معنی یہ ہوگا کہ الف نون کے ساتھ مل کر سبب بنتا ہے۔ یہ واوٗ عاطفہ نہیں ہے اسلئے کہ واوٗ عاطفہ بنانے کی صورت میں معنی غلط ہو جاتا ہے اور معنی یہ بن جاتا ہے کہ الف اور نون دونوں علیحدہ علیحدہ منع صرف کا سبب بنتے ہیں اس لئے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغائرت ہوتی ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک پر حکم لگتا ہے حالانکہ الف اور نون میں سے ہر ایک علیحدہ منع صرف کا سبب نہیں بنتا بلکہ دونوں مل کر سبب بنتے ہیں اس لئے الف والنون کے درمیان واوٗ مصاحبت کی ہے **الالف** اور **النون** پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے اشارہ ہے اس الف اور نون کی جانب سے جس کا پہلے شعر کے اندر **والنون زائدۃ من قبلھا الف** میں ذکر ہو چکا ہے۔

☆ **الف نون زائدتان منع صرف کا سبب کیوں بنتے ہیں**۔ اس بارہ میں نحویوں کا اتفاق ہے کہ الف نون زائدتان منع صرف کا سبب بنتے ہیں مگران کے منع صرف کا سبب بننے کی علامت اور وجہ میں بصری اور کوفی حضرات کا اختلاف ہے۔ کوفی کہتے ہیں کہ الف اور نون حروف زوائد ہیں تو یہ وصف زیادت کی وجہ سے منع صرف کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے کہ جس کلمہ میں الف نون زائدتان ہوں گے وہ کلمہ مزید ہوگا اور مزید فرع ہوتا ہے مزید علیہ کی اور منع صرف بھی فرع ہوتا ہے اس لئے اس مناسبت سے ان کو منع صرف کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

حروف زوائد:۔ حروف زوائد دس ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے **الیوم تنسھا** . یعنی **الف . لام . یاء . واو . میم . تاء . نون . سین . ھاء** . اور **الف بصری کہتے ہیں** کہ الف نون منع صرف کا سبب اس لئے بنتے ہیں کہ ان کی تانیث کے الف کیساتھ مضارعت یعنی مشابہت ہے اسی لیے ان کو الف نون مضارعتان بھی کہا جاتا ہے اور تانیث

کے الف کے ساتھ مشابہت اس طرح ہے کہ جس طرح تانیث کا الف تاء کے قابل نہیں ہوتا کہ اس کے بعد تاء آسکے اسی طرح یہ الف بھی تاء کے قابل نہیں ہے۔ اور الف ممدودہ کے ساتھ اس کی مشابہت اس طرح ہے کہ جس طرح الف ممدودہ کے بعد صرف ایک حرف صحیح ہے اسی طرح اس الف کے بعد بھی ایک حرف صحیح ہے جیسے **عمر ان** .

قول راجح:۔ اس بارہ میں بصریوں کے قول کو ترجیح دی گئی ہے اس لئے کہ اگر وصف زیادت کو علت بنایا جائے تو ندمانة کو غیر منصرف پڑھنا چاہیئے اس لئے کہ اس میں الف نون زائدتان موجود ہیں بلکہ ہر اس اسم کو غیر منصرف ہونا چاہیئے جس میں الف نون زائدتان ہوں خواہ اس کے آخر میں تاء ہو یا نہ ہو اس لئے کہ جب علت وصف زیادت پائی جارہی ہے تو حکم بھی پایا جانا چاہیئے ۔ اور پھر اس کی وجہ سے تاء کے قبول نہ کرنے کی شرط کا لغو ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بصریوں کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

﴾...... **اعتراض**:۔ علامہ نے ان **کا نتافی اسم او صفة** کہا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسم اور صفت میں تقابل ہے حالانکہ صفت بھی اسم ہی ہوتی ہے اسلئے یہ تقابل درست نہیں ہے۔

☆...... **جواب**:۔ فی اسم میں اسم سے مراد مطلق اسم نہیں ہے بلکہ اسم جامد مراد ہے جو وصف مشتقہ کے مقابل ہوتا ہے وہ اسم مراد نہیں جو فعل اور حرف کے مقابل ہوتا ہے اور جامد و مشتق کو مشتمل ہوتا ہے۔

☆...... الف نون کے منع صرف کا سبب بننے کی شرائط ......☆

اگر الف نون زائدتان اسم جامد میں پائے جائیں تو ان کے منع صرف کا سبب بننے کی شرط یہ ہے کہ وہ اسم جامد عَلَم ہو۔ تاکہ تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے۔

بصریوں کا آپس میں اختلاف:۔ بصریوں کا آپس میں اختلاف ہے کہ **الف نون زائدتان** اکیلا دو سببوں کے قائم مقام ہے یا اس کے ساتھ منع صرف کا دوسرا سبب ہونا بھی ضروری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس طرح تانیث کا الف اکیلا دو سببوں کے قائم مقام ہے اسی طرح اس کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے **الف نون مزیدتان** بھی اکیلا دو سببوں کے قائم مقام ہے اور اس کے ساتھ علمیت کی شرط صرف اس لئے لگائی ہے تاکہ الف تانیث کے ساتھ اس کی مشابہت پختہ ہو جائے۔

جمہور بصری کہتے ہیں کہ الف نون زائدتان اکیلے منع صرف کا سبب نہیں اس لئے کہ اگر یہ اکیلا دوسببوں کے قائم مقام ہو تو مشبہ (الف نون زائدتان) اور مشبہ بہ (تانیث کا الف) کے درمیان مساوات لازم آتی ہے اور یہ درست نہیں ہے جب یہ اکیلا دوسببوں کے قائم مقام نہیں بنتا تو اسی لئے اسکے ساتھ علمیت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

﴿......**او صفةٍ** ...... **او صفةٍ** میں او تنویعیہ ہے یعنی اس سے الف نون مزیدتان کی دوسری نوع بیان کر رہے ہیں کہ وہ صفت میں واقع ہو۔

نحویوں کا اختلاف:۔ اگر الف نون زائدتان صیغہ صفت میں پایا جائے تو اس میں نحویوں کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ اس کی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے (اور فعلانۃ کے وزن سے مراد یہ ہے کہ اس کے آخر میں تاء ہو۔) اور بعض کے نزدیک دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس اسکی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی مونث ضرور **فَعْلیٰ** کے وزن پر آئے۔ علامہ نے وقیل وجود فعلی کہا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ کے نزدیک بہتر قول یہی ہے کہ اس کی مونث فعلانۃ کے (وزن پر نہ آئے اسی لئے دوسرے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے جو تمریض کا صیغہ ہے۔﴿......**ومن ثَمَّ اختلف فی رحمان** ...... **علامہ فرماتے ہیں** کہ جب نحویوں کا اختلاف ہے کہ صرف مونث فعلانۃ کے وزن پر نہیں ہونی چاہیئے یا اس کیساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مونث فعلی کے وزن پر آئے تو اسی وجہ سے رحمٰن کے منصرف اور غیر منصرف ہونے کے بارہ میں اختلاف ہے۔ جن حضرات کے نزدیک صرف یہ شرط یہ ہے کہ اسکی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس کی مونث رحمانۃ نہیں آتی بلکہ اسکی مونث سرے سے آتی ہی نہیں اس لئے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جن حضرات کے نزدیک دوسری شرط بھی ہے کہ اس کی مونث فعلیٰ کے وزن پر آئے تو ان کے نزدیک رحمان منصرف ہوگا اس لئے کہ اس کی مونث فعلی کے وزن پر نہیں آتی۔

﴿......**دون سکر ان وَنَدْمَانٍ** ...... **علامہ فرماتے ہیں** کہ سکر ان اور ندمان میں نحویوں کا کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ سکر ان کی مونث سکر انۃ نہیں آتی بلکہ سَکر یٰ آتی ہے۔ تو یہ سب کے نزدیک غیر

منصرف ہے اور ندمان کی مونث ندمانۃ آتی ہے اس لئے یہ سب کے نزدیک منصرف ہے۔ تحریر سنبٹ کے حاشیہ **التحفة الخادمیه** میں لکھا ہے کہ اگر ندمان منادمہ سے ہو تو اس کے منصرف ہونے میں اتفاق ہے (اس لئے کہ اس کی مونث ندمانۃ آتی ہے اور اگر ندمان ندم سے ہو تو یہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کی مونث ندمیٰ آتی ہے۔ منادمہ کا معنی دوستانہ اور ندیم اسی سے ہے اور ندم کا معنی پشیمانی اور نادم اسی سے ہے)

......**اعتراض**:۔ الف اور نون ذوات میں سے ہیں جبکہ منع صرف کے اسباب اوصاف ہیں تو الف اور نون کو غیر منصرف کا سبب کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

☆......**جواب**:۔ الف اور نون کو ذات کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان میں جو وصف زیادت یا الف تانیث کے ساتھ وصف مشابہت پائی جاتی ہے اس لحاظ سے اس کو منع صرف کا سبب بنایا ہے۔ وصف زیادت اور وصف مشابہت اور اوصاف ہیں اس لئے اسوجہ سے الف نون کو غیر منصرف کا سبب بنانے میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

......**اعتراض**:۔ علامہ نے **کانتا فی اسم** اور **فشرطه** کہا ہے کانتا میں تثنیہ کی ضمیر بھی الف نون کی طرف راجع ہے اور فشرطہ میں مفرد کی ضمیر بھی الف نون کی طرف راجع ہے۔ جب مرجع ایک ہی ہے تو ضمیروں میں تثنیہ اور مفرد کا فرق کیوں کیا گیا ہے۔ **جواب**:۔ کانتا میں ضمیر کے مرجع میں الف نون کی ذات کا لحاظ رکھا گیا اور ذات کے لحاظ سے دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور فشرطہ میں ان کے سبب بننے کا اعتبار کیا گیا ہے اور سبب ان کا مجموعہ ہے اس لئے کہ سبب بننے میں ایک ہیں اس لئے مفرد کی ضمیر اس کی طرف لوٹائی گئی ہے۔

......"**وزنُ الفعل شرطه ان یختص به کشمّرَ وَ ضُرِبَ او یکون فی اوّله زیادة کزیادته غیر قابل للتاء و من ثم امتنَعَ احمر و انصرف یعملٌ**"......وزن فعل بھی منع صرف کا سبب ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مختص ہو جیسے۔ شمرَّ اور ضُرِبَ یا اس اسم کی ابتداء میں زیادتی ہو جیسے فعل کے ابتداء میں زیادتی ہوتی ہے اور وہ اسم تاء کے قابل نہ ہو۔ اور اسی وجہ سے احمر غیر منصرف ہے اور یَعملٌ منصرف ہے۔......☆

منع صرف کا نواں سبب:۔وزن الفعل سے علامہ منع صرف کا نواں سبب بیان کررہے ہیں۔

……**اعتراض**:۔جب وزن فعل کا ہے اور فعل کے ساتھ مختص ہے تو وہ غیر منصرف کا سبب کیسے بن سکتا ہے اس لئے کہ غیر منصرف تو اسم کی قسم ہے۔

☆……**جواب**:۔نحویوں کی اصطلاح میں وزن فعل اس اسم کو کہتے ہیں جو ایسے وزن پر ہو جو وزن اصل وضع کے اعتبار سے فعل کا وزن شمار ہوتا ہے۔ جب وزن فعل سے مراد اصطلاحی وزن فعل ہے اور وہ اسم ہے اور اختصاص سے مراد وضع کے لحاظ سے اختصاص ہے جبکہ اسم میں یہ وزن اصل وضع کے لحاظ سے نہیں بلکہ فعل سے منتقل ہو کر پایا جاتا ہے اس لئے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

……**اختصاص کی قید کیوں لگائی**……**بعض** اوزان ایسے ہیں جو فعل اور اسم دونوں میں پائے جاتے ہیں ایسے اوزان منع صرف کا سبب نہیں بن سکتے اور بعض اوزان اصل کے اعتبار سے فعل کے اوزان ہیں جب وہ فعل سے منتقل ہو کر اسم میں پائے جائیں تو اسم میں ایک قسم کا ثقل پیدا ہو جاتا ہے اور غیر منصرف بھی ثقیل ہوتا ہے اس لئے ایسے اوزان کی وجہ سے اسم غیر منصرف ہو جاتا ہے۔……**اعتراض**:۔علامہ نے وزن فعل کی دو مثالیں ذکر کی ہیں ایک شَمَّر اور دوسری ضُرِبَ ۔تو جس طرح ماضی مجہول کی مثال ثلاثی مجرد سے دی ہے اس طرح ماضی معلوم کی مثال ثلاثی مجرد سے کیوں نہیں دی شَمَّرَ باب تفعیل سے ماضی کی مثال کیوں دی ہے۔ ☆……**جواب**: شَمَّرَ کا وزن فعل کے ساتھ مختص ہے جبکہ ضَرب کا وزن فعل کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے حَجَر اور شجر آخری حرکت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ پہلے دو کلموں کی حرکت کا اعتبار ہوتا ہے جب ضَربَ کا وزن فعل کے ساتھ مختص نہیں تھا تو اس لئے مجرد سے اس کی مثال نہیں دی بلکہ فعّل کا وزن فعل کے ساتھ مختص تھا اس لئے اس کی مثال دی ہے۔ بخلاف ماضی مجہول کے کہ اس کے ثلاثی مجرد کے صیغہ کا وزن ہی فعل کے ساتھ مختص ہے۔ شَمر کا معنی ہے اس نے دامن اٹھایا۔ پھر یہ تیز رفتار گھوڑے کا نام رکھ دیا گیا۔ اسی طرح ضُرب جب کسی کا نام رکھ دیا جائے تو وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہوں گے۔

……**اعتراض**:۔کہا گیا ہے کہ شَمر کا وزن فعل کے ساتھ مختص ہے اور اسم میں یہ وزن منتقل ہو کر پایا جاتا ہے(

حالانکہ بقّم اور شلّم میں وزن فعل سے منتقل ہو کر نہیں پایا جارہا اور بقّم سرخ رنگ کو اور شلّم بیت المقدس کو کہتے ہیں

☆...... **جواب**:۔ وزن فعل کا فعل کے ساتھ مختص ہونے سے مراد یہ ہے کہ عربی لغت میں وہ وزن فعل کے ساتھ مختص ہو جبکہ بقّم اور شلم اصل میں عربی الفاظ نہیں بلکہ عجمی ہیں۔ اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب ان الفاظ کو غیر عربی سے عربی میں منتقل کیا گیا تو انتقال پایا گیا۔)

......**اویکون فی اوّلہ زیادۃ** ...... یہاں سے علامہ وزن فعل کی دوسری صورت بیان کرتے ہیں کہ اس کی ابتداء میں ان حروف میں سے کوئی حرف ہو جو فعل مضارع کی ابتداء میں ہوتے ہیں۔ اور وہ حروف چار ہیں جن کا مجموعہ اتین ہے یعنی۔ الف . تاء . یاء اور نون ۔مگر اس صورت کے لئے شرط یہ لگائی کہ ایسا اسم تاء کے قابل نہ ہو اس لئے کہ جس کے آخر میں تاء آسکتی ہے تو وہ تاء گر بھی سکتی ہے اور اسکی وجہ سے اسم میں تغیر و تبدل ہوتا ہے جو خفت کا سبب بنتا ہے جبکہ غیر منصرف ثقیل ہوتا ہے۔ اسی طرح قیاساً جو تاء متحرک کلمہ کے آخر میں آتی ہے وہ اسم کیساتھ مختص ہے۔ اس لحاظ سے تاء کو قبول نہ کرنے کی شرط کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس وزن کی فعل کے ساتھ خصوصیت باقی رہے گی۔ اور تاء سے مراد وہ تاء ہے جو اسم کے آخر میں قیاساً یعنی قانون کے مطابق آتی ہے اور متحرک ہوتی ہے (جیسے ضارِبۃٌ کے آخر میں تاء قیاساً ہے۔ اور ایسی تاء اسم کے ساتھ مختص ہوتی ہے) اور تاء ساکنہ تو فعل کے ساتھ مختص ہے جیسے ضربت اور جو تاء اسم کے آخر میں قیاساً نہ ہو بلکہ سماعاً ہو تو وہ بھی یہاں مراد نہیں ہے اسی لیے اگر اربع کسی کا نام رکھ دیا جائے تو یہ غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ علمیت کے ساتھ وزن فعل بھی پایا جارہا ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ اربع کے آخر میں تو تاء آتی ہے تو پھر یہ کیسے غیر منصرف ہوسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تاء قیاساً نہیں بلکہ سماعاً ہے اور ایسی تاء غیر منصرف کا سبب بننے سے مانع نہیں ہے۔

...... **اعتراض**:۔ اسود کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے حالانکہ اسکے آخر میں تاء قیاساً آتی ہے اسی لیے اس کے مونث کو اسودۃ کہا جاتا ہے۔ ☆ ...... **جواب**:۔ اسود میں دو حیثیتیں ہیں ایک اسمیں وصف اصلی کی حیثیت ہے اور دوسری اس کے اسمیت میں غلبہ استعمال کی حیثیت ہے۔ وصف اصلی کی حیثیت سے اس کی مونث سوداء آتی ہے اور اسی حیثیت کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے اور اسمیت میں غلبہ استعمال کی وجہ سے اس کی مونث اسودۃ آتی ہے۔ غلبہء استعمال چونکہ عارض ہے اصلی نہیں اس لئے اصلی کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔

و من ثم امتنع احمر و انصرف یعمل......**و من ثم** میں من سببیہ اور اجلیہ ہے اور معنی یہ ہے کہ اسی لئے اور اسی وجہ سے احمر غیر منصرف اور یعمل منصرف ہے کہ احمر کے آخر میں تا نہیں آسکتی اس لئے کہ اسکی مونث حمراء آتی ہے اور یعمل کے آخر میں تاء آسکتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے "**ناقۃ یعملۃ**۔ اسی طرح یغلب تغلب اور نرجس اگر کسی کے نام رکھ دیئے جائیں تو یہ غیر منصرف ہوں گے اس لئے کہ ایک سبب وزن فعل اور دوسرا سبب علمیت ان میں پائی جاتی ہے۔ یعمل میں ضروری نہیں کہ یا زائدۃ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ فعلل کے وزن پر ہو اور یا نفس کلمہ کی ہو اس لحاظ سے مثال دینے کا مقصد یہ رہگا کہ اگر بالفرض یعمل میں یاء کو زائدہ فرض بھی کرلیا جائے تب بھی یہ غیر منصرف نہیں اس لئے کہ آخر میں تاء آتی ہے۔

......"**و ما فيه علمیّة مو ثرة اذا نكر صُرِفَ لما تبين من انهالا تجامع مو ئثر ة الا ما هي شر ط فيه الا العَدْ ل وَوَزنَ الفعل و هما متضاد ان فلايكو نُ معها الّا احدُهُمَا فاذا نكر بقى بلاسبب او على سببٍ واحدٍ**"

......☆ اور وہ اسم جس میں منع صرف کا سبب بننے کے لیے علمیت کو موثر قرار دیا گیا ہے جب اس کو نکرہ کردیا جائے تو وہ منصرف ہوجاتا ہے اس لئے کہ پہلی بحث سے واضح ہوگیا کہ علمیت موثر ہوکر نہیں پائی جاتی مگر اسی میں جس میں اسکو شرط قرار دیا گیا ہے سوائے عدل اور وزن فعل کے اور وہ دونوں آپس میں متضاد ہیں پس علمیت کے ساتھ ان میں سے صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔ پس جب اس اسم کو نکرہ کیا جائیگا تو وہ یا تو بغیر سبب کے باقی رہ جائیگا یا ایک سبب پر رہ جائیگا۔.........☆

منصرف اور غیر منصرف سے متعلق ضروری مسائل: علامہ نے پہلے غیر منصرف کے اسباب بیان کئے ہیں ان سے فارغ ہوکر اب و مافیہ علمیۃ سے منصرف اور غیر منصرف سے متعلق بعض ضروری مسائل بیان کررہے ہیں۔

پہلا مسئلہ کہ منع صرف کے اسباب میں سے جن اسباب کے لئے علمیت کو شرط قرار دیا گیا ہے اور علمیت ان میں موثر ہے ان میں اگر علمیت کو نکرہ کردیا جائے تو ان میں علمیت غیر موثر ہوجاتی ہے اور وہ کلمہ منصرف ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ علمیت دوسرے اسباب کیساتھ یا تو پائی ہی نہیں جاسکتی جیسا کہ وصف۔ اس لئے کہ وصف اور علمیت اکٹھے نہیں پائے جاسکتے۔ اور جن اسباب

کے ساتھ علمیت پائی جاسکتی ہے ان میں سے چار اسباب ایسے ہیں جن کے منع صرف کا سبب بننے کے لئے علمیت شرط ہے وہ اسی وقت سبب بنتے ہیں جب علمیت ہو۔

﴿اور وہ چار اسباب تانیث لفظی و معنوی۔ عجمہ۔ ترکیب۔ اور الف نون زائدتان ہیں﴾ اور دو سبب ایسے ہیں جو اکیلے دو سببوں کے قائم مقام ہیں یعنی الف مقصورہ یا الف ممدودہ کیساتھ تانیث اور جمع منتہی الجموع۔ انکے ساتھ علمیت آتی ہے مگر موثر نہیں اس لئے کہ اس کے بغیر ہی کلمہ غیر منصرف ہوتا ہے ان میں علمیت کو ختم بھی کر دیا جائے تب بھی اسم غیر منصرف باقی رہتا ہے۔ اور دو سبب عدل اور وزن فعل ایسے ہیں جن میں علمیت موثر تو ہے مگر شرط نہیں اب قاعدہ بیان کیا کہ جن اسباب کے ساتھ علمیت شرط ہے اگر علمیت کو نکرہ کر دیا جائے تو وہ کلمہ منصرف ہو جاتا ہے اس لئے کہ نکرہ بنانے کی وجہ سے علمیت ختم ہوگئی اور جب علمیت ختم ہوگئی تو دوسرا سبب بھی منع صرف کا سبب نہ رہا اس لئے کہ اسکے سبب بننے کے لئے علمیت شرط تھی جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔ اور جن اسباب کے ساتھ علمیت شرط نہیں مگر موثر ہے تو جب ان میں علمیت کو نکرہ کیا گیا تو علمیت ختم ہوگئی اور وہ کلمہ صرف ایک سبب کے ساتھ باقی رہ گیا اور ایک سبب کی وجہ سے اسم غیر منصرف نہیں ہوتا۔

علمیت کو نکرہ بنانے کی صورتیں ...... علمیت کو نکرہ کرنے کی چار صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ **عَلَم** کے بعد آخَرُ کے ساتھ اسکی وصف لائی جائے جیسے **جاء نی طلحۃٌ آخرُ. آخر** صفت ہے **طلحۃُ** کی اور آخر نکرہ ہے اور یہ صرف نکرہ ہی کی صفت بن سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس جملہ میں طلحۃ نکرہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ **عَلَم** سے مراد وصف مشہور لی جائے جیسے **لکل فرعونٍ موسی**۔ فرعون عجمی لفظ ہے اور **عَلَم** ہے مگر یہاں سے **عَلَم** مراد نہیں بلکہ وصف مشہور ہے یعنی متکبر اور خدائی کا دعویدار۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ ہر متکبر اور خدائی کے دعویدار کے لئے موسیٰ یعنی اس کی اصلاح کرنے والا ہوتا ہے۔

تیسری صورت علمیت کو نکرہ بنانے کی یہ ہے کہ **عَلَم** کے آخر میں یاءِ نسبت لگا دی جائے جیسے **عُمَرِیٌّ اَحْمَدِیٌّ** وغیرہ

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ **عَلَم** کو تثنیہ جمع بنا دیا جائے جیسے **حمدان احمدون۔ وغیرہ.**

الا العدل و وزن الفعل میں **الا ماھی شرط فیہ** کی استثناء سے استثناء ہے اور معنی یہ ہے کہ پہلی بحث سے معلوم ہوگیا کہ علمیت صرف ان اسباب کے ساتھ موثر ہو کر جمع ہوتی ہے جن میں علمیت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ سوائے عدل اور وزن فعل

کے کہ ان میں شرط قرار دیئے جانے کے بغیر بھی علمیت موثر ہے۔

☆......وهما متضادان......☆

عدل اور وزن فعل دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں اس لئے کہ عدل کے جو اوزان متعین ہیں ان میں کوئی وزن بھی فعل کے اوزان میں سے نہیں ہے جب ان میں سے ہر ایک کے اوزان الگ الگ ہیں تو یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ جب یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے تو علمیت بھی ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی آسکتی ہے، نہ یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے ان دونوں کے ساتھ علمیت آسکتی ہے اسی لئے فرمایا ''فلایکو ن معها الااحد هما '' کہ علمیت کے ساتھ عدل اور وزن فعل میں سے صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔

......''وخالف سيبويه الاخفشَ في مثل احمر علماً اذانكر اعتبار اللصّفة الاصلية بعد التنكير وَلَايلزمه باب حاتم لما يلزم من اعتبار المتضادين في حكمٍ واحدٍ وجميعُ الباب باللام او بالاضافة ينجرّ بالكسر''...... اور سیبویہ نے اخفش کی احمر جیسے صیغوں میں مخالفت کی ہے جبکہ وہ علم ہوں اور پھر ان کو نکرہ بنا دیا جائے تو تنکیر کے بعد ان میں صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے وہ غیر منصرف باقی رہیں گے۔ اور باب حاتم میں یہ (یعنی صفت اصلیہ کا اعتبار) لازم نہیں آتا اس لئے کہ اس صورت میں ایک ہی حکم میں اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور غیر منصرف کا سارا باب الف لام کی وجہ سے یا اضافت کی وجہ سے کسرہ کھینچ لاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ:۔ علامہ نے اس سے پہلے مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایسا غیر منصرف جسمیں علمیت شرط قرار دی گئی ہے اگر اسکو نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے اب دوسرا مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں نحویوں کا اختلاف ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ احمر جیسے صیغے یعنی وہ اسم جس میں وصف اصلی نمایاں ہو اور اس میں اسمیت کے استعمال کا غلبہ بھی نہ ہو اگر وہ اسم کسی کا نام رکھ دیا جائے اور نام رکھنے کے بعد پھر اس کو نکرہ کیا جائے تو وہ اسم منصرف ہوگا یا غیر منصرف ہوگا۔

امام سیبویہ کہتے ہیں کہ ایسے اسم سے جب علمیت ختم کر کے اس کو نکرہ کیا جائے گا تو اس کی وصف اصلی واپس آ جائیگی اس لئے کہ اس وصف اصلی کو دور کرنے والی علمیت تھی جب علمیت نہ رہی تو وصف اصلی واپس آ گئی اور وہ کلمہ وصف اصلی اور وزن فعل کی وجہ سے بدستور غیر منصرف ہی رہے گا۔ اسکے برخلاف **امام اخفش** نے کہا اور یہی نظریہ جمہور نحویوں کا ہے کہ ایسا اسم منصرف ہو جاتا ہے اور علمیت کی وجہ سے اس اسم کی وصف اصلی جو ختم کی گئی تھی وہ علمیت ختم کرنے کے بعد واپس نہیں لوٹتی اس لئے کہ جب اس وصف اصلی کو واپس لوٹانے کا موجب ہو تو واپس لوٹتی ہے ورنہ نہیں۔ علامہ نے بھی اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ جب علامہ نے **علی الا طلاق** کہا ہے کہ جس اسم میں علمیت ہو اگر اس اسم کو نکرہ کر دیا جائے تو وہ منصرف ہو جاتا ہے تو اس سے علامہ کا نظریہ واضح ہو جاتا ہے۔

''وصف اصلی کو واپس لوٹانے کا موجب کیا ہے''۔ اگر اسم تفضیل کا صیغہ ہو جیسے افضل۔ اس میں وصف اصلی ہے اگر یہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو وصفیت ختم ہو گئی اس لئے کہ علمیت اور وصفیت دونوں اکٹھے نہیں پائے جا سکتے۔ اگر اس اسم سے پھر علمیت ختم کر دی گئی اور اسم تفضیل کے صیغہ کا استعمال من کے ساتھ کیا جائے تو اس افضل میں بھی وصف اصلی واپس لوٹ آتی ہے۔ اس لئے کہ یہ مِن اس وصف اصلی کو واپس لوٹانے کو موجب ہے **وخالف سیبویہ الاخفش**۔ ایک اخفش سیبویہ کے استاد ہیں جن کی کنیت ابوالخطاب ہے اور ایک ان کے ہم عصر ہیں جنکا نام **''علی بن سلیمان''** ہے اور ایک اخفش مشہور امام ہیں اور یہ امام سیبویہ کے شاگرد ہیں ان کی کنیت ابوالحسن ہے۔ اور یہاں اخفش سے مراد یہی ابوالحسن ہیں جو امام سیبویہ کے شاگرد ہیں۔

وخالف سیبویہ الاخفش کی ترکیب:۔ ملا جامیؒ فرماتے ہیں کہ سیبویہ خالف کا فاعل اور الاخفش اس کا مفعول بہ ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ سیبویہ نے اخفش کی مخالفت کی ہے اور مولانا نامیؒ فرماتے ہیں کہ خالف کا فاعل الاخفش موخر ہے اور اس کا مفعول بہ سیبویہ مقدم ہے اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ سیبویہ کی مخالفت کی ہے اخفش نے۔

اعتراض:۔ملا جامی کی ترکیب پر اعتراض ہوتا ہے کہ سیبویہ استاد ہیں اور اخفش شاگرد ہے تو مخالفت کی نسبت استاد کی طرف کرنا بے ادبی ہے۔ ☆...... **جواب**:۔ چونکہ اخفش کی تائید جمہور نحویوں نے کی ہے اس لئے اسکا موقف مضبوط ہے اور اسی کالحاظ رکھ کر مخالفت کی نسبت امام سیبویہ کی طرف کر دی گئی ہے۔

ولا یلزمه باب حاتم:۔ واؤ استینافیہ ہے اور اس کے بعد جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کے جواب میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب امام سیبویہ کے نزدیک احمر جیسے صیغوں میں علمیت ختم کرنے کے بعد وصف اصلی لوٹ آتی ہے تو پھر اسکے نزدیک حاتم جیسے صیغوں میں بھی علمیت ختم کرنے کے بعد وصف اصلی لوٹ آنی چاہیئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تو امام سیبویہ کی جانب سے علامہ جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ احمر جیسے صیغوں کی وجہ سے حاتم جیسے صیغوں کے بارہ میں سیبویہ پر الزام نہیں آتا اس لئے کہ اگر حاتم جیسے صیغوں میں سے علمیت ختم کرنے کے بعد ان میں وصف اصلی کے لوٹنے کا قول کیا جائے تو دو متضاد چیزوں کا اعتبار لازم آتا ہے اور یہ ممنوع ہے جبکہ احمر جیسے صیغوں میں ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ان صیغوں میں ایک سبب وزن فعل ہے اور دوسرا سبب یا وصف ہے یا علمیت ہے اور حاتم میں یکے بعد دیگرے وصف اور علمیت پائی جاتی ہے اور کوئی دوسرا سبب نہیں پایا جاتا اور اگر اس کو غیر منصرف مانیں تو وصف زائل اور علمیت دونوں کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف کے دو سبب اس میں ہو سکتے ہیں۔ اور وصف اور علمیت دونوں کا ایک ہی وقت میں ایک ہی لفظ میں اعتبار کرنا متضادین کا اعتبار ہے۔ اس لئے کہ وصف عموم کو اور علمیت خصوص کو چاہتی ہے اور بیک وقت دو متضاد چیزوں کا اعتبار درست نہیں ہے۔

اعتراض:۔ اجتماع متضادین تو ممنوع ہے مگر اعتبار متضادین تو ممنوع نہیں ہے۔ اور یہاں اجتماع ضدین اس لئے نہیں کہ وصف زائلہ ہے وصف متحققہ نہیں اور علمیت کے ساتھ اگر وصف متحققہ ہوتی تو اجتماع ضدین ہوتا۔ جب وصف متحققہ نہیں بلکہ وصف زائلہ ہے تو اجتماع ضدین نہ ہوا۔ ...... **جواب**:۔ اگرچہ اس صورت میں حقیقتاً اجتماع ضدین نہیں ہے بلکہ اعتبار متضادین ہے مگر اجتماع ضدین کے مشابہ ہے اس لئے کہ دو متضاد چیزوں میں سے ایک کے زائل ہونے کے بعد اس کی ضد کے ساتھ اس کا اعتبار کرنا اجتماع ضدین کے مشابہ ہے اور یہ مستحسن نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ:۔ وجمیع الباب سے علامہ تیسرا مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ غیر منصرف کی کوئی صورت بھی ہو اسکے شروع میں الف لام لانے سے وہ کلمہ منصرف بن جاتا ہے اور اس کے آخر میں کسرۃ آتا ہے۔ تنوین تو الف لام کی وجہ سے آ ہی نہیں

سکتی اس لئے تنوین نہیں آتی۔جیسے مررُت بالعمر .مررُت بالاسود .مررت بالزینب . مررت بالابراھیم . مر ر ت ُبالمساجد .مررت بالبعلبکِ . مررت ُبالعمرا نِ . مررت ُبالاحمدِ اسی طرح اگر غیر منصرف کوکسی دوسرے کلمہ کی طرف مضاف کریں تو وہ کلمہ بھی منصرف بن جاتا ہے اور اس کے آخر میں کسرہ آسکتا ہے۔اضافت کی وجہ سے تو تنوین آہی نہیں سکتی اس لئے تنوین کا ذکرنہیں کیا۔جیسے مر ر ث بعمر کُم . مررت ُباحمرِ القوم . مررتُ بطلحتکم ۔وغیرہ۔ غیر منصرف کی فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اسکے آخر میں کسرہ اور تنوین نہیں آتے تھے جب غیر منصرف پر الف لام لائے یا اضافت کی تو اس کی فعل کے ساتھ مشابہت نہ رہی اس لئے کہ الف لام کا داخل ہونا اور اضافت تو اسم کے خواص میں سے ہے جب اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت نہ رہی تو اس کے آخر میں کسرہ آسکتا ہے۔

......**اعتراض**:۔علامہ نے ینجرّ با لکسر کیوں کہا ہے صرف ینجر یا صرف بالکسر کیوں نہیں کہہ دیا۔

☆ ......**جواب**:۔علامہ نے ینجرّ بالکسر کہا ہے تو اس سے مقصد یہ ہے کہ کسرہ کے ساتھ جر آتی ہے اگر صرف ینجرّ کہتے تو مقصد حاصل نہ ہوتا اس لئے کہ (معنی یہ ہوجاتا کہ اس کے آخر میں جر آتی ہے اور) جر تو فتحہ کے ساتھ بھی آتی ہے اور اگر صرف الکسر کہتے تو مفہوم ہی بدل جاتا اس لئے کہ معنی یہ بن جاتا کہ غیر منصرف پر الف لام داخل کرنے کے صورت میں اس کے آخر میں کسرہ آتا ہے۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے کلمہ کی تینوں حالتوں میں کسرہ آتا ہے گویا کہ وہ کلمہ مبنی بر کسرہ ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مفہوم بالکل ہی غلط ہے اس لئے علامہ نے ینجرّ بالکسر کہا ہے تا کہ مفہوم بالکل واضح ہوجائے۔

☆......" **المر فو عاتُ** " ......☆" **<u>ھو ما اشتمل علی علم الفا علیّة فمنه الفا عل و ھو ما اسند الیه الفعل او شبهه و قدم علیه جهة قیامه به مثلُ قام زیدٌ و زید قائم ابو ہ</u>** " ...... یہ بحث مرفوعات کے بیان میں ہے۔یعنی مرفوع وہ ہوتا ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو پس اسمیں سے فاعل ہے اور وہ ایسا اسم ہوتا ہے کہ جس کی جانب فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہو۔ اور وہ فعل یا شبہ فعل کو اس اسم سے پہلے اس انداز سے لایا گیا ہو کہ اس فعل یا شبہ فعل کا قیام اس اسم کے ساتھ ہو جیسے قام زید. او رزید قائم ابوہ .

المرفوعات پر الف لام عہد خارجی ہے اور مراد وہ مرفوعات ہیں جن کا نحویوں کی اصطلاح میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ پھر یہ الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اس کا مضاف باب یا بحث محذوف ہے اصل میں ہے باب مرفوعات یا بحث مرفوعات۔ پھر المرفوعات مبتدا ہے خبر محذوف ھذہ کی اور معنی یہ ہے کہ مرفوعات کا باب یا مرفوعات کی بحث یہ ہے ۔ یا المرفوعات خبر ہے مبتدا محذوف ھذا کی اور اصل میں ہے ھذا باب المرفوعات یا ھذا بحث المرفوعات ۔ پھر المرفوعات کو جب مضاف کی جگہ رکھا تو اس کی مناسبت سے ھذا کو ھذہ سے بدل دیا اور عبارت یوں ہوگئی ھذہ المرفوعات یہ مرفوعات ہیں ۔ پہلے اسم معرب کی منصرف اور غیر منصرف ہونے کے لحاظ سے بحث کی اور اسم معرب کبھی مرفوع کبھی منصوب اور کبھی مجرور ہوتا ہے تو کن حالتوں میں مرفوع ہوتا ہے کن حالتوں میں منصوب ہوتا ہے اور کن حالتوں میں مجرور ہوتا ہے اس کی تفصیل بتاتے ہوئے علامہ نے پہلے مرفوع کی بحث شروع کی اس لئے کہ اسم مرفوع مسند الیہ بھی واقع ہوتا ہے اور مسند بھی واقع ہوتا ہے۔ اور کلام کا عمدہ جز مسند الیہ ہے اس لیے پہلے اسم مرفوع کی بحث کی ہے جبکہ منصوبات تو زائد ہوتے ہیں۔ مرفوعات مرفوعۃ کی نہیں بلکہ مرفوع کی جمع ہے۔ اس لئے کہ المرفوعات صفت ہے الاسماء کی جو اسم کی جمع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع کی صفت جمع لائی جائے تو موصوف کا ہر فرد صفت کے ہر فرد سے متصف ہوتا ہے تو اس لحاظ سے اسماء کا فرد اسم مرفوعات کے فرد مرفوع سے متصف ہوگا اور صفت موصوف میں مطابقت ہوتی ہے اس لئے کہ مرفوعات میں جو مرفوع ہے وہ اسم کی صفت ہے اگر مرفوعات کو مرفوعۃ کی جمع بنائیں تو صفت اور موصوف میں تذکیر اور تانیث کے لحاظ سے مطابقت نہیں ثابت ہوتی۔ اس لئے کہ اسم مذکر ہے اور مرفوعۃ موءنث ہے۔ حالانکہ یہ مطابقت ضروری ہے۔ رہا یہ اشکال یہ مرفوع مذکر ہے تو اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ کیسے آگئی تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ مذکر لا یعقل کی صفت کی جمع الف تاء کے ساتھ آتی ہے جیسے خالی کی جمع خالیات اور صافن کی جمع صافنات آتی ہے اور اسم بھی مذکر لا یعقل ہے اس لیے اس کی صفت مرفوع کی جمع مرفوعات آئی ہے۔

ھو ما اشتمل میں ھو ضمیر کا مرجع مرفوعات کے ضمن میں جو مرفوع پایا جاتا ہے وہ ہے اسلئے کہ جمع کے ضمن میں مفرد پایا جاتا ہے۔ جیسے اعدلو ا ھو اقرب للتقوی میں ھو ضمیر کا مرجع اعدلوا کے ضمن میں جو عدل ہے ھو ما اشتمل

میں وہ ھو ضمیر کا مرجع المرفوعات نہیں کہ اعتراض ہو کہ ھو ضمیر مذکر اور مفرد ہے اور مرفوعات جمع اور مونث ہے۔ اس لحاظ سے ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔ ما اشتمل میں ما سے مراد اسم معرب ہے اس لیئے کہ اعراب اسم معرب پر ہی جاری ہوتا ہے اور بحث بھی اسم معرب کی ہو رہی ہے۔

"علی علم الفاعلیة"۔ مولانا جامی فرماتے ہیں فاعلیة کے آخر میں یاء اور تاء دونوں مصدریہ ہیں اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ وہ فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو اور مولانا نامی فرماتے ہیں کہ فاعلیة کے آخر میں یاء نسبت کی ہے اور تاء تانیث ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ وہ اسم فاعل کی جانب منسوب ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ فاعل کی تین علامتیں ہیں۔ (۱) کہ اسم کے آخر میں ضمہ ہو جیسے ضرب زیدٌ (۲) اگر تثنیہ یا ملحقات تثنیہ میں سے ہے تو اس کے آخر میں الف ہو جیسے درھمان (۳) اگر اسم جمع مذکر سالم ہے تو اس کے آخر میں واؤ ہو جیسے مسلمون۔ یہ ضمہ الف یا واؤ لفظاً مذکور ہوں یا مقدراً ہوں یہ فاعل کی علامات ہیں۔

مرفوعات میں سے پہلا اسم:۔

فمنه الفاعل۔ ان مرفوعات میں سے فاعل ہے۔ فاعل کو دیگر مرفوعات پر اس لئے مقدم کیا کہ جمہور کے نزدیک مرفوعات میں اصل فاعل ہی ہے۔ اس لئے کہ کلام میں اصل جملہ فعلیہ ہے اور فاعل اس کا جز ہے اس لئے یہ اصل ہے اور اس لئے بھی کہ فاعل میں عامل لفظی ہوتا ہے اور عامل لفظی ہونے کی وجہ سے فاعل مرفوعات میں اصل ہے بعض نحویوں کا جن میں الفیه ابن مالک کا مصنف بھی ہے ان کا نظریہ ہے کہ مرفوعات میں اصل مبتدا ہے اسی لئے الفیه ابن مالک میں مبتدا کی بحث کو مقدم کیا ہے اور مبتدا کی تقدیم کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں۔ کہ مسند الیہ میں اصل تقدیم ہے اور مبتداء کی صورت میں اپنے اصل پر باقی رہتے ہوئے مقدم ہی ہوتا ہے اس لئے مبتدا اصل ہے مگر جمہور کی جانب سے جواب دیا گیا ہے کہ مسند الیہ میں اصل تقدیم ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو جب کوئی مانع ہو تو تقدیم ضروری نہیں ہے۔ اور فاعل کی صورت میں مانع موجود ہے کہ اگر فاعل کو فعل پر مقدم کریں تو اس کا مبتدا کے ساتھ التباس آتا ہے۔ اس لئے اس کو مقدم نہیں کیا جاتا۔

" **فمنه الفاعل** میں منہ خبر مقدم اور الفاعل مبتدا موخر ہے اور خبر کو قرب مرجع کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

فاعل کی تعریف:۔علامہ نے **وھو مااسند الیه الفعل** سے فاعل کی تعریف کی ہے کہ فاعل وہ اسم ہوتا ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی جائے بشرطیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس سے مقدم ہو اور اس فعل یا شبہ فعل کا تعلق اس اسم کے ساتھ قیام کے لحاظ سے ہو یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو۔اس پر واقع نہ ہو۔جیسے **قام زید**" کہ قیام کا فعل زید کیساتھ قائم ہے۔اور شبہ فعل کی مثال جیسے **زید قائم ابو ہٗ**۔
شبہ فعل اسم ظرف اسم فاعل۔اسم مفعول۔صفت مشبہ،مصدر اور اسم فعل کو کہتے ہیں۔اس لئے کہ ان میں اسناد شبہی پائی جاتی ہے اور اسناد اصلی جملہ فعلیہ میں پائی جاتی ہے۔

و قدم علیه ۔اس تقدیم سے تقدیم وجوبی مراد ہے۔تاکہ کریم من یکرمک جیسے مثالوں کی وجہ سے اعتراض وارد نہ ہو کہ کریم اسم مرفوع ہے اور **من یکرمک** فعل پر مقدم ہے اس کے باوجود وہ فاعل نہیں بلکہ خبر مقدم ہے اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوسکتا کہ فاعل کی تعریف میں تقدیم سے تقدیم وجوبی نوعی مراد ہے کہ فاعل کی نوع پر فعل یا شبہ فعل کا مقدم کرنا واجب ہے جبکہ خبر کا مبتدا پر مقدم ہونا علی سبیل الجواز ہے اور جن صورتوں میں خبر کا مبتدا مقدم کرنا واجب ہے وہ تقدیم نوعی نہیں بلکہ نوع کے افراد میں سے بعض افراد کی تقدیم مراد ہے۔"**علی جهة قیامه به** ۔۔اسم کے ساتھ فعل کے قیام کا مطلب یہ ہے کہ صیغہ معلوم کا ہو خواہ وہ فعل فاعل سے صادر ہو جیسے **ضَرَبَ زید**" کہ ضرب کا صدور زید سے ہے یا وہ فعل اسم کے ساتھ قائم ہو جیسے **مَرِضَ زیدٌ** کہ مرض کا صدور زید سے نہیں مگر مرض کا قائم ہونا زید کے ساتھ ہے۔

......**اعتراض**:۔صاحب مفصل علامہ زمخشری نے فاعل کی تعریف میں **علی جهة قیامه به** کی قید نہیں لگائی تو علامہ نے یہ قید کیوں لگائی ہے۔ ...... **جواب**:۔اس بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ **مفعول مالم یسم فاعله** فاعل میں شامل ہے یا نہیں۔صاحب مفصل کے نزدیک **مفعول مالم یسم فاعله** فاعل میں شامل ہے اس لئے اس نے **علی جهة قیامه به** کی قید نہیں لگائی جبکہ علامہ کے نزدیک **مفعول مالم یسم فاعله** فاعل میں شامل نہیں اس لئے اس

نے فاعل کی تعریف میں **علی جهة قیامه به** کی قید لگائی تا کہ اس سے **مفعول مالم یسم فاعله** کو خارج کیا جا سکے ۔

☆...... **اعتراض**:۔ فاعل کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ فاعل وہ اسم ہوتا ہے جس کے ساتھ فعل کا قیام ہو حالانکہ ''اَعْجَبَنی اَنْ تا تینی میں اَنْ تَاْتِیَ فعل ہے اور اعجب کا فاعل ہے۔

جواب:۔ اسم سے مراد عام ہے خواہ اسم حقیقی ہو یا تاویلی ہو اور یہاں اَنْ تَاْتِیَ فعل کی حیثیت سے نہیں بلکہ اَنْ کی وجہ سے بتاویل مصدر اسم ہو کر اعجب کا فاعل واقع ہو رہا ہے۔ اور یہ اسم تاویلی ہے۔

☆......''**والاصل ان یلی الفعل فلذالک جاز ضربَ غلامه زیدٌ وامتنع ضرب غلامه زیداً**''......☆ اور اصل یہ ہے کہ فاعل فعل کے قریب ہوتا ہے پس اسی لئے ضرب غلامه زیدٌ کہنا جائز ہے اور ضربَ غلامه زیداً کہنا جائز نہیں ہے۔......☆

☆......فاعل کے احکام......☆

والاصل سے علامہ فاعل کے احکام بیان کرتے ہوئے پہلا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ فاعل کا فعل کے ساتھ اور قریب ہونا مناسب ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ اس لئے کہ فاعل اپنے فعل کا لفظاً اور معناً ہر لحاظ سے جز ہوتا ہے لفظاً جز اس طرح کہ جب فعل کے ساتھ ضمیر کو فاعل کی حیثیت سے لاحق کریں تو وہ ایک ہی کلمہ شمار کیا جاتا ہے جیسے ضَرَبْتَ. ضربتِ. ضربتُ۔ وغیرہ اور معناً اسطرح جز ہے کہ فعل اپنے فاعل کے بغیر تام ہی نہیں ہوتا۔ جب فاعل لفظاً اور معناً فعل کا جز ہے تو فعل کے ساتھ ہی اس کا پایا جانا مناسب ہے۔

جب یہ بتایا کہ فاعل کا فعل کے ساتھ پایا جانا مناسب ہے تو فاعل کا مقام متعین کر دیا کہ اس کا اصل مقام فعل کے بعد متصل ہے اسی لئے فرمایا کہ ضرب غلامه زیدٌ کہنا جائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں غلامہ میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً پایا جا رہا ہے۔ تو گویا مرجع زیدٌ ضمیر سے پہلے تقدیراً موجود ہے۔ اور ضرب غلامه زیداً کہنا جائز نہیں اس لئے کہ زیداً مفعول بہ ہے اور اور اس کا مقام فاعل کے بعد ہے اس لئے کہ فاعل کلام میں اعلیٰ رکن ہوتا ہے جبکہ مفعول تو فضلہ یعنی زائد ہوتا ہے۔ اس

لحاظ سے ضرب غلامه زیدا میں زیداً غلامہ کی ضمیر سے لفظاً اور رتبۃً ہر لحاظ سے موخر ہے اس لئے اس صورت میں اضمار قبل الذکر لفظاً و معناً پایا جارہا ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔

علامہ نے دو مثالیں ذکر کر کے دو قاعدے بتائے ہیں

ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب مفعول بہ فاعل سے مقدم ہو اور مفعول بہ کے ساتھ ضمیر ہو جو فاعل کی طرف راجع ہو تو یہ جائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں صرف لفظاً اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور اس کی گنجائش ہے۔

اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب مفعول بہ موخر ہو اور فاعل مقدم کے ساتھ ضمیر ہو جو مفعول بہ کی طرف راجع ہو تو یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں لفظاً معناً دونوں طرح اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

......**اعتراض**:۔ علامہ نے کہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ فاعل فعل کے ساتھ ہو تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ پھر ما اکل خبز ا الا زیدٌ میں اور جاء الرجل میں فاعل فعل کے ساتھ کیوں نہیں۔ پہلی مثال میں مفعول بہ اور الا فاعل سے مقدم ہیں اور دوسری مثال میں فعل اور فاعل کے درمیان الف لام کا فاصلہ ہے۔

☆ ......**جواب**:۔ علامہ نے آگے ایک مستقل قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ اگر فاعل الا کے بعد واقع ہو تو مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ قاعدہ مستقل موجود ہے تو یہ صورت اس سے خارج ہوگی کہ فاعل کو فعل کے ساتھ ذکر کرنا مناسب ہے ۔اور پھر فاعل کو فعل کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے دیگر معمولات کی بہ نسبت فاعل کو فعل کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اور فاعل پر جب الف لام آئے تو وہ فعل کے معمولات میں سے نہیں ہے بلکہ وہ تو فاعل کا ہی حصہ بنتا ہے اس لئے کہ الف لام کے بغیر فاعل نکرہ تھا اور الف لام کے ساتھ وہ معرفہ بن گیا۔ جب الف لام فاعل ہی کا حصہ بنتا ہے تو فاعل پر اس کے آنے کی وجہ سے اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

نحویوں کا اختلاف:۔ علامہ نے فرمایا کہ ضَرَبَ غلامه زید کہنا جائز ہے جبکہ ضرب غُلامه زیدا کہنا جائز نہیں ہے۔ اور یہی نظریہ جمہور نحویوں کا ہے اسکے برخلاف امام اخفش اور ابن جنی کا نظریہ یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔

امام اخفش اور ابن جنی کی پہلی دلیل......

شاعر کا قول ہے...... ''جزی ربه عنی عدی ابن حاتم جزاء الکلاب العاویات وقد فعل''

اس کا رب میری طرف سے عدی بن حاتم کو بدلہ دے۔ بھونکنے والے کتوں جیسا بدلہ اور بے شک اس نے کر دیا۔

اس شعر میں ربه فاعل ہے جزی کا اور فاعل کے ساتھ ضمیر ہے جو مفعول کی طرف راجع ہے تو شاعر کے اس قول سے معلوم ہوا کہ اگر ضمیر فاعل کے ساتھ ہو جو مفعول بہ کی طرف لوٹتی ہو تو ایسی صورت بھی جائز ہے۔

☆ ...... **جواب**:۔ جمہور کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ اس شعر میں وزن شعری کے لئے ایسا کیا گیا ہے اس لئے اس کو قاعدہ اور قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

دوسری دلیل:۔ امام اخفش اور ابن جنی نے ایک دلیل یہ دی ہے کہ جس طرح جملہ میں فاعل کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مفعول بہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اگر مفعول مقدم کے ساتھ ضمیر فاعل موخر کی جانب لوٹ سکتی ہے تو فاعل مقدم کے ساتھ ضمیر جو مفعول کی طرف راجع ہو وہ بھی درست ہے۔

...... **جواب**:۔ جمہور کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ فاعل جملہ میں رکن اعلی ہے اس کو اس وقت تک حذف نہیں کیا جا سکتا جب تک اس کے قائم مقام کسی کو نہ کر دیا جائے۔ بخلاف مفعول به کے کہ اس کو حذف کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ فضلہ یعنی زائد ہوتا ہے جب فاعل مفعول بہ کی بہ نسبت اعلی رکن ہے تو مفعول بہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے دونوں صورتوں میں فرق ہوگا۔ ...... ''**واذا انتفی الاعرابُ فیهما لفظاً والقرینةُ او کان مضمراً متصلاً او وَقَعَ مَفعُولُهٗ بَعدَ الاّ او مَعناهَا وَجَبَ تقدیمُه**

''...... اور جب ان دونوں یعنی فاعل اور مفعول میں اعراب لفظاً منتفی ہو اور قرینہ بھی نہ ہو (جو فاعل اور مفعول کے فرق کو واضح کرتا ہو) یا وہ فاعل ضمیر متصل ہو یا اس فاعل کا مفعول الاّ کے بعد یا الاّ کے ہم معنی لفظ کے بعد واقع ہو تو ان صورتوں میں فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

کن مقامات میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے......☆

علامہ نے و اذا انتفی سے **ان چار مقامات** کا ذکر کیا ہے جن مین فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

پہلا مقام:۔ جب فاعل اور مفعول دونوں پر لفظی اعراب نہ ہو (اس لئے کہ دونوں پر اعراب ہونے کی صورت میں مرفوع کا فاعل اور منصوب کا مفعول بہ ہونا متعین ہو جاتا ہے۔) اور فاعل کی تعیین کا کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

اعراب لفظی نہ ہونے کی چار صورتیں ہیں

پہلی صورت کہ دونوں کا اعراب محلی ہو یعنی دونوں مبنی ہوں جیسے ضر بَ هذا هو لاء .

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کا اعراب تقدیری ہو جیسے ضرب موسی عیسی ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ پہلے کا اعراب محلی اور دوسرے کا تقدیری ہو جیسے ضرب هذا مو سی ۔

اور چوتھی صورت یہ ہے کہ پہلے کا اعراب تقدیری اور دوسرے کا اعراب محلی ہو جیسے ضر ب مو سی هذا ۔

اور فاعل کی تعیین کا قرینہ نہ ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر لفظی یا معنوی ایسا قرینہ موجود ہو جو فاعل کی تعیین کرتا ہو تو ایسی صورت میں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب نہیں بلکہ مفعول کو بھی مقدم لایا جا سکتا ہے۔ لفظی قرینہ کی مثال جیسے ضَـرَ بَـتْ مـو سی حُبلی '. موسی اور حبلی دونوں کے آخر میں اعراب تقدیری ہے مگر لفظی قرینہ ضَرَبتْ فاعل حبلی کی تعیین کے لئے موجود ہے اس لئے کہ ضربت فعل مونث ہے۔ اس کا فاعل مونث ہی ہوسکتا ہے اور مو سی اور حُبلی میں سے حبلی مونث ہے۔ اس لئے یہ ضربت کا فاعل متعین ہوگیا۔ اور معنوی قرینہ کی مثال جیسے اَکل الکمثر ی یحیٰ۔ الکمثر ی اور یحیٰ دونوں کے آخر میں اعراب تقدیری ہے مگر فاعل کی تعیین پر معنوی قرینہ موجود ہے اس لئے کہ الـکـمـثـر ی کا معنی ہے ناشپاتی ۔ تو یحیٰ ناشپاتی کو کھا سکتا ہے مگر ناشپاتی یحیٰ کو نہیں کھا سکتی اس لئے اکل کے فاعل کی تعیین پر معنوی قرینہ موجود ہے اس لئے مفعول کو بھی فاعل پر مقدم کرنا جائز ہے۔ علامہ نے اسی لئے فرمایا کہ اگر فاعل اور مفعول دونوں پر لفظی اعراب موجود نہ ہو

اور فاعل کی تعیین کا قرینہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے تا کہ فاعل کا مفعول کے ساتھ التباس نہ ہو۔ اور جب قرینہ موجود ہو تو پھر التباس کا خوف نہیں ہوتا۔

دوسرا مقام:۔ علامہ نے فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہونے کا دوسرا مقام بیان کیا کہ جب فاعل ضمیر متصل ہو تو اس مقام مین بھی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے خواہ ضمیر متصل بارز ہو جیسے **ضربت زیدا** ۔یا ضمیر مستتر ہو جیسے **زید ضرب غلامه** اس میں ضرب کے اندر ضمیر مستتر فاعل ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اس مقام میں وجوب کی وجہ یہ ہے کہ اگر فاعل کو مقدم نہ کریں تو ضمیر متصل نہ رہے گی بلکہ اس کو منفصل کر کے ہی موخر کیا جائیگا اور ضمیر متصل کو ایسی حالت میں منفصل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے فاعل کو مقدم ہی کریں گے۔

تیسرا مقام: فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہونے کا تیسرا مقام یہ ہے کہ مفعول الا کے بعد واقع ہو جیسے **ماضرب زیدٌ الا عمرواً** نہیں مارا زید نے مگر عمرو کو اس صورت میں مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ زید نے صرف عمرو کو مارا ہے کسی اور کو نہیں مارا تو زید کا مارنا عمرو میں منحصر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اگر فاعل کو موخر کر دیں تو یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اس لئے کہ **ما ضرب عمرواً الا زیدٌ** کا معنی ہے کہ عمرو کو صرف زید نے مارا ہے کسی اور نے نہیں۔ اس صورت میں عمرو کا زید سے مضروب ہونا منحصر ثابت ہوتا ہے کہ عمرو کو کسی اور نے نہیں مارا باقی رہا یہ کہ زید نے کسی اور کو مارا ہے کہ نہیں وہ اس سے ثابت نہیں ہوتا جبکہ مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ زید نے عمرو کے علاوہ کسی اور کو نہیں مارا۔

......**اعتراض**:۔ **ماضرب الا عمرواً زیدٌ** میں مفعول بہ الا کے بعد واقع ہے اس کے باوجود فاعل کو اس پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ ☆ ...... **جواب**:۔ فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا اس وقت واجب ہے جب الا فاعل اور مفعول کو درمیان واقع ہو اس لئے کہ اس حالت میں فاعلیت اور مفعولیت کے اثر کے انحصار میں الٹ لازم آتا ہے۔ اور جب مفعول الاسمیت مقدم ہو تو اسوقت فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ مقصودی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔اس لئے کہ الا جس پر داخل ہوتا ہے اس میں انحصار ہوتا ہے تو جب الا مفعول ہی کے ساتھ ہے تو انحصار میں الٹ نہیں ہوتا اس لئے یہ جائز ہے۔

چوتھا مقام :۔ فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہونے کا چوتھا مقام یہ ہے کہ مفعول الا کے ہم معنی حرف کے بعد واقع ہو اور نحویوں کے نزدیک الا کا ہم معنی صرف انما ہے جو کہ حصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے انما ضرب زیدٌ عمر واً ۔ اِنَّما حصر کا فائدہ دیتا ہے اس میں محصور علیہ موخر اور محصور مقدم ہوتا ہے اور محصور علیہ ایسے ہوتا ہے گویا کہ الا کے بعد واقع ہے۔ اس مثال میں مقصد یہ تھا کہ واضح کیا جائے کہ زید کی ضرب صرف عمرو میں ہے اور اگر فاعل کو موخر اور مفعول کو مقدم کریں اور یوں کہیں انما ضرب عمرواً زید تو اس کا معنی ہوگا کہ عمرو کو صرف زید نے مارا ہے۔ کہ عمرو کو کسی اور سے مار نہیں پڑی باقی رہا یہ کہ زید نے کسی اور کو مارا ہے یا نہیں یہ اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے خلاف مقصود حصر کا ثبوت ہوتا ہے۔

......" واذا اتّصل به ضمیر مفعول او وقع بعد الا او معنا ها او اتصل به مفعولهٗ وهو غیرُ متصل وجب تاخیر هٗ "......

☆......اور جب فاعل کے ساتھ ایسی ضمیر متصل ہو جو مفعول کی طرف لوٹتی ہو یا فاعل الا کے بعد واقع ہو یا الا کے ہم معنی لفظ کے بعد واقع ہو یا اس فعل کے ساتھ ضمیر متصل آرہی ہو اور وہ فاعل ضمیر متصل کے علاوہ ہو تو ان حالتوں میں فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے۔......☆

☆......کن مقامات میں فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے......☆

واذا اتصل سے علامہ نے وہ چار مقامات ذکر کئے ہیں جن میں فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے۔

پہلا مقام :۔ کہ فاعل کے ساتھ ضمیر متصل ہو جو مفعول کی طرف راجع ہو تو ایسی حالت میں مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا اور فاعل کو مفعول سے موخر کرنا واجب ہے۔ جیسے " واذا بتلی ابراهیم ربهٗ " رب فاعل ہے ابتلی کا اور اس کے ساتھ ضمیر ہے جو راجع ہے مفعول ابراہیم کی جانب۔ اس لئے ابراہم کو ربہ سے مقدم کرنا اور ربہ کو اس سے موخر کرنا واجب ہے۔ اسی طرح ضرب زیداً غلامهٗ میں۔

دوسرا مقام:۔فاعل کومفعول سے موخر کرنا واجب ہونے کا دوسرا مقام یہ ہے کہ فاعل الا کے بعد واقع ہو جیسے **ما ضرب زید الاعمر و**" **تیسرا مقام**:۔کہ فاعل معنی الایعنی انما کے بعد واقع ہو جیسے **انما ضر ب عمر و اً ازید**"۔

چوتھا مقام یہ ہے کہ مفعول ضمیر متصل فعل کے ساتھ ہو اور فاعل ضمیر متصل نہ ہو جیسے **ضر بک زید**"۔اسلئے کہ اگر مفعول کو مقدم نہ کریں تو ضمیر متصل کو منفصل کرنا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔اور اگر فاعل بھی ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا ضروری ہے جیسے **ضر بتک** .ان چار مقامات میں فاعل کومفعول سے موخر اور مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا واجب ہے۔

......" **وقد یحذف الفعل لقیام قرینة جو ازًا فی مثل زید لمن قال من قام شعر ولیبک یزید ضارع لخصومة . ومختبط مما تطیح الطوائح**...... کبھی کسی قرینہ کی وجہ سے جوازاً فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے زید اس شخص کے جواب میں جس نے کہا **من قام** کون کھڑا ہے۔شعر یزید پر ضرور رویا جائے روئے اس پر جو عاجز ہے جھگڑا کرنے سے۔اور مصیبت زدہ بغیر وسیلہ کے مانگنے والا اس وجہ سے کہ ہلاک کر دیا ہلاک کرنے والی چیزوں نے اس شعر میں **الطوائح** جمع ہے **مطیحة** کی اور یہ خلاف القیاس ہے اس لئے کہ قیاس کے مطابق **مطیحة** کی جمع **مطیحات** ہونی چاہیئے۔

فعل کو جوازًحذف کرنے کا مقام۔علامہ نے یہاں فرمایا کہ قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کیا جا سکتا ہے۔اس شخص کے جواب میں جس نے سوال کیا **مَنْ قام** توجواب میں **قام زید** کی بجائے صرف زیدا کہنا اور فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔اور جس سوال کا جواب دیا جاتا ہے وہ سوال کبھی محقق ہوتا ہے اور کبھی مقدر ہوتا ہے تو علامہ نے دومثالیں ذکر کر کے واضح کر دیا کہ خواہ سوال محقق ہو یا سوال مقدر ہو ہر ایک کے جواب میں فعل کا حذف کرنا جائز ہے۔

پہلی مثال سوال محقق کے جواب میں فعل کو حذف کرنے کی دی کہ **قام زید** کی بجائے صرف **زید**" کہہ دینا جائز ہے۔اور

شعر پیش کر کے سوال مقدر کے جواب میں فعل کو حذف کرنے کی مثال دی ہے۔ اس لئے کہ جب کہا جائے کہ یزید پر رویا جائے تو سوال ہوا کہ کون روئے تو جواب میں چاہیئے تھا کہ کہا جاتا یبکیہ ضارع کہ اس پر دشمنوں کے مقابلہ میں بے بس آدمی روئے تو سوال مقدر کے جواب میں یبکیہ فعل کو حذف کر دیا اور اس کے فاعل ضارع کو ذکر کر دیا بعض حضرات نے کہا کہ یہ شعر ضرار بن نہشل کا ہے اور بعض نے کہا کہ حارث بن نہشل کا ہے جو اس نے اپنے بھائی یزید بن نہشل کی وفات پر مرثیہ کہتے ہوئے کہا کہ یزید بے بسوں کا مددگار تھا اس لئے بے بس لوگ روئیں۔ اور ایسے مصیبت زدہ روئیں جن کے مال واسباب کو حوادثات زمانہ نے تباہ و برباد کر دیا اس لئے کہ ایسے لوگوں کے اسباب کی حفاظت کرنے والا تو یزید تھا جو اس دنیا سے چلا گیا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ شعر ام ضرار بن نہشل کا ہے جو اس نے یزید کی وفات پر کہا۔

......"ووجوباً فی مثل وان احدٌ من المشرکینَ استجارک ......

اور وان احد من المشرکین استجارک جیسی صورتوں میں فعل کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے

☆......**فعل کو وجوباً حذف کرنے کا مقام**......ووجوباً سے علامہ فرماتے ہیں کہ ایک مقام میں فعل کو حذف کرنا واجب ہے اور فی مثل کہہ کر ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے قاعدہ یہ ہے کہ اگر فاعل کو رفع دینے والا فعل محذوف ہو پھر ابہام کو دور کرنے کے لئے اس محذوف فعل کی تفسیر کی دی جائے تو ایسے مقام میں حذف کے قرینہ کیوجہ سے اور محذوف فعل کے قائم مقام دوسرے کو کرنے کی وجہ سے فعل کا حذف وجوبی ہوتا ہے۔ اور یہاں حذف کا قرینہ یہ ہے کہ اِنْ اسم پر داخل ہے۔ حالانکہ ان شرطیہ اسم پر نہیں بلکہ فعل پر داخل ہوتا ہے (اس فعل کو حذف کرنے کے بعد ابہام ہو گیا تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے استجارک فعل) اسی محذوف فعل کی تفسیر کرنے کے لئے ذکر کر دیا تو محذوف فعل کا حذف وجوباً ہوگا اس لیئے کہ اگر وجوباً نہ ہو تو جوازاً ہوگا اور اس صورت میں اس کا ذکر کرنا جائز ہوگا حالانکہ اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں مفسَّر اور مُفسِر کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ اگر مفسر مذکور ہو تو پھر مفسِر کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے اِنْ کے بعد استجارک محذوف ہے اس لئے کہ اِنْ اسم پر داخل ہے اور بعد میں استجارک

اس محذوف استجارک کی تفسیر کر رہا ہے تو محذوف استجارک کا حذف وجوبی ہے۔

......**اعتراض**:۔ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ اِنْ اَحد" میں اِن" شرطیہ نہ مراد لیا جائے بلکہ نافیہ یا **مخففہ عن المثقلہ** مراد لیا جائے جو اسم پر داخل ہوتے ہیں۔ ☆ ......**جواب**:۔آگے فاجرہ جزاء ہے اور اس پر فاء داخل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اِن شرطیہ ہی ہے اس لیئے کہ جزاء شرط کی ہوتی ہے۔

......**اعتراض**:۔یہ کہا گیا ہے کہ مفسر اور مفسر کا جمع ہونا درست نہیں حالانکہ شرح مائۃ عامل وغیرہ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں جن میں مفسر اور مفسر کو جمع کیا گیا ہے مثلاً باء تعدیت کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے **ذہبت بزید ای اذہبتہ** ۔اس میں **ذہبت بزید** مفسر اور **اذہبتہ** مفسر ہے اور دونوں جمع ہیں۔

☆......**جواب**:۔تفسیر اس کلمہ کی جاتی ہے جس میں ابہام ہو۔پھر یہ ابہام دو طرح کا ہوتا ہے

ایک ابہام یہ کہ الفاظ کا مفہوم نہ سمجھ آئے اور اس ابہام کو دور کرنے کے لئے تفسیر کی جائے ایسی صورت میں **مفسرؔ** اور مفسر دونوں جمع کا ہونا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بعض اوقات ضروری ہوتا ہے اور جو مثال ذکر کی گئی ہے "**ذہبت بزید ای اذہبتہ** یہ اسی صورت پر محمول ہے"

اور دوسرا ابہام حذف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے تو جب مفسر کو ذکر کر دیا گیا تو ایسی صورت میں ابہام نہ رہا۔ایسی صورت میں مفسر اور مفسِر کو جمع کرنا جائز نہیں ہے اور **ان احدمن المشرکین** کی مثال اس صورت پر محمول ہے۔

......"وقد یُحذفان معاً فی مثل نَعَمْ لمن قال اقام زید"......

☆......اور کبھی فعل اور فاعل دونوں اکٹھے حذف کر دیئے جاتے ہیں جیسے اس شخص کے جواب میں صرف نعم کہہ دیا جائے جس نے پوچھا اَقام زید۔کیا زید کھڑا ہے۔......☆

......فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرنے کا مقام

......علامہ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی جملہ فعلیہ بول کر سوال کرے۔تو اس کے جواب میں نعم ایجابیہ سے جواب دیا جا سکتا ہے اور جب نعم سے جواب دیا جائیگا تو جو

فعل اور فاعل سائل نے ذکر کئے ہیں وہ جواب میں محذوف مانیں جائیں گے۔ اور نعم ایجابیہ اس کے حذف کا قرینہ ہوگا۔ اس لئے کہ نعم ایجابیہ جملہ فعلیہ کے حذف کا قرینہ تو بن سکتا ہے مگر اس کا قائم مقام نہیں بن سکتا کہ یہ کہا جائے کہ اس مقام میں نَعَمْ جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہے۔ جب سوال میں جملہ فعلیہ ہو تو جواب میں بھی جملہ فعلیہ ہی مناسب ہے اس لئے جواب میں فعل اور فاعل دونوں کو محذوف مانا جاتا ہے۔ جملہ فعلیہ کے جواب میں جملہ اسمیہ مناسب نہیں اس لئے ایسے مقام میں مبتدا اور خبر محذوف نہیں ہوں گے بلکہ فعل اور فاعل محذوف ہوں گے اور نعم ان کے حذف کا قرینہ ہوگا۔

☆...... **اعتراض**: نعم ایجابیہ کو فعل اور فاعل دونوں کے حذف کا قرینہ بنایا گیا ہے جملہ فعلیہ کے قائم مقام کیوں نہیں کر دیا گیا جس طرح کہ **یا زید** میں یا حرف نداء کو قائم مقام ادعوا کے کیا جاتا ہے۔

☆...... **جواب**: نعم حرف ہے اور حرف غیر مستقل ہوتا ہے جبکہ فعل اور فاعل مستقل ہوتے ہیں اور غیر مستقل مستقل کے قائم مقام نہیں بن سکتا۔ اور یا حرف نداء کو ادعوا کے قائم مقام جو مانا جاتا ہے تو وہ سماعی طور پر ہے قیاسی طور پر نہیں اس لئے اس پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

☆......صرف فاعل کو کن مقامات میں حذف کرنا واجب ہے......☆

علامہ نے فعل کو وجوباً حذف اور فعل و فاعل دونوں کے وجوباً حذف کے مقامات بیان کئے ہیں مگر صرف فاعل کے وجوباً حذف کے مقامات بیان نہیں کئے۔ فاعل کو دو مقامات میں حذف کرنا واجب ہے۔

ایک مقام یہ ہے کہ فاعل فضلہ کی شکل اختیار کر کے یعنی معنوی لحاظ سے اس کی ضرورت نہ رہے۔ جیسے "**اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ**" میں ابصر تعجب کا صیغہ ہے اس کے بعد بھم محذوف ہے اس لئے کہ جب اسمع کے بعد بھم کو ذکر کر دیا تو ابصر کے بعد بھی وہی بھم معنوی لحاظ سے فائدہ دے رہا ہے اس لئے ابصر کے بعد بھم فضلہ کی شکل اختیار کر گیا لہذا اس کا حذف وجوباً ہے

اور دوسرا مقام فاعل کو لفظوں میں حذف کرنے کا یہ ہے کہ فاعل کی جگہ کسی کو رکھ دیا جائے جیسے فعل مضارع کے جمع مذکر کے صیغے کے ساتھ جب نون تاکید آتا ہے تو جمع مذکر کی واؤ جو فاعل ہے اس کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کے قائم مقام اس کے ماقبل کا ضمہ کر دیا جاتا ہے اسی طرح واحدہ مونثہ مخاطبہ کے ساتھ جب نون تاکید آتا ہے تو یاء جو فاعل ہے اس کو حذف کر دیا جا

تا ہے اور اس کے ماقبل کسرہ کو اس کے قائم مقام کر دیا جا تا ہے صرف ان دو مقامات میں فاعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

......" واذا تنازعَ الفعلان ظاهرًا بعدَ هما فقد يكون في الفاعلية مثلُ ضَربني واكرمني زيدٌ وفي المفعولية مثل ضربت واكرمت زيدا وفي الفاعليّة والمفعولية مختلفين فيختار البَصريُّون اعمال الثاني والكوفيّون الاول" ...... اور جب دو فعل اپنے بعد واقع ہونے والے اسم ظاہر میں جھگڑا کریں تو بے شک وہ جھگڑا فاعلیت میں ہوگا جیسے ضَرَبَنِي واكرمني زيد۔ اور وہ جھگڑا مفعولیت میں ہوگا جیسے ضربت واكرمت زيدا اور فاعلیت اور مفعولیت دونوں میں مختلف انداز میں ہوگا۔ (یعنی پہلا فاعلیت کا اور دوسرا مفعولیت کا یا پہلا مفعولیت کا اور دوسرا فاعلیت کا تقاضا کرے) تو بصری دوسرے فعل اور کوفی پہلے فعل کو عمل دینا پسند کرتے ہیں۔ وفي الفاعلية والمفعولية مختلفين کے بعد في الاقتضاء محذوف ہے یعنی وہ دونوں فعل فاعلیت اور مفعولیت کے تقاضا میں مختلف ہوں۔......☆

......تنازع فعلان کی بحث......

تنازع کا معنی ہے جھگڑا کرنا اور اصل میں جھگڑا تو ذی روح چیزیں ہی کر سکتی ہیں۔ یہاں تنازع سے مراد یہ ہے کہ دو فعل ہوں اور ان کے بعد ایک اسم ظاہر ہو اور دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل تقاضہ کرے کہ وہ اسم ظاہر اس کا معمول بنے۔ فعلان سے مراد عاملان ہے اس لئے کہ جس طرح دو فعل ایک اسم ظاہر کو اپنا اپنا معمول بنانے کا تقاضہ کرتے ہیں اسی طرح دو شبہ فعل بھی ایک اسم ظاہر کو اپنا اپنا معمول بنانے کا تقاضا کرتے ہیں جیسا ضارِبٌ زيدٍ مُكرمًا ابوهُ. ضارب چاہتا ہے کہ ابوہ اس کا فاعل بنے اور مکرماً چاہتا ہے کہ ابوہ اس کا فاعل بنے۔ جب دونوں فعلوں کی طرح دو شبہ فعلوں میں سے ہر ایک بھی ایک اسم ظاہر میں عمل کا تقاضہ کرتے ہیں اس لئے فعلان سے مراد عاملان ہے۔ فعلان میں تثنیہ تخصیص کے لئے نہیں بلکہ اقل درجہ بیان کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دو سے زائد فعل بھی ایک اسم ظاہر میں تنازع کر سکتے ہیں جیسے صلَّيتُ وسلّمتُ وباركتُ علي محمد . ان میں سے ہر ایک فعل تقاضہ کرتا ہے کہ علی محمد جار مجرور میرے ساتھ متعلق ہو۔

جب دو سے زائد فعل بھی تنازع کر سکتے ہیں تو اسی لئے کہا کہ فعلان میں تثنیہ تخصیص کے لئے نہیں بلکہ اقل درجہ بیان کرنے کے لئے ہیں۔اس لئے کہ آپس میں جھگڑا کرنے کے لئے کم از کم دو کا ہونا ضروری ہے۔

......**ظاهر ا بعد هما** .... **ظاهر ا** صفت کا صیغہ ہے اور اس کا موصوف اسماً محذوف ہے اور یہ اصل میں فی اسم ظاهر تھا فی جارہ ہے کو حذف کر کے ظاہراً کو نصب دے دی تو ظاهر اً بنزع خافض منصوب ہے یعنی اس کے جارہ کو حذف کر کے اس کو نصب دے دی۔ بعدھما ظرف ہے اور اس کا متعلق واقعاً محذوف ہے۔اس لحاظ سے اصل عبارت یوں ہوگی" واذا تنازع الفعلان فی اسم ظاهر واقعا بعد هما کہ جب دو فعل ایک ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان دونوں کے بعد واقع ہو۔ظاہراً کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اسم ضمیر میں تنازع نہیں ہوسکتا

☆......**واذا تنازع الفعلان میں اذا حرف شرط ہے۔**

تنازع الفعلان شرط ہے اور اس کی جزاء محذوف ہے جو کہ **جاز اعمال کلِ واحدمنهما** ہے۔

یعنی جب دو فعل باہم تنازع کریں تو ان میں سے ہر ایک کو عمل دینا جائز ہے اور ان دونوں فعلوں میں سے جس فعل کا بھی اس اسم ظاہر کو معمول بنائیں تو وہ اس کا معمول بن سکتا ہے۔

......**"تنازع فعلان کی صورتیں"** ......تنازع فعلان کی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔

پہلی صورت کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک فعل اس اسم ظاہر کو اپنا فاعل بنانا چاہے جیسے ضَرَبَنِیْ وَ اَکْرَمَنِیْ زَیْدٌ. ضرب زیدٌ کو اپنا فاعل اور اَکْرَمُ اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے۔

دوسری صورت کہ دونوں فعلوں میں سے ہر ایک اس اسم ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہئے جیسے ضربْتُ واکرمت زیدا .ضربتُ اور اکرمتُ دونوں فعلوں کیساتھ فاعل موجود ہے اور ہر ایک زیدا کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔

تیسری صورت کہ پہلا فعل اس اسم ظاہر کو اپنا فاعل اور دوسرا فعل اس کو اپنا مفعول بنانا چاہے جیسے ضَرَبَنِیْ واکرمت زیدا . ضَرَب زید کو اپنا فاعل اور اکرمت اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے۔

چوتھی صورت کہ پہلا فعل اس اسم ظاہر کو اپنا مفعول اور دوسرا فعل اسکو اپنا فاعل بنانا چاہے جیسے ضربتُ واکرمنی زید . ضربتُ چاہتا ہے کہ زید اس کا مفعول بنے جبکہ اکرم چاہتا ہے کہ زید اس فاعل بنے۔

☆......نحویوں کا اختلاف......تنازع الفعلان کے بارہ میں چار مسلک ہیں۔

پہلا مسلک بصریوں کا دوسرا مسلک کوفیوں کا اور تیسرا مسلک امام فراء کا اور چوتھا مسلک امام کسائی کا ہے۔
بصریوں اور کوفیوں نے آپس میں جو اس بارہ میں اختلاف کیا ہے وہ اختلاف اولی اور غیر اولی کا ہے جبکہ امام فراء اور امام کسائی نے جن صورتوں میں اختلاف کیا ہے وہ اختلاف وجوب کا ہے۔

﴿بصریوں کا نظریہ﴾......بصریوں کے نزدیک تنازع الفعلان کی صورت میں دوسرے فعل کو عمل دے کر اس اسم ظاہر کو اس کا معمول بنانا اولی اور بہتر ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ الحق للقریب کہ قریب والے کا حق ہوتا ہے اور یہ اسم ظاہر دوسرے فعل کے قریب ہے اس لیے اس میں عمل کرنا اس کا حق ہے۔

﴿کوفیوں کا نظریہ﴾......کوفیوں کے نزدیک تنازع الفعلا ن کی صورت میں پہلے فعل کو عمل دینا اولی اور بہتر ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ الحق للسابق ثم للا حق کہ پہلے کا حق مقدم ہوتا ہے اور پھر دوسرے کا حق ہوتا ہے اور پہلا فعل مقدم ہے اس لئے اس اسم ظاہر کو اس کا معمول بنانا بہتر ہے۔

﴿......"فان اعملتَ الثانی اضمرت الفاعل فی الاول علی وفق الظاهرِ دُونَ الحذفِ خلافاً للکسائی وجاز خلافا للفراء وحذفت المفعول ان استُغنِیَ عنه والاّ اظهرتَ وان اعملت الاول اضمرت الفاعلَ فی الثانی والمفعُولَ علی المختار الا ان یمنَعَ مانع فتظهر"

☆......پس اگر تو نے دوسرے فعل کو عمل دیا تو پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لاؤ حذف کرنا درست نہیں۔

بخلاف امام کسائی کے (کہ وہ حذف مانتے ہیں) اور وہ (یعنی اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اس صورت میں (دوسرے فعل کو عمل دینا) جائز ہے برخلاف امام فراء کے (کہ وہ اس کو جائز نہیں مانتے) اور اگر پہلا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو اگر وہ فعل مفعول سے مستغنی ہے تو مفعول کو حذف کردیں ورنہ اسکو ظاہر کردیں اور اگر پہلے فعل کو عمل دیا تو دوسرے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آئیں ، اور اگر پہلے فعل کو عمل دینے کے بعد دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو مختار مذہب کے مطابق مفعول کی ضمیر لے آئیں ، جب کہ کوئی مانع نہ ہو۔ اور اگر کوئی مانع ہو تو پھر اسکو ظاہر کردیں ......☆

☆......اختلافی صورتوں میں نحویوں کا عمل......☆

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ **تنازع الفعلان** کی صورت میں بصریوں کے نزدیک دوسرے فعل کو اور کوفیوں کے نزدیک پہلے فعل کو عمل دینا بہتر ہے۔ اب **فان اعملت الثانی** سے علامہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر بصریوں کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دے دیا گیا تو اس صورت میں پہلے فعل کا معمول کس کو بنائیں گے ۔ اسی طرح اگر کوفیوں کے مذہب کے مطابق پہلے فعل کو عمل دے دیا گیا تو دوسرے فعل کا معمول کس کو بنائیں گے ، **فان اعملت** سے لے کر **وجاز خلافا للفراء** تک کی عبارت میں نحویوں کے چار نظریات کا ذکر ہے۔۔

﴿پہلا نظریہ﴾ ......اگر دوسرے فعل کو عمل دیا تو پھر اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اسم ظاہر کے موافق ضمیر لائیں گے حذف جائز نہیں ہے یعنی اگر اسم ظاہر مفرد ہے تو پہلے فعل کے فاعل کیلئے مفرد کی ضمیر لائیں گے جیسے **ضربنی واکرمنی زید** ۔ اور اگر اسم ظاہر تثنیہ ہے تو پہلے فعل میں تثنیہ کی ضمیر لائیں گے جیسے **ضرباني واکرمني الزیدان** ۔ اور اگر اسم ظاہر جمع ہے تو پہلے فعل کے ساتھ جمع کی ضمیر لائیں گے جیسے **ضربوني واکرمني الزیدون** ۔

یہ نظریہ بصریوں کا ہے اور وہ دوسرے فعل کو عمل دینا بہتر سمجھتے ہیں اور اس میں تنازع فعلان کی چار صورتوں میں سے دو صورتیں آجاتی ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دونوں فعل فاعل کا تقاضہ کریں اور دوسری صورت یہ ہے کہ پہلا فعل فاعل کا اور دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرے۔

﴿دوسرا نظریہ﴾ دوسرا نظریہ کوفیوں کا ہے کہ وہ دوسرے فعل کو عمل دینا اچھا نہیں سمجھتے مگر جائز سمجھتے ہیں اور اگر

دوسرے فعل کوعمل دے دیا گیا تو بصریوں کے نظریہ کی طرح پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر ہی لائیں گے۔

﴿ **تیسرا نظریہ** ﴾ تیسرا نظریہ امام کسائی کا ہے وہ فرماتے ہے کہ اگر دوسرے فعل کوعمل دیا تو پہلے فعل کا فاعل محذوف مانیں گے اس لئے کہ اگر پہلے فعل کا فاعل حذف نہیں کریں گے تو اسکو ظاہر کریں گے اور اس صورت میں تکرار لازم آتا ہے اور عبارت بن جاتی ہے **ضربنی زید واکرمنی زید** ،اور عبارت میں ایک ہی لفظ کا تکرار مناسب نہیں ہے اور اگر اس کا فاعل اسم ظاہر کی بجائے اسم ضمیر لائیں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور یہ بھی درست نہیں اس لئے پہلے فعل کے فاعل کو حذف کریں گے۔۔اسکے جواب میں بصریوں نے کہا کہ فاعل کا خواہ مخواہ حذف تو اضمار قبل الذکر سے بھی برا ہے اسلئے کہ اضمار قبل الذکر علی الاطلاق ناجائز نہیں ہے بلکہ فضلہ میں ناجائز ہے اور عمدہ میں جائز ہے اور فاعل عمدہ ہے اسلئے اسمیں اضمار قبل الذکر جائز ہے۔عمدہ سے مراد وہ کلمہ ہے جو کلام میں اہمیت رکھتا ہے اور فضلہ سے مراد وہ ہے جن کے بغیر بھی کلام مکمل ہو سکے۔ وجاز میں ہو ضمیر کا مرجع معنوی ہے اور **اعملتَ** میں جو اعمال پایا جاتا ہے وہ اس کا مرجع ہے۔

اس لحاظ عبارت یوں ہوگی" **وجاز اعمال الثانی عند اقتضاء الاول الفاعل** "یعنی اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اس کے باوجود دوسرے فعل کوعمل دینا جائز ہے اور یہ جواز بصریوں کے نزدیک بھی ہے اور بہتر ہے اور کوفیوں کے نزدیک بھی ہے مگر بہتر نہیں اور امام کسائی کے نزدیک بھی ہے اور بہتر ہے اس لحاظ سے کچھ فرق کے ساتھ امام کسائی اور بصریوں کا نظریہ ملتا جلتا ہے۔

﴿ **چوتھا نظریہ** ﴾ چوتھا نظریہ امام فراء کا ہے جن کے نزدیک اگر پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو دوسرے فعل کوعمل دینا جائز ہی نہیں ہے۔امام فراء فرماتے ہیں کہ اگر اس صورت میں دوسرے فعل کوعمل دیا جائیگا تو پہلے فعل کیلئے تین صورتیں بن سکتی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اسکے فاعل کو بھی ظاہر کریں مگر اسکی وجہ سے تکرار لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے فعل کے فاعل کیلئے ضمیر نکالیں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور یہ بھی درست نہیں۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ پہلے فعل کے فاعل کو محذوف مانیں جیسا کہ امام کسائی کا نظریہ ہے تو فاعل کو حذف کرنا لازم آتا ہے اور یہ بھی درست نہیں ، جب ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی جائز نہیں تو پھر حل یہی ہوگا کہ ایسی صورت میں

دوسرے فعل کو عمل دینا ہی ناجائز قرار دیا جائے۔ مگر بصریوں کی جانب سے اس کا جو جواب امام کسائی کو دیا گیا ہے وہی امام فراء کو بھی دیا گیا ہے کہ فاعل عمدہ اور عمدہ میں اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ اس لئے پہلے فعل کے فاعل کے لئے ضمیر لائیں گے۔

وحذفت المفعول سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر تنازع الفعلان کی صورت میں دوسرے فعل کو عمل دیا اور پہلا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہو تو اگر وہ فعل مفعول سے مستغنی ہو تو اسکو حذف کریں گے اور مفعول سے مستغنی وہ فعل ہوتا ہے جو افعال قلوب میں سے نہ ہو۔ ایسی صورت میں مفعول کا حذف اسلئے ہے کہ اگر مفعول کو ظاہر کریں تو تکرار لازم آتا ہے اور اگر ضمیر لائیں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور فضلہ میں اضمار قبل الذکر درست نہیں اسلئے دونوں صورتیں جب نہیں ہوسکتیں تو پھر مفعول کو محذوف ہی مانیں گے۔ جیسے ضربت واکرمت زیدا، میں زید کو اکرمت کا مفعول بنایا تو پہلے فعل ضربت کا مفعول محذوف ہوگا۔

اگر پہلا فعل مفعول سے مستغنی نہ ہو یعنی وہ فعل افعال قلوب میں سے ہو تو اس کے مفعول کو ذکر کریں گے اسلئے کہ افعال قلوب کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں ہے اور اس صورت میں ضمیر لانا بھی جائز نہیں اسلئے کہ مفعول فضلہ ہے اس میں اضمار قبل الذکر درست نہیں ہے افعال قلوب کے مفعول کو اسلئے حذف کرنا جائز نہیں کہ اسکے دونوں مفعول ایک کلمہ کی طرح ہوتے ہیں ان میں سے ایک کو حذف کرنا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک کلمہ کے ایک جز کو حذف کرنا اور کلمہ کے جز کو حذف کرنا جائز نہیں ہوتا۔ افعال قلوب کی مثال، جیسے حسبنی وحسبت زیدا منطلقا، اس مثال میں دو تنازع ہیں ایک یہ کہ حسبنی چاہتا ہے کہ زید میرا فاعل بنے اور حسبت چاہتا ہے کہ میرا مفعول بنے تو بصریوں کے نظریہ کے مطابق دوسرے کو عمل دیا اور پہلے فعل میں ضمیر لائے جو اس کا فاعل ہے۔

اور دوسرا تنازع ہے منطلقا میں حسبنی چاہتا ہے کہ منطلقا میرا مفعول ثانی بنے اسلئے کہ حسبنی افعال قلوب میں سے ہے جو دو مفعولوں کو چاہتا ہے اسکا پہلا مفعول آخر میں یاء متکلم ہے اور اس سے پہلے نون وقایہ ہے اور اس کے دونوں مفعولوں کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے اس کا حذف جائز نہیں ہوتا اور حسبت چاہتا ہے کہ زیدا میرا مفعول اول اور منطلقا میرا مفعول ثانی بنے، جب بصریوں کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیا تو پہلے فعل کے ساتھ بھی منطلقا ذکر کردیا اور عبارت یوں ہوگئی حسبنی منطلقا وحسبتُ زیدا منطلقا، دونوں فعلوں کے دونوں مفعولوں کو ظاہر کردیا اسلئے کہ دونوں فعل افعال قلوب میں سے ہیں۔

...... وان اعملت الاول اضمرت الفاعلَ فی الثانی و المفعُول علی المختار الا ان یمنَعَ مانع فتظهر ......

☆......اور اگر آپ نے پہلے فعل کو عمل دیا تو دوسرے فعل میں فاعل کی ضمیر لائیں اور مختار مذہب کے مطابق مفعول کی بھی ضمیر لائیں مگر یہ کہ کوئی مانع موجود ہو......☆

☆......**کوفیوں کے نظریہ کے مطابق تنازع کا حل**...... یہاں سے علامہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوفیوں کے نظریہ کے مطابق پہلے فعل کو عمل دے دیا تو دوسرا فعل اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اس میں فاعل کی ضمیر لائیں گے، اور وہ ضمیر اسم ظاہر کے مطابق ہوگی جیسے، **ضربنی واکرمنی زید ، ضربنی واکرمانی الزیدان ، ضربنی واکرمونی الزیدون** ۔ جب پہلے فعل کو عمل دیا تو پہلا فعل مفرد ہی رہے گا بیشک آگے اسکا فاعل مفرد ہو یا تثنیہ یا جمع ہو اور دوسرے فعل میں چونکہ فاعل ضمیر ہے اور ضمیر لوٹتی ہے اسم ظاہر کی طرف تو وہ اسم ظاہر کے مطابق ہوگی مفرد کے لئے مفرد، تثنیہ کے لئے تثنیہ، اور جمع کے لئے جمع کی ضمیر ہوگی، اور اگر پہلے فعل کو عمل دینے کے بعد دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو اس میں دو قول ہیں ایک قول مختار ہے اور دوسرا قول غیر مختار ہے

مختار قول کے مطابق دوسرے فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر لائیں گے جیسے **ضربت واکرمته زیدا**۔ زیدا کو ضربت کا مفعول بنایا اور اکرمت کے ساتھ ہ ضمیر لائے۔ اور غیر مختار قول کے مطابق دوسرے فعل کا مفعول حذف کریں گے۔ مختار قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر دوسرے فعل کے مفعول کو اسم ظاہر کی صورت میں ذکر کریں تو تکرار لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں اور اگر اس مفعول کو حذف کریں۔ تو وہم پیدا ہوتا ہے کہ شاید جو مفعول محذوف ہے وہ اس اسم ظاہر کا غیر ہو یعنی جو زید محذوف ہے اور ہے۔ اور مذکور زید اور ہے اور ان کے آپس میں غیر ہونے کا قرینہ بھی موجود ہے کہ جس کو مارا جاتا ہے اسکی عزت نہیں کی جاتی اسلئے اسکے غیر ہونے کا وہم ہوتا ہے تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے ضمیر لائیں گے اس لحاظ سے **ضربت واکرمته زیدا** پڑھیں گے۔

اور غیر مختار قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر دوسرے فعل کے مفعول کو بھی اسم ظاہر کی صورت میں ذکر کریں تو تکرار لازم آتا ہے اور اگر ضمیر لائیں تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جب کہ یہ دونوں صورتیں درست نہیں تو پھر اسکو محذوف مانیں گے اور ضربت واکرمت زیدا پڑھیں گے، مگر مختار قول والوں نے اسکا جواب دیا ہے کہ یہ مفعول میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رُتبۃً نہیں ہے اور ایسا اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ اور ناجائز وہ اضمار قبل الذکر ہوتا ہے جو لفظا اور رتبتا دونوں لحاظ سے ہو۔

﴿ **الا ان یمنع مانع فتظهر** ...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے فعل کو عمل دینے کے بعد دوسرے فعل کا مفعول ایسا ہو جس کا حذف کرنا اور ضمیر لانا درست نہ ہو بلکہ اس کا ذکر کرنا واجب ہو تو اس کو ظاہر کریں گے جیسا کہ جب دونوں فعل افعال قلوب میں سے ہوں تو ان میں سے ہر فعل کے دونوں مفعول کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔

پھر اس کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ اسم ظاہر جس میں تنازع ہے وہ مفرد ہو جیسا کہ **حسبنی وحسبت زیدا منطلقا**، اس میں زیدا منطلقا میں عمل حسبنی کو دیا۔ اور حسبت کے مفعول اول کی ضمیر لائے اور حسبته پڑھا تو دوسرے فعل کا ایک مفعول پر اکتفا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے اور اگر دوسرے فعل کے دوسرے مفعول کی بھی ضمیر لائیں اور یوں پڑھیں **حسبنی وحسبته ایاه زیدا منطلقا** تو اس صورت میں دوسرے فعل کے مفعول کی ضمیر کا اضمار قبل الذکر لفظا ورتبۃ لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے اسلئے دوسرے فعل کے دوسرے مفعول کو ظاہر کرنا ضروری ہے اور یوں پڑھیں گے **حسبنی وحسبته منطلقا زیدا منطلقا** ۔ زید منطلقا میں عمل پہلے فعل کو دیا اور دوسرے فعل حسبته کے دوسرے مفعول منطلقا کو بھی ظاہر کر دیا اور دوسری صورت یہ ہے کہ جس اسم ظاہر میں تنازع ہے وہ تثنیہ ہو جیسے **حسبنی وحسبت الزیدان منطلقا** اور تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اسم ظاہر جس میں تنازع ہے وہ جمع ہو جیسے **حسبنی وحسبت الزیدون منطلقا** ۔ ان مثالوں میں الزیدان اور الزیدون میں تنازع ہے تو جب پہلے فعل کو عمل دیا اور دوسرے فعل کے ساتھ مفعول اول کی ضمیر لائے اور یوں پڑھا **حسبنی وحسبتهم الزیدون منطلقا**، تو مفعول اول میں یہ درست ہے اسلئے کہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر صرف لفظا ہے رتبۃ نہیں ہے مگر دوسرے فعل کا ایک مفعول پر اکتفا لازم آتا ہے اور وہ افعال قلوب میں سے ہے اسلئے یہ صورت درست نہیں ہے، جیسا کہ تثنیہ کی صورت میں

پڑھا **حسبنی وحسبتھم الزیدون منطلقا** ،اور جمع کی صورت میں پڑھا **حسبنی وحسبتھم الزیدون منطلقا** ۔تو دوسرے فعل کا ایک مفعول پر اکتفالازم آتا ہے،اور اگر دوسرے فعل کے دوسرے مفعول کی بھی ضمیر لائیں تو پھر ضمیر مفرد کی لائیں گے یا تثنیہ جمع کی لائیں گے ان میں سے ہر صورت ناجائز ہے جیسا کہ مفرد کی ضمیر لانے کی صورت میں یوں پڑھا جائے، **حسبنی و حسبتھما ایاہ زید امنطلقا** ۔ایاہ ضمیر کو منطلقا کی جانب لوٹایا تو ضمیر اور مرجع میں تو مطابقت ہے مگر دوسرے فعل کے دونوں مفعولوں میں مطابقت نہیں ہے بلکہ ایک تثنیہ اور دوسرا مفرد ہے اور یہ درست نہیں اسلئے کہ افعال قلوب کے دونوں مفعول میں مطابقت ضروری ہے،اور اگر دوسرے فعل کے دوسرے مفعول کی ضمیر تثنیہ لائیں اور یوں پڑھیں **حسبنی وحسبتھما ایاھما الزیدان منطلقا** یا ضمیر جمع کی لائیں اور یوں پڑھیں **حسبنی وحسبتھم ایاھم الزیدون منطلقا** تو اس میں **ایاھما** اور **ایاھم** کی ضمیر منطلقا کی جانب راجع ہے اس صورت میں ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں رہتی اسلئے یہ بھی ناجائز ہے،جب دوسرے فعل کے مفعول ثانی کو حذف کرنا اور ضمیر لانا دونوں درست نہیں تو پھر اس کو ظاہر کرنا ضروری ہے اسلئے یوں پڑھا جائیگا تثنیہ کی صورت میں **حسبنی و حسبتھما منطلقین الزیدان منطلقا** ،اور جمع کی صورت میں پڑھیں گے **حسبنی و حسبتھم منطلقین الزیدون منطلقا** ۔**الزیدان منطلقا** اور **الزیدون منطلقا** میں **حسبنی** کو عمل دیا اور دوسرے فعل کے دونوں مفعولوں کو ظاہر کر دیا،پہلے مفعول کو ضمیر کی صورت میں اور دوسری مفعول کو اسم ظاہر کی صورت میں ظاہر کر دیا۔

﴾……<u>وقول امرء القیس کفانی ولم اَطلب قلیل من المال لیس منه لفساد المعنی</u> ……اور امرءالقیس شاعر کا قول تنازع فعلان میں سے نہیں ہے اسلئے کہ اس صورت میں معنی ہی فاسد ہو جاتا ہے اور شعر کا ترجمہ یہ ہے مجھے کفایت کرتا ہے اور میں تھوڑا مال طلب نہیں کرتا……☆

﴾……<u>اعتراض کا جواب</u> ۔<u>علامہ نے تنازع الفعلان کے مسئلہ میں بصریوں کے مذہب کو راجع اور اولی قرار دیا ہے تو اس پر اعتراض ہوتا ہے</u> کہ عرب کا ایک فصیح اور بلیغ شاعر امرءالقیس ہے اس نے تو ایسی صورت

میں پہلے فعل کو عمل دیا ہے اس لئے دوسرے فعل کو عمل دینے کو کیسے راجح اور بہتر کہا جا سکتا ہے تو اس کا جواب علامہ نے دیا کہ امرء القیس کے شعر میں تنازع الفعلان سرے سے ہے ہی نہیں اسلئے کہ اگر اس میں تنازع الفعلان کا تصور کریں تو شعر کا معنے ہی برباد ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کا شعر یوں ہیں۔ **فلو انما اسعی لادنی معیشة ، کفانی ولم اطلب قلیل من المال ،** ۔۔ اگر میں معمولی معیشت کیلئے کوشش کرتا تو مجھے تھوڑا مال کفایت کر جاتا اور میں طلب نہیں کرتا۔ اس شعر میں قلیل من المال میں کفانی اور لم اطلب دوفعلوں نے تنازع کیا ہے اور شاعر نے قلیل کو مرفوع پڑھ کر ظاہر کر دیا کہ اس میں کفانی نے عمل کیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے **اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ** اگر لو مثبت پر داخل ہو تو اسکو منفی کر دیتا ہے اور اگر منفی پر داخل ہو تو اس کو مثبت کر دیتا ہے۔۔ اور لم اطلب کا جب کفانی پر عطف کیا تو اس صورت میں تنازع فعلان ثابت ہوتا ہے اور شعر کا معنی یہ بن جاتا ہے کہ میں نے معمول معیشت کیلئے کوشش نہیں کی تھوڑا مال مجھے کفایت کرتا ہے اور میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں اسلئے کہ لو نے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت کر دیا ہے تو اس لحاظ سے شعر کا اول اور آخر حصہ ایک دوسرے سے متضاد ہے اس لئے کہ شاعر ابتداء میں کہتا ہے کہ میں ادنی معشیت کے لئے کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھے کافی ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ میں تھوڑا مال طلب کرتا ہوں اسلئے اس شعر میں تنازع فعلان نہیں ہے بلکہ لم اطلب کا مفعول العزیا المجد محذوف ہے جس کا قرینہ اگلے شعر میں موجود ہے **ولکنما اسعی لمجد مئوثل وقدید رک المجد المئوثل امثالی** ۔ لیکن میں پائیدار عزت کے لئے کوشش کرتا ہوں اور میرے جیسے لوگ پائیدار عزت اور بزرگی پالیتے ہیں۔ جب لو کی وجہ سے لم اطلب منفی سے مثبت میں تبدیل ہو گیا تو معنی یہ ہوگا کہ میں طلب کرتا ہوں پائیدار بزرگی کو۔ اس لئے میں معمولی معشیت کے لئے کوشش نہیں کرتا اور نہ مجھے قلیل مال کفایت کرتا ہے۔ جب اس شعر میں تنازع فعلان ماننے کی صورت میں شعر کا معنی ہی برباد ہو جاتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس شعر میں تنازع فعلان نہیں ہے، بلکہ اگلے شعر میں پائے جانے والے قرینہ کی وجہ سے لم اطلب کا مفعول المجد محذوف ہے ۔

......"مفعول مالم یسم فاعلُهٗ کلّ مفعول حذف فاعله و اقیم هو مقامه و شرطه ان تغیّر صیغةُ الفعل الٰی فُعِل او یُفْعَل "......

☆...... مفعول مالم یسم فاعله ہر وہ مفعول ہوتا ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا جائے اور اس کو اس کے قائم مقام کر دیا جائے اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کے صیغہ کو فُعِلَ یا یُفعَلُ میں بدل دیا جائے یعنی فعل معروف کو مجہول کر دیا جائے ......☆

......مرفوعات میں سے دوسرا اسم .....مرفوعات میں سے دوسرا اسم مفعول مالم یسم فاعله ہے جس کو نائب فاعل بھی کہتے ہیں۔ علامہ نے مفعول مالم یسم فاعله کی تعریف یہ کی ہے کہ فعل معروف کو مجہول کر کے اس کے فاعل کو حذف کر کے جس مفعول کو اس فاعل کی جگہ رکھ دیا گیا ہو اس مفعول کو مفعول مالم یسم فاعله کہتے ہیں۔ جیسے ضَرَبَ بکر زید تھا تو ضرب فعل معروف کو مجہول کر کے ضُرِبَ کر دیا اور اس کے فاعل بکر کو حذف کر کے اس کی جگہ زیدا مفعول کو رکھ کر اس کو رفع دے دیا گیا، تو ضرب زید میں ضرب فعل مجہول اور زید اس کا نائب فاعل ہے یہاں لم یسم کا معنی ہے لم یذکر ۔یعنی اس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو، جب لم یسم لم یذکر کے معنی میں ہے تو یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ لم یسم تسمیہ سے ہے اور تسمیہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہاں اس کا صرف ایک مفعول ہے۔ جب لم یسم لم یذکر کے معنی میں ہے تو دوسرے مفعول کی ضرورت ہی نہیں

......**اعتراض** ۔۔فاعل کے بعد دیگر مرفوعات میں سے مفعول ما لم یسم فاعله کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

......**جواب** :۔مفعول مالم یسم فاعله کا فاعل کے ساتھ اتصال ہے حتی کہ بعض نحویوں نے یہ کہا ہے کہ فاعل اور مفعول مالم یسم فاعله دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف یہ فرق ہے کہ فاعل فعل معروف کا ہوتا ہے اور مفعول مالم یسم فاعله فعل مجہول کا ہوتا ہے۔

......**اعتراض** ۔۔علامہ نے جب فاعل کی بحث شروع کی تو اس سے پہلے منه الفاعل کہا ہے اور یہاں مفعول مالم یسم فاعله کی بحث شروع کرتے ہوئے منہ کیوں نہیں کہا؟۔

☆......**جواب** :۔اگر مفعول مالم یسم فاعله سے پہلے بھی منہ ذکر کرتے تو اس صورت میں مفعول ما لم یسم فاعله کی فاعل کے ساتھ عدم اتصال پر دلالت ہوتی حالانکہ اس کا فاعل کے ساتھ اتصال ہے۔

......**اعتراض** ۶۔ مفعول مالم یسم فاعله کہنا درست نہیں اسلئے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفعول کا فاعل ذکر نہ

کیا گیا ہو حالانکہ فاعل مفعول کا نہیں بلکہ فعل کا ہوتا ہے؟

☆...... **جواب**۔ مفعول کی فاعل کی جانب نسبت ادنی ملابست اور مناسبت کی وجہ سے مجازاً کر دی گئی ہے اور اصل میں ہے کہ جس فعل کا یہ مفعول ہے اس کے فاعل کو ذکر نہ کیا جائے۔

۞...... **اعتراض**۔ علامہ نے نائب فاعل کی تعریف میں کہا ہے **اقیم ھو مقامہ** ، **اقیم مقامہ** کیوں نہیں کہا جب کہ ضمیر متصل کو ضمیر منفصل کے ساتھ اس وقت مؤکد کیا جاتا ہے جبکہ ضمیر متصل پر کسی کا عطف کیا جائے اور یہاں عطف بھی نہیں تو ضمیر متصل کو ضمیر منفصل کے ساتھ کیوں مؤکد کیا گیا ہے؟

☆...... **جواب**۔ اگر اقیم کے بعد ھو کو ذکر نہ کیا جاتا تو دو خرابیاں لازم آتی تھیں۔ ایک خرابی یہ ہوتی کہ اقیم مقامہ کہنے کی صورت میں اقیم کا نائب فاعل مقامہ کو سمجھا جاتا حالانکہ اقیم کا نائب فاعل مقامہ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جو کل مفعول مذکور ہے وہ اس کا نائب فاعل ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آتی کہ اقیم میں ضمیر کا مرجع قرب کی وجہ سے فاعلہ کو سمجھا جاتا اس لئے ان دو خرابیوں سے بچنے کے لئے علامہ نے اقیم کی ضمیر متصل کو ھو ضمیر منفصل کے ساتھ مؤکد کیا ہے۔

۞...... **وشرطه ان تغير** ...... **علامہ فرماتے ہیں کہ مفعول ما لم یسم فاعلہ** کی شرط یہ ہے کہ **فعل** کو **فُعِلَ** یا **یُفْعَلُ** میں بدلا جائے ۞...... **اعتراض**۔ جب فعل کو **فعل** یا **یفعل** میں بدلنا شرط قرار دیا گیا ہے تو اس سے ثلاثی مزید اور رباعی نکل جاتے ہیں اس لئے کہ وہ **فعل** یا **یفعل** کے وزن پر نہیں ہوتے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا مفعول **مالم یسم فاعلہ** نہیں ہوتا حالانکہ یہ غلط ہے؟ ☆ **جواب**۔ **فعل** یا **یفعل** سے بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کو مجہول کر دیا جائے فعل ماضی معروف کو ماضی مجہول میں اور مضارع معروف کو مضارع مجہول سے بدل دیا جائے۔

۞...... **اعتراض**۔ اسم مفعول بھی اپنے فعل جیسا عمل کر کے اپنے نائب فاعل کو رفع دیتا ہے حالانکہ اسم مفعول فعل مجہول نہیں ہوتا؟

☆...... **جواب**۔ فعل معروف کو فعل مجہول میں بدلنا اس صورت میں ہے جبکہ عامل فعل ہو اور جب عامل شبہ فعل ہو تو اس میں شرط یہ ہے کہ اس کے صیغہ کو اسم مفعول میں بدلا جائے یہاں صرف فعل کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ فعل عمل میں اصل ہے۔

......ولا یقع المفعول الثانی من باب علمت و الثالث من باب اعلمت و المفعولُ له و المفعولُ معه کذٰلک......

☆......اور علمت کے باب میں دوسرا مفعول اور اَعْلَمْتُ کے باب میں تیسرا مفعول اور اسی طرح مفعول لہ اور مفعول معہ یہ مفعول مالم یسم فاعلہ واقع نہیں ہو سکتے۔......☆

......کون سے اسم نائب فاعل نہیں بن سکتے؟

یہاں سے علامہ بیان کر رہے ہیں کہ **چار اسم مفعول** **مالم یسم فاعلہ** نہیں بن سکتے۔

ایک وہ اسم جو باب علمت میں دوسرا مفعول ہو، باب علمت سے مراد افعال قلوب ہیں، اس لئے کہ افعال قلوب کے دونوں مفعول آپس میں مبتدا اور خبر ہوتے ہیں۔ اور دوسرا مفعول خبر ہوتا ہے اور خبر مسند ہوتی ہے جبکہ **مالم یسم فاعلہ** مسند الیہ ہوتا ہے اگر افعال قلوب کے دوسرے مفعول کو **مفعول مالم یسم فاعلہ** بنائیں تو ایک ہی اسم کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔

دوسرا وہ اسم جو **مفعول مالم یسم فاعلہ** نہیں بن سکتا وہ باب اعلمت کا تیسرا مفعول ہے اور **باب اعلمت** سے مراد وہ افعال ہیں جو تین مفعول کی جانب متعدی ہوتے ہیں۔ اور **باب اعلمت** میں تیسرا مفعول بھی دوسرے مفعول کی خبر ہوتا ہے اس لئے اسکو بھی **مفعول مالم یسم فاعلہ** نہیں بنا سکتے۔

تیسرا اسم مفعول لہ ہے جس کو **مفعول مالم یسم فاعلہ** نہیں بنایا جا سکتا۔ (اور مفعول لہ کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ کہ وہ لام کے ساتھ ہو جیسے **ضربتہ للتادیب** اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بغیر لام کے ہو جیسے **ضربتہ تادیبا** اور یہاں مفعول لہ سے وہ مراد ہے جو بغیر لام کے ہو اس لئے کہ لام کے ساتھ مفعول لہ نائب فاعل بن سکتا ہے جیسے **ضُرِبَ لِتَادِیْبٍ** اور جو بغیر لام کے ہے وہ نائب فاعل نہیں بن سکتا)۔ اسلئے کہ مفعول لہ پر جو نصب ہوتی ہے وہ فعل کی علت ہونے پر

دلالت کرتی ہے جیسے ضربت زیدا تادیبا کہ میں نے زید کو ادب سکھانے کے لئے مارا۔ تو تادیبا پر نصب فعل کے علت ہونے پر دلالت کرتی ہے تو جب اسکو مفعول مالم یسم فاعلہ بنائیں گے تو اس کی نصب کو ختم کر کے اس کی جگہ اس کو رفع دیں گے تو اس میں علت باقی نہیں رہے گی اور وہ مفعول لہ ہی نہیں رہے گا جب اس صورت میں مفعول لہ کا ختم کرنا لازم آتا ہے اور کسی اسم کی حیثیت کو ختم کرنا درست نہیں تو مفعول لہ کو **مفعول مالم یسم فاعلہ** بنانا بھی درست نہ ہوا۔۔

چوتھا اسم مفعول معہ ہے جس کو **مفعول مالم یسم فاعلہ** نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے کہ مفعول معہ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ ایسی واؤ ہو جو مع کے معنی میں ہوتی ہے اگر واؤ کو باقی رکھ کر اس کو **مفعول ما لم یسم فاعلہ** بنایا جائے تو فعل اور نائب فاعل کے درمیان واو کا واسطہ ہوگا اور واؤ عدم اتصال کو چاہتی ہے جب کہ نائب فاعل فعل کے ساتھ اتصال کو چاہتا ہے۔ اور اگر واؤ کو حذف کرنے کے بعد **مفعول معہ** کو **مفعول مالم یسم فاعلہ** بنایا جائے تو وہ مفعول معہ رہتا ہی نہیں اسلئے کہ وہ مفعول معہ واؤ کی وجہ سے تھا جب واؤ نہ رہی تو وہ مفعول معہ ہی نہ رہا۔ اسلئے مفعول معہ کو نائب فاعل بنانا درست نہیں۔

اعتراض ...... اگر مفعول لہ کو اس لئے **مفعول مالم یسم فاعلہ** نہیں بنایا جا سکتا کہ اس کی نصب علت ہونے کی علامت ہے اور **مفعول ما لم یسم فاعلہ** کی صورت میں اسکی نصب ختم ہو جاتی ہے تو مفعول فیہ کی نصب ظرفیت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسکو **مفعول مالم یسم فاعلہ** بنایا جا سکتا ہے جب کہ اسکی نصب بھی ختم کی جاتی ہے اس لئے <u>**مفعول فیہ** کو کیوں **مفعول ما لم یسم فاعلہ** بنایا جا سکتا ہے؟۔</u>

☆ **جواب** ...... ظرفیت اکثر نفس صیغہ سے معلوم ہو جاتی ہے اسلئے کہ ظرف یا زمانی ہوگی یا مکانی ہوگی اگر مفعول فیہ سے ظرفیت کی علامت نصب کو ختم بھی کر دیا جائے تو اس سے ظرفیت ختم نہیں ہوتی بخلاف مفعول لہ کے اس کی پہچان ہی نصب کی وجہ سے ہے اس لئے مفعول لہ اور مفعول فیہ میں فرق ہے۔

﴿وَ اِذَا وُجِدَ المفعولُ بہٖ تعیّن لہٗ تقول ضرب زیدٌ یومَ الجمعۃ اَمامَ الامیر ضرباً شدیداً فی دارہٖ فتعیّن زیدٌ فان لم یکن فالجمیعُ سواءٌ﴾

۔۔۔۔۔۔☆۔۔۔۔۔اور جب کلام میں مفعول بہ پایا جائے تو وہ مفعول مالم یسم فاعلہ بننے کے لئے متعین ہو جاتا ہے جیسے آپ کہیں۔ ضرب زیدیوم الجمعۃامام الامیر ضربا شدیدا فی دارہ تو اس مثال میں زید نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہو گیا پس اگر وہ یعنی مفعول بہ نہ ہو تو پھر سب برابر ہیں۔۔۔۔۔﴿

﴾۔۔۔۔۔**مفعول بہ نائب فاعل بننے کے زیادہ لائق ہے**۔۔۔۔۔ یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر فعل کے کئی مفعول مذکور ہوں اور ان میں مفعول بہ بھی ہو تو ان تمام مفعولوں میں مفعول بہ نائب فاعل بننے کے لئے متعین ہو جاتا ہے یعنی وجوبا اسی کو نائب فاعل بنایا جائے گا، اس لئے کہ فعل کے ساتھ مفعول بہ کا تعلق باقی مفاعیل کی بہ نسبت زیادہ ہے جیسے فعل لازم فاعل کے بغیر تام نہیں ہوتا اسی طرح فعل متعدی مفعول بہ کے بغیر تام نہیں ہوتا۔ جب مفعول بہ کا تعلق فعل کے ساتھ باقی مفاعیل سے زیادہ ہے تو اسی کو نائب فاعل بنائیں گے۔ اس مذکورہ مثال میں ضرب مجہول ہے زید جو فعل معروف کی صورت میں مفعول بہ تھا اسکو نائب فاعل بنا دیا، یوم الجمعۃ ظرف زمان مفعول فیہ امام الامیر ظرف مکان مفعول فیہ ضربا شدیدا صفت موصوف مل کر مفعول مطلق فی دارہ جار مجرور مفعول بہ غیر صریح فضلہ ہونے کی وجہ سے مفعول کے ساتھ مشابہ ہے ان مفاعیل اور مشابہ بالمفعول میں سے زید جو مفعول بہ ہے وہ نائب فاعل بننے کیلئے متعین ہو گیا اس مثال میں صرف ان مفاعیل کا ذکر کیا گیا ہے جو نائب فاعل بن سکتے ہیں۔

''مفعول بہ نہ ہونے کی صورت میں کس مفعول کو نائب فاعل بنانا بہتر ہے''

اس میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ اگر کلام میں مفعول بہ نہ ہو تو اور باقی مفاعیل جن کو نائب فاعل بنایا جا سکتا ہے وہ کئی ہوں تو ان میں سے کس کو نائب فاعل بنانا بہتر ہے کسی کے نزدیک مفعول مطلق کو کسی کے نزدیک مفعول بہ غیر صریح کو بنانا بہتر ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ سب برابر ہیں ان میں سے کسی کو بھی نائب فاعل بنایا جا سکتا ہے اور جمہور کی تائید کرتے ہوئے علامہ نے

فرمایا **فان لم یکن** پس اگر مفعول بہ نہ ہو **فالجمیع سواء** تو باقی سارے برابر ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کو **مفعول مالم یسم فاعله** بنایا جاسکتا ہے۔

اعتراض۔ علامہ نے مثال میں ضربا کے ساتھ شدیداً کی قید کیوں لگائی ہے ؟

☆...... **جواب**:۔ مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے اور اسی معنی پر دلالت کرتا ہے جو مصدر میں پایا جاتا ہے اس سے زائد معنی پر دلالت نہیں کرتا جبکہ فاعل فعل سے زائد معنے پر دلالت کرتا ہے اسلئے جب تک مصدر کے ساتھ کوئی قید مخصص نہ لگائی جائے (اسوقت تک) اسکو نائب فاعل نہیں بنایا جاسکتا۔ جب مصدر کے ساتھ قید مخصص ہوگی تو وہ فعل سے زائد معنی پر دلالت کرے گا اس لئے اسکو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے اسی وجہ سے ضربا کے ساتھ شدیدا کی قید لگائی۔

والاول من باب اعطیت اولی من الثانی: اور اعطیت کے باب میں دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنانا بہتر ہے اعطیت کے باب سے مراد وہ فعل ہے جو دو مفعولوں کی جانب متعدی ہو اس کے دو مفعولوں میں سے پہلے فعل کو نائب فاعل بنانا بہتر ہے اسلئے کہ پہلا مفعول آخذ ہوتا ہے اور جو آخذ ہوتا ہے وہ معنا فاعل ہوتا ہے جیسے **اعطیت زیدا درهما** میں زید پہلا مفعول ہے اور اس میں آخذ بننے کی صلاحیت ہے اور **درهما** میں اخذ بننے کی صلاحیت نہیں اسلئے زید کو نائب فاعل بنانا بہتر ہے اس لحاظ سے **اعطی زید درهما** ہوجائیگا مگر **اعطی دِرْهمٌ زیدا** بھی جائز ہے، اور اگر باب اعطیت کے دونوں مفعولوں میں آخذ بننے کی صلاحیت ہو تو ایسی صورت میں پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا واجب ہے جیسے **اعطیت زیدا عمروا** میں جب فعل کو مجہول کیا گیا تو پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا واجب ہے اس لحاظ سے **اُعطِیَ زید عمروً**ا ہوگا۔

......"**ومنها المبتدا والخبر فالمبتدا هو الاسمُ المجرد عن العوامل اللفظيّة مسندً اليه او الصفة الواقعه بعدَ حرف النفي او الف الاستفهامِ رافعةً لظاهر مثل زيدٌ قائم وما قائم الزيدان واقائم الزيدان**

فان طابقت مفرد اً جاز الامران" ......☆......اوران مرفوعات میں سے مبتدااور خبر ہیں پس مبتدا وہ اسم ہے جوعوامل لفظیہ سے خالی ہواوراس کی جانب اسناد کی گئی ہو۔یا ایسا صفت کا صیغہ ہو جوحرف نفی یا الف استفہام کے بعد واقع ہوکراسم ظاہر کورفع دینے والا ہو۔جیسے **زید قائم** اور **ما قائم الزیدان** اور **اقائم الزیدان** پس اگر وہ صفت کا صیغہ مفرد ہونے میں اسم ظاہر کے مطابق ہوتو دونوں صورتیں جائز ہیں......☆

مرفوعات میں تیسرا اور چوتھا اسم......ومنہا المبتدا والخبر سے علامہ نے مرفوعات میں سے تیسرے اور چوتھے اسم کا ذکر کیا ہے۔

...... **اعتراض**:۔علامہ نے مرفوعات میں سے ہر ایک مرفوع کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے مگر مبتدااور خبر دونوں کو اکٹھے ذکر کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔اس کے **دو جواب** دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب:۔مبتدااور خبر دونوں میں دونوں جانب سے تلازم ہے اس لئے کہ مبتدا خبر کے بغیر اور خبر مبتدا کے بغیر نہیں پائی جاسکتی۔اس تلازم کی وجہ سے دونوں کو اکٹھے ذکر کردیا۔

دوسرا جواب:۔مبتدااور خبر دونوں عامل معنوی ہیں اور بعض نحویوں کے نزدیک دونوں ایک دوسرے میں عامل ہیں اس لئے ان کو اکٹھے ذکر کردیا ہے۔

......**مبتداء کی تعریف**:۔مبتداء وہ اسم ہوتا ہے جوعوامل لفظیہ سے خالی ہواور مسند الیہ ہوعوامل لفظیہ سے خالی ہونے کی قید سے وہ تمام اسم نکل گئے جن پر عامل لفظی ہوتا ہے اور مسند الیہ ہونے کی قید سے خبر نکل گئی اس لئے کہ وہ مسند ہوتی ہے۔......**اعتراض**:۔مبتدا کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ مبتدا اسم ہوتی ہے حالانکہ **ان تصوموا خیر الکم** میں **ان تصوموا** فعل ہے اور مبتدا ہے۔☆......**جواب**:۔اسم سے مراد عام ہے خواہ اسم حقیقی ہو یا اسم تاویلی ہو۔اور **ان تصوموا** اسم تاویلی ہے اس لیے کہ اَن نے فعل کو بتاویل مصدر کردیا۔اسم تاویلی کبھی اَن مذکور کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **ان تصوموا خیرا لکم** میں اور کبھی اَن مقدر کے ساتھ ہوتا ہے۔جیسے **تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ** ۔تیرا

معیدی کو سننا اسکے دیکھنے سے بہتر ہے۔ اس میں تسمع فعل ہے مگر مبتدا ہے اس لیے کہ اس کے ابتدا میں اَنْ مقدر ہے اور اس کی وجہ سے یہ بتاویل مصدر ہے اور ان کے مقدر ہونے کا قرینہ بعد میں اَنْ تراہ ہے۔

☆...... **اعتراض** :۔ مبتدا کی تعریف میں کہا گیا ہے **الاسم المجرد** یعنی وہ اسم جو مجرد ہو۔ اور مجرد کا معنی ہے خالی کیا ہوا۔ اس لحاظ سے معلوم ہوا کہ پہلے اسم پر عامل لفظی ہو اور پھر اسکو عامل لفظی سے خالی کیا گیا ہو تو وہ اسم مبتدا بنتا ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ ☆...... **جواب** :۔ یہاں المجرد کا معنی خالی کیا ہوا نہیں بلکہ خالی ہونا ہے اور یہ معنی مجازاً ہے اس لئے کہ جو اسم عامل لفظی سے خالی کیا جائے وہ عامل لفظی کے بغیر ہو جاتا ہے تو یہاں ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے کہ ایسا اسم جو عامل لفظی کے بغیر ہو۔

مبتدا کی قسمیں ۔ مبتدا کی دو قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم مبتدا اصلی جس کو مبتدا قسم اول کہتے ہیں اور دوسری قسم مبتدا فرضی جس کو مبتداء قسم ثانی کہتے ہیں۔

علامہ نے پہلے مبتداء قسم اول کا ذکر کیا اور اب **والصفة الواقعة** سے مبتدا قسم ثانی کا ذکر کرتے ہیں۔

مبتداء قسم ثانی ۔۔ مبتدا قسم ثانی ایسا صفت کا صیغہ ہوتا ہے جو حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو اور صفت کے صیغے کے بعد ایک اسم ظاہر ہو جس کو صفت کے صیغے نے رفع دیا ہو۔

☆...... **صفت کے صیغے** ...... صفت کے صیغے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک یہ کہ حقیقتاً صفت کے صیغے ہوں جیسے اسم فاعل ۔ اسم مفعول ۔ اسم ظرف ۔ اسم تفضیل اور صفت مشبہ کے صیغے اور صفت کے صیغے کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ حکماً صفت کا صیغہ ہو اور وہ وہ ہوتے ہیں کہ کسی بھی اسم جامد کے آخر میں جب یاء نسبت کی لگا دی جائے تو وہ حکماً صفت کا صیغہ بن جاتا ہے۔ جیسے **اَقُرَیْشِیٌّ زیدٌ** .

☆...... **مبتدا قسم ثانی میں چار احتمال ہیں** ...... مبتدا قسم ثانی میں عقلی طور پر چار احتمال ہیں :۔

ایک احتمال یہ ہے کہ صفت کا صیغہ اور وہ اسم ظاہر جس کو یہ صفت کا صیغہ رفع دیتا ہے دونوں مفرد ہوں جیسے **اقائمٌ زیدٌ** ۔ اس

صورت میں مبتدا قسم اول بھی بن سکتی ہے اس لحاظ سے ترکیب یوں ہوگی ہمزہ استفہامیہ **قائم** خبر مقدم اور **زید** مبتدا موخر۔ اور یہ مبتدا قسم ثانی بھی بن سکتی ہے ہمزہ استفہامیہ **قائمٌ** صیغہ صفت مبتدا اور **زیدٌ** اس کا فاعل قائم مقام خبر کے ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت کا صیغہ اور اسم ظاہر دونوں تثنیہ ہوں جیسے **اقائمان الزیدان** یا دونوں جمع ہوں جیسے **اقائمون الزیدون**۔ تو اس صورت میں مبتدا قسم اول بن سکتی ہے اور مبتدا قسم ثانی نہیں بن سکتی اس لئے کہ اس میں صفت کے صیغے نے اسم ظاہر کو رفع نہیں دیا بلکہ صفت کے صیغہ نے تثنیہ یا جمع کی ضمیر کو رفع دیا ہے جو اس کے ساتھ ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ صفت کا صیغہ مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو جیسے **اقائم الزیدا ن اقائم الزیدو ن**۔ اس صورت میں مبتدا قسم اول نہیں بن سکتی اس لئے کہ صفت کے صیغے اور اسم ظاہر میں مطابقت نہیں۔ اور مبتدا قسم ثانی بن سکتی ہے اس لئے کہ صفت کے صیغے نے اسم ظاہر کو رفع دیا ہے۔ اور ترکیب یوں ہے:۔ ہمزہ استفہامیہ قائم صفت کا صیغہ مبتدا اور الزیدان اس کا فاعل قائم مقام خبر۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ صفت کا صیغہ تثنیہ یا جمع ہو اور اسم ظاہر مفرد ہو جیسے **اقائمان زید اقائمون زیدٌ**۔

یہ چوتھا احتمال باطل ہے اس لئے کہ اس صورت میں نہ مبتدا قسم اول بن سکتی ہے کہ صفت کے صیغے اور اسم ظاہر میں مطابقت نہیں اور نہ ہی مبتدا قسم ثانی بن سکتی ہے اس لئے کہ صفت کے صیغے نے اسم ظاہر کو رفع نہیں دیا بلکہ اس نے اسم ضمیر کو رفع دیا ہے۔ جیسا کہ فعل کا فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل تثنیہ جمع نہیں بنتا بلکہ مفرد ہی رہتا ہے اسی طرح اگر صفت کا صیغہ اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو تو وہ بھی مفرد ہی رہتا ہے تثنیہ جمع نہیں بنتا۔ جب صفت کا صیغہ تثنیہ یا جمع ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اسم ظاہر کو رفع نہیں دیا۔ ☆...... **اعتراض**۔۔ مبتدا کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ اسم عامل لفظی سے خالی ہوتا ہے حالانکہ **بحسبک درھم** میں **بحسبک** پر باء جارہ داخل ہے اور اس کے باوجود وہ مبتدا ہے۔ ☆...... **جواب**۔۔ عامل لفظی سے مراد یہ ہے کہ وہ عامل معنی میں اثر کرنے والا ہو اور یہاں باء معنے میں اثر کرنے والی نہیں بلکہ زائدہ ہے اور باء زائدہ جس اسم پر داخل ہو وہ اسم مبتدا بن سکتا ہے جیسے **بحسبک درھم** میں **بحسبک** مبتدا اور درھم اس کی خبر ہے۔

﴾......**اعتراض** ۔مبتدا کی تعریف میں **العوامل اللفظية** کہا گیا ہےعوامل جمع ہے عامل کی اور اس پر الف لام داخل ہے، اور قاعدہ ہے کہ جمع پر جب الف لام داخل ہوتو وہ جمع کثرت ہوتی ہے جو کم از کم دس پر بولی جاتی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جو اسم کم از کم دس عوامل سے خالی ہوتو وہ مبتدا ہوتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔

☆......**جواب** ۔۔العوامل پر الف لام جنسی ہے اور جمع پر جب الف لام جنسی ہوتو اسکی جمعیت باطل ہو جاتی ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ وہ اسم جنس عامل لفظی سے خالی ہو یعنی ہر قسم کے عامل لفظی سے خالی ہو،،۔

﴾......**اعتراض** ۔۔۔مبتدا قسم ثانی میں کہا گیا ہے کہ وہ صفت کا صیغہ ہوتا ہے جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہوتا ہے حالانکہ امام سیبویہ اور امام اخفش کے نزدیک صیغہ صفت کا بے شک حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع نہ ہو تب بھی مبتدا بن سکتا ہے اور وہ دلیل میں یہ شعر پیش کرتے ہیں **.فخير نحن عندا لناس منكم** ۔۔اس میں خیر صیغہ اسم تفضیل مبتدا اور نحن اس کا فاعل ہے حالانکہ یہ خیر حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع نہیں ہے۔

☆......**جواب**۔۔اس شعر میں وزن شعری کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

﴾......**اعتراض** ۔۔اس شعر میں خیر کو خبر مقدم اور نحن مبتدا مؤخر کیوں نہیں قرار دیا جاتا؟۔

☆......**جواب**:۔﴾اگر خیر کو خبر مقدم اور نحن کو مبتدا بنائیں تو خیر کا معمول منکم ہے اور اسم تفضیل ضعیف عامل ہے ضعیف عامل اور اس کے معمول کے درمیان فاصلہ جائز نہیں ہوتا جبکہ یہاں **خیر** اور **منکم** کے درمیان اجنبی کلمہ یعنی نحن کا فاصلہ ہے۔اس لئے خیر مبتدا قسم ثانی ہے اور نحن اس کا فاعل قائم مقام خبر کے ہے امام سیبویہ کے نزدیک صفت کا صیغہ جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع نہ ہو اسکو مبتدا قسم ثانی بنانا جائز ہے مگر قبیح ہے اور امام اخفش کے نزدیک بلا قباحت اس کو مبتدا بنایا جا سکتا ہے۔

"والخبر هو المجرّدُ والمسندُ به المغائر للصّفة المذكورة" ☆......اور خبر وہ اسم ہوتا ہے جو عامل لفظی سے خالی ہو اور مسند ہو اور صفت کے اس صیغہ کے مغائر ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے......☆

☆......**خبر کی تعریف**......مبتدا کی تعریف کے بعد اب خبر کی تعریف کر رہے ہیں۔ المجرد کی قید سے وہ اسماء نکل گئے جن پر عامل لفظی ہوتا ہے جیسے کان زید قائماً ، ان زیدا قائماً وغیرہ کہ ان پر عامل لفظی ہے اور المسند بہ سے مبتدا قسم اول نکل گئی اور المغائر عن الصفة المذکورة سے مبتدا قسم ثانی نکل گئی۔ اس لئے کہ مبتداء قسم ثانی میں اسناد فاعل کی طرف ہوتی ہے جبکہ خبر میں اسناد مبتدا کی طرف ہوتی ہے اس لحاظ سے المسند بہ سے ہی مبتدا قسم ثانی نکل جاتی ہے اور آگے المغائر للصفة المذکورة احتراز کی تاکید کے لئے ہوگا،،

......"واصل المبتداء التقدیمُ ومِنْ ثَمَّ جا زفی دارہٖ زیدٌ وامتنَع صاحبُھافی الدّار" ......اور مبتدا میں اصل تقدیم ہے اور اسی وجہ سے فی دارہ زید کہنا جائز ہے اور صاحبھا فی الدار کہنا جائز نہیں ہے☆

......**مبتدا اور خبر کے احکام**......مبتدا اور خبر کے احکام دو قسم پر ہیں ایک قسم یہ کہ ایسے احکام جن کا تعلق مبتدا اور خبر کو ذکر کرنے کے ساتھ ہے۔ اور دوسری قسم یہ کہ ایسے احکام جن کا تعلق مبتدا اور خبر کو حذف کرنے کے ساتھ ہے پھر جن احکام اور مسائل کا تعلق مبتدا اور خبر کو ذکر کرنے کے ساتھ ہے ان کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم کہ ان کا ذکر کرنا اولی ہو۔اور دوسری قسم کہ مبتدا اور خبر کا ذکر کرنا واجب ہو اور تیسری قسم کہ ان کا ذکر کرنا ممتنع ہو۔

پہلا مسئلہ علامہ نے واصل المبتداء سے پہلا مسئلہ بیان کیا ہے کہ مبتداء کو خبر سے مقدم کرنا اولی ہے اسلئے کہ مبتدا محکوم علیہ اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور محکوم علیہ ذات اور محکوم بہ صفت ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ذات مقدم ہوتی ہے صفت

سے۔اور مبتدا کو خبر سے مقدم کرنا اولیٰ ہونا ان مقامات میں ہے جہاں مقدم کرنا واجب یا ممتنع نہ ہو۔ **ومن ثم جاز فی داره زید** سے علامہ اس مثال سے ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ جب خبر مقدم ہو اور مبتدا مؤخر ہو اور خبر کے ساتھ کوئی ضمیر متصل ہو جو مبتدا مؤخر کی طرف راجع ہو تو ایسی ترکیب جائز ہے اس لئے کہ ایسی صورت میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً آتا ہے رتبۃً نہیں آتا اسلئے کہ مبتدا رتبہ میں خبر سے مقدم ہوتی ہے، اور جہاں اضمار قبل الذکر صرف لفظوں میں آتا ہو وہ جائز ہے۔

"**وامتنع صاحبها فی الدّار**" یہ مثال بیان کر کے بھی علامہ نے ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مبتدا مقدم ہو اور خبر مؤخر ہو اور مبتدا کے ساتھ کوئی ضمیر متصل ہو جو خبر کی طرف راجع ہو تو ایسی ترکیب ناجائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر لفظاً و رتبۃً دونوں لحاظ سے آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

﴿...... وقد یکون المبتداء نکرة اذا تخصّصت بوجهٍ مّا مثل ولعبدٌ مّؤمنٌ خیرٌ منْ مُّشرکٍ وأرجل فی الدار امْ امراةٌ وما اَحدٌ خیرٌ منک وشرٌّ اَهرَّ ذا نابٍ وفی الدار رجلٌ وسلامٌ عَلیک ......﴾

☆ اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتی ہے جبکہ وہ کسی نہ کسی لحاظ سے خاص ہو جائے۔ جیسے **ولعبد مؤمن خیر من مشرک** الخ وغیرہ

﴿دوسرا مسئلہ﴾ علامہ یہاں مبتدا اور خبر سے متعلق دوسرا مسئلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مبتدا میں اولیٰ تو یہ ہے کہ وہ معرفہ ہوتی ہے اسلئے کہ محکوم علیہ ہوتی ہے اور محکوم علیہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو کہ معلوم و متعین ہو اور معلوم و متعین معرفہ ہوتا ہے جبکہ نکرہ مجہول اور غیر متعین ہوتا ہے۔

﴿نکرہ کی اقسام﴾ نکرہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ نکرہ محضہ ہو اور دوسری قسم یہ کہ نکرہ مخصصہ ہو۔

"نکرہ محضہ میں اگر کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ مبتدا واقع نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی فائدہ ہو تو وہ مبتدا واقع ہو سکتا ہے

جیسے کوکب انقض الساعة میں کوکب نکرہ محضہ ہونے کے باوجود مبتداء واقع ہے اور نکرہ مخصصہ مبتدا واقع ہوسکتا ہے اس لئے کہ جب نکرہ میں تخصیص آجاتی ہے تو وہ معرفہ کے قریب قریب ہوجاتا ہے اور یہاں تخصیص کا معنی ہے تقلیل الشرکاء یعنی شرکاء کا کم ہونا اور نکرہ مخصصہ کو مخصصہ اسی لئے کہتے ہیں کہ تخصیص کے بعد نکرہ کے شرکاء میں قلت آجاتی ہے۔

نکرہ کی تخصیص کی صورتیں

علماء نے نکرہ کی تخصیص کی چوبیس صورتیں لکھی ہیں جن میں سے علامہ ابن حاجب نے صرف چھ کا ذکر کیا ہے

پہلی صورت:۔ ظرف جار مجرور مقدم ہو جیسے فی الدار رجل۔ گھر میں آدمی ہے۔

دوسری صورت:۔ نکرہ پر حرف استفہام ہو جیسے ھل فتی منکم۔ کیا تم میں سے کوئی جوان ہے۔

تیسری صورت:۔ نکرہ تحت النفی ہو یعنی نکرہ پر حرف نفی ہو جیسے ما احد خیر منک تجھ سے بہتر کوئی نہیں

چوتھی صورت:۔ نکرہ موصوفہ یعنی نکرہ کی وصف کی گئی ہو جیسے رجل عالم عندی۔ میرے پاس عالم آدمی ہے

پانچویں صورت:۔ نکرہ عاملہ ہو جیسے رغبة فی الخیر خیر۔ بھلائی میں رغبت اچھی ہوتی ہے۔

چھٹی صورت:۔ نکرہ مضاف ہو جیسے غلام رجل فی الدار، آدمی کا غلام گھر میں ہے۔

ساتویں صورت:۔ نکرہ شرطیہ ہو جیسے من یقم اقم، جو اٹھے گا میں اٹھوں گا۔

آٹھویں صورت:۔ نکرہ جوابیہ یعنی وہ نکرہ جو جواب میں واقع ہو جیسے کسی نے کہا من قام تو جواب میں کہا رجل۔

نویں صورت:۔ نکرہ عامہ ہو جیسے کل یموت۔ ہر ایک مرے گا۔

دسویں صورت:۔ نکرہ تنویعیہ ہو جیسے ثوب لبست وثوب آخر۔ ایک قسم کا کپڑا میں نے پہنا ہے اور ایک

قسم کا کپڑا اور ہے۔ **گیارھویں صورت**:۔نکرہ دعائیہ ہو جیسے سلام علی ابراھیم ۔ابراھیم پر سلامتی ہو۔

بارھویں صورت:۔نکرہ تعجبہ ہو جیسے ما احسن زید ۔زید کس قدر خوبصورت ہے۔

تیرھویں صورت:۔وہ نکرہ جو موصوف کا نائب ہو جیسے مومن خیر من مشرک ۔مومن مشرک سے بہتر ہے۔

چودھویں صورت :۔نکرہ مصغرہ ہو یعنی ایسا نکرہ جس کی تصغیر بنائی گئی ہو جیسے رجیل عندی ۔میرے پاس چھوٹا سا آدمی ہے۔

پندرھویں صورت:۔ نکرہ محصورہ ہو جیسے شر اھر ذاناب ۔کچلی دانت والے کا بھونکنا برا ہے۔

سولھویں صورت:۔ایسا نکرہ جو واؤ حالیہ کے بعد ہو جیسے شربنا و نجم قد اضاء ہم نے پیا اس حال میں کہ ستارہ روشن ہو گیا تھا۔

سترھویں صورت:۔ نکرہ معطوفہ بر معرفہ یعنی ایسا نکرہ جس کا معرفہ پر عطف کیا گیا ہو جیسے زید ورجل عندی ۔میرے پاس زید اور ایک اور آدمی ہے۔

اٹھارویں صورت:۔نکرہ معطوفہ بر موصوف یعنی ایسا نکرہ جس کا موصوف پر عطف کیا گیا ہو جیسے امراءۃ طویلۃ و رجل عندی ۔لمبے قد کی عورت اور ایک آدمی میرے پاس ہے۔

انیسویں صورت:۔ نکرہ مبھمہ ہو جیسے تمرۃ خیر من جرادۃ۔ایک کھجور ٹڈی دل سے بہتر ہے۔

بیسویں صورت ایسا نکرہ جو کے بعد ہو جیسے لولا رجل لھلک زید ۔اگر آدمی نہ ہوتا تو زید ہلاک ہو جاتا

اکیسویں صورت:۔ ایسا نکرہ جو فاء جزائیہ کے بعد ہو جیسے ان ذھب زید فرجل کان معه ۔اگر زید گیا تو آدمی اس کے ساتھ ہوگا۔

بائیسویں صورت:۔ نکرہ معطوفہ بروصف یعنی ایسا نکرہ جس کا وصف پر عطف کیا گیا ہو جیسے زید عالمٌ ورَجلٌ عندی ۔ عالم زید اور آدمی میرے پاس ہے اس میں رجل کا عطف زید پر نہیں بلکہ عالم پر ہے جو کہ زید کی صفت ہے۔ تیئیسویں صورت:۔ ایسا نکرہ جو لام ابتدائیہ کے بعد ہو جیسے لَرَجلٌ قائمٌ ۔

چوبیسویں صورت:۔ نکرہ مفیدہ ہو جیسے کوکبٌ انقض الساعة۔

☆...... نکرہ کی تخصیص کی ان چوبیس صورتوں میں سے علامہ نے چھ کو مثالوں کے ذریعہ سے بیان کیا ہے...... ☆

پہلی مثال:۔ علامہ نے پہلی مثال ولعبد مومن خیر من مشرک ذکر کی ہے یہ مثال ہے نکرہ موصوفہ کی۔ اس لئے کہ ولعبد میں ہر قسم کا غلام شامل ہے خواہ مومن ہو یا کافر جب عبد کی مومن کے ساتھ وصف بیان کی تو عبدٌ میں تخصیص آگئی اس لئے اس کو مبتدا بنانا درست ہے۔

دوسری مثال:۔ ارجل فی الدار ام امراة ۔ یہ مثال ہے اس نکرہ کی جس پر ہمزہ استفہام داخل ہو۔ جب ہمزہ استفہام کے مقابلہ میں اَم متصلہ ہو تو وہاں دو چیزوں میں سے ایک کی تعیین کا سوال ہوتا ہے اور سائل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجھے یہ تو معلوم ہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کونسی چیز موجود ہے تو جب جواب دینے والا جواب دے گا تو دو چیزوں میں سے ایک متعین ہو جائیگی۔

تیسری مثال:۔ وما احد خیر منک یہ مثال نکرہ تحت النفی کی ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عموم میں افراد کا مجموعہ ہوتا ہے اور افراد کا مجموعہ امر واحد ہوتا ہے اس میں تعدد نہیں ہوتا اس لئے اسمیں تخصیص پیدا ہوگئی۔

چوتھی مثال:۔ شرٌّ اھرَّ ذاناب ۔ یہ مثال نکرہ محصورہ کی ہے اسمیں تخصیص اس طرح آتی ہے کہ التقدیم ما حقه التاخیر یفید الحصر والاختصاص ۔یعنی جس کا حق یہ تھا کہ اس کو موخر لایا جائے مگر اس کو مقدم کر دیا گیا تو تقدیم

کی وجہ سے حصر اور تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔اور یہ اصل عبارت تھی اھر ذاناب شرٌّ یا اصل عبارت تھی ما اھر ذانا ب الا شر اس لئے کہ عرب لوگ اس کی جگہ اھر ذاناب شرا ستعمال کرتے ہیں۔

﴾...... **اعتراض**:۔ ما اھر ذانا ب الاشر میں تو ما نافیہ اور الا ادا ۃ حصر موجود ہے مگر شر اھر ذاناب میں اداۃ حصر کوئی نہیں اس لئے اداۃ حصر کے بغیر جملہ کو اداۃ حصر والے جملہ کی جگہ کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

☆...... **جواب**:۔ اگرچہ اداۃ حصر لفظوں میں مذکور نہیں مگر معنی میں موجود ہیں اس لئے کہ اصل میں ہے۔

اھر ذا ناب شر ۔اھر فعل ماضی ہے اور اس میں ضمیر غائب راجع ہے فاعل کی طرف اور وہ مبدل منہ ہے اور شرٌّ اس سے بدل ہے اور در حقیقت مبدل منہ اور بدل ایک ہی چیز ہوتی ہے تو شر فاعل ہوا اھر کا۔ پھر شرٌّ کو تخصیص کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے مقدم کر دیا) **اعتراض**: شر کو فاعل سے بدل کہا ہے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ اھر کا فاعل ہے۔

جواب: اگر شر کو اھر کا فاعل کہہ دیتے تو فاعل کا فعل سے مقدم کرنا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔

ملا جامی نے اس مثال میں شَرّ کے اندر تخصیص کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے آخر میں تنوین تعظیم کی ہے تو اس لحاظ سے معنی یہ ہوا شَرٌّ عظیمٌ اھرّ ذانا ب۔تو جب شر عظیم کہا تو اس میں تخصیص پیدا ہوگئی۔

پانچویں مثال:۔ وفی الدار رجل ۔ یہ مثال جار مجرور مقدم کی ہے اس میں تخصیص اس طرح آتی ہے کہ جب متکلم نے فی الدار کہا تو سامع سمجھ گیا کہ اس کے بعد متکلم ایسی چیز ذکر کرے گا جو دار میں ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کونسی چیز ہے پھر جب متکلم نے رجل کہا تو دوسرے احتمال ختم ہو گئے اور رجل کو بلحاظ دوسرے افراد کے تخصیص حاصل ہوگئی۔

چھٹی مثال:۔ سلامٌ علیک یہ مثال نکرہ دعائیہ کی ہے اس میں تخصیص اسطرح آتی ہے کہ یہ اصل میں سلّمت سلاماً علیک تھا۔فعل کو حذف کیا اور سلاماً کو نصب کی بجائے رفع دے دیا۔اور جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی جانب عدول اس لئے کیا کہ جملہ فعلیہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور یہ مقام دعاء ہے اور دعاء میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔اور دوام واستمرار جملہ اسمیہ میں ہوتا ہے اس لئے اس کو جملہ اسمیہ بنا دیا گیا۔

والخبر قد یکونُ جملةً مثل زید ابوہ قائم و زیدٌ قام ابوہ فلا بُدَّ من عائدٍ و قد یحذف و ما وقع ظرفا فالاکثر علٰی انہ مقدر بجملة ......اور خبر کبھی جملہ ہوتی ہے جیسے زید ابوہ قائم اور زید قام ابوہ پس اس میں ضمیر ضروری ہوتی ہے اور کبھی وہ ضمیر حذف کردی جاتی ہے۔ اور جو خبر ظرف واقع ہوتی ہے تو اکثر نحویوں کے نزدیک وہ ضمیر جملہ کے ساتھ مقدر ہوتی ہے......☆۔ **تیسرا مسئلہ** ...... یہاں سے علامہ بیان کرتے ہیں کہ خبر کبھی جملہ بھی ہوتی ہے اور پھر اس کی دو مثالیں ذکر کی ہیں ایک جملہ اسمیہ کی جیسے زید ابوہ قائم اور دوسری مثال جملہ فعلیہ کی ذکر کی ہے جیسے زید قام ابوہ ۔ پہلی مثال میں زید مبتدا اور ابوہ مضاف مضاف الیہ ملکر مبتدا اور قائم اس کی خبر۔ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہوئی زیدٌ مبتدا کی۔ اور دوسری مثال میں زید مبتدا اور اقام فعل ابوہ مضاف مضاف الیہ مل کر اس کا فاعل۔ فعل اپنے فاعل کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہوئی زید مبتداء کی۔ جملہ انشائیہ خبر واقع نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خبر وہ چیز واقع ہوسکتی ہے جو پہلے سے موجود ہو اور جملہ انشائیہ پہلے سے موجود نہیں ہوتا بلکہ اس کا وجود اس وقت ہوتا ہے جب متکلم کلام کرتا ہے۔ اگر کسی مقام میں جملہ انشائیہ خبر واقع ہو تو اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ جیسے زیدٌ اِضربہ تو اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ اصل میں زید مقول فی حقہ اضربہ ہے.

فلا بد من عائد (فلا بد میں فافصیحیہ ہے اور یہاں سے) علامہ فرماتے ہیں کہ جب مبتدا کی خبر جملہ ہو تو اس جملہ میں ضمیر ضرور ہوتی ہے جو مبتدا کی طرف لوٹتی ہے۔ ضمیر اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ مبتداء اور خبر کے درمیان رابطہ ہوتا ہے جبکہ جملہ مستقل بنفسہ ہوتا ہے اور ماقبل کے ساتھ رابطہ سے بے نیاز ہوتا ہے یعنی ماقبل سے کسی ربط کو نہیں چاہتا تو جب اس جملہ میں ضمیر ہوگی جو مبتدا کی طرف راجع ہوگی تو اس کی وجہ سے مبتدا اور خبر کے درمیان تعلق اور رابطہ ہوجاتا ہے۔

وقد یحذف :۔ اور کبھی اس ضمیر کو حذف کردیا جاتا ہے۔ وقد میں واؤ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے کہ

بعض ایسے جملے موجود ہیں جو خبر واقع ہوتے ہیں مگر ان میں کوئی ضمیر نہیں ہے جیسے **السمن منو ان بدر هم** (گھی ایک درہم کا دو سیر ہے) السمن مبتدا ہے اور منوان مبتدا بدرھم جار مجرور مل کر متعلق ثبت یا ثابت مقدر کے ساتھ ۔ پھر جار مجرور اپنے متعلق کے ساتھ مل کر خبر ہوئی منوان کی اور منوان مبتدا اپنی خبر کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا السمن کی اور یہ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اسی طرح **البر الکر بستین در هما** ۔ ایک کُر گندم ساٹھ درہم کی ہے ۔ ان جملوں میں خبر ہونے کے باوجود ضمیر نہیں ہے تو اس کا جواب دیا کہ جہاں لفظوں میں ضمیر مذکور نہیں ہوتی تو وہاں ضمیر محذوف ہوتی ہے اور ان مثالوں میں اصل ہے **السمن منوان منه بدرهم** اور **البر الكر منه بستين درهما** ۔ تو اصل میں ان جملوں میں ضمیر موجود ہے ۔ مگر اس کو حذف کر دیا گیا ہے ۔

چوتھا مسئلہ ...... وما وقع ظرفا فالا كثر على انه مقدر بجملة

یہاں سے علامہ خبر کے متعلق یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر خبر ظرف ہو خواہ ظرف مکان ہو جیسے **السقف فوقک** یا ظرف زمان ہو جیسے **القیام لیلة الجمعة** یا ظرف جار مجرور ہو جیسے **زید فی الدار** تو اس بارہ میں اکثر نحویوں کا نظریہ ہے کہ وہ ضمیر جملہ کے ساتھ مقدر ہوتی ہے ۔

نحویوں کا اختلاف اگر جار مجرور کا متعلق لفظوں میں مذکور نہ ہو تو بصریوں کے نزدیک جار مجرور کا متعلق فعل ہوتا ہے اس لئے کہ ظرف کا متعلق عامل ہوتا ہے اور عمل میں اصل فعل ہے اس لئے جار مجرور کا متعلق فعل ہوتا ہے اور کوفیوں کے نزدیک اس کا متعلق اسم ہوتا ہے اسلئے کہ یہ ظرف خبر کی جگہ میں واقع ہے اور خبر میں اصل افراد ہے اور مفرد صرف اسم ہی ہوتا ہے اس لئے ظرف کا متعلق اسم مقدر ہوتا ہے لیکن جب جار مجرور ظرف مستقر صلہ کے مقام میں واقع ہو تو اس کا متعلق بالاتفاق فعل ہوتا ہے ۔

نحویوں کا دوسرا اختلاف :۔ پھر نحویوں کا اختلاف ہے کہ جار مجرور جو خبر کی جگہ میں ہو وہ جار مجرور خبر ہوتا ہے یا فعل مقدر خبر ہوتا ہے یا دونوں کا مجموعہ خبر ہوتا ہے ۔ بعض کے نزدیک جو فعل مقدر ہے وہ خبر ہوتا ہے اور جو ظرف اس کے قائم مقام رکھی گئی ہے وہ خبر نہیں ہوتی ۔ بعض کے نزدیک یہ ظرف جو فعل کے قائم مقام رکھی گئی ہے یہی خبر بنتی ہے اور یہی مختار مذہب ہے ۔

اور بعض کے نزدیک فعل مقدر اس ظرف کے ساتھ مل کر خبر بنتی ہے۔

نحویوں کا تیسرا اختلاف:۔ جار مجرور کا متعلق جو فعل مقدر ہوتا ہے اس میں جو ضمیر ہوتی ہے کیا وہ ضمیر فعل مقدر سے ظرف کی جانب منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں۔ صاحب اللباب نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے کہ وہ ضمیر فعل مقدر سے ظرف کی جانب منتقل ہو جاتی ہے اور بعض حضرات کے نزدیک وہ ضمیر فعل کے ساتھ ہی رہتی ہے ظرف کی جانب منتقل نہیں ہوتی اور اسی کی جانب علامہ ابن حاجب نے اشارہ کیا ہے کہ وہ ضمیر جملہ کے ساتھ مقدر ہوتی ہے۔

۞...... **اعتراض**:۔ علامہ نے کہا'' انه مقدر بجملة '' کہ وہ ضمیر جملہ کے ساتھ مقدر ہوتی ہے۔ حالانکہ جملہ تو ظرف کو ساتھ ملا کر بنتا ہے اور یہ ظرف مقدر نہیں ہوتی بلکہ صرف فعل مقدر ہوتا ہے۔

☆...... **جواب**:۔ جملہ سے مراد مجازاً فعل ہے۔ جملہ کا اہم جزء فعل ہے اسلئے اسی کو جملہ کہہ دیا گیا ہے۔

۞...... **اعتراض**:۔ مقدر تقدیر سے ہے اور تقدیر کا صلہ باء نہیں بلکہ فی آتا ہے تو علامہ نے فی جملة کی بجائے بجملة کیوں کہا ہے۔ ☆...... **جواب**:۔ یہاں تقدیراً تاویلؔ کے معنی میں ہے اور تاویل کا صلہ باء آتی ہے اس لئے مقدر بجملة کہا ہے۔

۞......'' **واذا كانَ المبتداء مشتملاً على مالهُ صدر الكلام مثل مَنْ ابوک او کانا معرفتین او متساویین نحو افضلُ منک افضلُ منّی او کا ن الخبرُ فعلاًلهُ مثلُ زيدٌ قام وَجَبَ تقديمهٗ**''......

☆......اور جب مبتداء ایسی چیز پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتی ہے جیسے من ابوک۔ یا مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں یا دونوں برابر ہوں۔ جیسے افضل منک افضل منی یا مبتدا کی خبر فعل ہو جیسے زیدٌ قام تو ان صورتوں میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے......☆

۞...... **پانچواں مسئلہ تقدیم مبتدا وجوباً کے مقامات** ...... یہاں سے علامہ وہ مقامات بیان فرما رہے ہیں جہاں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے اور وہ چار مقامات ہیں۔

پہلا مقام یہ ہے کہ مبتدا ایسا کلمہ ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہو یعنی اس کلمہ کو ابتداء کلام میں ہی ذکر کرنا صحیح ہو جیسے **من ابوک** ۔اس میں من استفہامیہ ہے اور استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے اگر مبتداء کو موخر کریں تو پھر اس کی صدارت باقی نہیں رہتی اسلئے اس صورت میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے ﴿صدارت کلام کو چھ چیزیں چاہتی ہیں

(۱) شرط جیسے **اِنْ تضرب اضربْ** (۲) قسم جیسے **واللہ لا ضربن زیدا** ۔(۳) تعجب جیسے **مااحسن زید** (۴) استفہام جیسے **من ابوک** (۵) نفی جیسے **ما ضرب زید** (۶) ابتداء جیسے **زیدقائم**

دوسرا مقام:۔تقدیم مبتداء وجوباً کا یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں جیسے **زید المنطلق**۔ان دونوں کلمات میں سے ہر ایک میں مبتدا واقع ہونے کی صلاحیت موجود ہے اگر مبتدا کو مقدم نہ کریں تو التباس آتا ہے کہ ان میں سے مبتداء کونسی ہے اگر التباس لازم نہ آتا ہو تو پھر مبتدا کو مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔جیسے **بنو ابنائنا بنو نا**۔ہمارے بیٹوں کی اولاد ہماری اولاد ہے ۔اسمیں **بنو ابنا ئنا** بھی معرفہ ہے اور **بنو نا** بھی معرفہ ہے اور مبتدا کو موخر کرنے کی صورت میں کوئی التباس نہیں آتا اس لیے کہ ان کلمات میں سے صرف بنوابنا ئنا میں ہی مبتدا بننے کی صلاحیت ہے اس لئے کہ اگر بنونا کو مبتدا بنائیں تو معنی ہی فاسد ہو جاتاہے اور معنی یوں بن جاتا ہے کہ ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کی اولاد ہیں۔اور یہ درست نہیں ہے۔جب مبتدا کو موخر کرنے کی صورت میں کوئی التباس نہیں آتا تو مبتداء کو مقدم کرنا بھی واجب نہیں ہے بلکہ صرف اولی ہے۔

تیسرا مقام:۔تقدیم مبتدا وجوباً کا تیسرا مقام یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں برابر ہوں یعنی دونوں نکرہ ہوں اور تخصیص میں دونوں برابر ہوں یعنی دونوں میں کسی نہ کسی لحاظ سے تخصیص پائی جاتی ہو،جیسے **افضل منک افضل منی** ۔جو تجھ سے بہتر ہے وہ مجھ سے بہتر ہے اس لئے کہ میں تجھ سے ادنیٰ ہوں۔اس صورت میں مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر مبتدا کو موخر کریں تو خبر میں مبتدا واقع ہونے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ مبتدا ظاہر ہوگی اور کلام کا مقصد الٹ ہو جائیگا جیسے مذکورہ مثال میں اگر یوں کہا جائے **افضل منی افضل منک** جو مجھ سے افضل ہے وہ تجھ سے افضل ہے۔اس لئے کہ میں تجھ سے اعلیٰ ہوں۔حالانکہ متکلم کا مقصد اپنے آپ کو مخاطب سے ادنی ثابت کرنا ہے۔جب معنی فاسد ہو جاتا ہے تو مبتداء کو موخر کرنا درست نہیں بلکہ اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔

چوتھا مقام:۔ یہ ہے کہ مبتدا کی خبر فعل ہو جیسے **زید قام** ۔اس صورت میں مبتداء کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر اسکو مقدم نہ کیا جائے تو وہ مبتدا نہیں رہے گی بلکہ فعل کا فاعل بن جائیگا اور جملہ اسمیہ کی بجائے جملہ فعلیہ ہو جائیگا۔

……**اعتراض**:۔ او متساویین کا عطف معرفتین پر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ مغائر ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مغائر نہیں ہیں اس لئے کہ اگر مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو وہ آپس میں مساوی ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے معطوف اور معطوف علیہ میں کوئی مغائرت ثابت نہیں ہوتی اس لئے یہ عطف درست نہیں ہے۔

☆……**جواب**: متساویین سے مراد یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں نکرہ ہوں اور وجہ تخصیص میں برابر ہوں۔ جب معطوف علیہ معرفتین اور معطوف سے مراد نکرتین ہے تو دونوں میں مغائرت واضح موجود ہے۔

……**اعتراض**:۔قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مبتدا کی خبر فعل ہو تو مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے حالانکہ زید قام ابوہ میں قام ابوہ زید پڑھنا بھی درست ہے اور اس صورت میں زید مبتداء موخر ہوتی ہے۔

☆……**جواب**:۔قاعدہ میں فعل له کہا گیا ہے اور له میں ہ ضمیر کا مرجع مبتدا ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ فعل اس مبتداء کا ہو جبکہ زید قام ابوہ میں قام فعل زید کا نہیں بلکہ ابوہ کا ہے اس لئے اس میں مبتداء کو مقدم کرنا یا موخر کرنا دونوں طرح درست ہے۔ **اعتراض**:۔ اذا کان المبتداء میں اذا حرف شرط ہے اور کان اس کی شرط اور وجب تقدیمه اس کی جزاء ہے تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جزاء کا ترتب صرف آخری صورت پر ہے کہ اس آخری صورت میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے حالانکہ مبتدا کا مقدم کرنا ان تمام صورتوں میں واجب ہے جو صورتیں بیان ہوئی ہیں۔

……**جواب**:۔ یہاں عبارت محذوف ہے اور اصل عبارت ہے "**وجب تقديمه في جميع هذه الصور**" کہ ان تمام صورتوں میں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔

……"**وَاذا تضمّن الخبرُ المفرد ماله صدر الكلام مثل اين زيدٌ او كان مصححًا لهٗ مثل فيَ الدار رجل او لمتعلّقه ضميرٌ في المبتداء**

مثل علی التّمرۃ مثلھا زیدااو کان خبراً عن اَنَّ مثل عندي اَنَّک قائم وجَبَ تقدیمہٗ۔"...... ☆......اور جب خبر مفرد ہواور ایسی چیز پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتی ہے جیسے این زید یا خبر مبتداء کے لئے مصحح ہو جیسے فی الدار رجل۔ یا مبتدا میں ایسی ضمیر ہو جو خبر کے متعلق یعنی جز کی طرف راجع ہو جیسے علی التمرۃ مثلھا زبدا کھجور پراس کے مثل مکھن ہے۔ یا اَنَّ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر خبر واقع ہو رہا ہو جیسے "عند ی انک قائم" "تو ان صورتوں میں خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے۔...... ☆

☆...... **چھٹا مسئلہ تقدیم خبر وجوباً کے مقامات**...... علامہ نے یہاں ان مقامات کو بیان کیا ہے جہاں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے اور یہ بھی چار مقامات ہیں۔

پہلا مقام کہ خبر ایسا کلمہ ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہو جیسے این زید میں این خبر ہے اور اسمیں استفہام ہے اور استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس مقام میں اگر خبر کو مقدم نہ کریں تو اس کلمہ کی صدارت باقی نہیں رہتی۔

دوسرا مقام:۔ یہ ہے کہ خبر مبتدا کے لیے مصحح ہو یعنی اس خبر ہی کی وجہ سے مبتداء کو مبتداء بنانا درست ہو اور اس کے بغیر اسکو مبتداء بنانا درست نہ ہو جیسے **فی الدار رجل** میں رجل مبتدا ہے اور رجل نکرہ محضہ ہے مگر فی الدار کی وجہ سے اس میں تخصیص آگئی ہے۔ اور تخصیص کے بغیر نکرہ کو مبتدا بنانا درست نہیں اس لئے رجل کو مبتدا بنانے کے لئے **فی الدار مصحح** ہے اس لئے فی الدار خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب ہے۔

تیسرا مقام خبر کو وجوباً مقدم کرنے کا یہ ہے کہ مبتداء کے ساتھ ضمیر ہو جو خبر کے جز کی طرف راجع ہو جیسا کہ **علی التمرۃ مثلھا زبدا** میں مثلھا مبتداء ہے اور اس کے ساتھ ھا ضمیر ہے جو التمر ۃ کی طرف راجع ہے اور التمر ۃ خبر کا جز ہے اس لئے کہ پوری خبر علی التمر ۃ اپنے متعلق کے ساتھ مل کر ہے اس صورت میں اگر خبر کو مقدم نہ کریں تو اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

چوتھا مقام تقدیم خبر وجوباً کا یہ ہے کہ اَن اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر مبتداء واقع ہو جیسے '**عندی انک قائم**' اس صورت میں اگر خبر کو مقدم نہ کریں تو اَنَّ کا اِنَّ کا ساتھ التباس آتا ہے اس لئے کہ کلام کے شروع میں اِنَّ مکسورہ آتا ہے۔

اعتراض:۔علامہ نے کہا اذا تضمن الخبر المفرد ۔تو الخبر کے ساتھ المفرد کی قید کیوں لگائی ہے۔

☆......**جواب**:۔الخبر کے ساتھ المفرد کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر خبر مفرد نہ ہو بلکہ مرکب ہو تو اس کو مبتداء پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے۔جیسے زیدٌ این ابو ہ میں این ابوہ خبر ہے اور این صدارت کلام کو چاہتا ہے مگر خبر کے مرکب ہونے کی وجہ سے اس کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب نہیں ہے بلکہ "زیدٌ این ابوہٗ" پڑھنا جائز ہے۔

"**وقد یتعدد الخبر مثل زید عالمٌ عاقلٌ**"......اور کبھی ایک مبتدا کی متعدد خبریں بھی واقع ہوتی ہیں جیسے زیدٌ عالمٌ عاقلٌ ۔......☆

......**ساتواں مسئلہ**......:۔یہاں سے علامہ مبتداء اور خبر سے متعلق ساتواں مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مبتداء کی ایک سے زائد خبریں بھی ہوسکتی ہیں جیسے زید عالم عاقل میں زید مبتدا ہے اور عالم اس کی خبر اول اور عاقلٌ خبر ثانی ہے۔

......ایک مبتداء کی متعدد خبریں لانے کی صورتیں......

ایک مبتداء کی ایک سے زائد خبریں لانے کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ الفاظ بھی متعدد ہوں اور ان کے معانی بھی متعدد ہوں جیسے زیدٌ عالمٌ عاقل ۔ ایسی صورت میں متعدد خبروں کے درمیان حرف عطف لانا درست ہے جیسے زیدٌ عالم وٌ عاقلٌ.اور حرف عطف نہ لانا بھی درست ہے جیسے زید عالم عاقل

دوسری صورت یہ ہے کہ الفاظ متعدد ہوں مگر معانی متعدد نہ ہوں جیسے هذا حلوٌ حامض یہ کھٹی میٹھی چیز ہے اس میں هذا مبتدا اور حلو خبر اول اور حامض خبر ثانی ہے ۔ایسی صورت میں متعدد خبروں کے درمیان حرف عطف لانا درست نہیں ہے۔

……" **وقد يتضمن المبتداء معنى الشرط فيصحّ دخول الفاء فی الخبر وذٰلک الاسمُ الموصُوْل بفعل او ظرف او النكرة الموصُوفة بهما مثل الّذی یاتینی او فی الدار فله درهم وكلُّ رجلٍ یاتینی او فی الدار فله درهمٌ ولیتَ ولعلَّ مانعان بالاتفاق واَلْحقَ بعضُهم اِنَّ بهما.** "……☆……اور کبھی مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہوتی ہے تو پھر خبر پر فاء کا داخل کرنا صحیح ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اسم موصول یا صلہ فعل یا ظرف ہو یا ایسا نکرہ ہو جس کی ان دونوں یعنی فعل یا ظرف میں کسی کے ساتھ وصف کی گئی ہو جیسا کہ الذی یاتینی فله درهم یا الذی فی الدار فله درهم ۔اور کل رجل یاتینی فله درهم یا کل رجل فی الدار فله درهم ۔اور لیت لعل بالاتفاق خبر پر فاء کے دخول سے مانع ہیں اور بعض نحویوں نے اِنَّ مکسورہ کو بھی ان کے ساتھ ملایا ہے۔……☆

آٹھواں مسئلہ ……:۔مبتدا اور خبر سے متعلق علامہ آٹھواں مسئلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو تو خبر پر فاء کا داخل کرنا صحیح ہے۔مگر لیت اور لعلّ دخول فاء سے مانع ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے ان کے ساتھ اِنَّ مکسورہ کو ملایا ہے کہ یہ بھی خبر پر دخول فاء سے مانع ہے۔

جب مبتداء شرط کے معنی کو متضمن ہو تو مبتدا بمنزلہ شرط کے اور خبر بمنزلہ جزاء کے ہوتی ہے تو ایسی صورت میں خبر پر فاء جزائیہ لانا صحیح ہوتا ہے۔اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ درحقیقت مبتدا اور خبر ہیں شرط اور جزاء نہیں ہیں تو اس صورت میں خبر پر فاء جزائیہ کا نہ لانا بھی درست ہے۔

......"مبتداء کے معنی شرط کو متضمن ہونے کی صورتیں......

مبتداء اٹھارہ صورتوں میں شرط کے معنی کو متضمن ہوتی ہے۔

پہلی صورت کہ مبتدا اسم موصول ہو اور صلہ فعل ہو جیسے **الذی یاتینی فله درهم .**

دوسری صورت کہ مبتدا اسم موصول ہو اور صلہ ظرف ہو جیسے **الذی عندی فله درهم .**

تیسری صورت کہ مبتدا اسم موصول ہو اور صلہ جار مجرور ظرف مستقر ہو جیسے **الذی فی الدار فله درهم .**

چوتھی صورت کہ مبتدا اسم موصول کی طرف مضاف ہو اور صلہ فعل ہو جیسے **غلام الذی یاتینی فله درهم ۔**

پانچویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کی طرف مضاف ہو اور صلہ ظرف ہو جیسے **غلام الذی عندی فله درهم .**

چھٹی صورت کہ مبتدا اسم موصول کی طرف مضاف ہو اور صلہ جار مجرور ہو جیسے **غلام الذی فی الدار فله در هم .**

ساتویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کا موصوف ہو اور صلہ فعل ہو جیسے **الر جل الذی یاتینی فله در هم ۔**

آٹھویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کا موصوف ہو اور صلہ ظرف ہو جیسے **الرجل الذی عندی فله درهم .**

نویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کا موصوف ہو اور صلہ جار مجرور ہو جیسے **الرجل الذی فی الدار فله درهم .**

دسویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کے موصوف کی طرف مضاف ہو اور صلہ فعل ہو جیسے **غلام الرجل الذی یاتینی فله درهم.** گیارہویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کے موصوف کی طرف مضاف ہو اور صلہ ظرف ہے جیسے **غلام الرجل الذی عندی فله درهم۔**

بارھویں صورت کہ مبتدا اسم موصول کے موصوف کی طرف مضاف ہو اور صلہ جار مجرور ہو جیسے **غلام الرجل الذی فی الدار فله درهم۔** تیرھویں صورت کہ مبتداء نکرہ موصوفہ ہو اور صفت فعل ہو جیسے **رجل یاتینی فله درهم .**

چودھویں صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ ہو اور صفت ظرف ہو جیسے **رجل عندی فله درهم .**

پندرھویں صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ ہو اور صفت جار مجرور ہو جیسے **رجل فی الدار فله درهم .**

سولھویں صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہو اور صفت فعل ہو جیسے غلام رجل یاتینی فله درهم

سترھویں صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ کیطرف مضاف ہو اور صفت ظرف ہو جیسے غلام رجل عندی فله درهم .

اٹھارویں صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ کیطرف مضاف ہو اور صفت جار مجرور ہو۔ جیسے غلام رجل فی الدار فله درهم .

مبتدا ان اٹھارہ صورتوں میں شرط کے معنی کو متضمن ہوتی ہے

مگر علامہ نے ان میں سے صرف چار صورتیں ذکر کی ہیں۔

پہلی صورت یہ کہ مبتدا اسم موصول ہو اور صلہ فعل ہو جیسے الذی یاتینی فله درهم۔

اور دوسری صورت کہ مبتدا اسم موصول ہو اور صلہ ظرف مستقر یعنی جار مجرور ہو جیسے الذی فی الدار فله درهم

اور تیسری صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ ہو اور صفت فعل ہو جیسے کل رجل یاتینی فله درهم

اور چوتھی صورت کہ مبتدا نکرہ موصوفہ ہو اور صفت ظرف مستقر ہو جیسے کل رجل فی الدار فله درهم

☆......ان صورتوں کا پایا جانا بہ نسبت دوسری صورتوں کے زیادہ ہے اس لئے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ نے صرف ان ہی چار صورتوں کو ذکر کیا ہے۔☆

......**نواں مسئلہ**:۔مبتدا اور خبر سے متعلق ولیت ولعلّ مانعان سے علامہ ابن حاجب نواں مسئلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو اور اس پر لیت یا لعل داخل ہو تو یہ لیت اور لعل خبر پر فاء کے داخل کرنے سے روک دیتے ہیں اس لئے کہ شرط اور جزاء جملہ خبریہ کی اقسام میں سے ہیں جبکہ لیت اور لعلّ جس پر داخل ہوں اس کو جملہ انشائیہ بنا دیتے ہیں اور بعض حضرات نے جن میں امام سیبویہ بھی ہیں کہا ہے کہ لیت اور لعلّ کی طرح اَنَّ بھی خبر پر فاء کو داخل کرنے سے روک دیتا ہے (اور دلیل یہ دی کہ قرآن کریم میں ہے'' ان الذین اٰمنو وعملوا الصّٰلحٰت لهم جنت ۔'' اس میں الذین اسم موصول مبتدا ہے اس پر اَنَّ داخل ہے اور موصول کا صلہ اٰمنوا فعل ہے مگر اس کی جزاء لهم جنت پر فاء داخل نہیں ہے۔اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں جمہور خبر پر فاء کو داخل کرنا واجب نہیں کہتے ہیں اس لئے کہیں فاء داخل ہے اور کہیں داخل نہیں ہے۔مگر ان دخول فاء سے مانع نہیں اس لئے کہ اگر مانع ہوتا تو کسی جگہ بھی فاء داخل نہ ہوتی

۔مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے اس لیے کہ اِن جس کلمہ پر داخل ہوتا ہے اس کو جملہ انشائیہ نہیں بناتا اور پھر قرآن کریم میں بھی اس نظریہ کے خلاف موجود ہے جیسے ’’قل اِنّ الموت الذی تفرون منه فانه ملا قیکم ‘‘ اس میں مبتدا اسم موصول کا وصف ہے۔اور اس پر اِنَّ داخل ہے اور صلہ فعل ہے اور اس کی جزاء فانه ملاقیکم پر فا داخل ہے۔اسی طرح ’’اِنّ الذین کفروا وما تواوهم کفار فلن یقبل منه۔اس میں مبتدا اسم موصول ہے اور اس پر اِنَّ داخل ہے اور کفروا فعل اسم موصول کا صلہ ہے اور اس کی جزاء فلن یقبل منه پر فا داخل ہے اور بعض حضرات مثلاً ابن باشہ نحوی وغیرہ نے کہا ہے کہ جس طرح لیت اور لعل اور اِنَّ خبر پر فاء کے دخول سے مانع ہیں اسی طرح اَنَّ اور لٰکن بھی خبر پر فاء کو داخل کرنے سے روک دیتے ہیں مگر یہ نظریہ بھی درست نہیں ہے اولاً اس لئے کہ اَنَّ اور لٰکنَّ جس پر داخل ہوتے ہیں اس کو جملہ انشائیہ نہیں بناتے اور ثانیاً اس لئے کہ اسکے خلاف قران کریم میں موجود ہے جیسا کہ ’’واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه ‘‘ اس میں غنمتم میں ما موصولہ ہے اور اسم موصول مبتدا ہے اور اس پر اَنَّ داخل ہے اور موصول کا صلہ فعل ہے اس کے باوجود اس کی جزا فان لله پر فاء داخل ہے۔

اور شاعر کا قول ہے ’’فو الله ما فارقتکم قالیالکم . ولکن ما یقضی فسوف یکو ن ‘‘

’’پس اللہ کی قسم میں تم سے ناراض ہو کر جدا نہیں ہوا۔لیکن جو مقدر ہوتا ہے پس وہ ہو کر رہتا ہے۔‘‘

اس میں ما یقضی پر ما موصولہ ہے اور مبتدا ہے اور اس کا صلہ فعل ہے۔اور ما پر لکن داخل ہے اس کے باوجود اس کی جزا فسوف یکون پر فاء داخل ہے۔

۞......**اعتراض**:۔علامہ نے امام سیبویہ کا نظریہ تو بیان کیا ہے کہ بعض حضرات نے اِنَّ کو بھی لیت اور لعل کی طرح قرار دیا ہے مگر ابن باشہ وغیرہ کا نظریہ کیوں نہیں بیان کیا۔

☆......**جواب**:۔امام سیبویہ نحویوں میں معتبر شخصیت اور نحو کے ائمہ میں شامل ہیں اس لئے ان کا نظریہ بیان کر دیا اور ابن باشہ وغیرہ اتنے معتبر نہیں اس لئے ان کا نظریہ ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ان کے اختلاف کو علامہ نے کوئی وقعت دی ہے۔

۞......**اعتراض**:۔باب کان اور باب علمت بھی بالاتفاق خبر پر دخول فاء سے مانع ہیں تو علامہ نے صرف لیت اور

لعلّ کے بارہ میں کیوں کہا ہے کہ یہ بالاتفاق دخول فاء سے مانع ہیں۔

☆......**جواب**:۔لیت اور لعل کی اتفاقی نظریہ کے ساتھ تخصیص علی الا طلا ق نہیں ہے بلکہ دیگر حروف مشبہ بالفعل کی بہ نسبت ہے۔ جب خاص کر مشبہ بالفعل سے متعلق مسئلہ بیان کیا جارہا ہے تو ان کے ساتھ باب کـــان اور باب علمت کا ذکر کرنا مناسب ہی نہیں تھا۔

"**وقد یحذف المبتدا ء لقیا م قرینة جو ازاً کقول المستهل الهلال والله والخبر جواز ا مثل خرجت فاذ اا لسبع**"......

☆......اور کبھی قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے جوازاً مبتدا کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے چاند دیکھنے والا قول چاند اللہ کی قسم۔ اور خبر کو بھی جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے "خرجت فا ذا السبع" میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا تھا۔......☆

......**دسواں مسئلہ**......:۔مبتدا کو جوازاً حذف کرنے کا مقام۔ **وقد یحذف** سے علامہ بیان کرتے ہیں کہ کسی قرینہ کی وجہ سے مبتدا کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔

جوازاً جائزاً کے معنی میں صفت ہے اور اس کا موصوف حذ فاً محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **حذفا جائز ا** اور یہ **یــحــذ ف** کا مفعول مطلق ہے۔ اور یہاں مبتدا کو حذف کرنے کا قرینہ حالیہ ہے اس لئے کہ عموماً چاند دیکھنے والے مبتدا کو حذف کر دیتے ہیں اور **الهلا ل و الله** کہہ دیتے ہیں حالانکہ اصل عبارت ہے **هذ االهلا ل و الله**۔

......**اعترا ض**:۔علامہ نے دو وجہوں سے **الهلال** کے ساتھ **و الله** کو ذکر کیا ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ عموماً چاند دیکھنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ایسا ہی کہتے ہیں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر **الهلال** کے ساتھ **والـلـه** ذکر نہ کرتے تو الھلال کا مفعول بہ کے ساتھ التباس آتا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ فعل محذوف کا مفعول بہ ہو تو جب واللہ ساتھ کہہ دیا تو التباس نہ رہا اس لئے کہ واللہ سے پہلے الھلال مرفوع ہوگا اور مرفوع مفعول بہ نہیں ہوسکتا۔

...... گیارھواں مسئلہ ......: خبر کو جوازاً حذف کرنے کا مقام:۔

والخبر جوازاً سے علامہ بیان فرماتے ہیں کہ کبھی خبر کو بھی جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے اس کی مثال یہ دی گئی ہے "**خرجت فاذا السبع**" اس مثال میں ایک قاعدہ بتا دیا گیا ہے کہ **اذا مفاجاتیہ** کے بعد جو مبتدا ہوتی ہے اس کی خبر کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے اور حذف پر قرینہ اذا مفاجاتیہ ہوتا ہے اس لئے کہ **اذا مفاجاتیہ** مفرد پر نہیں بلکہ جملہ پر داخل ہوتا ہے یہ اصل میں تھا **فاذا السبع واقف** تو خبر کو حذف کر دیا۔

...... ووجوباً فیما التزم فی موضعه غیره مثل لولا زیدٌ لکانَ کذا ومثل ضربی زیداً قائماً وکلُّ رَجُلٍ وضیعتهٗ ولعمرک لافعلنَّ کذا

☆...... اور کبھی خبر کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے جبکہ اس کی جگہ دوسری چیز کو لازم کیا گیا ہو جیسے **لولا زید لکان کذا** اگر زید نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ اور جیسا کہ **ضربی زید اقائماً** میرا زید کو مارنا اس کے قیام کی حالت میں تھا۔ اور **کل رجل وضیعته** ہر آدمی اپنی جائیداد کے ساتھ۔ **ولعمرک لا فعلن کذا** ۔ تیری زندگی کی قسم البتہ میں اس طرح ضرور کروں گا ۔......☆

...... بارھواں مسئلہ ......

:۔ مبتدا اور خبر سے متعلق بارھواں مسئلہ علامہ نے بیان کیا ہے کہ جہاں خبر کے قائم مقام کوئی چیز موجود ہو تو اس صورت میں خبر کو حذف کرنا واجب ہے ﴿اور خبر کا حذف کرنا اس لیے واجب ہے کہ اگر خبر کو بھی قائم مقام کے ہوتے ہوئے ذکر کر دیا جائے تو اصل اور قائم مقام دونوں کا اکٹھا پایا جانا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے﴾

اور پھر چار مثالیں پیش کی ہیں اور ہر مثال میں ایک قاعدہ کی طرف اشارہ ہے۔

پہلی مثال:۔ **لولا زید لکان کذا** ۔ اس میں اشارہ ہے اس قاعدہ کی جانب کہ لولا امتناعیہ کے بعد جو مبتدا واقع ہوتی ہے اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے اس لئے کہ اس خبر کے قائم مقام لولا کا جواب ہوتا ہے۔ اور یہ اصل میں تھا **لولا زید**

موجود لکان کذا ۔لولا کے بعد زید مبتدا ہے اور موجود اس کی خبر ہے اور لکان کذا لولا کا جواب ہے۔جب لولا کا جواب موجودٌ کے قائم مقام ہے تو موجودٌ جو کہ زید کی خبر ہے اس کو حذف کرنا واجب ہے۔لولا کے بعد واقع ہونے والی مبتدا کی خبر کو اس وقت حذف کرنا واجب ہے جبکہ لولا کا جواب افعال عامہ میں سے ہو جیسا کہ مذکورہ مثال میں کان افعال عامہ میں سے ہے اور اگر لولا کا جواب افعال عامہ میں سے نہ ہو بلکہ افعال خاصہ میں سے ہو تو ایسی صورت میں لولا کے بعد واقع ہونے والی مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب نہیں ہے جیسے لولا کتاب من اللہ سبق لمسّکم میں لولا کے بعد کتاب من اللہ مبتدا ہے سبق لمسکم اس کی خبر مذکور ہے اس لئے کہ سبق افعال خاصہ میں سے ہے۔

دوسری مثال:۔ ضربی زیداً قائماً ۔اس مثال میں اس قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب مبتدا مصدر حقیقی ہو یا مصدر تاویلی ہو اور وہ مضاف ہو فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال ہو۔ یا مبتدا اسم تفضیل کا صیغہ ہو جو مضاف ہو مصدر حقیقی کی طرف یا مصدر تاویلی کی طرف اور وہ مصدر حقیقی یا تاویلی مضاف ہو اپنے فاعل یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف اور اس کے بعد حال ہو فاعل سے یا مفعول سے یا دونوں سے تو ان صورتوں میں خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔اس لحاظ سے کل بارہ صورتیں بنتی ہیں۔

پہلی صورت کہ مبتدا مصدر حقیقی ہو اور فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل سے حال ہو جیسے ضربی زیدا قائما جبکہ قائما کو فاعل سے حال بنائیں۔

دوسری صورت کہ مبتدا مصدر حقیقی ہو اور فاعل کیطرف مضاف ہو اور اس کے بعد مفعول سے حال ہو جیسے ضربی زیدا قائماً جب کہ قائما کو مفعول سے حال بنائیں۔

تیسری صورت کہ مبتدا مصدر حقیقی ہو اور فاعل کیطرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہو جیسے ضربی زیدا قائمین۔

چوتھی صورت کہ مبتدا مصدر تاویلی ہو اور فاعل کیطرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل سے حال ہو جیسے ان ذھبت راجلا یہ بتاویل ذھابی راجلاً ہو جائیگا۔

پانچویں صورت کہ مبتدا مصدر رتاویلی ہو اور فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد مفعول سے حال ہو جیسے **ان ضربت زیدا قائما** جبکہ قائماً کو مفعول سے حال بنائیں۔

چھٹی صورت کہ مبتدا مصدر تاویلی ہو اور فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہو جیسے **اَنْ ضَرَبتُ زیدا قائمین**۔

ساتویں صورت کہ مبتدا اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور مصدر حقیقی کی طرف مضاف ہو اور وہ مصدر حقیقی اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل سے حال ہو جیسے **اکثر خطبة الامیر قائما** امیر کا اکثر خطبہ دینا اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ کھڑا ہوتا ہے۔

آٹھویں صورت کہ مبتدا اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور مصدر حقیقی کی طرف مضاف ہو اور مصدر حقیقی اپنے فاعل کیطرف مضاف ہو اور اس کے بعد مفعول سے حال ہو جیسے **اکثر شربی السویق ملتوتا**۔ میرا اکثر ستو پینا اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ ستو بگھوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

نویں صورت کہ مبتدا اسم تفضیل ہو اور مصدر حقیقی کی طرف مضاف ہو اور مصدر حقیقی اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہو جیسے **اکثر ضربی زیدا قائمین**۔ میرا اکثر زید کو مارنا اس حال میں ہوتا ہے کہ دونوں کھڑے ہوتے ہیں۔

دسویں صورت کہ مبتدا اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور مصدر تاویلی کی طرف مضاف ہو اور وہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل سے حال ہو جیسے **اکثر ان یخطب الامیر قائما**۔ امیر کا اکثر خطبہ دینا اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ کھڑا ہوتا ہے۔

گیارھویں صورت کہ مبتدا اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور مصدر تاویلی کی طرف مضاف ہو اور وہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد مفعول سے حال ہو جیسے **اکثر ان اشرب السویق ملتوتا**۔ میرا اکثر ستو پینا اس حال میں ہوتا ہے کہ وہ ستو بگھوئے ہوتے ہیں۔

بارھویں صورت کہ مبتدا اسم تفضیل کا صیغہ ہو اور مصدر تاویلی کی طرف مضاف ہو اور وہ مصدر تاویلی فاعل کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہو جیسے اکثر ان اضرب زیدا قائمین ۔ میرا اکثر زید کو مارنا اس حال میں ہوتا ہے کہ دونوں کھڑے ہوتے ہیں۔

ان بارہ صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو اس میں خبر کو حذف کرنا واجب ہے اس لئے کہ اس خبر کے قائم مقام حال ہوتا ہے

ضربی زید اقائما کا اصل کیا ہے:۔

اس میں نحویوں کا اختلاف ہے اور اس بارہ میں پانچ نظریات ہیں۔

پہلا نظریہ بصریوں کا ہے کہ ضربی زیدا قائما کا اصل تھا ضربی زید احاصلٌ اذا کا ن قائماً (جبکہ قائماً کو فاعل سے حال بنائیں۔ اور اگر قائما کو مفعول سے حال بنائیں تو اصل عبارت یوں ہوگی ضر بی حاصلٌ زیدا اذ ا کان قائما) حاصل خبر ہے ضربی کی اور یہی حاصلٌ متعلق ہے اذا کا ن ظرف کا۔ تو ظرف کے متعلق حاصل کو حذف کیا اور اذ ا کان کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ اس لئے کہ ظرف کے متعلقات کو حذف کیا جاتا رہتا ہے۔ پھر اذا کان ظرف کے بعد قائماً حال ہے اور حال ظرف کا معنی بھی دیتا ہے تو حال کو ظرف کے قائم مقام کر کے ظرف کو بھی حذف کر دیا تو ضربی زیدا قائما ہو گیا۔ اس نظریہ پر شارح رضی نے تین اعتراضات کیئے ہیں۔

پہلا اعتراض کہ اس نظریہ کے مطابق نیابت در نیابت لازم آتی ہے کہ پہلے حاصلٌ کو حذف کر کے اذا کان کو اس کی جگہ رکھا پھر اذا کان کو بھی حذف کر کے اس کی جگہ قائماً کو رکھا گیا ہے۔ اور نیابت در نیابت قبیح چیز ہے۔

دوسرا اعتراض کہ اس صورت میں کان کا تامہ ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ کان اصل میں ناقصہ ہوتا ہے۔

اور تیسرا اعتراض کہ اذا مضاف اور کان جملہ مضاف الیہ ہے اور اس نظریہ کے مطابق مضاف اور مضاف الیہ کا اکٹھے حذف کرنا لازم آتا ہے حالانکہ مضاف اور مضاف الیہ کا اکٹھے حذف کرنا کلام عرب میں ثابت نہیں ہے۔

دوسرا نظریہ کوفیوں کا ہے کہ ضربی زید ا قائما اصل میں تھا ضربی قائماً حاصل ۔ حاصل خبر ہے ضربی کی اس کو حذف کر دیا تو ضربی زید ا قائما ہو گیا۔

اس نظریہ پر شارح رضی نے دو اعتراض کئے ہیں

پہلا اعتراض کہ اس نظریہ کے مطابق خبر کو بغیر کسی قائم مقام کے حذف کرنا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

اور دوسرا اعتراض یہ کہ قاعدہ ہے کہ حال قید ہوتا ہے ذوالحال کے عامل کے لئے اور قـائـمـا کا ذوالحال ضربی مبتدا ہے اور اس میں عامل ابتدا ہے اور ابتداء میں اصل اطلاق ہے جبکہ اس صورت میں ابتداء کا مقید ہونا لازم آتا ہے اور معنی یہ ہو جاتا ہے کہ میرا مارنا زید کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ کھڑا ہو۔

تیسر انظریہ علامہ رضی کا ہے کہ اگر قائما فاعل سے حال ہوتو ضربی زیداً قائما کا اصل ہوگا ضربی زید ا یلابسنی قائماً اور اگر قـائـمـا مفعول سے حال ہوتو اصل عبارت یوں ہوگی ضـربـی زید ا یلا بسنی قائماً ۔ یلا بسنی کے ساتھ نون وقایہ اور یاء متکلم مفعول بہ کو اور یـلا بسـه کے ساتھ ضمیر مفعول کو حذف کیا اس لئے کہ مفعول فضلہ ہوتے ہیں۔ پھر یلابس کو بھی حذف کردیا (اس لئے کہ یـلا بس افعال عامہ میں سے ہے اور افعال عامہ کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اور اس کے حذف پر قرینہ حال ہے اس لئے کہ حال معمول ہے جو کہ عامل کو چاہتا ہے جب یـلا بـس کو بھی حذف کیا تو ضربی زید اقائماً ہوگیا۔

چوتھا نظریہ امام اخفش کا ہے کہ ضربی زید ا قائما کا اصل ہے ضربی زید ا ضر به قائماً ضربهُ خبر ہے ضربی کی اسکو حذف کیا اور اس کے قائم مقام قائماً حال کو رکھ دیا تو ضربی زید ا قائماً ہوگیا۔

اس نظریہ پر رضی نے دو اعتراض کئے ہیں۔

ایک اعتراض یہ کیا کہ مبتدا محکوم علیہ اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور محکوم علیہ اور محکوم بہ آپس میں مغائر ہوتے ہیں۔ جبکہ ضـربـه کو ضربی کی خبر بنانے کی صورت میں ان کا مغائر ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے یہاں حکم لگانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور دوسرا اعتراض اس صورت میں وارد ہوتا ہے جبکہ قـائـمـا کو مفعول سے حال بنائیں کہ مصدر کو حذف کرنے کے بعد اس کے معمول کو باقی رکھنا لازم آتا ہے اور یہ کلام عرب میں جائز نہیں ہے۔

پانچواں نظریہ بعض نحویوں کا ہے جن میں ابن درستویہ بھی ہے کہ ضـر بـی زید ا قائماً میں ضربی ایسی مبتدا ہے جس

کی کوئی خبر نہیں ہے۔ جس طرح مبتدا قسم ثانی کی خبر نہیں ہوتی بلکہ فاعل قائم مقام خبر کے ہوتا ہے اسی طرح اس مبتدا کی بھی خبر نہیں بلکہ اس کی تاویل فعل کے ساتھ کریں گے اور معنی یہ ہوگا ما اضرب زید الا قائماً ۔ مگر اس نظریہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اولاً تو اس میں مبتدا قسم ثانی کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی لہذا اس کو مبتدا قسم ثانی پر قیاس کرنا غلط ہے وثانیاً یہ کہ ضربی زیدا قائماً میں تو کوئی حصر ہی نہیں ہے کہ تقدیر عبارت میں الاحرف حصر نکالا جائے۔

تیسری مثال کل رجل و ضیعته بیان کی ہے جہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے اور اسمیں بھی ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مبتدا کے بعد ایسی واؤ ہو جو کہ مع کے معنی میں ہوتی ہے تو اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے اور واؤ بمعنی مَعَ حذف کا قرینہ ہوتی ہے جیسے کل رجل و ضیعته اصل میں تھا کل رجل مقرون مع ضیعته ۔ کل رجل مبتدا کی خبر مقرون کو حذف کر دیا اس لئے کہ اس کے بعد واؤ بمعنی مَعَ مقرون کے معنی پر دلالت کرتی ہے اور یہ واؤ بمعنی مع خبر محذوف کے قائم مقام ہے۔

چوتھی مثال: لعمرک لا فعلن کذا اس مثال میں اس قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب مبتدا مقسم بہ ہو اور خبر قسم کے مادہ سے ہو تو وہاں خبر کو حذف کرنا واجب ہے اس لئے کہ اس صورت میں جواب قسم خبر کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اور یہ مثال اصل میں تھی لعمرک قسمی لافعلن کذا ۔قَسْمی جو خبر ہے اس کو حذف کر دیا اس لئے کہ لا فعلن کذا جو جواب قسم ہے وہ اس خبر کے قائم مقام ہے۔ اور لعمرک پر جو لام ہے وہ قسم پر دلالت کرتا ہے۔

اعتراض: ۔خبر کے وجوباً حذف کا قاعدہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جب اس کے قائم مقام کسی کو لازم کر دیا جائے تو خبر کو حذف کرنا واجب ہے تو سوال یہ ہے کہ قائم مقام کی وجہ سے اصل خبر کو حذف کیوں کیا جاتا ہے۔

جواب: ۔ان صورتوں میں کلام کے اندر اس کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے جس کو خبر کے قائم مقام رکھا جاتا ہے اور خبر کی بہ نسبت اس کو حذف کرنے میں قباحت زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ پہلی مثال میں لولا کے جواب کو خبر کے قائم مقام رکھا گیا تو لولا کے جواب کو حذف کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ اور دوسری مثال میں حال کو قائم مقام رکھا گیا ہے اگر حال کو حذف کریں تو کلام کا مقصودی معنی ہی باقی نہیں رہتا اور تیسری مثال میں واؤ بمعنی مع کو خبر کے قائم مقام رکھا گیا ہے تو اگر واؤ کو حذف کر

دیں اوراس کے بعد مفعول کو باقی رکھیں تو یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ وہ مفعول معہ رہتا ہی نہیں ہے اور اگر اس کو بھی حذف کر یں تو دو حذف لازم آتے ہیں اور یہ خبر کو حذف کرنے کی بہ نسبت زیادہ قبیح ہے۔

اور چوتھی مثال میں جواب قسم کو خبر کے قائم مقام رکھا گیا ہے اگر جواب قسم کو حذف کریں تو صرف قسم کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہتا۔ اس لئے جواب قسم کا حذف کرنا خبر کے حذف سے زیادہ قبیح ہے۔ اس لئے خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔

اعتراض: ۔ علامہ نے خبر کے وجوباً حذف کے مقامات بیان کئے ہیں مگر مبتدا کے وجوباً حذف کے مقامات بیان نہیں کئے اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:۔** کافیہ اختصار ہے مفصل کا اور صاحب مفصل نے مبتدا کو وجوباً حذف کرنے کے مقامات کا ذکر نہیں کیا اس لئے علامہ ابن حاجب نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا۔

مبتدا کو وجوباً حذف کرنے کے مقامات۔۔۔ علامہ نے تو مبتدا کو وجوباً حذف کرنے کے مقامات کا ذکر نہیں کیا مگر دیگر حضرات نے فرمایا ہے کہ مبتدا کو وجوباً حذف کرنے کے بھی چار مقامات ہیں۔

پہلا مقام یہ بتایا کہ مقام مدح میں مبتدا کو حذف کرنا واجب ہے جیسا کہ صفت مجرور کو جب موصوف سے علیحدہ کر کے اس کو رفع دیا جائے تو اس کی مبتدا وجوباً محذوف ہوگی جیسے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** میں الرحمٰن جو کہ صفت مجرور ہے جب اس کو موصوف سے علیحدہ کر کے رفع دیا جائے تو یہ **ھو** مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور اصل میں **ھو الرحمن** ہوگا۔

دوسرا مقام یہ بتایا کہ مقام ذم میں مبتدا کو حذف کرنا واجب ہے جیسا کہ صفت مجرور کو موصوف سے علیحدہ کر کے رفع دیا جائے جیسے **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** میں الرجیم صفت مجرور ہے جب اس کو موصوف سے علیحدہ کر کے رفع دیا جائے تو یہ **ھو** مبتدا محذوف کی خبر ہوگی اور اصل میں **ھو الرجیم** ہوگا۔ اور مقام مدح اور مقام ذم میں مبتدا کو حذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر مبتدا کو ذکر کیا جائے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اصل میں صفت ہے۔

تیسرا مقام ترحم ہے جیسے **مررتُ بزید المسکین** یہ اصل میں **ھو المسکین** ہے۔

چوتھا مقام نِعمَ کے باب میں بھی مبتدا کو حذف کرنا واجب ہے جیسے **نعم الرّجل زیدٌ** یہ اصل میں **ھُو زیدٌ** ہے۔

"خبر ان واخواتها هو المسند بعد دخول هذه الحروف مثل ان زيدا قائمٌ وامره كامرِ خبر المبتدا الا في تقديمه الا اذا كان ظرفا"

اوران مرفوعات میں سے ان واخواتہا کی خبر ہے وہ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ اور اس کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم جیسا ہے سوائے اس کی تقدیم کے مگر جبکہ ظرف ہو۔

﴿مرفوعات میں پانچواں اسم﴾......مرفوعات میں سے پانچواں اسم اِنَّ واخواتہا کی خبر ہے۔ واخواتہا سے مراد دیگر حروف مشبہ بالفعل ہیں۔ حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں۔ اِنّ . اَنّ . کَاَنَّ . لیتَ . لَعلَّ اور۔ لٰکِنَّ۔ علامہ نے فرمایا کہ ان کی خبر مسند ہوتی ہے۔

نحویوں کا اختلاف:۔ بصری کہتے ہیں کہ اس خبر کو رفع اِنَّ واخواتہا دیتے ہیں اور کوفی کہتے ہیں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے مگر بصریوں کا مذھب راجح ہے اس لئے کہ یہ حروف مشبہ بالفعل ہیں اور ان کو مشبہ بالفعل اسی لیے کہتے ہیں کہ ان کی فعل کے ساتھ لفظاً ومعناً مشابہت ہے۔ لفظی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی۔ اور رباعی ہوتا ہے اسی طرح ان حروف میں سے بعض ثلاثی ہیں جیسے۔ اِنّ . اَنّ . لیتَ ۔ اور بعض رباعی ہیں جیسے لٰکنَّ . لَعَلَّ ۔ اور کانَّ ۔ اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ ان کا معنی فعل والا ہوتا ہے اور اسی مشابہت کی وجہ سے ان حروف کو فعل والا عمل دیا گیا ہے کہ جیسے فعل ایک اسم کو رفع اور ایک کو نصب دیتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی ایک اسم کو رفع اور ایک کو نصب دیتے ہیں۔ فعل اصل ہے اور یہ حروف فرع ہیں اس لئے اصل اور فرع میں فرق کرنے کے لئے ان حروف کے بعد پہلے اسم کو نصب اور دوسرے کو رفع دیا۔ جیسے اِنَّ زَیدًا قائمٌ جبکہ فعل پہلے اسم کو جو فاعل ہوتا ہے اس کو رفع اور دوسرے اسم کو جو مفعول بہ ہوتا ہے اس کو نصب دیتا ہے جیسے ضَرَبَ زیدٌ عمروًا ۔ اخواتھا سے مراد وہ حروف ہیں جو عمل میں اِنَّ کی طرح ہیں اس لحاظ سے اخوات کا معنی مشابہ ہے۔

اعتراض: ۔ علامہ نے کہا ہے بعد دخول ھذہ الحروف اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ سارے حروف داخل ہوں تو تب عمل ہوگا حالانکہ اگر ان میں سے کوئی ایک حرف بھی داخل ہو جائے تو عمل ہوتا ہے۔

جواب:۔ یہاں عبارت محذوف ہے اور اصل عبارت ہے **بعد دخول احد هذه الحروف** کہ ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد عمل ہوگا۔

اعتراض:۔ علامہ نے کہا کہ ان حروف میں سے کسی کے داخل ہونے کے بعد عمل ہوگا مگر کئی ایسی مثالیں ہیں کہ اِنَّ حروف میں سے حرف داخل ہے مگر اس نے عمل نہیں کیا جیسا کہ **اِنَّ زیداً یقوم ابوہٗ**۔

جواب:۔ یہاں عبارت میں جو دخول ہے یہ ورود کے معنی میں ہے اور ورود تب ہوگا جب یہ حروف اپنا اثر دکھائیں گے اور جہاں یہ حروف اپنا اثر نہ دکھائیں تو وہاں ان کی وجہ سے عمل نہیں ہوگا جیسے **اِنَّ زیداً یقوم ابوہٗ** میں یقوم اِنَّ کے بعد واقع ہے اور مسند بھی ہے مگر یہ اِنَّ کی خبر نہیں اس لئے کہ اسمیں اِنَّ نے کوئی اثر نہیں کیا **یقوم** مسند تو ہے مگر اِنَّ کا نہیں بلکہ ابوہٗ کا مسند ہے اور اِنَّ کی خبر صرف **یقوم** نہیں بلکہ **یقوم ابوہ** پورا جملہ بنتا ہے۔ جب یہاں **دخول ورود** کے معنی میں ہے تو اعتراض نہیں ہوسکتا۔

﴿اِنّ واخواتها کی خبر کے احکام﴾

...... **وامرہ کامر المبتداء** سے علامہ اِنّ واخواتہا کی خبر کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ ان کی خبر بھی مبتدا کی خبر کی طرح ہے صرف فرق یہ ہے کہ مبتدا پر اس کی خبر کو مقدم کیا جاسکتا ہے مگر اِنَّ واخواتہا کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ حروف مشبہ بالفعل ضعیف عامل ہیں اور ضعیف عامل اسی وقت عمل کرتا ہے جبکہ اس کے معمولوں میں ترتیب ہو البتہ اگر اِنَّ واخواتہا کی خبر ظرف ہو تو پھر خبر کو اسم پر مقدم کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ **اِنَّ واخواتہا** کا اسم معرفہ ہو اور خبر ظرف ہو تو اس صورت میں خبر کو اسم پر مقدم کرنا جائز ہے جیسے **اِنَّ اِلینا اِیابَہُم** ایابھم ان کا اسم معرفہ ہے اور الینا اس کی خبر ظرف ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اِنَّ واخواتہا کا اسم نکرہ ہو اور خبر ظرف ہو تو اس صورت میں خبر کو اسم پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے **اِنَّ مِنَ البیان لسحراً**۔ **لسحراً** اِنَّ کا اسم نکرہ ہے اور **من البیان** خبر ظرف ہے اس لئے اس کو اسم پر مقدم کرنا واجب ہے ظرف کی صورت میں خبر کو اِنَّ **واخواتہا** کے اسم پر مقدم کرنا اس لئے درست ہے کہ ظروف میں وسعت ہوتی ہے۔

اعتراض:۔علامہ نے فرمایا ہے کہ انَّ واخواتھا کی خبر مبتدا کی خبر کیطرح ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اَیْنَ زیدٌ کہنا درست ہے جبکہ اِنَّ اَیْنَ زیدٌ کہنا درست نہیں ہے۔یعنی وہ کلمات جن میں استفہام کا معنی پایا جاتا ہے وہ مبتدا کی خبر تو بن سکتے ہیں مگر انَّ واخواتھا کی خبر نہیں بن سکتے۔

جواب:۔ امرہ کامر المبتدا کا مطلب یہ ہے کہ جب شرائط پائی جائیں اور کوئی مانع نہ ہو تو پھر یہ خبر مبتدا کیطرح ہے۔ اور یہاں چونکہ مانع موجود ہے کہ اِنَّ تحقیق کے لئے ہے جبکہ اَیْنَ استفہام کے لئے ہے(اور استفہام میں شک ہوتا ہے)اس لئے دونوں میں منافات ہے اور یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔اسی طرح اِنَّ واخواتھا بھی صدارت کلام کو چاہتے ہیں اور کلمات استفہام بھی صدارت کو چاہتے ہیں جب ان میں سے کسی کو مقدم کریں گے تو دوسرے کی صدارت ختم ہو جاتی ہے اسلئے دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

﴿مبتدا کی خبر اور اِنَّ واخواتھا کی خبر میں فرق﴾

......علامہ نے فرمایا امرہ کامر خبرا لمبتدا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقدیم خبر کے مسئلہ کے علاوہ باقی تمام مسائل میں اِنَّ واخواتھا کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ کئی باتوں میں ان میں فرق ہے پہلا فرق کہ مبتدا کی خبر ایسے کلمات بھی بن سکتے ہیں جو صدارت کلام کو چاہتے ہیں مگر انَّ واخواتھا کی خبر ایسے کلمات نہیں بن سکتے جیسے این زیدٌ درست ہے اور اِنَّ این زید کہنا درست نہیں۔

دوسرا فرق مبتدا اور خبر میں اصل یہ ہے کہ مبتدا معرفہ اور خبر نکرہ ہوتی ہے(یہ نہیں ہوسکتا کہ مبتدا نکرہ اور خبر معرفہ ہو البتہ نکرہ بعض مقامات میں مبتدا واقع ہوسکتا ہے جس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی)جبکہ انّ کی خبر معرفہ اور اسم نکرہ ہوسکتا ہے جیسے اِنَّ اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ میں اِنَّ کا اسم اول بیت نکرہ ہے جبکہ اس کی خبر للذی ببکۃ معرفہ ہے۔

تیسرا فرق کہ اِنَّ واخواتھا کی خبر پر لام ابتداء داخل ہوسکتا ہے مگر وہ صدارت کلام کو نہیں چاہتا جیسے اِنَّ زیداً لفی الدار جبکہ مبتدا کی خبر پر لام ابتداء کا داخل کرنا ہی درست نہیں ہے۔بعض حضرات نے انکے علاوہ بھی بعض فرق بتلائے ہیں مگر اکثر احکام چونکہ اِنَّ واخواتھا کی خبر کے وہی ہیں جو مبتدا کی خبر کے ہیں اس لئے للاکثر حکم الکل کے تحت کہہ دیا امرہ

كامر خبر المبتداء ۔

''خبر لا التى لنفى الجنس هو المسند بعد دخولها مثل لا غلام رجل ظريف فيها ويحذف كثيرا وبنو تميم لا يثبتونه''

لانفی جنس کی خبر بھی مرفوعات میں سے ہے اور وہ لا کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے جیسے **لا غلام رجل ظريف فيها** اور اکثر جگہوں میں یہ حذف کردی جاتی ہے اور بنوتمیم اس کو ذکر نہیں کرتے۔

﴿مرفوعات میں سے چھٹا اسم﴾...... مرفوعات میں سے چھٹا اسم لانفی جنس کی خبر ہے اور وہ لا کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ **اِنَّ واخواتها** کی خبر کے بعد لانفی جنس کی خبر کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ لانفی جنس کی حروف مشبہ بالفعل کے ساتھ مشابہت ہے جیسے اِنَّ اور اَنَّ تحقیق فی الاثبات کے لئے آتے ہیں اسی طرح لانفی جنس تحقیق فی النفی کے لئے آتا ہے۔

اعتراض:۔ علامہ نے لانفی جنس کی مثال یہ دی ہے **لا غلام رجل ظريف فيها** جبکہ علامہ کے علاوہ اکثر نحویوں نے اس کی مثال **لا رجل فى الدار** بیان کی ہے۔ علامہ نے مشہور مثال سے تجاوز کیوں کیا ہے۔

جواب:۔ علامہ نے مشہور مثال سے تجاوز اس لئے کیا ہے کہ اس میں صفت کے ساتھ التباس آتا ہے کہ فی الدار رجلٌ کی صفت ہے یا لا کی خبر ہے اور جو مثال علامہ نے دی ہے اس میں کوئی التباس نہیں لازم آتا، اس لئے کہ ظریف مرفوع ہے اور رجُل منصوب ہے اور مرفوع منصوب کی صفت نہیں بن سکتا لہذا کوئی التباس لازم نہیں آتا۔

ويحذف كثيرا: ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ لانفی جنس کی خبر اکثر کلام میں حذف ہوتی ہے جیسے **لا باس** جو اصل میں **لا باس** عليہ ہے اسی طرح **لا اله الا الله** میں جو اصل میں لا اله موجود الا الله ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وبنو تميم لا يثبتونه: ۔ اس عبارت کے نحویوں نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ **لا يثبتونه** کا مطلب ہے **لا يذكرونه** کہ بنوتمیم لانفی جنس کی خبر کو ذکر نہیں کرتے اس لئے کہ انکے نزدیک اس کا حذف واجب ہے بخلاف اہل حجاز کے کہ وہ اس خبر کا حذف وجوبی طور پر نہیں بلکہ حذف جوازی مانتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنوتمیم لانفی

جنس کی خبر کا وجود ہی نہیں مانتے اس لئے کہ ان کے نزدیک لا بمعنی انتفی فعل کے ہے جیسے **لا اھل** کا معنی **انتفی الاھل** اور لا مال کا معنی انتفی المال ہے۔ جب **لا بذات خود انتفی** فعل کے معنی میں ہے تو اس کو خبر کی ضرورت ہی نہیں اس لئے بنوتمیم اس کی خبر مانتے ہی نہیں۔

''اسم ما ولا المشبھتین بلیس ھو المسند الیه بعد دخولھا مثل ما زید قائم ولا رجلٌ افضل منک وھو فی لا شاذ'' مرفوعات میں سے ما اور لا ہیں جو لیس کے مشابہ ہوتے ہیں ان کا اسم ان کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے **ما زید قائماً** اور **لا رجلٌ افضل منک** اور وہ عمل لا میں قلیل ہے۔

﴿مرفوعات میں سے ساتواں اسم﴾...... مرفوعات میں سے ساتواں اسم ایسے ما اور لا کا اسم ہے جو لیس کے ساتھ مشابہ ہوتے ہیں۔ اس ما اور لا کو لیس کے ساتھ مشابہ اس لئے کہتے ہیں کہ جیسے لیس جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور جس طرح لیس نفی کا معنی دیتا ہے اسی طرح یہ ما اور لا بھی نفی کا معنی دیتے ہیں۔ ما کی لیس کے ساتھ مشابہت زیادہ ہے اس لئے جیسے لیس معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے اسی طرح مَا بھی معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتی ہے جیسے **ما زید قائماً** **ما رجلٌ قائماً**۔ اور لا کی لیس کے ساتھ مشابہت کم ہے اس لئے کہ لا صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے جیسے **لا رجلٌ قائماً**۔

﴿مَا اور لاَ کے عمل کے لئے شرائط﴾...... مَا اور لا کے عمل کے لئے چار شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ ما اور لا کی خبر ان کے اسم پر مقدم نہ ہو۔ اگر خبر مقدم ہوگی تو ما اور لا ملغی عن العمل ہوں گے یعنی لفظاً کوئی عمل نہیں کریں گے جیسے **ما قائمٌ زیدٌ**۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ما کے بعد اِنْ زائدہ نہ ہو۔ اگر ما کے بعد اِنْ زائدہ ہوگا تو یہ ملغی عن العمل ہوگا جیسے **مَا اِنْ زیدٌ قائمٌ**

۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ما کی خبر پر الا داخل نہ ہو اگر اس کی خبر پر اِلاّ داخل ہوگا تو یہ ملغی عن العمل ہوگا۔ جیسے ما زیدٌ الا قائمٌ ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ ما کی خبر مستثنی منہ واقع نہ ہو اس لئے کہ اگر یہ خبر مستثنی منہ ہوگی تو ما ملغی عن العمل ہوگی۔ جیسے ما زیدٌ شیئی ٌ اِلاّ شیئاً ۔ ما اور لا ان صورتوں میں ملغی عن العمل اس لئے ہوجاتے ہیں کہ پہلی دو صورتوں میں یعنی جب ما اور لا کی خبر اسم پر مقدم ہو اور جب ما کے بعد اِن زائدہ ہو تو ما اور لا کے معمولوں میں ترتیب نہیں رہتی جبکہ ما اور لا ضعیف عامل ہیں اور ان کے معمولوں میں ترتیب ضروری ہے (اور معمولوں میں ترتیب نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف عامل عمل نہیں کرتا) تیسری اور چوتھی صورت میں یعنی جب ما کی خبر پر اِلاّ داخل ہو یا خبر مستثنی منہ ہو تو ان صورتوں میں خبر استثناء کی وجہ سے مثبت ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے ان کی لیس کے ساتھ مشابہت نہیں رہتی حالانکہ ان کا عمل لیس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وھو فی لا شاذ :۔ عموماً صرف ونحو میں شاذ کا اطلاق خلاف القیاس پر کیا جاتا ہے مگر یہاں خلاف القیاس مراد نہیں بلکہ قلیل الاستعمال مراد ہے۔ یعنی ما میں تو یہ عمل اکثر پایا جاتا ہے مگر لا میں عمل قلیل ہے۔

﴿لا ءِ نفی جنس اور لا مشابہ بلیس میں فرق﴾ ...... لا ءِ نفی جنس اور لا مشابہ بلیس میں لفظی فرق یہ ہے کہ لا ءِ نفی جنس اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے جیسے لا رجلَ ظریفٌ فی الدار ۔ جبکہ لا مشابہ بلیس اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے جیسے لا زیدٌ قائماً اور ان میں معنوی فرق یہ ہے کہ لا ءِ نفی جنس کی نفی کرتا ہے جبکہ لا مشابہ بلیس مطلق نفی کیلئے آتا ہے۔

﴿مرفوعات میں سے آٹھواں اسم﴾ ...... مرفوعات میں سے آٹھواں اسم افعال ناقصہ کا اسم ہے جیسے کانَ زیدٌ قائماً ۔ مگر علامہ نے اس آٹھویں اسم مرفوع کو ذکر نہیں کیا۔

اعتراض:۔ علامہ نے آٹھویں اسم مرفوع افعال ناقصہ کے اسم کو کیوں ذکر نہیں کیا۔

جواب :۔ کان کا اسم فاعل کی طرح ہے اس لئے جو احکام فاعل کے ہے وہ اس کے بھی ہیں البتہ اس کے بارہ میں جو زائد احکام ہیں وہ افعال ناقصہ کی بحث آجائیں گے۔

﴿المنصوبات هو ما اشتمل علی علم المفعولية﴾

یہ منصوبات کی بحث ہے اور منصوب وہ اسم ہوتا ہے جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

منصوبات کی بحث:۔ مرفوعات کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد اب یہاں منصوبات کی بحث شروع کی جارہی ہے ۔مرفوعات کے بعد مجرورات کی بجائے منصوبات کو ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مجرورات کی بہ نسبت منصوبات زیادہ ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ منصوبات خفیف ہیں جبکہ مجرورات ثقیل ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز زیادہ اور خفیف ہو اس کو مقدم کیا جاتا ہے اس لئے مجرورات پر منصوبات کو مقدم کیا گیا ہے (اور یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ علامہ نے اعراب کے انواع بیان کرتے ہوئے پہلے رفع پھر نصب اور پھر جر کا ذکر کیا تھا تو اجمال میں رفع کے بعد نصب کا ذکر تھا تو تفصیل میں بھی مرفوعات کے بعد منصوبات کا ذکر کیا تاکہ اجمال اور تفصیل میں مطابقت ہو جائے۔) جس طرح مرفوعات کے بارہ میں کہا گیا تھا کہ یہ مرفوع کی جمع ہے اسی طرح یہاں بھی المنصوبات منصوب کی جمع ہے اور ھو کے مرجع کے بارہ میں جو بحث المرفوعات ھو میں ہو چکی ہے وہی بحث یہاں بھی ہے۔

اسم منصوب کی تعریف:۔ علامہ نے اسم منصوب کی تعریف یہ کی ہے کہ جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو اور مفعولیت کی علامت چار چیزیں ہیں (۱) فتحہ جو مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر منصرف میں ہوتا ہے جیسے رأیت زیدا .رأیت ظبیاً . رأیت رجالاً ۔(۲) کسرہ یہ جمع مونث سالم میں ہوتا ہے جیسا کہ رأیت مسلمات (۳) الف جو اسماء ستہ مکبرہ میں ہوتا ہے جیسے رأیت اباک وغیرہ (۴) یاء جو تثنیہ واخواتھا میں اور جمع مذکر سالم واخواتھا میں ہوتی ہے تثنیہ واخواتھا میں یاء کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے رأیت رجلین ، رأیت اثنین اور رأیت کلیھما وغیرہ اور جمع مذکر سالم واخواتھا میں یاء کا ماقبل مکسور ہوتا ہے جیسے رأیت مسلمین رأیت عشرین وغیرہ

﴿ فمنه المفعول المطلق وهو اسم مافعله فاعل فعلٍ مذكور بمعناه وقد يكون للتاكيد والنوع والعددنحو جلست جلوساً وجلسةً وجلسةً فالاول لا يثنى ولا يجمع بخلاف اخويه وقد يكون بغير لفظه نحو قعدت جلوساً...... پس ان منصوبات میں سے مفعول مطلق ہے اور وہ اس اسم کو کہتے ہیں۔ جس کو اس فعل کے فاعل نے کیا ہو جو فعل اس اسم کے ہم معنی ذکر کیا گیا ہو۔ اور وہ کبھی تاکید کے لئے اور کبھی نوع کے لئے اور کبھی عدد کے لئے ہوتا ہے جیسے جلستُ جلوساً جسلت جِلسةً اور جَلست جَلْسَةً پس پہلا تثنیہ اور جمع نہیں کیا جاتا بخلاف اس کے باقی دو ساتھیوں کے۔ اور وہ کبھی پہلے ذکر کردہ فعل کے الفاظ کے علاوہ ہوتا ہے جیسا کہ **قعدت جلوساً**۔

مفعول مطلق :۔ یہاں سے علامہ منصوبات میں سے پہلے منصوب مفعول مطلق کی تعریف اور اس کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ فمنه المفعول المطلق میں منہ ظرف مستقر خبر مقدم ہے اور المفعول المطلق مبتداء موخر ہے اور خبر کو قرب مرجع کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔ مفعول مطلق کی یہ تعریف کی ہے کہ مفعول مطلق اس چیز کا نام ہے جس کو اس فعل کے فاعل نے کیا ہو جو مذکور ہوا اور وہ چیز اور فعل ہم معنی ہوں (اور بعض حضرات نے آسانی کے لئے تعریف اس طرح کی ہے کہ مفعول مطلق وہ مصدر ہوتا ہے جو فعل کے بعد واقع ہو اور وہ فعل اور یہ مصدر ہم معنی ہوں جیسے ضربتُ ضرباً۔)

مفعول مطلق کو باقی مفاعیل پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ مفعول مطلق فعل کا جز ہوتا ہے۔ نیز مفعول مطلق غیر مقید ہے جبکہ باقی مفاعیل مقید ہیں اور غیر مقید مقید سے مقدم ہوتا ہے۔ المفعول کے ساتھ المطلق کا لفظ قید کے لئے نہیں بلکہ اس کے اطلاق کو پختہ کرنے کے لئے ہے۔ فعل کے فاعل سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل اس فاعل کے ساتھ قائم ہو خواہ اس سے صادر ہو جیسے ضَربَ زیدٌ ضَرْباً یا اس سے صادر نہ ہو مگر اس کے ساتھ قائم ہو جیسے مات زیدٌ موتاً خواہ فعل کی فاعل کی جانب نسبت ایجابی ہو جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے یا نسبت سلبی ہو جیسے ماضربَ زیدٌ ضرباً۔ خواہ فعل حقیقی ہو اور لفظوں

میں مذکور ہو جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے یا فعل لفظوں میں مذکور نہ ہو بلکہ محذوف ہو جیسے "فضرب الرقاب" جو اصل میں فاضربوا ضرب الرقاب ہے خواہ فعل حکمی ہو جیسے زید ضارب ضرباً اس میں ضارب اصل میں اسم ہے مگر حکماً فعل ہے۔ اور کبھی مفعول مطلق مضاف مضاف الیہ مل کر واقع ہوتا ہے اور مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ کر دیتے ہیں جیسے ضَرَبْتُهُ سوطاً یہ اصل میں ہے ضربته ضرب سوطٍ۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھ کر نصب دے دی گئی۔

﴿مفعول مطلق کی اقسام﴾ ...... **وقد یکون للتاکید** سے علامہ ابن حاجب مفعول مطلق کی اقسام بیان کر رہے ہیں کہ اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مفعول مطلق تاکیدی۔ اگر مفعول مطلق مذکور فعل کا عین ہو تو اس کو تاکیدی کہتے ہیں جیسے جَلَسْتُ جُلوساً۔ دوسری قسم مفعول مطلق نوعی۔ اگر مفعول مطلق مذکور فعل کی کیفیت بیان کر رہا ہو تو اس کو نوعی کہتے ہیں جیسے جلَسْتُ جِلسَةَ القاری۔ میں قاری کی طرح بیٹھا۔ تیسری قسم مفعول مطلق عددی۔ اگر مفعول مطلق مذکور فعل کی کمیت بیان کرے تو اس کو عددی کہتے ہیں جیسے جَلَسْتُ جَلْسَةً میں بیٹھا ایک دفعہ بیٹھنا۔

فالاول لایثنیٰ ولا یجمع۔ یعنی اگر مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو تو وہ تثنیہ اور جمع نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جب مصدر مذکور فعل کا عین ہے تو وہ اس کی ماھیت ہے اور ماھیت میں تعدد اور کثرت نہیں ہو سکتی۔

بخلاف اخویه۔ بخلاف اس کے باقی دو ساتھیوں کے یعنی اگر مفعول مطلق نوعی یا عددی ہو تو وہ تثنیہ جمع ہو سکتے ہیں اس لئے کہ نوع اور عدد میں کثرت پائی جاتی ہے۔

وقد یکون بغیر لفظه۔ وقد میں واؤ عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور اس کا عطف پہلے وقد یکون پر ہوگا۔ اور واؤ استینافیہ بھی ہو سکتی ہے اس لحاظ سے اسکے بعد والا جملہ مستانفہ ہوگا جو سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ عموماً مصدر فعل کا ہم معنی اس وقت ہوتا ہے جبکہ ان کے الفاظ بھی ایک جیسے ہوں تو کیا مفعول مطلق ہونے کے لئے ضروری ھے کہ مصدر اور فعل کے الفاظ بھی ایک جیسے ہوں تو جواب دیا کہ الفاظ میں ایک جیسا ہونا ضروری نہیں بلکہ معنی میں ایک جیسا ہونا ضروری ہے جیسے قعدت جلوساً میں قعدتُ فعل کے الفاظ اور ہیں اور جلوساً کے الفاظ اور ہیں مگر معنی دونوں کا ایک جیسا ہے اس لئے جلوساً

مفعول مطلق ہے قعدت کا۔ اسی طرح مفعول مطلق اور فعل مذکور کے ابواب کا ایک ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر فعل مزید کے باب سے ہو تو اسکا مفعول مطلق مجرد کے باب سے ہوسکتا ہے جیسے انبت الله نباتا ۔ انبت فعل مزید ہے اور نباتا مصدر مجرد سے ہے۔

﴿" وقد يحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً كقولك لمن قدم خير مقدم "﴾ ......اور کبھی مفعول مطلق کے فعل کو کسی قرینہ کے قائم ہونے کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تیرا خیر مقدم کہنا اس شخص کو جو آیا ہو۔

﴿مفعول مطلق کے فعل کو جوازاً حذف کرنا﴾ ......وقد یحذف سے علامہ بیان کر رہے ہیں کہ کسی قرینہ کی وجہ سے مفعول مطلق کے فعل کو حذف کیا جا سکتا ہے خواہ قرینہ حالیہ ہو جیسے آنے والے کو خیر مقدم کہنا۔ جو اصل میں قدِمتَ قُدوماً خیر مقدمٍ تھا۔ آنے والے کا حال حذف کا قرینہ ہے۔ یا قرینہ مقالیہ ہو جیسے کسی نے کہا کہ کم اَضرِبُ زیداً تو جواب میں ضَربَاتٍ کہا جو اصل میں ہے اِضرِبْ ضربَاتٍ کہ چند ضربیں مار۔

"وقد یحذف الفعل میں الفعل پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے مراد وہ فعل ہے جو مفعول مطلق کو نصب دیتا ہے۔

"ووجوباً سماعاً مثل سقيا ورعيا وخيبة وجدعاً وحمداً وشكرا وعجبا " اور مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے سماعاً جیسے سقیا اور رعیا اور خیبة۔

"مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کے مقام"۔ ووجوباً سے علامہ بیان فرماتے ہیں کہ مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً حذف کرنا دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ سماعاً ہو یعنی اہل زبان سے سنا گیا ہو اور دوسرا یہ کہ قیاساً ہو۔

سماعی مقام:۔ مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کے سماعی مقام بیان کرتے ہوئے سات مثالیں ذکر کی ہیں۔

پہلی مثال سقیاً جو اصل میں سقاک الله سقیا ہے۔ دوسری مثال رعیا جو اصل رعاک الله رعیاً ہے۔

تیسری مثال: . خیبة ہے جو اصل میں خاب خیبة ہے چوتھی مثال جد عاً ہے جو اصل میں جدَ عَ جدْعاً ہے (جدع ناک کاٹنے کو کہتے ہیں) پانچویں مثال حمداً ہے جو اصل میں حمدتُ حمداً ہے۔ چھٹی مثال:۔ شکراً ہے جو اصل میں شکر تُ شُکراً ہے اور ساتویں مثال عجبا ہے جو اصل میں عجبتُ عجبا ہے۔

ان ساتوں مثالوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں تین قاعدے بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ مقام دعاء میں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا سماعا واجب ہے پہلی دومثالیں سقیا اور رعیاً اس کی ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ بددعا کے مقام میں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا سماعاً واجب ہے۔ دوسری دو مثالیں خیبة و جدعاً اس کی ہیں۔ اور تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ مقام مدح میں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا سماعاً واجب ہے۔ آخری تین مثالیں حمداً شکرا اور عجباً اس کی ہیں۔

وقیاساً فی مواضع منها ما وقع مثبتا بعد نفی اومعنی نفی داخل علی اسم لا یکون خبراعنه او وقع مکررا نحوما انت الا سیراً وما انت الا سیر البرید وانما انت سیراً وزید سیرا سیرا۔

اور بعض جگہوں میں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا قیاساً واجب ہے ان مقامات میں ایک مقام وہ ہے کہ مصدر مثبت ہو اور نفی یا معنی نفی کے بعد واقع ہو اور نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہو کہ یہ مصدر اس سے خبر نہ بن سکتا ہو یا مصدر تکرار کے ساتھ واقع ہو جیسے ما انت الا سیراً. وما انت الا سیر البرید وانما انت سیرا اور زیدٌ سیر اًسیرا

﴿مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہونے کا پہلا مقام﴾......

مصدر مثبت ہو اور نفی کے بعد یعنی مصدر الا کے بعد واقع ہو اور اس سے پہلے حرف نفی اسم پر داخل ہو اور یہ مصدر اس اسم کی خبر واقع نہ ہوسکے جیسے ما انت الا سیرا۔ سیراً مصدر ہے اور الا کے بعد واقع ہے اور اس سے پہلے اَنْت اسم ہے اور

اس پر حرف نفی ما داخل ہے اور یہ سیرا انتَ کی خبر بھی واقع نہیں ہوسکتا تو معلوم ہوا کہ سیراً کا فعل محذوف ہے اور یہ اصل میں تھا ما انتَ الا تسیرُ سیراً۔ علامہ نے اس کی دو مثالیں دی ہیں پہلی مثال دی ما انت الا سیراً اس میں مفعول مطلق نکرہ ہے اور دوسری مثال دی ما انت (الا سیرا البرید اس میں مفعول معرفہ ہے اس لئے کہ سیراً معرف باللام کی طرف مضاف ہے)

﴿دوسرا مقام﴾:۔ مصدر معنیٰ نفی کے بعد واقع ہو اور معنیٰ نفی سے مراد انما ہے اور وہ انما اس اسم پر داخل ہو جو مصدر سے پہلے ہے اور وہ مصدر اس اسم کی خبر واقع نہ ہو سکے جیسے اِنّما انتَ سیراً۔ یہ اصل میں تھا اِنّما انت تسیرُ سیراً۔

﴿تیسرا مقام﴾:۔ مصدر تکرار کے ساتھ واقع ہو اور اسم کے بعد ہو اور یہ مصدر اس اسم کی خبر واقع نہ ہو سکے تو اس کا فعل بھی حذف کرنا واجب ہے جیسے زیدٌ سیراً سیراً یہ اصل میں تھا زیدٌ یسیرُ سیراً۔

اعتراض:۔ اذا دکت الارض دکاً دکاً میں مفعول مطلق تکرار کے ساتھ ہے اس کے باوجود اسکے فعل کو ذکر کیا گیا ہے۔

جواب:۔ قاعدہ یہ ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے جو اسم ہے وہ کسی فعل کا فاعل نہ ہو اور اس مذکورہ مثال میں مفعول سے پہلے الارض جو اسم ہے وہ دکت کا فاعل ہے اس لئے باوجودیکہ مفعول مطلق تکرار کے ساتھ ہے اس کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔

﴿"ومنها ما وقع تفصیلا لاثر مضمون جملة متقدمة مثل فشدوا الوثاق فاما مناً بعدُ واماّ فِداءً ......

اور ان مقامات میں سے وہ بھی ہے کہ مصدر پہلے جملہ کے مضمون کے بعد اس کی تفصیل کے لئے واقع ہو جیسے فشدو الوثاق فاما مناً بعدُ واما فداءً کہ میدان جنگ میں پکڑے جانے والے کافروں کو مضبوطی سے قید کرلو پھر یا تو احسان کرتے ہوئے بغیر معاوضہ کے چھوڑ دو یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔

﴿چوتھا مقام﴾۔ مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہونے کا چوتھا مقام یہ ہے کہ مصدر پہلے جملہ کے مضمون کے بعداس کی تفصیل کے لئے واقع ہو جیسے فشد و الوثاق فاما منّاً بعدُ واما فِداءً۔اس میں مناً اور فداءً مصدر ہیں اور پہلے جملہ فشد والوثاق کی تفصیل کے لئے واقع ہیں اس لئے مناً اور فداءً کے ناصب کو حذف کر دیا۔ اوراصل عبارت تھی ''فاما تمنو ن منا و اما تفدون فدا ءً ا''۔

ومنها ما وقع للتشبيه علاجا بعد جملة مشتملة على اسم بمعناه وصاحبه نحو مررت بُه فاذا له صوتٌ صوتَ حما رٍ وصُراخٌ صراخ الثكلى '' اوران مقامات میں سے وہ بھی ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے واقع ہو درانحالیکہ وہ مفعول مطلق افعالِ جوارح میں سے ہواور ایسے جملہ کے بعدواقع ہوجوایسے اسم پر مشتمل ہوجواس مصدر کے معنی اوراس کے صاحب یعنی فاعل کے معنی میں ہو۔جیسے مررتُ به فاذا له صوتٌ صوت حمارٍ. وصراخ صراخ الثكلى۔

﴿پانچواں مقام﴾:۔ جہاں مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے ان میں پانچواں مقام علامہ نے ومنها ماوقع للتشبيه سے بیان کیا ہے اوراس کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے واقع ہو۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق افعال جوارح میں سے ہو یعنی وہ فعل انسانی اعضاء کا محتاج ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے جملہ اسمیہ ہو۔چوتھی شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق اور جملہ اسمیہ ہم معنی ہوں۔اور پانچویں شرط یہ ہے کہ مفعول مطلق اور جملہ اسمیہ دونوں کا فاعل ایک ہو۔ اوراس کی دومثالیں بیان کی ہیں پہلی مثال مررتُ به فاذا له صوتٌ صوت حمار بیان کی ہے اس میں صوت مصدر ہے اورتشبیہ کے لئے ہے اذ له صوت جملہ اسمیہ کے بعدواقع ہے اور جملہ اسمیہ میں صوت اور مصدر صوت ہم معنی ہیں (اور له صوتٌ میں جو صوت ہے اور صوت الحمار میں جوصوت ہے ان دونوں کا فاعل ایک ہی ہے) تو مفعول مطلق کے ناصب کو حذف کردیا

اور یہ اصل میں تھافاذا له صوتٌ یصوت صوتَ حمار ۔اوردوسری مثال بیان کی ہے مررتُ بزید فاذاله صراخ صراخ الثکلی میں زید کے پاس سے گذراتو اس کے لئے بچے کوگم پانے والی ماں کی آواز جیسی آواز تھی. صراخ الثکلی میں صراخ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہےاوراس سے پہلے لہ صراخ جملہ اسمیہ ہےاور جملہ اسمیہ میں صراخ اور مصدر صراخ ہم معنی ہیں اور دونوں کا فاعل ایک ہی ہے تو مفعول مطلق کے ناصب کو حذف کردیا اور یہ اصل میں تھا فاذا له صراخ یصرخ صراخ الثکلی .

احترازی مثالیں ۔جہاں مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے ان میں پانچواں مقام جو بیان کیا ہے اس میں ایک شرط یہ لگائی کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو اس لئے کہ اگر مفعول مطلق تشبیہ کے لئے نہ ہو تو اس کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے جیسے مررتُ بزید فاذاله صوت صوتٌ حسَنٌ یہ صوتٌ حسَنٌ میں صوت تشبیہ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ صفت کے لئے ہے اس لئے اس کے فاعل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔اوردوسری شرط یہ لگائی کہ مفعول مطلق افعال جوارح میں سے ہو اس لئے کہ اگر مفعول مطلق افعال جوارح میں سے نہیں ہوگا تو اس کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔جیسے مررتُ بزید فا ذا له زهد زهد الصلحاء ۔اس میں زہد افعال جوارح میں سے نہیں بلکہ قلبی افعال میں سے ہے۔اور تیسری شرط یہ لگائی ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے جملہ اسمیہ ہو اس لئے کہ اگر اس سے پہلے جملہ اسمیہ نہ ہو تو اس کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے جیسے صوت زید صوت حمار اس میں صوت زید جملہ اسمیہ نہیں بلکہ مرکب اضافی ہے اور چوتھی شرط یہ لگائی ہے کہ جملہ اسمیہ اور مصدر دونوں ہم معنی ہوں اس لئے کہ اگر دونوں ہم معنی نہ ہوں تو اس کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے جیسے مررت بزید فاذاله لباس صوت حمار ۔لباس اور صوت ہم معنی نہیں ہیں اس لئے صوت کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔

اور پانچویں شرط یہ لگائی ہے کہ جملہ اسمیہ اور مصدر کا فاعل ایک ہو یعنی جملہ اسمیہ میں جو اسناد ہے اور مصدر میں جو فعل ہے وہ اسناد اور فعل ایک ہی ذات سے ہو اس لئے کہ اگر جملہ اسمیہ میں اسناد کسی اور کی طرف ہو اور مصدر میں جو فعل ہے وہ کسی اور سے صادر ہو تو ایسے مصدر کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے جیسے مررتُ بالبلد فاذا له صوت صوت حمار اس مثال

میں لہ صوت میں ضمیر کا مرجع البلد ہے اور صوت حمار میں صوت کا فاعل اور ہے اسلئے اس کے ناصب کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔

﴿ومنها ماوقع مضمون جملة لا محتمل لها غيره نحو له على الف درهم اعترافا ويسمى تاكيد النفسه﴾ ......اوران مقامات میں سے وہ مقام ہے جہاں مفعول مطلق مضمون جملہ واقع ہورہا ہواوراس جملہ کے لئے اس کے سوا کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو جیسے کسی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آدمی کے میرے ذمہ ہزار درہم ہیں۔اوراس کو **تاکید لنفسه** کہا جاتا ہے۔

چھٹا مقام۔مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہونے کے مقامات میں سے چھٹا مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق مضمون جملہ واقع ہواوراس جملہ کے لیئے اس کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو۔جیسے **له على الف درهم اعترافا** ۔اعتراف مصدر ہے اور جملہ اسمیہ کے بعد واقع ہے اور جملہ کا مضمون واقع ہورہا ہے اس لئے کہ **علی الف درهم** میں اپنے آپ پر قرض کا اعتراف ہے اور جملہ میں اعترافا کے مفعول مطلق ہونے کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال بھی نہیں تو اس کے فعل کو وجوباً حذف کردیا اور یہ اصل میں تھا اعترفت ' اعترافا ' اوراس کو تاکید لنفسہ کہا جاتا ہے یعنی اپنے ذمہ کسی چیز کو لازم کرنا۔اور ایسے مقام میں فعل کو حذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ جب **له علی الف درهم** میں اقرار ہو چکا تو پھر فعل کو ذکر کرنے کی صورت میں تکرار لازم آتا ہے۔لہذا تکرار سے بچنے کے لئے فعل کو حذف کردیا جاتا ہے۔ " **ومنها ما وقع مضمون جملة لها محتمل غيره نحو زيد قائم حقا ويسمى تاكيدا لغيره** " اوران مقامات میں سے وہ ہے کہ مفعول مطلق مضمون جملہ واقع ہواوراس جملہ میں اس کے مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال بھی ہو جیسے **زيد قائم حقا** اوراسکو **تاكيد لغيره** کہا جاتا ہے۔

ساتواں مقام:۔مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً قیاسی طور پر حذف کرنے کے مقامات میں سے ساتواں مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا مضمون واقع ہورہا ہواوراس میں مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال بھی ہو جیسے **زيد قائم حقاً** ۔حقاً مصدر ہے اوراس سے پہلے زید قائم جملہ اسمیہ ہے اور حقاً نے اس جملہ کی تصدیق کی ہے مگراس میں مفعول مطلق

میں جوحق ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔اس معنی کے علاوہ کا بھی احتمال ہے اس لئے کہ **زید قائم** جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے اس لئے کہ زید قائم کہا تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ زید کھڑا ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ زید کھڑا نہ ہو تو حقا کہہ کر کھڑے ہونے کے پہلو کی تاکید کردی۔ مفعول مطلق کی اس قسم کو **تاکید لغیرہ** کہتے ہیں۔اور **زید قائم حقا** اصل میں تھا **زید قائم حق حقا** ۔

اعتراض :: **تاکید لغیرہ** کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ تاکید ایک ہی لفظ کو دوبار کہنے کو کہتے ہیں اور یہ معنی مغائرت کیساتھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب۔ یہاں مغائرت ذاتی اور واقعی نہیں بلکہ مغائرت اعتباری ہے اس لئے کہ جب حقا صراحت کے ساتھ کہا تو یہ اسی حق کی تاکید ہے جس کا جملہ میں احتمال ہے۔اس لئے کہ جملہ خبریہ میں حق اور جھوٹ دونوں کا احتمال ہے تو جس حق کا احتمال جملہ میں تھا اسی کی تاکید ہے اس لحاظ سے موکد اور موکدٌ میں اتحاد ذاتی اور مغائرت اعتباری ہے۔اور اسی مغائرت اعتباری کا لحاظ رکھتے ہوئے تاکید لغیرہ کہا جاتا ہے۔

دوسرا جواب:۔لغیرہ میں لام تعلیلیہ ہے اور معنی یہ ہے **لاجل غیرہ لیندفع** یعنی تاکید غیر کی وجہ سے ہے تاکہ غیر مندفع ہوجائے۔اس لحاظ سے تاکید تو اپنے نفس کی ہے مگر اس لئے ہے تاکہ غیر مندفع ہوجائے ۔اور غیر کو مندفع کرنے کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو تاکید لغیرہ کہا جاتا ہے۔

" ومنها ما وقع مثنی مثل لبیک وسعدیک " ......اور ان مقامات میں وہ مقام بھی ہے جہاں مفعول مطلق تثنیہ واقع ہو جیسے **لبیک** اور **سعدیک** ۔

﴿آٹھواں مقام﴾:۔جن مقامات میں قیاساً مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ان میں آٹھواں مقام یہ ہے کہ مفعول تثنیہ ہو اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو جیسے **لبیک وسعدیک** ۔ **لبیک** اصل میں **اُلِبُّ لک البابین** تھا فعل **اُلبُّ** کو حذف کیا اور **لک** کے لام کو بھی حذف کیا اور **البابین** مزید کو مجرد بنایا تو **لبین** ہوگیا اور کاف ضمیر کو آخر میں لائے تو **لبینک** ہوگیا پھر نون تثنیہ کا اضافت کی وجہ سے گر گیا تو **لبیک** ہوگیا۔اور **سعدیک** اصل میں **اُسعدک اسعادًا** تھا فعل **اُسعد** کو حذف کیا اور **اسعادا** مزید کو مجرد بنایا تو **سعد** ہوگیا (پھر اس کو تثنیہ کیا تو **سعدین**

ہوگیا) پھر کاف ضمیر آخر میں لائے تو تثنیہ کا نون اضافت کیوجہ سے گر گیا تو سعدیک ہوگیا۔لبیک اور سعدیک میں تکرار اور تکثیر ہے اس لئے کہ لبیک کہتے ہیں بار بار تلبیہ کہنے کو اور کسی کے پکارنے پر بار بار خود کو حاضر ہونے کا یقین دلانے پر اور سعدیک کہتے ہیں بار بار نیک بختی کی دعاء دینے کو۔کہ میں بار بار تیرے لئے نیک بختی کی دعا کرتا ہوں۔

اعتراض:۔ قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ ہوتو اسکے مفعول کو حذف کرنا قیاساً واجب ہے حالانکہ ضربت ضربین اور فارجع البصر کرتین میں ضربتین اور کرتین تثنیہ ہیں اور مفعول مطلق ہیں مگران کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔

جواب:۔ ماوقع مثنی سے مراد یہ ہے کہ تثنیہ کی صورت ہواس سے حقیقتاً تثنیہ مراد نہیں ہے جبکہ ضربت ضربین میں تثنیہ حقیقتاً ہے اور پھر ساتھ یہ قید بھی ہے کہ وہ مفعول مطلق فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور یہاں ضربین اور کرتین مضاف نہیں ہیں اس لئے ان کے فعل کو حذف کرنا واجب نہیں ہے۔اور علامہ نے (اگرچہ صراحت سے یہ نہیں بتایا کہ مفعول مطلق کا فاعل یا مفعول کیطرف مضاف ہونا شرط ہے مگر) لبیک اور سعدیک کی مثالوں کے ضمن میں بتادیا کہ مفعول مطلق کا فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہونا شرط ہے۔

"المفعول به هو ما وقع عليه فعل الفاعل نحو ضربتُ زيداً وقد يتقدم على الفعل نحو زيدا ضربتُ" ...... منصوبات میں سے مفعول بہ بھی ہے اور وہ وہ ہوتا کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربتُ زیداً اور کبھی یہ مفعول بہ فعل پر مقدم ہو جاتا ہے جیسے زیداً ضربتُ.

﴿منصوبات کی دوسری قسم﴾ ...... منصوبات کی دوسری قسم مفعول بہ ہے مفعول به اس کو کہتے ہیں جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ ماوقع میں ما سے مراد اسم ہے اس لئے کہ بحث اسم کی چل رہی ہے۔ فاعل کا فعل واقع ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل متعدی بنفسہ ہو۔ اگر فعل متعدی بنفسہ نہ ہو بلکہ حرف کے واسطہ سے متعدی ہوتو ایسی صورت میں جس اسم پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے اس کو مفعول بہ نہیں کہتے جیسے مررتُ بزید میں مررتُ با کے واسطہ سے متعدی ہے اس لئے زید کو مفعول بہ نہیں کہتے۔

"مفعول به کومقدم کرنے کے مقامات" **وقد یتقدم** سے علامہ فرماتے ہیں کہ کبھی مفعول بہ فعل سے پہلے بھی آتا ہے۔ اگر مفعول بہ صدارت کلام کو چاہتا ہو تو اس کا فعل سے مقدم کرنا واجب ہے جیسے **مَنْ ضربت** ۔اور جہاں ان مصدر یہ فعل پر داخل ہو وہاں مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا ممنوع ہے جیسے **من الخیر ان تکف لسانک. لسانک** مفعول بہ ہے اس کو ان تکف پر مقدم کرنا ممنوع ہے۔ اور جہاں وجوب اور ممانعت کی وجوہات نہ پائی جاتی ہوں وہاں مفعول بہ کو فعل پر مقدم کرنا جائز ہے **" وقد یحذف الفعل لقیا م قرینة جوازاً کقولک زید اً لمن قال من اضرب "** اور کبھی قرینہ قائم ہونے کی وجہ سے جوازاً فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسا کہ تیرا قول **زید اً** اس شخص کے لئے جس نے کہا **مَن اضرِبُ** کہ میں کس کو ماروں تو جواب میں کہا زیدا. یہ اصل میں تھا اضرب زُیداً .

" ووجوباً فی اربعة مواضع الا ول سماعی" نحو امر اءً ونفسه وانتهوا خیر اً لکم واهلاً وسهلاً " اور مفول بہ کے فعل کو وجوبا چار مقامات میں حذف کیا جاتا ہے پہلا مقام سماعی ہے جیسے **امر اءً ونفسه** اور **انتهو خیر الکم** اور **اهلا سهلا** ۔

"مفعول بہ کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کے مقامات"

علامہ نے فرمایا کہ چار مقامات میں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ پہلا مقام سماعی ہے یعنی اہل عرب سے اسی طرح سنا گیا ہے اور پھر اسکی تین مثالیں ذکر کی ہیں۔

پہلی مثال **امر اءً ونفسه** یہ اصل میں تھا **" اُتُرُکْ اِمراءً ونفسه "** چھوڑ آدمی کو اور اس کے نفس کو۔

دوسری مثال **انتهوا خیر الکم** بیان کی ہے یہ اصل میں تھا **انتهوا عن التثلیث واقصدو اخیرا لکم** ۔

اے عیسائیو تثلیث کے نظریہ سے باز آجاؤ اور میانہ روی اختیار کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ یہاں خیرا مفعول بہ ہے اور اس

کا فعل اقصد وامحذوف ہے۔

تیسری مثال اھلا و سھلا دی ہے یہ اصل میں ہے اتیت اھلا یہ آنے والے مہمان سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے عزیزوں میں آیا ہے۔ اور سھلا اصل میں وطیت سھلا ہے کہ تو نے نرم زمین کو روندا ہے۔ ان مقامات میں اہل زبان سے اسی طرح سنا گیا ہے کہ وہ ان مفعول بہ کے افعال کو حذف ہی کرتے ہیں ذکر نہیں کرتے۔

والثانی المنادی وھو المطلوب اقباله بحرف نائب مناب ادعو لفظاً او تقدیراً ویبنی علی مایرفع به ان کان مفردا معرفة نحو یا زید ویا رجل . یا زیدان ویازیدون ویخفض بلام الاستغاثة نحو یا لزید ویفتح لالحاق الفها ولا لام فیه نحو یا زیداه وینصب ما سواهما نحو یا عبدالله ویا طالعاً جبلاً ویا رجلاً لغیر معیّن

اور ان مقامات میں سے منادی ہے اور وہ وہ اسم ہوتا ہے جس کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے ایسے حرف کے ساتھ جو اُدعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً ہو۔ اور اس کو مبنی بر رفع کیا جاتا ہے جبکہ وہ مفرد معرفہ ہو جیسے یا زید. اور یا رجل اور یا زیدان اور یا زیدون۔ اور لام استغاثہ کی وجہ سے اس کو کسرہ دیا جاتا ہے جیسے یالزید اور استغاثہ کے الف کو لاحق کرنے کی صورت میں منادی کو فتحہ دیا جاتا ہے اور اس میں لام نہیں ہوتا۔ جیسے یا زیداہ . اور ان صورتوں کے علاوہ باقی مقامات میں منادی کو نصب دی جاتی ہے جیسے یا عبدالله . یا طالعا جبلا اور غیر معین آدمی کو پکارتے ہوئے یا رجلاً کہنا۔

دوسرا مقام:۔ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے اس کا دوسرا مقام منادی ہے اور منادی وہ اسم ہوتا ہے جس پر ادعو کے قائم مقام حرف داخل کر کے اس کو پکارا جائے خواہ وہ حرف لفظوں میں مذکور ہو جیسے **یا زید** یا وہ حرف مقدر ہو جیسے **یوسف اعرض عن ھذا** یہ اصل میں ہے **یا یوسف اعرض عن ھذا۔**

منادی کی اقسام:۔ منادی کی دو قسمیں ہیں ایک قسم منادی حقیقی اور دوسری قسم منادی حکمی ہے۔ اگر منادی ذی روح ہو تو اس کو منادی حقیقی کہتے ہیں جیسے **یا زید** وغیرہ اور اگر منادی ذی روح نہ ہو تو اس کو منادی حکمی کہتے ہیں جیسے **یا سَمَاءُ. یا اَرْضُ یا جبال** وغیرہ۔

وھو المطلوب اقبالہ: ۔ کہ منادی کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس متوجہ کرنے سے توجہ بالوجہ اور توجہ بالقلب دونوں مراد ہیں۔ اگر کسی ایسے شخص کو پکارا جائے جو متکلم کی جانب متوجہ نہ ہو تو ندا سے اس کو چہرے کے لحاظ سے متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور اگر دو آدمی آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کو حرف ندا کے ساتھ پکارتے ہیں تو اس صورت میں توجہ بالقلب مقصود ہوتی ہے کہ میری بات کی جانب دل سے توجہ کر. **یا اللہ** میں اللہ منادی ہے اور اس سے توجہ بالقلب اور توجہ بالوجہ دونوں مقصود ہیں مگر **کما یلیق بشانہ** کہ جیسے اللہ جل شانہ کی شان کے لائق ہے.

لفظاً او تقدیراً. لفظاً او تقدیراً کا تعلق منادی اور حرف ندا دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اگر منادی کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ خواہ منادی لفظوں میں مذکور ہو جیسے **یا زید** میں زیدٌ منادی لفظوں میں مذکور ہے۔ خواہ منادی مقدر ہو جیسے **الایا اسجد** یہ اصل میں ہے الایا قوم اسجد۔ خبردار اے قوم تو سجدہ کر۔ اور اگر لفظاً اور تقدیراً کا تعلق حرف ندا کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ خواہ حرف ندا لفظوں میں مذکور ہو جیسے **یا زید** یا وہ حرف ندا مقدر ہو جیسے **یوسف اعرض عن ھذا.**

منادی کی اقسام اور ان کے احکام:۔ علامہ نے منادی کی بارہ قسمیں بیان کی ہیں۔

پہلی قسم منادی مفرد معرفہ:۔ اگر منادی مفرد معرفہ ہو یعنی منادی مفرد ہو مضاف یا مشابہ بالمضاف نہ ہو تو وہ مبنی بر رفع ہوتا ہے اس لئے کہ یا زید اصل میں تھا **یا زید ادعوک. ادعوک** کو حذف کر دیا اس لئے کہ **ادعو** ۔ کی جگہ یا حرف ندا موجود

ہے اور کاف ضمیر کی جگہ زید کو رکھ دیا۔ اور کاف ضمیر مبنی ہے اور قاعدہ ہے کہ مبنی کی جگہ جس کو رکھا جاتا ہے۔ وہ بھی مبنی ہوتا ہے اس لئے منادی مفرد معرفہ مبنی بر رفع ہوتا ہے۔ اسی طرح **یا رجل** میں رجل نکرہ معینہ ہے جو کہ مفرد معرفہ کی فرع ہے اس لئے نکرہ معینہ کا وہی حکم ہے جو کہ مفرد معرفہ کا ہے۔ **یا زیدان** مثال ہے اس صورت کی جبکہ منادی تثنیہ معرفہ ہو تو اس کا رفع الف کے ساتھ ہوگا۔ اور **یا زیدون** منادی جمع معرفہ کی مثال ہے کہ اس کا رفع واو کے ساتھ ہے **یا زیدان** اور **یا زیدون** کی مثالوں سے واضح ہو گیا کہ یہاں مفرد معرفہ کہنے میں مفرد سے مراد مضاف اور مشابہ بالمضاف کے مقابل مفرد ہے وہ مفرد مراد نہیں جو تثنیہ اور جمع کے مقابل ہوتا ہے ورنہ مفرد کے تحت تثنیہ اور جمع کو نہ لایا جاتا۔

دوسری قسم منادی بلام الاستغاثہ:۔ اگر منادی پر لام استغاثہ داخل ہو تو منادی مجرور ہوتا ہے۔ استغاثہ کا معنی یہ ہے کہ فریاد طلب کرنا۔ لام استغاثہ لام جارہ کی قسموں میں سے ہے اس لئے اس کا مدخول مجرور ہوتا ہے اور لام استغاثہ خود مفتوح ہوتا ہے جیسے **یا لزید**۔

﴿تیسری قسم منادی مستغاث بالالف۔﴾...... اگر منادی کے آخر میں الف استغاثہ ہو تو منادی مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اس لئے کہ الف اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے اور پھر الف استغاثہ کے بعد ضمیر کا اضافہ کیا جاتا ہے تاکہ الف استغاثہ کی الف اشباعی کے ساتھ مشابہت نہ ہو جیسے **یا زیداہ**۔ جب منادی کے آخر میں الف استغاثہ ہو تو پھر لام استغاثہ اس پر نہیں ہو سکتا اور اس کی دو وجہیں ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ الف استغاثہ کے ساتھ لام استغاثہ بھی آجائے تو ایک ہی کلمہ میں استغاثہ کے دو حرف جمع ہو جائیں گے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لام استغاثہ کا مدخول معرب ہوتا ہے جبکہ الف استغاثہ جس کے ساتھ لاحق ہوتا ہے وہ مبنی ہوتا ہے

چوتھی قسم منادی مضاف:۔ اگر منادی مضاف ہو تو منادی منصوب ہوتا ہے جیسے **یا عبداللہ**۔

پانچویں قسم منادی مشابہ بالمضاف:۔ منادی مشابہ بالمضاف وہ ہوتا ہے کہ ایسا منادی جس کا اپنے مابعد کے ساتھ ایسا تعلق ہو جیسا تعلق مضاف کا اپنے مضاف الیہ کے ساتھ ہوتا ہے یعنی جس طرح مضاف کا مقصودی معنی مضاف الیہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اسی طرح مشابہ بالمضاف کا مقصودی معنی بھی اپنے بعد والے کلمہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جیسے **یا طالعاً جبلاً** اے پہاڑ پر چڑھنے والے طالعاً مشابہ بالمضاف ہے اس کا مقصودی معنی جبلاً کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔ جب منادی مشابہ بالمضاف ہو تو یہ بھی منادی مضاف کی طرح منصوب ہوتا ہے۔

چھٹی قسم منادی نکرہ غیر معین:۔ جب منادی نکرہ غیر معین ہو تو وہ بھی منصوب ہوتا ہے جیسے اندھا کہے یا رجلا خذ بیدی ۔ اے آدمی میرا ہاتھ پکڑ لے۔

"وتوابع المنادی المبنی المفردة من التاکید والصفة وعطف البیان والمعطوف بحرف الممتنع دخول یا علیه ترفع علی لفظه وتنصب علی محله مثل یا زید العاقلُ والعاقلَ والخلیل فی المعطوف یختار الرفع وابو عمرو النصب وابو العباس ان کان کالحسن فکا الخلیل والا فکابی عمرو ۔ اور ایسا منادی جو مبنی ہو اور اس کے توابع مفرد ہوں یعنی تاکید اور صفت اور عطف بیان اور ایسا معطوف ہو جو حرف کے ساتھ ہو اور اس پر یا کا داخل کرنا ممتنع ہو تو اس تابع کو متبوع کے لفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے رفع اور اس کے محل کا لحاظ رکھتے ہوئے نصب دی جاتی ہے۔ جیسے **یا زید العاقلُ** اور **یا زید العاقل** امام خلیل معطوف کے رفع کو پسند کرتے ہیں اور ابو عمرو نصب کو پسند کرتے ہیں اور ابو العباس کا نظریہ خلیل کی طرح ہے جبکہ معطوف الحسن کیطرح ہو ورنہ ان کا نظریہ ابو عمرو کی طرح ہے۔

علامہ فرماتے ہیں کہ منادی مبنی کے جو مفرد توابع ہوں یعنی مضاف اور مشابہ بالمضاف نہ ہوں ان میں دو اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ اگر متبوع کے لفظ کا اعتبار کریں تو تابع پر رفع پڑھا جائیگا اور اگر متبوع کے محل کا اعتبار کریں تو نصب پڑھی جائیگی اس لئے کہ تابع میں متبوع کے لفظ کا اعتبار کرنا یا متبوع کے محل کا اعتبار کر دونوں صورتیں درست ہیں۔ جیسے **یا زید العاقلُ** ۔ میں اگر زید کے لفظ کا اعتبار کریں تو زید مبنی بر رفع ہے اس لئے **العاقلُ** تابع کو بھی مرفوع پڑھیں گے۔ اور اگر زید کے محل کا اعتبار کریں کہ یہ یا قائم مقام ادعو کے بعد واقع ہونے کیوجہ سے اس کا مفعول واقع ہو کر محل نصب میں ہے تو اس اعتبار سے تابع پر نصب پڑھی جائیگی (عبارت میں **المبنی** کے بعد جو **المفردہ** ہے یہ توابع کی صفت ہے یعنی توابع مفرد ہوں۔ اور

منادی مبنی سے مراد منادی مفرد معرفہ ہے جو مبنی پر رفعہ ہوتا ہے۔)

منادی مبنی کے مفرد توابع جن پر رفع اور نصب دونوں پڑھے جاسکتے ہیں چار ہیں۔

پہلا تابع تاکید ہے۔ دوسرا تابع صفت ہے تیسرا تابع عطف بیان ہے اور چوتھا تابع ایسا معطوف ہے جو حرف کے ساتھ معطوف ہو اور اس پر یا حرف ندا کا داخل کرنا ممتنع ہو۔

''منادی مبنی کا پہلا تابع تاکید ہے'' بعض نحویوں کے نزدیک یہاں تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے جیسے **یا تیم اجمعون . یاتیم اجمعین** ۔یہاں **اجمعون** اور **اجمعین** تاکید معنوی ہے۔اور امام سیبویہ کے نزدیک یہاں تاکید سے عام مراد ہے خواہ لفظی ہو یا معنوی ہو دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور علامہ ابن حاجب کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام سیبویہ کے نظریہ کو اختیار کیا ہے اسی لیے تاکید مطلقاً کہا ہے۔تاکید لفظی کی مثال جیسے **یا زیدُ زیدُ . یا زیدُ زیداً** ۔

''منادی مبنی کا دوسرا تابع صفت ہے'' منادی مبنی کا تابع صفت ہو جیسے **یا زید العاقلُ یا زید العاقلَ**

منادی مبنی کا تیسرا تابع:۔منادی مبنی کا تابع عطف بیان ہو جیسے **یاغلام بشرُ . یا غلامُ بشراً .**

منادی مبنی کا چوتھا تابع:۔منادی مبنی کا چوتھا تابع وہ معطوف ہے جس کا عطف حرف کے ساتھ ہو اور اس پر یا حرف ندا کا داخل کرنا ممتنع ہو۔اور یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ منادی مبنی کا تابع معرف باللام ہو جیسے **یا زیدُ والحارثُ . یا زیدُ والحارثَ** . معرف باللام پر یا حرف نداء کا داخل کرنا اس لئے ممتنع ہے کہ لام بھی کلمہ کو معرفہ بنانے کے لئے آتا ہے اور نداء بھی معرفہ بنانے کے لئے ہوتی ہے تو معرفہ بنانے والی دو چیزیں اکٹھی ہوجاتی ہیں اور یہ درست نہیں ہے اس میں بھی دو اعراب پڑھے جاسکتے ہیں اگر متبوع کے لفظ کا لحاظ رکھیں تو رفع پڑھا جاتا ہے اور اگر اس کے محل کا لحاظ رکھیں تو نصب پڑھی جاتی ہے۔

منادی مبنی کے چوتھے تابع کے اعراب کے بارہ میں نحویوں کا اختلاف:۔

منادی مبنی کا چوتھا تابع جو بیان کیا گیا ہے اس کے اعراب کے بارہ میں امام خلیل فرماتے ہیں کہ معطوف یعنی تابع میں رفع مختار ہے اور دلیل یہ دی کہ معطوف کی صورت میں معطوف مستقل منادی کے حکم میں ہے اور جب منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی بر رفع ہوتا ہے اس لئے رفع پڑھنا بہتر ہے مگر الف لام کی وجہ سے یہ مستقل منادی نہیں اس لیئے اس میں مکمل طور پر منادی (

مستقل کی رعایت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ اس پر نصب بھی جائز ہے۔) امام ابوعمرو نے کہا ہے کہ اس میں نصب پڑھنا مختار ہے اور دلیل یہ دی کہ جب معرف باللام ہونے کی وجہ سے یہ مستقل منادی نہیں بن سکتا تو یہ منادی نہیں اور یہ چونکہ محل نصب میں ہے اس لئے اس کو نصب دینا بہتر ہے۔لیکن عطف کی وجہ سے اس کا ماقبل منادی سے تعلق ہے اس لئے اس پر رفع بھی جائز ہے ۔اور امام ابوالعباس المبرد نے کہا کہ اگر معطوف الحسن کی طرح ہو تو پھر ان کا نظریہ امام خلیل کی طرح ہے کہ رفع پڑھنا بہتر ہے۔ الحسن کی طرح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس تابع پر الف لام زائدہ غیر عوض غیر لازم ہو(یعنی جس کو جدا بھی کیا جاسکتا ہو) تو پھر رفع پڑھنا بہتر ہے۔اور اگر معطوف الحسن کی طرح نہ ہو تو پھر نصب پڑھنا بہتر ہے۔

" والمضافة تنصب والبدل والمعطوف غير ماذكر حكمه حكم المستقل مطلقاً "...... اور منادی مبنی کا جو تابع مضاف ہو تو اس کو نصب دی جاتی ہے اور بدل کو اور جس معطوف کا ذکر کیا جاچکا ہے اس کے علاوہ معطوف ہو تو اسکا حکم مطلقاً مستقل منادی کا ہے۔ یہاں سے علامہ منادی مبنی کے ان توابع کا ذکر کررہے ہیں جن پر صرف نصب پڑھی جاسکتی ہے اور وہ تین ہیں۔مضاف، بدل اور معطوف غیر معرف باللام۔

<u>منادی مبنی کا پانچواں تابع مضاف ہے</u>:۔عبارت میں المضافۃ کا عطف المفردۃ پر ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ منادی مبنی کا تابع جو مضاف ہو اس پر نصب آئیگی جیسے **یا زیدُ عبدَ اللہ**۔زید متبوع اور عبداللہ تابع ہے اور یہ مستقل منادی بن سکتا ہے اور جب منادی مضاف ہو تو اس پر نصب آتی ہے اس لئے کہ اس پر نصب ہوگی۔

<u>منادی مبنی کا چھٹا تابع بدل ہے</u> اگر تابع بدل ہو تو اس کا حکم مطلقاً مستقل منادی کا ہے یعنی اگر تابع بدل مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی بر رفع ہوگا (جیسے یا زید عمرو) اور اگر مضاف ہو تو اس پر نصب ہوگی جیسے **یا زید عبدا للہ**۔اور اگر تابع بدل مشابہ بالمضاف ہو تو تب بھی اس پر نصب ہوگی جیسے **یا زید طالعاجبلا**۔اور اگر تابع بدل نکرہ غیر معین ہو تو اس پر بھی نصب ہوگی جیسے **یا زید رجلاً صالحاً**۔

<u>منادی مبنی کا ساتواں تابع</u>:۔منادی مبنی کا ساتواں تابع وہ معطوف ہے جو معرف باللام نہ ہو جیسے **یا زید و حارث**

" والعلم الموصوف بابن او ابنة مضافا الى عَلَمٍ آخر يختار فتحه"

اور جب منادی ایسا عَلَم ہو جو ابن یا ابنۃ کے ساتھ موصوف ہو اور وہ ابن یا ابنۃ کسی دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس پر فتحہ کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

منادی کی ساتویں قسم:۔ ایسا عَلَم جو ابن یا ابنۃ کے ساتھ موصوف ہو اور یہ ابن یا ابنۃ آگے کسی دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس منادی پر فتحہ مختار ہے۔ علامہ نے پہلے منادی کی چھ اقسام کا ذکر کیا پھر درمیان میں منادی مبنی کے توابع کا ذکر کیا اب پھر منادی کی باقی اقسام کا ذکر کرتے ہیں۔ اور منادی کی ساتویں قسم یہ بیان کی کہ جب منادی ایسا عَلَم ہو جو ابن یا ابنۃ کے ساتھ موصوف ہو اور وہ ابن یا ابنۃ آگے کسی دوسرے عَلَم کی طرف مضاف ہوں اور موصوف صفت کے درمیان کسی اجنبی چیز کا فاصلہ نہ ہو تو اس عَلَم منادی پر فتحہ پڑھنا مختار ہے جیسے یا زیدَ بْنَ عمرو۔ فتحہ اس لئے مختار ہے کہ ایسا منادی کثیر الاستعمال ہے اور کثیر الاستعمال خفت کو چاہتا ہے اور حرکات میں سے فتحہ اخف الحرکات ہے اس لئے فتحہ پڑھنا بہتر ہے۔ مگر اصل کا لحاظ رکھ کر رفع بھی جائز ہے اس لئے کہ جب منادی مفرد معرفہ ہو تو اس پر رفع پڑھا جاتا ہے جیسے یا زیدُ بنُ عمروٍ

" واذا نودی المعرف باللام قیل یا ایها الر جل ویا هذا الرجل . ویاایّهذا الرجل والتزموا رفع الرجل لانه المقصود بالنداء و توابعه لانها توابع معرب وقالو ا یا الله خاصة .... اور جب منادی معرب باللام ہو تو کہا جاتا ہے یا ایها الر جل اور یاهذالرجل اور یا ایّهذ الر جل اور نحویوں نے اس میں الرجل کے رفع کو لازم قرار دیا ہے اس لئے کہ مقصود بالنداء وہی ہوتا ہے۔ اور اس کے توابع پر بھی رفع لازم ہے اس لئے کہ معرب کا تابع ہے اور اہل عرب نے خاص کر یا اللہ کہا ہے۔

منادی کی آٹھویں قسم:۔ یہاں علامہ فرماتے ہیں کہ اگر منادی معرف باللام ہوتو یا حرف نداء اور منادی کے درمیان کبھی ایُّھا کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے یا ایھا الرجل . اور مونث کے لئے ایتھا کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے یا ایتھا النفس المطمئنة ۔ اور کبھی ھذا کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے یا ھذ الرجل اور مونث کے لئے ھذہ کا اضافہ کیا جاتاہے جیسے یا ھذہ المراء ۃ اور کبھی ایُّھذا کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے یا ایھذا الرجل ۔ اور اس صورت میں منادی پر رفع ہی ہوگا اس لئے کہ مقصود بالنداء وہی ہوتا ہے اور یہاں مقصود بالنداء کا مطلب یہ ہے کہ یا حرف نداء کے بعد جس کو پکارا جائے اور ظاہر ہے ایھا اور ھذا کے اضافہ کو نہیں پکارا جاتا بلکہ معرف باللام ہی کو پکارا جاتا ہے اور جب منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ مرفوع ہی ہوتا ہے ۔ اور جب منادی معرف باللام ہو تو اس کے تابع پر بھی متبوع کی طرح رفع ہی ہوگا ۔ اس لئے کہ یہ مبنی کا تابع نہیں بلکہ معرب کا تابع ہے لہذا اس کا اعراب اسی کی طرح ہوگا ۔ وقالو ایا اللہ خاصۃً ۔ میں علامہ فرماتے ہیں کہ جب منادی معرف باللام ہو تو یا کے بعد ایھا وغیرہ کا اضافہ کیا جاتا ہے مگر اہل عرب نے خاص طور پر لفظ اللہ پر ان الفاظ کا اضافہ نہیں کیا جبکہ یہ منادی ہو بلکہ یا اللہ ہی کہا ہے ۔ اس لئے یہ قاعدہ سے مستثنی ہے اور لفظ اللہ پر یا حرف ندا کا براہ راست داخل کرنا اس لیئے بھی درست ہے کہ پہلے یہ قاعدہ بیان ہو چکا ہے کہ جب معرف باللام کا لام زائد عوضی لازم ہو تو اس پر حرف نداء بغیر فاصلہ کے بھی داخل کر سکتے ہیں اور لفظ اللہ پر الف لام زائد عوضی لازم ہے اس لئے اس پر یا حرف ندا داخل کر سکتے ہیں ۔ ''ولک فی مثل یا تیم تیمَ عدی الضم والنصب'' اور یا تیم تیم عدی جیسی مثالوں میں تیرے لئے ضمہ اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہے ۔

منادی کی نویں قسم:۔ علامہ فرماتے ہیں کہ یاتیم تیم عدی جیسی مثالوں میں ضمہ اور نصب دونوں اعراب پڑھے جاسکتے ہیں اور اس مثال میں ایک قاعدہ کی جانب اشارہ کیا ہے کہ جب منادی مکرر ہو اور دوسرا منادی مضاف ہو تو پہلے منادی پر ضمہ اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں ضمہ اس لئے پڑھ سکتے ہیں کہ پہلا منادی مفرد معرفہ ہے اور وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے جیسے یا تیمُ تیمَ عدی اور دوسرا منادی منصوب ہی ہوگا اس لئے کہ وہ مضاف ہے ۔ اور پہلے منادی پر نصب بھی درست ہے اس لئے کہ جو دوسرے منادی کا مضاف الیہ ہے وہ پہلے منادی کا بھی مضاف الیہ ہے اور منادی مضاف منصوب ہوتا ہے اس لئے

اس پر نصب پڑھی جاتی ہے جیسے یاتیم تیم عدیٍّ۔

" والمضاف الی یاء المتکلم یجوز فیه یا غلامی ویا غلامیَ ویا غلامِ ویا غلاما وبالهاء وقفاً ۔اور وہ منادی جو یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں یا غلامی اور یا غلامیَ اور یا غلامِ . اور یا غلاما اور وقف کی حالت میں آخر میں ھا کا اضافہ کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔

منادی کی دسویں قسم: ۔جب منادی یا متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں آٹھ صورتیں جائز ہیں۔

پہلی صورت کہ یاءِ متکلم کو ساکن پڑھیں جیسے یا غلامیْ دوسری صورت کہ یاء کو مفتوح پڑھیں جیسے یا غُلامِیَ ۔

تیسری صورت کہ آخر سے یاءِ متکلم کو حذف کر کے اس کے ماقبل کسرہ کو باقی رہنے دیں۔جیسے یا غلامِ ۔

چوتھی صورت کہ آخر میں یاءِ متکلم کو حذف کر کے اس کے عوض آخر میں الف لے آئیں اور اس کے ماقبل کو فتحہ دیا جائے جیسے یا غلاما۔پانچویں صورت کہ یاءِ متکلم کو ساکن ہی رکھا جائے اور اس کے آخر میں ھاء لگا دی جائے جیسے یاغلامیهْ . ھاء وقف ساکن ہی ہوتی ہے۔ چھٹی صورت:۔کہ یاءِ متکلم کو فتحہ دے کر آخر میں ھاء وقف لگا دی جائے جیسے یا غلامیه۔

ساتویں صورت:۔ کہ یاءِ متکلم کو حذف کر کے آخر میں ھاء وقف لگا دی جائے جیسے یا غلامه۔

آٹھویں صورت کہ یاءِ متکلم کو حذف کر کے اس کے عوض الف لایا جائے اور اس کے ماقبل کو فتحہ دیکر آخر میں ھاء وقف لگا دی جائے جیسے یا غلاماهْ۔علامہ ابن حاجب نے مثالوں میں ان ہی آٹھ صورتوں کا ذکر کیا ہے مگر ان کے علاوہ دو صورتیں اور بھی ہیں۔ایک صورت یہ ہے کہ یاءِ متکلم کو حذف کرنے کے بعد اس کے ماقبل کو فتحہ دے دیا جائے جیسے یا غلامَ اور دوسری صورت یہ ہے کہ یاء کو حذف کرنے کے بعد اس کے ماقبل کو فتحہ دیکر آخر میں ھاء وقف لگا دی جائے جیسے یا غلامَه تو یہ کل دس صورتیں بن جاتی ہیں۔

وقالوا یا ابی و یااُمی ویا ابت ویا امَّت فتحاو کسر ا وبالالف دون الیاء ۔........اورنحوی کہتے ہیں یا ابی او ر یا اُمی اوریاابت اور میرے یا اُمّت فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور الف کے ساتھ نہ کہ یاء کے ساتھ۔

منادی کی گیارھویں قسم:۔ جب منادی لفظ اب اور ام ہو جو کہ یاء کے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں تیرہ صورتیں جائز ہیں۔دس صورتیں وہی جو غلامی میں بیان کی گئی ہیں جیسے (یا ابی یا امی).(یا اب یا ام) . (یا ابا .یا اُما).(یاابیه یااُمیه) .(یا ابیه یا امیه) . (یا ابه یا امه) .(یا اباه یا اماه).(یا اب . یا اُم) .(یا ابه . یا امه) اور گیارھویں صورت یہ ہے کہ ابی اور امی کے آخر میں سے یاء متکلم گرا کر اس کی جگہ تاء مکسورہ لگا دیں اور اس کے ماقبل کو فتحہ دے دیں جیسے یا ابت . یا امت ۔بارھویں صورت یہ ہے کہ یاء متکلم کو گرانے کے بعد اس کی جگہ تاء مفتوحہ آخر میں لگا کر اس کے ماقبل کو فتحہ دے دیں۔جیسے یا ابت . یا امت .

اور تیرھویں صورت یہ ہے کہ یاء متکلم کو گرانے کے بعد اس کی جگہ آخر میں تاء مفتوحہ لگا کر اس کے ماقبل کو فتحہ دیں اور تاء کے بعد الف لگا دیں جیسے یا ابتا . یا امتا ۔بعض حضرات (نے یا ابت اور یا ابتا کے آخر میں هاء وقف لگانے کی صورت میں اس میں اور صورتوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔) علامہ نے فرمایا کہ جب اب اور اُم کے آخر میں تاء لائی جائے تو اس تاء کے بعد الف تو آسکتا ہے مگر یاء نہیں آسکتی اور یا ابتی اور یا امتی پڑھنا درست نہیں ہے اس لئے کہ تاء کو یاء کے عوض لایا گیا ہے اور اگر یاء کو بھی ذکر کیا جائے تو معوض اور معوض عنہ کا ایک ہی جگہ جمع ہونا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں ہے۔**ویا ابن ام اور یا ابن عم خاصة مثل باب یا غلامی وقالو ا یاابن ام ویا ابن عم** ۔اور یا ابن ام اور یاا بن عم خاص طور پر یا غلامی کے باب کی طرح ہے اور نحوی حضرات اس میں یا ابن اُم اور یا ابن عم بھی کہتے ہیں۔

منادی کی بارھویں قسم کہ منادی ابن کا لفظ ہو جو اُم یا عم کی طرف مضاف ہو اور ام یا عم یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا حکم یا غلامی کی طرح ہے البتہ ان میں یا ابن ام اور یاابن عمُ بھی پڑھتے ہیں۔خاصة کا مطلب یہ ہے کہ ابن

کا لفظ جب ایسے ام یا عم کی طرف مضاف ہو جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو پھر ان کا حکم یا غلامی کی طرح ہوگا ورنہ نہیں۔ مثلاً ابن کا لفظ ام یا عم کی بجائے اخ یا خال کی طرف مضاف ہو جیسے یا ابن اخی یا ابن خالی وغیرہ تو اس صورت میں حکم یا غلامی کی طرح نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر ابن کی بجائے۔ اب یا اخ کا لفظ منادی ہو اور وہ ام یا عم کی طرف مضاف ہو۔ جیسے یا اَبَ اُمّ اور اَبَ عَمّ ۔یا اَخ اُمٍّ او یا اَخَ عمٍ تو اس کا حکم بھی یا غلامی کی طرح نہیں ہوگا۔ جب ابن کا لفظ ام یا عم کی طرف مضاف ہو اور وہ یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا حکم یا غلامی کی طرح ہے صرف فرق یہ ہے کہ غلامی میں آٹھ صورتیں مشہور اور دو غیر مشہور تھیں اور اسمیں دس صورتیں ہی مشہور ہیں۔

جیسے (۱) یا ابن اُمی . یا ابن عمی (۲) یا بن اُمی . یا ابن عمی .(۳) یاابن اُم . یا ابن عم .(۴) یا ابن اُماّ . یا ابن عما . (۵) یاابن اُمیه ُ. یا ابن عمیه ُ(۶) یاابن اُمیه ُ. یا ابن عمیه (۷) یا ابن اُمه . یا ابن عمه (۸) یاابن اماه .یا ابن عماه (۹) یاابن اُمّ َ. یا ابن عمَّ . (۱۰) یا ابن اُمَّه . یا ابن عمه .

”وترخیم المنادی جائز وفی غیرہ ضرورةً وهو حذف فی آخرہ تخفیفا“ ......

اور منادی میں ترخیم جائز ہے اور منادی کے علاوہ باقی کلمات میں صرف ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اور وہ ترخیم کہتے ہیں کہ اس کے آخری حرف کو تخفیف کے لئے حذف کرنا۔

ترخیم کالغوی اور اصطلاحی معنی:۔ ترخیم کالغوی معنی ہے نرم اور ڈھیلا ہونا اور نحویوں کی اصطلاح میں ترخیم کہتے ہیں کہ اس کے آخری حرف کو تخفیف کے لئے حذف کرنا۔ ترخیم کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم منادی میں ترخیم اور دوسری قسم منادی کے علاوہ کسی دوسرے اسم میں ترخیم۔ منادی میں ترخیم ہر حالت میں جائز ہے اس لئے کہ نداء میں منادی ہی کو پکارنا مقصود ہوتا ہے اور ترخیم کی وجہ سے منادی جلدی ختم اور ادا ہو جاتا ہے۔ اس لئے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے منادی کو جلدی ختم کرنا بہتر ہے جیسے یا خالد کی بجائے یا خال کہنا بہتر ہے۔ اور منادی کے دیگر باقی اسماء میں ترخیم صرف ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اس عبارت میں تخفیفا ترخیم سے مفعول لہ ہے۔ کہ ترخیم تخفیف کے لئے ہوتی ہے۔

"وشرطه ان لایکون مضافا ولا مستغاثا ولا جملة ویکون اِما علما زائد علی ثلاثة احرف واما بتاء التانیث...... اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ مضاف نہ ہو اور نہ ہی مستغاث ہو اور نہ ہی جملہ ہو اور وہ یا تو تین حرفوں سے زائد پر مشتمل عَلَم ہو یا تاء تانیث کے ساتھ ہو۔

"ترخیم منادی کی شرائط" علامہ نے ترخیم منادی کی چار شرائط بیان کی ہیں

پہلی شرط یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو اس لئے کہ اگر منادی مضاف ہو تو ترخیم مضاف میں کریں گے یا مضاف الیہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں اس لئے کہ اگر ترخیم مضاف میں کریں تو لفظ کے اعتبار سے تو وہ منادی کا آخر ہے مگر معنی کے لحاظ سے آخر ہے کیونکہ اس کا معنی مضاف الیہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اور اگر ترخیم مضاف الیہ میں کریں تو معنی کے لحاظ سے تو وہ آخر ہے مگر لفظ کے لحاظ سے آخر نہیں حالانکہ ترخیم کہتے ہیں کلمہ کے آخر سے ایک یا چند حروف کو حذف کرنا اور وہ کلمہ کا آخر لفظاً بھی ہو اور معناً بھی ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ منادی مستغاث نہ ہو اور منادی مستغاث کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ لام کے ساتھ ہو جیسے **یا لَزید**۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مستغاث الف کے ساتھ ہو جیسے **یا زیداہ**۔ اگر منادی مستغاث باللام ہو تو اس کے آخر میں جر آتی ہے جب کہ ترخیم منادی کے خواص میں سے ضمہ اور فتحہ ہے اس لئے منادی مستغاث باللام میں ترخیم جائز نہیں ہے۔ اور اگر منادی مستغاث بالالف ہو تو وہ الف کے بقاء کو چاہتا ہے جبکہ ترخیم اس کے حذف کو چاہتی ہے اور الف کا بقاء ضروری ہے اس لئے منادی مستغاث بالالف میں بھی ترخیم جائز نہیں ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ منادی جملہ نہ ہو اس لئے کہ جملہ قصہ عجیبہ یا قصہ غریبہ پر دلالت کرتا ہے اگر جملہ میں ترخیم کی جائے تو یہ دلالت باقی نہیں رہتی اس لئے ترخیم جائز نہیں جیسے **یاتابط شرا** میں منادی جملہ ہے اسلئے اسمیں ترخیم جائز نہیں ہے۔ تابط شرا ایک شاعر کا نام ہے۔ اسکی کثرت سے شرارتوں کی وجہ سے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا اور اس کا معنی ہے کہ اس نے بغل میں شر کو پکڑ رکھا ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ منادی ایسا عَلَم ہو جو تین حرفوں سے زائد پر مشتمل ہو جیسے **یا مالک** میں **یا مالُ** پڑھنا۔ یا منادی ایسا عَلَم ہو جس کے آخر میں تاء تانیث ہو جیسے **یا خدیجة** کو **یا خدیجُ** پڑھنا۔ یہاں ترخیم منادی کے لئے عَلَم

ہونے کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ اعلام مشہور ہوتے ہیں اور ترخیم کے بعد بھی مسمی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور تین حرفوں سے زائد پر مشتمل ہونے کی شرائط اس لئے لگائی ہے کہ کلمہ کی صالح مقدار تین حروف ہیں اب اگر تین یا اس سے کم حروف پر مشتمل اعلام میں ترخیم کریں تو کلمہ صالح مقدار سے کم رہ جاتا ہے اس لئے تین حروف سے زائد پر مشتمل ہونے کی شرط لگائی ہے تا کہ ترخیم کے بعد بھی کلمہ کی صالح مقدار باقی رہے۔ اور تاء تانیث کے شرط اس لئے لگائی ہے کہ تاء تانیث تو ویسے بھی معرض زوال میں ہوتی ہے اگر اس کو ترخیم کی وجہ سے حذف کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

اعتراض:۔علامہ نے منادی مشابہ بالمضاف اور منادی مندوب کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب:۔مشابہ بالمضاف میں حکم مضاف کے ساتھ مشابہت کیوجہ سے آتا ہے تو جب منادی مضاف کا حکم بیان کر دیا تو اس ضمن میں مشابہ بالمضاف کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک مندوب منادی نہیں ہوتا اس لئے اس کو منادی کے حکم میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے اور اگر مندوب کو منادی ہی مان لیں تو مندوب کے آخر میں الف ہوتا ہے تو اس کا حکم وہی ہوا جو منادی مستغاث بالالف کا ہے۔ اس لئے اس کو الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

" فان كان في آخره زيادتا ن في حكم الواحدة كا سمآء ومروان اوحرف صحيح قبله مدة وهو اكثر من اربعة حروف حذفتا وان كا ن مركبا حذف الاسم الاخير وان كا ن غير ذالك فحرف واحد وهو في حكم الثابت على الا كثر فيقال يا حار ويا ثمو يا كرو وقد يجعل اسماء براء سه فيقال يا حارُ ويا ثمی ويا كرا . "......

پس اگر منادی کے آخر میں دو حرف زائد ایسے ہوں جو حکم واحد میں ہوں جیسا کہ اسماء کے آخر میں الف اور ہمزہ اور مروان کے آخر میں الف اور نون ہیں یا منادی کا آخر حرف صحیح ہو اور اس کے ماقبل حرف مدہ ہو اور وہ چار حرفوں سے زائد ہو تو آخر سے ان دونوں حروف کو حذف کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ مرکب ہو تو آخری اسم کو حذف کیا جاتا ہے اور اگر ان صورتوں کے

علاوہ ہوتو ایک حرف حذف کیا جاتا ہے۔اور وہ اکثر حکم ثابت میں ہوتا ہے پھر **یا حار** اور **یا ثمو** اور یا کرو کہا جاتا ہے اور کبھی منادی مرخم کو مستقل اسم قرار دیا جاتا ہے تو **یا حار** اور **یا ثمی** اور یا کرا کہا جاتا ہے۔

مقدار ترخیم کا بیان:۔ یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ ترخیم میں کتنے حروف کو حذف کیا جاسکتا ہے تو اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں۔

پہلی صورت کہ منادی مفرد کے آخر میں دو حروف زائد ایسے ہوں جو حکم واحد میں ہوتو ان دونوں کو حذف کیا جائیگا جیسے **یا مروان** کی بجائے **یا مروُ** اور **یا اسماء** کی بجائے **یا اَسمُ** پڑھ سکتے ہیں۔اور دونوں حرفوں کوگرانے کی وجہ یہ ہے جب یہ حروف آنے میں ایک ہیں تو گرانے میں بھی ان کو حکم واحد میں کر دیا گیا۔

دوسری صورت:۔ یہ ہے کہ منادی مفرد کے آخر میں حرف صحیح ہو اور اسکے ماقبل حرف مدّہ ہو اور وہ منادی چار حرفوں سے زائد پر مشتمل ہو تو اس کے آخری دو حرفوں کو حذف کیا جاتا ہے جیسے **یا منصور** کو **یا منُصُ** پڑھ سکتے ہیں۔اس لئے کہ حرف اصلی کو حذف کر کے مدّہ کو باقی رکھنا اچھی بات نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ منادی مفرد مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ ہو یعنی نہ تو اس کے آخر میں دو حروف زائد ہوں اور نہ ہی اسکے آخر میں آخری حرف صحیح اور اس کا ماقبل مدہ ہو تو ایسے منادی کے آخر سے صرف ایک ہی حرف کو حذف کیا جاتا ہے جیسے **یا حارث** کو **یا حار** پڑھا جاسکتا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ منادی مفرد نہ ہو بلکہ مرکب ہو اور یہاں مرکب سے مرکب بنائی اور مرکب تعدادی مراد ہے اس لئے کہ اس مرکب کا حکم ایک کلمہ جیسا ہوتا ہے تو منادی مرکب سے آخری اسم کو حذف کیا جاتا ہے جیسے **یا احد عشر** کی بجائے **یا احد** پڑھنا اور **یا بعلبک** کی **یا بعل** پڑھا جاتا ہے۔

وھو فی حکم الثابت علی الاکثر:۔ یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ منادی مرخم کے اعراب میں دو صورتیں ہیں ایک صورت اکثر پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ترخیم کے بعد آخر میں رہ جانے والے حرف پر ترخیم سے پہلے جو اعراب تھا وہی باقی رکھا جائے گویا کہ وہ حذف کیا جانے والا حرف ثابت ہے۔اسلئے **یا حارث** میں **حارِ** اور **یا ثمود** میں **یا ثمو** اور

یا کرَ وَا نِ میں یا کَرَوَ پڑھاجاتا ہے۔" وقد یجعل اسما براسه سے علامہ نے منادی مرخم کے اعراب کی دوسری صورت بیان کی ہے کہ کبھی منادی مرخم کو مستقل اسم قرار دیا جاتا ہے (اس لئے کہ حذف کئے جانے والے حرف کو نیسا منسیا کردیا جاتا ہے پھر) جب وہ مستقل اسم ہے تو اس کے آخر میں منادی کا اعراب ہی ہوگا اور یا حارث کو یا حارُ پڑھا جائیگا اس لئے کہ جب منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی بر رفع ہوتا ہے اسلئے یا حارُ مرفوع پڑھیں گے۔اور یا ثمود کو یا ثمی پڑھا جائیگا اسلئے کہ آخر سے دال کو حذف کرنے کی بعد یا ثمو ہوگیا تو واؤ کو یاء سے اور اس کے ماقبل ضمہ کو کسرہ سے بدل کر یا ثمی پڑھا جائیگا اور یا کَروان کو یا کرا پڑھا جائیگا اسلئے کہ آخر سے الف نون کو گرانے کے بعد گرَوَ رہ گیا تو پھر قال والے قانون کے مطابق واؤ کو الف سے بدل کر یا گرا پڑھیں گے۔

" وقد استعملو صیغة النداء فی المندوب وهو المتفجع علیه بیا او وا واختص بوا وحکمه فی الاعراب والبناء حکم المنادی ولک زیادة الالف فی آخره فان خفت اللبس قلت واغلا مکیه واغلا مکموهُ ولک الهاء فی الوقف" ...... اور بے شک اہل عرب نے نداء کے صیغہ کو یعنی حرف نداء کو مندوب میں استعمال کیا ہے اور مندوب وہ میت ہے جس پر رویا جائے یا کے ساتھ یا واؤ کے ساتھ اور واؤ مندوب کے ساتھ مختص ہے اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں منادی کی طرح ہے یعنی جن صورتوں میں منادی مبنی ہوتا ہے ان میں مندوب بھی ہوگا اور جن صورتوں میں منادی معرب ہوتا ہے ان میں مندوب بھی معرب ہوگا۔اور مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنا بھی جائز ہے پس اگر آپ مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنے کی وجہ سے کسی دوسرے صیغہ کے ساتھ التباس کا خوف رکھیں تو آپ واغلا مکیه اور واغلا مکموهُ پڑھ سکتے ہیں اور آپ کے لئے اس کے آخر میں ھاء وقف لانا بھی جائز ہے۔

مندوب کی تعریف اور اس کا حکم:۔مندوب نُدبه سے ہے اور نُدبه کہتے ہیں رورو کر میت کے حالات آواز سے بیان کرنا۔اور اصطلاح میں مندوب کہتے ہیں کہ میت کے ساتھ جو قرابت داری ہے اس قرابت داری کے الفاظ پر یاء یا واوٗ داخل کر کے اسکے حالات بیان کرنا جیسے۔**یا ابتا . یا اُماّ . یا عمّا .یا اَخا** ۔وغیرہ

''**وقد استعملوا**'' کہہ کر علامہ نے بتایا کہ نداء کا صیغہ یعنی حرف نداء اصل تو منادی پر داخل ہوتا ہے مگر کبھی اس حرف نداء کو مندوب پر بھی استعمال کرتے ہیں۔جبکہ واوٗ مندوب کے ساتھ مختص ہے۔یعنی یاء منادی پر بھی داخل ہوتی ہے اور مندوب پر بھی داخل ہوتی ہے جبکہ واوٗ مندوب کے ساتھ مختص ہے اسکو منادی پر داخل کرنا درست نہیں ہے۔اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں منادی کی طرح ہے۔اور مندوب کے آخر میں الف کا زیادہ کرنا جائز ہے۔

''**فان خفت اللبس**'' یہاں سے علامہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مندوب کے آخر میں الف کا اضافہ کرنے کی وجہ سے اس کا کسی دوسرے صیغہ کے ساتھ التباس آتا ہو تو وہاں **واغلا مکیه** اور **واغلا مکموه** کی طرح کریں گے یعنی الف زیادہ کرنے کی بجائے مندوب کے آخر میں جو حرکت ہے اس کے مطابق حرف علت لایا جائیگا جیسے **واغلامکیه** ۔یہ واحدہ مونثہ مخاطبہ کے غلام پر **نُدبه** ہے اگر اس مندوب کے آخر میں الف لگاتے تو واغلامکاہ ہو جاتا تو مذکر مخاطب کے صیغہ سے التباس آتا اور پتہ نہ چلتا کہ یہ **نُدبه** مونث کے غلام پر ہے یا مذکر کے غلام پر۔اس لئے **غلامکِ** کے آخر میں کِ کے نیچے کسرہ ہے اس لئے اس کے مطابق آخر میں حرف علت یاء لائے۔اسی طرح **واغلامَکموه** جمع مذکر مخاطب کے غلام پر ندبہ ہے اگر اس مندوب کے آخر میں الف لاتے اور **واغلامکاه** پڑھتے تو اس کا تثنیہ کے ساتھ التباس آتا اس لئے اس التباس سے بچنے کے لئے آخر میں واوٗ لائے۔

''**ولک الهاء فی الوقف**'' اگر مندوب کے آخر میں آخری حرکت کے موافق حرف علت کا اضافہ کیا تو آخر میں ھاء وقف لانا جائز ہے جیسے **واغلامکیه** ۔وغیرہ۔

''**ولا یندب الا المعروف فلا یقال وار جلاه وامتنع وازید الطویلاه خلا فالیونس**'' اور نہیں مندوب بنایا جاسکتا مگر معرفہ کو پس وار جلاہ نہیں کہا جاسکتا۔

''اور وازید الطویلاہ کہنا ممتنع ہے۔اس میں امام یونس کا اختلاف ہے۔

''مندوب معرفہ ہوتا ہے'' مندوب صرف معرفہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ مندوب کے محاسن بیان کئے جاتے ہیں اور محاسن اسی کے بیان کیے جاسکتے ہیں جو متعین ہواس لئے مندوب کا معرفہ ہونا لازمی ہے۔اور نکرہ چونکہ مجہول ہوتا ہے اور مجہول کے محاسن بیان نہیں کئے جاسکتے اس لئے وارجلاہ نہیں کہا جاسکتا۔

''مندوب کی ممتنع صورت'' علامہ نے فرمایا کہ وازید الطویلاہ کہنا ممتنع ہے۔اس مثال میں علامہ نے ایک قاعدہ کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اگر مندوب موصوف بالصفۃ ہو تو صفت کے آخر میں الف کا اضافہ درست نہیں ہے بلکہ الف کا اضافہ موصوف کے آخر میں ہوگا اور یہ جمہور نحویوں کا نظریہ ہے اسلئے کہ صفت موصوف کا جز نہیں ہوتی بلکہ وہ موصوف کی وضاحت یا تخصیص کے لئے آتی ہے اور اضافہ مندوب کے آخر میں ہوتا ہے اور مندوب موصوف ہے صفت نہیں اس لئے اضافہ صرف موصوف کے آخر میں ہوسکتا ہے۔

'' خلافا لیونس '' نحویوں میں سے امام یونس نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔

﴿''امام یونس کی پہلی دلیل''﴾ ......امام یونس فرماتے ہیں کہ جس طرح مضاف الیہ کے آخر میں بالاتفاق اضافہ کیا جاسکتا ہے جبکہ مندوب مرکب اضافی ہو(حالانکہ مضاف اور مضاف الیہ مصداق میں مغائر ہوتے ہیں۔جب مصداق میں مغائر ہونے کے باوجود مضاف الیہ کے آخر میں اضافہ بالاتفاق ہوسکتا ہے۔) تو اسی طرح اگر مندوب موصوف بالصفۃ ہے تو صفت کے آخر میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ موصوف اور صفت تو مصداق میں متحد ہوتے ہیں۔

اس کا جواب:۔ جمہور نے اس کا جواب دیا کہ آخر میں حرف کی زیادتی کا دارمدار مصداق میں مغائرت یا اتحاد پر نہیں بلکہ معنی کے پورا ہونے پر ہے تو جب مرکب اضافی میں معنی مضاف الیہ پر پورا ہوتا ہے تو اس کے آخر میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان ایک لحاظ سے کل اور جز والا تعلق ہے۔جبکہ مرکب توصیفی میں تو معنی موصوف پر ہی پورا ہو جاتا ہے اسلئے موصوف کے آخر میں زیادتی ہوسکتی ہے صفت کے آخر میں نہیں ہوسکتی۔

" امام یونس کی دوسری دلیل " امام یونس نے دوسری دلیل یہ دی ہے کہ عرب زبان میں موجود ہے" واجمجمتی الشا متیناہ " ہائے ایسی کھوپڑی جس کی مصیبت پر مخالفوں نے خوشی منائی۔اس میں الشا متیناہ صفت کے آخر میں الف کا اضافہ ہے۔

﴿اس کا جواب﴾...... جمہور کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ فصاء عرب کا کلام نہیں ہے اس لئے یہ شاذ ہے اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

" ویجوز حرف النداء الا مع اسم الجنس والاشارة والمستغاث والمندوب نحو یوسف اعرض عن هذا وایها الرجل وشذ اصبح لیل وافتد مخنوق واَطرِقْ کرا " ...... اور حرف نداء کو حذف کرنا جائز ہے مگر اس کا حذف اس وقت جائز نہیں جبکہ منادی اسم جنس یا اسم اشارہ یا مستغاث یا مندوب ہو جیسے یوسف اعرض عن هذا اور ایها الرجل اور اصبح لیل اور افتد مختوق اور اَطرِقْ کرا میں حرف نداء کا حذف کرنا شاذ ہے۔

" حرف نداء کو حذف کرنے کی شرائط: ۔یہاں سے علامہ نے حرف نداء کو حذف کرنے کی چار شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ منادی اسم جنس نہ ہو اس لئے کہ اسم جنس میں ابہام ہوتا ہے اور اس کو منادی بنا کر ابہام دور کیا جاتا ہے اگر حرف نداء کو حذف کریں تو اس میں ابہام پھر لوٹ آئے گا اسلئے اس میں حرف نداء کو حذف کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری شرط:۔ یہ ہے کہ منادی اسم اشارہ نہ ہو۔اس میں بھی وہی وجہ ہے کہ اسم اشارہ میں ابہام ہوتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ منادی مستغاث نہ ہو۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ منادی مندوب نہ ہو اس لئے کہ منادی مستغاث اور مندوب کی صورت میں حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

علامہ نے حرف نداء کے حذف کی ایک مثال دی ہے **یوسف اعرض عن ھذا** یہ اصل میں یا یوسف ہے اور دوسری مثال دی ہے **ایھا الرجل** یہ اصل میں **یا ایھا الرجل** ہے۔

اعتراض:۔ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اسم جنس منادی ہو تو اس صورت میں حرف نداء کو حذف نہیں کیا جا سکتا حالانکہ **اَصْبح لیل** اور **اِفتدِ مخنوق** اور **اطرِق کَرَا** میں منادی اسم جنس ہے اور اس کے باوجود حرف نداء کو حذف کیا گیا ہے

۔**جواب**: علامہ نے جواب دیا **شُذَّ** کہ ان مثالوں میں حرف نداء کے حذف کو شاذ قرار دیا گیا ہے۔

''امروءالقیس کی بیوی کو جب طلاق ملی تو اس نے ایک رات یہ کہا ''**اِصْبح لیلُ** '' اور یہ اصل میں تھا **اِصبح یا لیلُ** اے رات صبح کر (پھر یہ سختی کی حالت میں کسی شئی کی طلب میں ضرب المثل بن گئی ہے) لیل پر حرف نداء تھا اور رات اسم جنس ہے اس کے باوجود حرف نداء کو حرف کرنا شاذ ہے۔ اور چور نے (چوری کرتے وقت ایک آدمی کا گلا گھونٹتے ہوئے) **افتدمخنوق** اے گلا گھونٹے ہوئے تو فدیہ دے۔ یہ اصل میں تھا **افتدیا مخنوق** ۔اس میں بھی مخنوق اسم جنس ہے۔ اور اطرق کرا اصل میں **اَطرِق یا کروان** تھا۔ اے کروان تو گردن کو جھکا لے۔ اور یہ جہالت کے دور کا ایک منتر ہے۔ جس کے ذریعہ سے کروان پرندے کا شکار کیا کرتے تھے۔ اور کروان بھورے رنگ کا لمبی چونچ والا جانور ہے جو رات کو سوتا نہیں ہے

۔''**وقد یحذف المنادی لقیام قرینة جوازا مثل الا یا اسجد**'' اور کبھی کسی قرینہ کے قائم ہونے کی وجہ سے منادی کو جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے **الا یاا سجد** .

''**حذف منادی کی بحث**:۔ علامہ نے فرمایا کہ کبھی قرینہ کی وجہ سے منادی کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ جیسے **اَلا یا اسجد** یہ اصل میں تھا الا یاقوم اسجد اس میں الا حرف تنبیہ ہے۔ یا حرف نداء اسموں پر داخل ہوتی ہے اور یہاں اسجد فعل پر داخل ہے تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ منادی محذوف ہے۔

'' والثالث ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر وهو کل اسم بعده فعل او شبهة مشتغل عنه بضمیره اومتعلقه لو سلّط علیه هو او

مناسبه لنصبه مثل زیداً ضربته وزیدا مررتُ به وزیدا ضربت غُلامه وزیدا حسبت علیه ینصب بفعل مضمر یفسره مابعده ای ضربتُ وجاوزتُ واهنتُ ولا لبستُ“ ......اور تیسرا مقام جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے وہ ایسا مفعول بہ ہے جس کے عامل کو شریطۃ التفسیر پر مقدر کیا جائے۔ اور وہ ہر ایسا اسم ہوتا ہے۔ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل ضمیر یا ضمیر کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم سے بے نیاز ہو اگر فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو اس اسم پر داخل کیا جائے تو وہ اس اسم کو نصب دے جیسے زیدا ضربته اور زیدا مررتُ به اور زیدا ضربت غلامه اور زیداً حُبست عُلیه۔ اس مفعول بہ کو اس فعل مقدر کی وجہ سے نصب دی جاتی ہے جس کی تفسیر اس کے بعد والا فعل کرتا ہے اور وہ زیداً ضربته میں ضربتُ اور زیداً مررتُ به میں جاوزتُ اور زیداً غلامه میں اهنت اور زید احبستُ علیه میں لابست ہے۔

تیسرا مقام:۔ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے اس کا تیسرا مقام ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر ہے (اس کی اصل عبارت یہ ہے کہ مااضمر عامله اضمار امبنیا علی شریطة التفسیر یعنی جس کے عامل کو مقدر کیا جائے ایسا مقدر کرنا کہ اسکا دار و مدار تفسیر کی شرط پر ہو یعنی بعد والا فعل اس مقدر فعل کی تفسیر کر رہا ہو۔) اور ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی تعریف یہ کی ہے کہ ہر وہ اسم جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل ضمیر یا ضمیر کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے بے نیاز ہو مگر ان کا تعلق ایسا ہو کہ اگر اس فعل یا شبہ فعل (یا اس فعل کے مناسب یعنی اس فعل کے مترادف یا اس کے لازمی معنی پر مشتمل فعل کو) اس اسم پر داخل کیا جائے تو وہ فعل یا شبہ فعل یا اس کا مناسب اس اسم کو نصب دے۔ جیسے زیدا ضربتهُ اس مثال میں زیدا اسم ہے اس کے بعد ضربتُ فعل ہے مگر ضربته ضمیر جو اسی اسم کی طرف راجع ہے اس ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے زیداً میں عمل کرنے سے بے نیاز ہے۔ اور اگر ضربتُ کو زیداً پر داخل کریں تو ضربت نصب دیتا ہے زیدا کو اس لئے زیدا کا فعل ضربتُ

محذوف ہے جس کی تفسیر بعد والا ضربت کر رہا ہے۔اس مثال میں فعل کو اس اسم پر مسلط کیا گیا ہے جو اس سے پہلے ہے اور شبہ فعل کی مثال جیسے زیدا انا ضاربه ۔اس میں انا ضارب کو زیدا پر مسلط کریں تو وہ زیدا کو نصب دیتا ہے۔

دوسری مثال:۔ زیدا مررتُ به اس میں زیدا اسم ہے اس کے بعد مررتُ بہ فعل ہے اور مررتُ جار مجرور میں عمل کرنے کی وجہ سے زیدا میں عمل کرنے سے بے نیاز ہے چونکہ مررت کو زیدا پر داخل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ مررتُ باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو مررتُ کے مترادف جاوزتُ کو اس اسم پر داخل کریں تو وہ اس اسم کو نصب دیتا ہے اس لئے اس مثال میں زیداً میں عمل کرنے والا فعل جاوزتُ محذوف ہے جس کی تفسیر بعد والا فعل مررتُ به کر رہا ہے اس مثال میں فعل کے مناسب مترادف کو اسم پر مسلط کیا گیا ہے۔شبہ فعل کی مثال جیسے زیدا انا مارّبه اس میں انا مار کو زیدا پر داخل نہیں کر سکتے تو اس کے مترادف مجاوز کو داخل کریں تو وہ اس کو نصب دیتا ہے تو یہ اصل میں انا مجاوز زیدا انا مارّبه ہے انا مجاوز کو حذف کر دیا جس کی تفسیر انا مار کر رہا ہے)

تیسری مثال:۔ زیدا ضربتُ غلامه ہے اس میں زیدا اسم ہے اس کے بعد ضربتُ فعل جو غلامہ میں عمل کرنے کی وجہ سے زیدا میں عمل کرنے سے بے نیاز ہے اور غلامہ میں ضمیر اسی زیدا کی طرف راجع ہے جو فعل سے پہلے واقع ہے۔اس میں زیدا پر ضربتُ کو داخل کرنا درست نہیں اسلئے کہ معنی میں خرابی آتی ہے اصل معنی تو یہ ہے کہ میں نے زید کے غلام کو مارا اور اگر ضربت کو زیدا پر داخل کریں تو معنی یہ ہوگا کہ میں نے زید کو مارا۔جب زیدا پر ضربت کو داخل نہیں کیا جاسکتا تو اس کے لازمی معنی پر مشتمل فعل کو اس پر داخل کریں گے تو وہ اس کو نصب دیتا ہے اور یہاں ضربت غلامہ کا لازمی معنی میں ہے اَھَنتُ ۔اس لحاظ سے اصل عبارت ہوئی اھنت زیدا ضربتُ غلامه ۔کہ میں نے زیدا کی توہین کہ اس کے غلام کو مارا ہے۔اھنت فعل مقدر ہے اور ضربتُ بعد والا فعل اس کی تفسیر کرتا ہے۔اس مثال میں فعل کے مناسب لازم کو اسم پر مسلط کیا گیا ہے۔اور شبہ فعل کی مثال جیسے زیدا انا ضارب غلامه انا ضارب کو زیدا پر داخل نہیں کر سکتے اس لئے کہ معنی میں خرابی لازم آتی ہے تو اس کے مناسب لازم انا مهین کو اس اسم پر داخل کریں تو وہ اس کو نصب دیتا ہے ۔تو یہ اصل میں ہوگا انا مهین زیدا انا ضارب غلامه)

چوتھی مثال:۔ زیدا حبست علیه ہے۔اس میں زیدا اسم ہے اس کے بعد حبستُ فعل ہے اور یہ علیہ میں عمل کرنے کی وجہ سے زیدا میں عمل کرنے سے بے نیاز ہے اور حُبست کو زیدا پر مسلط نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اگر حُبس فعل کو زیداً پر مسلط کریں تو وہ زیداً کو نصب نہیں دیتا بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اس کو رفع دیتا ہے۔اس لئے حُبست فعل کو زیداً پر مسلط نہیں کیا جا سکتا تو اس کے مناسب لازم لا بَسْتُ کو زیدا پر داخل کریں تو وہ اس کو نصب دیتا ہے۔اس لئے زیداً کا عامل لابست مقدر ہے جس کی تفسیر بعد میں آنے والا فعل حُبستُ کر رہا ہے۔اس مثال میں فعل کے مناسب لازم کو اس اسم پر مسلط کیا گیا ہے۔شبہ فعل کی مثال جیسے زیدا انا محبوس علیه ۔اس میں انا محبوس کو زیدا پر مسلط نہیں کر سکتے تو اس کے مناسب لازم انا ملابس کو داخل کریں تو وہ زیدا کو نصب دیتا ہے۔تو یہ اصل میں تھا۔انا ملابس زید اانا محبوس علیه ۔ انا ملابس کو حذف کر دیا اس لیے کہ بعد والا شبہ فعل انا محبوس اس کی تفسیر کر رہا ہے۔علامہ نے صرف وہ مثالیں بیان کی ہیں جن میں اسم پر فعل کو یا فعل کے مناسب کو داخل کیا گیا ہے وہ مثالیں بیان نہیں کیں جن میں اسم پر شبہ فعل یا شبہ فعل کے مناسب کو داخل کیا گیا ہے اس لئے کہ ایسی مثالیں پڑھنے پڑھانے والے معمولی توجہ سے ہی نکال سکتے ہیں۔

''احترازی مثالیں:۔

علامہ نے کہا ہے کہ ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر ہر وہ اسم ہوتا ہے جس کے بعد فعل ہو اور وہ فعل ضمیر یا ضمیر کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے بے نیاز ہو ۔یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر وہ فعل ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل نہیں کرتا تو وہ فعل ماقبل اسم کا ہی عامل موخر ہوگا جیسے زیدا ضربتُ ۔اس صورت میں زیدا مفعول بہ مقدم ہے ضربت کا ۔اور دوسری قید یہ لگائی ہے کہ اگر اس فعل یا شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کو نصب دے اس لئے اگر وہ اس کو نصب نہ دے تو وہ مفعول به علی شریطة التفسیر نہیں ہوتا جیسے زیداً ضُرِبَ ۔اگر ضُرب کو زیدا پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب نہیں دیتا اس لئے اس میں زیدا مفعول به علی شریطة التفسیر نہیں ہے۔

" **ویختار الرفع بالا بتداء عند عدم قرینة خلافه او عند وجو د اقوی منها کا مّاَ مع غیر الطلب واذا للمفا جا ة** ." .... اور جب رفع کے خلاف قرینہ موجود نہ ہوتو اس فعل سے پہلے آنے والے اسم کو مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع دینا مختار ہے۔ یا اس وقت بھی رفع مختار ہے جبکہ نصب کے قرینہ سے رفع کا قرینہ زیادہ قوی ہو جیسا کہ امّا جو طلب کے علاوہ ہو اور **اذا مفا جاتیہ**۔

" **مفعول به علی شر یطة التفسیر** کے احکام:۔ یہاں سے علامہ نے **مفعول به علی شر یطة التفسیر** یا اس میں پائے جانے والے دیگر احتمالات کے پیش نظر پانچ مسائل بیان کئے ہیں۔

پہلا مسئلہ کہ جہاں فعل سے پہلے واقع ہونے والے اسم پر رفع مختار ہے۔ دوسرا مسئلہ جہاں نصب مختار ہے تیسرا مسئلہ جہاں رفع واجب ہے چوتھا مسئلہ جہاں دونوں جائز ہیں۔ اور پانچواں مسئلہ جہاں نصب واجب ہے۔

پہلا مسئلہ جہاں رفع مختار ہے" **ویختا ر الرفع** " سے علامہ فرماتے ہیں کہ جہاں رفع کے خلاف قرینہ نہ پایا جاتا ہو تو فعل سے پہلے واقع ہونے والے اسم پر مبتداء ہونے کیوجہ سے رفع مختار ہے۔ جیسے **زیدٌ ضربتہ** اس میں رفع کے خلاف کوئی قرینہ نہیں اس لئے زید کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھنا مختار ہے مگر اس میں **علی شریطة التفسیر** کا احتمال بھی ہے اس لئے نصب بھی جائز ہے مگر رفع مختار اس لئے ہے کہ رفع کی صورت میں حذف کی ضرورت نہیں جبکہ نصب کی صورت میں فعل کو محذوف ماننا پڑتا ہے۔ اور اس وقت بھی رفع مختار ہے جبکہ رفع اور نصب دونوں کے قرینہ ہوں مگر رفع کا قرینہ قوی ہو جیسا کہ جب **مفعول به علی شریطة التفسیر** اما کے بعد واقع ہو تو اس میں رفع اور نصب دونوں کے قرینہ پائے جاتے ہیں مگر رفع کا قرینہ راجح ہے اس لئے کہ اس صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا۔ جیسے **قام زید امّا عمر وٌ فقد ضربته**۔ اس میں عمر و عامل لفظیہ سے خالی ہے اس لئے اس کو مبتدا بنانے کا قرینہ موجود ہے اور **علی شریطة التفسیر** ہونے کی وجہ سے نصب کا قرینہ بھی موجود ہے مگر رفع کا قرینہ راجح ہے اس لئے کہ اس صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا۔ اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے بعد والے فعل میں طلب کا معنی نہ پایا جاتا ہو یعنی وہ امر یا نہی نہ ہو اس لئے کہ امر اور نہی کی صورت میں نصب واجب ہے جیسے **قام زیدا اماعمرواً فاضر به** . اور **قام زید اما عمر واً فلا تضر بهٗ**۔ اسی طرح اگر

مفعول به علی شریطة التفسیر اذا مفاجاتیه کے بعد واقع ہوتو اس میں بھی رفع مختار ہے جیسے قام زید واذا عمر وایضر به بکر ۔زید کھڑا ہوا اور اچانک عمرو اس کو مار رہا تھا۔ امّا اور اذا مفاجاتیہ رفع کے قرائن میں سے ہیں اس لئے کہ یہ اسم پر داخل ہوتے ہیں اور اس صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا اور یہ نصب کے قرینہ سے راجح ہیں اس لئے ان صورتوں میں رفع راجح ہوگا۔

" ویختار النصب بالعطف علی جملة فعلیه للتناسب وبعد حرف النفی والاستفهام واذا الشرطیه وحیث وفی الامر والنهی اذهی مواقع الفعل وعند خوف لبس المفسر بالصفة مثل انا کل شی خلقناه بقدر "............اور ما اضمر عامله شریطة التفسیر کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوتو اس کی مناسبت سے نصب مختار ہے اور جب حرف نفی اور استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد ہو یا ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کے بعد امر ہو یا نہی ہو اس لئے کہ یہ مواقع فعل کے ہیں۔اور جب مفسر کا صفت کیساتھ التباس کا خوف ہو تو وہاں بھی اس اسم پر نصب بہتر ہے۔

دوسرا مسئلہ جہاں نصب مختار ہے۔ ویختار النصب سے علامہ فرماتے ہیں کہ ان آٹھ مقامات میں ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر پر نصب مختار ہے۔پہلا مقام کہ اس کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا گیا ہو تو اس کی مناسبت سے ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر پر نصب بہتر ہے تاکہ دونوں جملوں کے درمیان مناسبت رہے اس لئے کہ نحویوں کے نزدیک جہاں تک ممکن ہو دو جملوں کے درمیان مناسبت ضروری ہے۔جیسے خرجت فزیدا لقیته۔اس میں خرجت جملہ فعلیہ ہے اور اس کے بعد فا عاطفہ ہے اور زیدا فعل لقیته سے پہلے ہے اور لقیت ہٗ ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے زیدا میں عمل کرنے سے بے نیاز ہے تو زیداً کا عامل لقیت مقدر ہوگا جس کی تفسیر بعد والا لقیت فعل کر رہا ہے۔

دوسرا مقام:۔کہ ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر حرف نفی کے بعد واقع ہو جیسے ما زیدا ضربتهٗ۔

تیسرا مقام:۔ کہ حرف استفہام کے بعد واقع ہو جیسے اَزَیْداً ضربتہ' . چوتھا مقام کہ اذا شرطیہ کے بعد واقع ہو جیسے اذا زید اً ضر بته اضر بک ۔ جب زید کہ تو اس کو مارے گا تو میں تجھے ماروں گا۔ پانچواں مقام:۔ کہ حیث کے بعد واقع ہو جیسے حیث زیداً اکرمہ ۔ زید جہاں بھی ہو تو اس کی عزت کر۔ چھٹا مقام کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر امر سے پہلے ہو جیسے زیداً اَضربہ'. ساتواں مقام کہ نہی سے پہلے ہو جیسے زیدا لا تضربہ' ان مقامات میں نصب اس لئے بہتر ہے کہ یہ مواقع فعل کے ہیں یعنی اکثر ان کے متصل فعل ہوتا ہے اس لئے ان مقامات میں فعل محذوف کا اعتبار کر کے اس اسم کو نصب دینا بہتر ہے۔ چونکہ ان مقامات میں یہ اسم ابتداء میں ہے اور عامل لفظی سے خالی ہے۔ اسلئے اسمیں مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع کا بھی احتمال ہے اسلئے ان مقامات میں نصب ضروری نہیں ہے بلکہ بہتر ہے اور رفع بھی جائز ہے۔

آٹھواں مقام:۔ جہاں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے مفسر کا صفت کے ساتھ التباس کا خوف ہو تو وہاں بھی اس اسم پر نصب اولی ہے جیسے اِنَّا کُلَّ شَیئی خلقنا ہ بقدر میں کُلَّ پر نصب اولی ہے اس لئے کہ اگر اس پر رفع پڑھیں تو کُلُّ شیئی مبتدا اور خلقنا ہ اس کی خبر ہو گی مگر اسمیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل شیئی موصوف اور خلقنا ہ اس کی صفت ہو اور صفت موصوف مل کر مبتداء ہوں اور بقدر اس کی خبر ہو حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہے اس لئے کہ مقصود تو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے ہر ایک چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے اور صفت بنانے کی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ ہم نے جو چیز بنائی ہے وہ اندازے سے ہے۔ جب رفع کی صورت میں صفت کے ساتھ التباس آتا ہے اور صفت بنانا درست نہیں ہے۔ تو اس پر نصب کو بہتر قرار دیا گیا ہے. " ویستوی الامر ان فی مثل زید قائم وعمر و اً اکرمتہ " اور زید قام وعمر و اً اکرمتہ جیسی صورت میں دونوں باتیں یعنی نصب دینا اور رفع دینا برابر ہیں۔

تیسرا مسئلہ جہاں نصب اور رفع دینا دونوں برابر ہیں۔ یہاں سے علامہ اس مثال سے ایک قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا عطف ایسے جملے پر ہو جو ذو وجہین ہوتا ہے تو اس صورت میں ما اضمر عاملہ شریطۃ التفسیر پر نصب اور رفع پڑھنا برابر ہے۔ اور جملہ ذو وجہین وہ ہوتا ہے کہ ایسا جملہ اسمیہ ہو جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو جیسے زید قام میں زید مبتدا اور قام جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور اس پر عمر و ا اکرمتہ کا عطف ہے تو عمرو اً کو مبتدا ہونے کی

وجہ سے رفع بھی دیا جاسکتا ہے اور ما اضمر عامله شريطة التفسير کی وجہ سے نصب بھی دی جاسکتی ہے اور اس میں یہ دونو ں برابر ہیں کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ "ويجب النصب بعد حرف الشرط وحرف التخصيص مثل ان زيداً ضربته ضربك والا زيداً ضربته " ۔اور اگر ما اضمر عامله على شريطة التفسير حرف شرط اور حرف تخصیص کے بعد واقع ہو تو اس پر نصب واجب ہے جیسے اِنْ زيداً ضربته ضربك اور الا زيداً ضربته.

چوتھا مسئلہ جہاں نصب واجب ہے :۔اگر ما اضمر عامله على شريطة التفسير حرف شرط کے بعد واقع ہو تو اس کو نصب دینا واجب ہے جیسے اِنْ زيداً ضربته ضربك ۔اگر زید کہ تو نے اس کو مارا تو وہ تجھے مارے گا۔اس میں زیداً حرف شرط اِنْ کے بعد واقع ہے اسی طرح اگر ما اضمر عامله على شريطة التفسير حرف تخصیص یعنی الّا کے بعد واقع ہو تو اس کو نصب دینا بھی واجب ہے۔ تخصیص کا معنی ہے برانگیختہ کرنا ہے اور الّا جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس فعل پر برانگیختہ کرتا ہے جیسے اَلَّا زيداً ضربته کیوں نہیں زید کہ تو نے اس کو مارا۔ان صورتوں میں نصب اس لئے واجب ہے کہ حرف شرط اور حرف تخصیص کے بعد ہمیشہ فعل ہوتا ہے اگر ان کے بعد اسم ہو تو وہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ یہاں فعل محذوف ہے جو کہ اس اسم کو نصب دے رہا ہے۔

" وليس زيد ذهب به منه فالرفع وكذالك كُلَّ شيئى فعلوه فى الزبر ونحو الزانية والزانى فاجلدوا كل واحدمنهما مائة جلدة الفاء بمعنى الشرط عند المبرد وجملتان عند سيبويه والا فالمختار النصب " ...... اور ازيد ذهب به میں زيد ما اضمر عامله على شريطة التفسير میں سے نہیں ہے۔ اسلئے اس پر رفع لازم ہے اور اسی طرح كل شيئى فعلوه فى الزبر اور جیسا كه الزانية والزانى فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة میں مبرد کے نزدیک فا شرط کے معنی میں ہے۔ اور سیبویہ کے نزدیک دو جملے مستقل

ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتو پھر نصب مختار ہے۔

پانچواں مسئلہ:۔ جہاں رفع لازم ہے۔ علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ **از یـد ذھب به .ما اضمر عامله علی شر یطة التفسیر** میں سے نہیں ہے اس لئے کہ اس اسم کے بعد والا فعل اگر اس اسم پر داخل کریں تو وہ اس اسم کو نصب نہیں دے گا بلکہ وہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اس کو رفع دے گا۔ جب اس مثال میں **زیـد علی شریطة التفسیر** میں سے نہیں تو اس پر رفع لازم ہے۔ یہاں عبارت میں **فـا الـرفع** کے بعد لازم مقدر ہے اور اصل (عبارت اس طرح ہے **اذا لـم یـکـن مـنـه فـالـرفـع لازم**۔ شرط کو بھی حذف کیا اور لازم کو بھی مقدر مانا اس لئے کہ فا جزائیہ مفرد پر نہیں بلکہ جملہ پر داخل ہوتی ہے۔

)**و کذالک کل شیئی فعلو ہ فی الزبر** سے علامہ فرماتے ہیں کہ جس طرح **ازید ذھب به** میں **زید ما اضمر عـامـلـه علی شریطة التفسیر** میں سے نہیں ہے اسی طرح **کـل شیـئی فعلوہ فی الزبر** میں **کل شیئی** بھی **علی شریطة التفسیر** میں سے نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس کو **عـلـی شریطة التفسیر** میں سے بنا کر اس کو نصب دیں تو مقصودی معنی میں خرابی آتی ہے۔ اصل مقصد تو یہ واضح کرتا ہے کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں۔ وہ صحیفوں یعنی ان کے اعمال ناموں میں درج ہے اور اگر **کُـل شیـئی** کو نصب دیں تو معنی یہ بن جاتا ہے کہ لوگ ہر چیز کو اعمال ناموں میں کرتے ہیں یعنی اعمال نامے خود لکھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے اعمال نامے خود نہیں لکھتے بلکہ ان کے اعمال نامے تو فرشتے لکھتے ہیں۔ جب مقصودی معنی میں خرابی آتی ہے تو اسکو **مـا اضـمـر عـامـلـه علی شریطة التفسیر** میں سے نہیں بنا سکتے۔ اور اس عبارت میں **وکذالک** پر واؤ استنافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ **کل شیئی فعلو ہ فی الزبر** میں **کل شیئی علی شریطة التفسیر** ہے تو اس کو رفع کیوں دیا گیا ہے تو اس کا جواب دیا کہ یہ **علی شریطة التفسیر** نہیں ہے۔ " **ونحو الـزانیة والزانی فاجلدو ا کل واحد منهما مائة جلدة** " میں **الزانیة والزانی** بھی **علی شریطة التفسیر** نہیں ہے۔ اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ امام مبرد نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ **فـاجـلـدو ا** پر فاء جزائیہ ہے اور اس سے پہلے **الـزانیة والزانی** مبتدا ہے جو کہ شرط کے معنی م کو متضمن ہے اور قاعدہ ہے کہ فاء جزائیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا جب بعد والا جملہ پہلے اسم میں عمل کر ہی نہیں سکتا تو اس کو **مـا اضمر عامله علی شریطة التفسیر** میں سے نہیں بنایا جاسکتا۔ اور امام سیبویہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ **الـزانیة والزانی** مستقل جملہ ہے اور **فـاجـلـدو ا کل واحد منهم** مستقل

جملہ ہے اور پہلے جملہ میں عبارت محذوف ہے اور وہ اصل میں اس طرح ہے حکم الزانية والزاني فيما يُتلی علیکم اور فاجلدوا پر فاء جزائیہ ہے جس کی شرط محذوف ہے اور اصل عبارت ہے اذا ثبت زناهما فاجلدوا ۔جب یہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل جملے ہیں تو الزانية والزاني کو ما اضمر عامله علی شريطة التفسير میں سے نہیں بنایا جاسکتا۔

" والا فالمختار النصب " اور اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ امام مبرد اور امام سیبویہ نے کہا ہے تو پھر الزانية میں نصب راجح ہے اس لئے کہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ما اضمر عامله علی شريطة التفسير امر سے پہلے واقع ہو تو اس کو نصب دینا اولی ہے۔مگر قراء سبعہ میں سے ایک قاری عیسی بن عمر کے علاوہ باقی سب قاری رفع ہی پڑھتے ہیں اس لئے امام مبرد اور امام سیبویہ کی بات مانتے ہوئے اس پر رفع ہی پڑھیں گے تاکہ شاذ قراءت کو متواتر قراءت پر ترجیح دینا لازم نہ آئے۔اور اس کا لحاظ رکھ کر اس کو قاعدہ سے مستثنی کر دیا گیا ہے۔

" الرابع التحذير وهو معمول بتقدير اتق تحذير امما بعده او ذكر المحذر منه مكررا مثل اياك والاسد واياك وان تحذف والطريق الطريق وتقول اياك من الاسد ومن ان تحذف واياك ان تحذف بتقدير من ولا تقول اياك الاسد لامتناع تقدير من . "......

چوتھا مقام جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔وہ مقام تحذیر ہے اور وہ اتق مقدر کا معمول یعنی مفعول ہوتا ہے اور یہ لایا جاتا ہے اس چیز سے ڈرانے کیلئے جو اسکے بعد ہوتی ہے یا جس سے ڈرایا جاتا ہے اس کو مکرر لایا جاتا ہے جیسے ایاک والاسد اور ایاک وان تحذف اور الطريق الطريق ۔اور آپ کہہ سکتے ہیں ایاک من الاسد اور ایاک من ان تحذف اور ایاک ان تحذف مِن کو مقدر ماننے کی وجہ سے اور آپ ایاک الاسد نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس صورت میں من کو مقدر کرنا ممتنع ہے۔

مفعول به کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کا چوتھا مقام:۔علامہ فرماتے ہیں کہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ان میں چوتھا مقام مقام تحذیر ہے تحذیر کا معنی ہے ڈرانا اور اس جملہ کے ساتھ بھی مخاطب کو ڈرایا جاتا ہے اس لئے اس کو التحذیر کہتے ہیں۔اور اس میں وقت کی تنگی کی وجہ سے مفعول بہ کو حذف کیا جاتا ہے۔جس کو ڈرایا جاتا ہے اس کو محذّر اور جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے اس کو محذر منه کہا جاتا ہے۔اس عبارت میں تحذیراً میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ بتقدیر کا مفعول لہ ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اتق کا مقدر کرنا تحذیر کے لئے ہوتا ہے۔اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ تحذیر ا تقدیر کے لئے ظرف ہے اور تحذیر سے پہلے وقت مقدر ہے اور اصل عبارت ہے وھو معمول بتقدیر اتق وقت تحذیر مما بعدہ اور وہ اتق مقدر کا معمول ہوتا ہے اور یہ مقدر کرنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے مابعد سے ڈرانا ہو۔جس طرح اِتّقِ کو مقدر مانا جاتا ہے اسی طرح بَعِّدْ کو بھی مقدر مانا جاتا ہے۔

''تحذیر کے استعمال کی صورتیں:۔تحذیر کے استعمال کی دو صورتیں ہیں۔پہلی صورت یہ ہے کہ محذّر اور محذر منہ دونوں مذکور ہوں جیسے **ایاک والاسد** اس میں ایاک محذر اور الاسد محذّر منہ ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ محذّر کو ذکر نہ کیا جائے بلکہ صرف **محذّر منه** کو تکرار کے ساتھ ذکر کردیا جائے جیسے **الطریق الطریق** ۔علامہ ابن حاجب نے پہلی صورت یعنی جس میں **محذّر** اور **محذّر منه** کے دونوں مذکور ہوں اس کی دو مثالیں ذکر کی ہیں ایک مثال دی جس میں **محذّر منه** اَنْ کے بغیر ہے جیسے ایاک والاسد۔اور دوسری مثال دی جس میں محذر عنہ اَنْ کے ساتھ ہے جیسے **ایاک وان تحذف** ۔''<u>پہلی مثال کی وضاحت</u>'':۔ **ایاک والاسد اصل میں اتقک َ والاسد تھا**۔اتق میں **انت** ضمیر فاعل اور ک ضمیر دونوں خطاب کی ہیں اور دونوں سے ایک ہی ذات مراد ہے تو دونوں ضمیروں کے درمیان نفس کو فاصلہ کے لئے لائے تو **اتق نفسک والاسد َ** ہوگیا۔پھر مقام تحذیر کی وجہ سے اتق کو حذف کیا تو **نفسک والاسد** ہوگیا۔پھر جو نفس دو ضمیروں کے درمیان فاصلہ کے لئے لایا گیا تھا اس کی ضرورت نہ رہی تو اس کو بھی حذف کردیا تو کَ والاسد ہوگیا پھر قاعدہ ہے کہ جب ضمیر متصل کے عامل کو حذف کردیا جائے تو وہ ضمیر منفصل ہوجاتی ہے۔تو کَ کی بجائے **ایاک** ہوگیا اور عبارت **ایاک والاسد** ہوگئی۔اس کا معنی ہے کہ تو اپنے آپ کو شیر سے بچا۔

دوسری مثال کی وضاحت:۔ دوسری مثال ہے **ایاک وان تحذف** یہ اصل میں تھا **ایاک وان تحذف الا رنب**۔ حذف کہتے ہیں خرگوش کولکڑی کیساتھ مارنا۔ چونکہ اس حذف کے لفظ میں خرگوش کا مفہوم موجود ہے اس لئے الا رنب کو حذف کردیا۔ اس میں ان تحذف محذر منہ حقیقی نہیں بلکہ تاویلی ہے۔

محذر اور محذر منہ کے درمیان واؤ یا من لانے کے مقامات:۔

اگر محذر اور محذر منہ دونوں مذکور ہوں اور محذر منہ اَن کے ساتھ نہ ہوتو اس میں دوصورتیں جائز ہیں ایک صورت یہ ہے کہ محذر اور محذر منہ کے درمیان من لایا جائے جیسے **ایاک من الا سد** اور اگر محذر منہ اَن کے درمیان واؤ لائیں جیسے **ایاک وان تحذف** اور دوسری صورت یہ ہے کہ محذر اور محذر منہ کے درمیان مِنْ لایا جائے جیسے **ایاک من ان تحذف**۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ ان کے درمیان من کو مقدر مانا جائے جیسے **ایاک ان تحذف**۔

"ولا تقول ایاک الا سد لا متناع تقدیر مِنْ ":۔ یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر محذر منہ اَن کے بغیر ہوتو اس حالت میں محذر اور محذر منہ کے درمیان مِنْ کا مقدر ماننا ممتنع ہے اس لئے کہ من اکثر اِن اور اَن سے پہلے قیاساً مقدر ہوتا ہے اور یہاں نہ اِن ہے اور نہ ہی اَن ہے اس لئے یہاں مِن کو مقدر نہیں مانا جاسکتا ہے۔ اور تحذیر کے استعمال کی دوسری صورت یہ ہے کہ محذر کو ذکر نہ کیا جائے بلکہ محذر منہ کو تکرار سے ذکر کردیا جائے جیسے **الطریق الطریق** یہ اصل میں تھا اتق الطریق راستہ سے بچ اتق کو حذف کرکے الطریق کو تکرار سے ذکر کردیا۔

"محذر منہ کے استعمال کی کل صورتیں۔ جب محذر اور محذر منہ دونوں مذکور ہوں تو
عقلی طور پر محذر منہ کے استعمال کی کل آٹھ صورتیں بنتی ہیں ان میں پانچ جائز اور تین ناجائز ہیں۔

پہلی صورت کہ محذر منہ اسم حقیقی ہو اور اس سے پہلے واؤ ہو جیسے **ایاک والاسد**۔

دوسری صورت کہ محذر منہ اسم حقیقی ہو اور اس سے پہلے مِنْ ہو ہو جیسے **ایاک من الا سد**۔

تیسری صورت کہ محذر منہ اسم تاویلی ہو اور اس سے پہلے واؤ ہو جیسے **ایاک وان تحذف**۔

چوتھی صورت :۔ یہ ہے کہ محذر منہ اسم تاویلی ہواور اس سے پہلے مِنْ ہو جیسے ایاک من ان تحذف۔

پانچویں صورت کہ محذر منہ اسم تاویلی ہواور اس سے پہلے مِنْ مقدر ہو جیسا ایاک ان تحذف یہ پانچ صورتیں جائز ہیں۔ چھٹی صورت کہ محذر منہ اسم حقیقی ہواور اس سے پہلے واؤ محذوف ہو جیسے ایاک الاسد۔

ساتویں صورت کہ محذر منہ اسم حقیقی ہواور اس سے پہلے من مقدر ہو جیسے ایاک الا سد۔

آٹھویں صورت کہ محذر منہ اسم تاویلی ہواور اس سے پہلے واؤ محذوف ہے جیسے ایاک ان تحذف خواہ اسم حقیقی ہو یا تاویلی ہواس میں واؤ حذف نہیں ہوسکتی اس لئے کہ واؤ عاطفہ ہے اور حروف عطف حذف نہیں ہوتے۔ اور جب اسم حقیقی ہو تو مِنْ مقدر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مِنْ اَنْ یا اِنْ کے بعد مقدر ہوتا ہے۔

" المفعول فیه هو ما فعل فیه مذکور من زمان اومکان وشرط نصبه تقدیر فی وظروف الزمان کلها تقبل ذالک وظروف المکان ان کان مبهما قبل ذالک والا فلا وفسر المبهم بالجهات الست وحمل علیه عند ولدی وشبههما لا بها مهما ولفظ مکان لکثرته وما بعد دخلت علی الا صح وینصب بعامل مضمر وعلی شریطة التفسیر "

اسماء منصوبات میں سے تیسرا اسم مفعول فیہ ہے اور وہ وہ ہوتا ہے جس میں فعل مذکور واقع ہو یعنی زمان یا مکان اور اس کی نصب کی شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہو اور ظروف زمان سارے کے سارے اس کو قبول کرتے ہیں۔ اور ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو اس کو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور ظروف مبہم کی تفسیر جہات ستہ سے کی جاتی ہے اور اس پر عِند اور لَدٰی اور ان کے مشابہ کلمات کو محمول کیا جاتا ہے ان میں ابہام کی وجہ سے اور جہاں لفظ مکان ہو وہاں کثرت استعمال کی وجہ سے فی مقدر ہوتا ہے۔ اور زیادہ صحیح نظریہ کے مطابق دخلتُ کے بعد کو بھی اس پر محمول کیا جاتا ہے اور کبھی اس اسم کو عامل مضمر اور علی شریطة التفسیر کی وجہ سے بھی نصب دی جاتی ہے۔

"منصوبات کی تیسری قسم":۔منصوبات کی تیسری قسم مفعول فیہ ہے۔علامہ نے فرمایا **المفعول فیہ** ۔اس میں المفعول فیہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اصل عبارت ہے **منہا المفعول فیہ** اور منہا میں **ھا** ضمیر کا مرجع منصوبات ہیں اس لئے کہ بحث منصوبات کی ہورہی ہے۔نحویوں کی اصطلاح میں مفعول فیہ اس اسم زمان یا اسم مکان کو کہتے ہیں جس میں فعل واقع ہوا گر فعل زمانہ میں واقع ہو تو اس کو ظرف زمان اور اگر جگہ میں واقع ہو تو اس ظرف مکان کہتے ہیں۔اس فعل سے مراد وہ فعل نہیں ہے۔جو اسم اور حرف کے مقابل ہوتا ہے۔بلکہ اس فعل سے معنی خدوث مراد ہے۔اس لحاظ سے یہ فعل اور فعل کے مشابہ اسم فاعل۔اسم مفعول اور مصدر کو بھی شامل ہوگا۔پھر ظرف زمان میں اگر زمانہ متعین ہو تو اس کو ظرف زمان محدود کہتے ہیں جیسے **صمت یو ماً**۔اور اگر زمانہ متعین نہ ہو تو اس کو ظرف زمان مبھم کہتے ہیں جیسے **صمت دھراً**۔میں نے زمانہ بھر روزہ رکھا اور مشیت حینا میں عرصہ تک چلتا رہا۔اسی طرح اگر مکان محدود ہو تو اس کو ظرف مکان محدود کہتے ہیں جیسے **قمت فی المسجد** میں مسجد میں کھڑا ہوا اور مسجد محدود جگہ ہے۔اور اگر مکان محدود نہ ہو تو اس کو ظرف مکان مبھم کہتے ہیں جیسے **قُمت یُمین بکر** میں بکر کی دائیں جانب کھڑا ہوا اور دائیں جانب کوئی متعین جگہ نہیں ہے۔

"علامہ کا جمہور نحویوں سے اختلاف"۔" **وشرط نصبہ تقدیر فی** کہہ کر علامہ نے اپنے نظریہ کو واضح کیا ہے ان کے نزدیک خواہ فی مقدر ہو جیسے **جلست خلفک وصمت یوم الجمعۃ** یا فی ظاہر ہو جیسے **جلست فی خلفک** اور **صمت فی یو م الجمعۃ** دونوں صورتوں میں علامہ کے نزدیک یہ مفعول فیہ ہے البتہ فی مقدر کی صورت میں وہ منصوب ہوتا ہے اور فی ظاہر ہونے کی صورت میں وہ مجرور ہوتا ہے۔اور جمہور نحویوں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر فی مقدر ہو تو مفعول فیہ ہوتا ہے۔اور اگر فی ظاہر ہو تو وہ مفعول فیہ نہیں ہوتا۔

"کن ظروف میں فی مقدر ہوتا ہے"۔' علامہ فرماتے ہیں **وظروف الزمان کلھا تقبل ذالک** کہ ظروف زمان خواہ مبھم ہوں یا محدود ہوں سارے کے سارے اس کو قبول کرتے ہیں یعنی سب میں فی مقدر ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ ظرف مکان کی فعل کے ساتھ زمان میں (مشابہت ہے تو جیسے فعل بغیر عامل کے عمل کرتا ہے اسی طرح ظروف زمان بھی بغیر عامل کے عمل کرتے ہیں) اور اگر ظرف مکان ہو تو اس میں سے ظرف مکان مبھم تو فی کے مقدر ہونے کو قبول کرتا ہے مگر ظرف مکان محدود فی

کے مقدر ہونے کو قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ ظرف مکان مبھم کی ظرف زمان کے ساتھ صفت میں مشابہت ہے اس لیئے اس میں فی مقدر ہوسکتا ہے اور ظرف مکان محدود کی ظرف زمان کے ساتھ نہ ذات میں مشابہت ہے اور نہ ہی صفت میں اس لئے اسمیں فی مقدر نہیں ہوسکتا۔

"**وفسّر المبهم**" کہ ظرف مبھم کی تفسیر جھات ستہ یعنی **یمین . شمال . قُدَّامُ** ۔خلف تحت اور فوق سے کی جاتی ہے اور اس پر عند اور لدٰی اور ان جیسے دیگر کلمات مثلاً دون اور سوی کو محمول کیا جاتا ہے اس لئے کہ جس طرح جھات ستہ میں ابہام ہوتا ہے اس طرح عند اور لدٰی اور ان کے مشابہ کلمات میں بھی ابھام ہوتا ہے۔

"**ولفظ مكان لكثرته**" اور جہاں لفظ مکان ہوگا وہاں فی مقدر ہوتا ہے کثرت استعمال کی وجہ سے یعنی اگر چہ مکان اور دار محدود ہیں اس کے باوجود ان میں فی اس لئے مقدر ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا ستعمال کثرت سے ہوتا ہے اور کثرت استعمال تخفیف کو چاہتا ہے اس لئے فی کو مقدر کرتے ہیں۔

"**وما بعد دخلت على الاصح**" اس عبارت سے بھی علامہ کے جمہور نحویوں کے ساتھ اختلاف کا اشارہ ہے جمہور نحویوں کے نزدیک **دخلت . سكنت** اور **نزلت** کے بعد جو اسم ہوتا ہے وہ مفعول بہٖ ہوتا ہے۔ اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک وہ اسم مفعول فیہ ہوتا ہے۔ جمہور نے اپنے نظریہ پر دلیل یہ بیان کی ہے کہ مفعول فیہ کے بغیر بھی جملہ کا معنی پورا ہوجاتا ہے اور مفعول بہ کے بغیر جملہ کا معنی پورا نہیں ہوتا اور **دخلت في الدار** میں **في الدار** کے بغیر دخلت کا معنی پورا نہیں ہوتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الدار مفعول فیہ نہیں بلکہ مفعول بہ ہے۔ اور علامہ فرماتے ہیں کہ مفعول فیہ وہ ہوتا ہے جہاں فی مقدر ہوسکے اور **دخلت في الدار** میں فی مقدر مان کر **دخلت الدار** بھی درست ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ **في الدار** مفعول فیہ ہے۔ اور **على الا صح** کہہ کر علامہ نے اپنے نظریہ کے راجح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"**وينصب بعامل مضمر**" یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ کبھی مفعول فیہ کا عامل مقدر ہوتا ہے خواہ عامل مقدر عام ہو یا **مقدر على شريطة التفسير** کیساتھ خاص ہو۔ عامل مقدر عام کی مثال جیسے کسی نے پوچھا "**مَتىٰ صُمْتَ**" کہ تونے کب روزہ رکھا تو جواب میں کہا **يوم الجمعة** یہ اصل میں **صمت يوم الجمعة** ہے مگر صمت فعل کو حذف کر دیا اور یوم پر نصب اسی عامل مقدر کی وجہ سے ہے۔ اور اگر عامل **مقدر على شريطة التفسير** کے ساتھ خاص ہو تو اس پر وہی احکام

ہوں گے جومفعول به علی شریطة التفسیر کے بیان ہو چکے ہیں۔

''المفعول له هو ما فعل لا جله فعل مذكور مثل ضربته تاديباً وقعدتُّ عن الحرب جُبْناً خلافا للزجاج فانه عنده مصدر وشرط نصبه تقدير اللام وانما يجوز حذفها اذا كان فعلا لفاعل الفعل المعلّل به ومقارنا له فی الوجود ...... منصوبات میں چوتھا اسم مفعول لہ ہےاور وہ وہ اسم ہوتا ہے جس کے لئے مذکورہ فعل کیا گیا ہو جیسے **ضربته تادیباً** میں نے اس کوادب سکھانے کے لئے مارااور **قعدت عن الحرب جبناً** . میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے بیٹھ گیا یہ تعریف امام زجاج کے خلاف ہےاس لئے کہ مفعول لہ انکے نزدیک مصدر ہوتا ہے۔اوراس کے نصب کی شرط لام کا مقدر ہونا ہےاوراس لام کا حذف کرنا جائز ہے جبکہ وہ **فعل معلل به** کے فاعل کا اثر ہواور وہ وجود میں فعل **معلل به** کا مقارن ہو۔یعنی فعل معلل بہ اور **مفعول له** کا زمانہ ایک ہو۔

''منصوبات کی چوتھی قسم'' منصوبات میں چوتھا اسم مفعول لہ ہےاور مفعول لہ کی تعریف میں جو لا جلہ کہا گیا ہےاس سے مراد لقصد **تحصیله** اور **لسبب وجوده** ہے۔اس لحاظ سے مفعول لہ کی تعریف یہ ہوگی کہ جس کو حاصل کرنے کے لئے مذکور فعل کیا گیا ہو جیسے ضربتہ تادیبا۔اس میں **تادیبا** مفعول لہ ہےاس لئے کہ جس کو مارا ہےاس میں ادب کے حصول کے لئے میں نے اس کو مارا ہے۔اور **مفعول له** اسکو بھی کہتے ہیں جس کے موجود ہونے کی وجہ سے مذکور فعل کیا گیا جیسے **قعدتُّ عن الحرب جبناً** میں بزدلی کی وجہ سے لڑائی سے بیٹھ گیا یعنی میرے اندر بزدلی پائی جاتی تھی اس کے موجود ہونے کی وجہ سے میں لڑائی سے بیٹھ گیا۔

''خلافا للزجاج'' امام ابواسحاق الزجاج کا باقی نحویوں کیساتھ اس بارہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مفعول لہ مصدر ہوتا ہےاوراس کی مفعول مطلق کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔اس لئے اس کا ذکر مفعول مطلق کے ساتھ ہی کرنا چاہیئے۔اور باقی

نحویوں کے نزدیک **مفعول له** مستقل اور مفعول مطلق سے علیحدہ ہے۔ **ضربته تادیبا** جیسی مثالوں کی امام زجاج کئی طرح سے تاویلیں کرتے ہیں۔ پہلی تاویل یہ کہ فعل کے بعد اسکا مصدر اور اسکے بعد والے مصدر سے پہلے اس کا فعل مقدر مانیں گے اس لحاظ سے امام زجاج کے نزدیک **ضربته تادیباً** اصل میں تھا **ضربته ضربا و ادبته تادیباً** تھا اور **قعدت عن الحرب جُنباً** ان کے نزدیک اصل میں تھا **قعدت عن الحرب قعودا وجنبت جبنا** ۔اور دوسری تاویل یہ کرتے ہیں کہ مصدر کا فعل نکال کر فعل کی جگہ رکھا جائیگا اور فعل کا مصدر نکال کر اس کو با جارہ کا مدخول بنائیں گے اس لحاظ سے ان کے نزدیک ضربتہ تادیبا اصل میں ہوگا **اَدَّبته بالضرب تادیباً** ۔میں نے مارنے کے ذریعے سے اس کو ادب سکھایا۔ او ر**قعدت عن الحرب جبنا** امام زجاج کے نزدیک اصل میں تھا **جبنت بالقعود عن الحرب جبناً** ۔اور تیسری تاویل یہ کرتے ہیں کہ جس کو مفعول لہ بنایا جارہا ہے اس پر پہلے فعل کا مصدر مضاف محذوف ہوگا۔اس لحاظ سے ضربتہ تادیباًان کے نزدیک اصل میں تھا **ضربته ضرب تادیب** ۔مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کی جگہ رکھ کر اس کو نصب دے دی اسی طرح انکے نزدیک **قعدت عن الحرب جبنا** اصل میں تھا **قعدت عن الحرب قعود جبن** ۔میں لڑائی سے بیٹھا بزدلی کا بیٹھنا۔

"**وشرطه نصبه تقدیر اللام**" اس عبارت میں علامہ جمہور کے نحویوں کے ساتھ اپنے اختلاف کا اشارہ فرماتے ہیں۔ جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول لہ وہ ہوتا ہے جس میں لام مقدر ہو اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک مفعول لہ وہ ہوتا ہے جس پر لام ہو خواہ مقدر ہو جیسے ضربتہ تادیبا یا لفظوں میں مذکور ہو جیسے **ضربته للتادیب** ۔جب لام مقدر ہوگا تو مفعول لہ پر نصب ہوگی اور اگر لام لفظوں میں مذکور ہو تو وہ مجرور ہوگا۔اسی لئے علامہ نے کہا کہ مفعول لہ کی نصب کی شرط تقدیر لام ہے۔

"**مفعول له کے لام کو حذف کرنے کی شرائط**"۔ **وانما یجوز حذفها** سے علامہ مفعول لہ کے لام کو حذف کرنے کی شرائط بیان کر رہے ہیں کہ اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ فعل ہو اور فعل سے مراد لغوی معنی حدوث ہے یعنی وہ ذات نہ ہو۔اور دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہی ہو۔اور تیسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا زمانہ ایک ہو۔مفول لہ اس فعل کی

علت بنتا ہے جو اس سے پہلے ہو اور وہ فعل اس مفعول لہ کا معلل بہ ہوتا ہے جیسے ضربتہ تادیباً میں تادیباً ضرب کی علامت ہے اور تادیباً فعل ہے ذات نہیں ہے اور ضربت اس کا فعل معلل بہ ہے۔ اس فعل معلل بہ اور تادیباً کا فاعل ایک ہی ہے اور ضرب اور تادیب کا زمانہ بھی ایک ہے کہ ضرب کے ساتھ ساتھ ادب سکھاتا ہے۔

" المفعول معه هو مذكور بعد الواو لمصاحبة معمول فعل لفظاً او معنى فان كان الفعل لفظاً وجاز العطف فالو جهان مثل جئت انا وزيد وزيداً والا تعين النصب مثل جئت وزيداً وان كان معنى وجاز العطف تعين العطف نحو ما لزيد وعمرو والا تعين النصب مثل مالك وزيداً وما شانك وعمرواً لان المعنى ماتصنع "

منصوبات میں سے پانچواں اسم مفعول معہ ہے اور وہ وہ اسم ہوتا ہے۔ جو واؤ کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ فعل کے معمول کی مصاحبت کی وجہ سے خواہ وہ فعل لفظاً ہو یا معناً ہو پس اگر فعل لفظاً ہو اور عطف جائز ہو تو اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں جیسے جئتُ انا وزیدٌ اور جئتُ انا وزیداً۔ ورنہ نصب متعین ہوتی ہے جیسے جئتُ وزیداً اور اگر فعل معناً ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہوتا ہے جیسے مالزید وعمرو ورنہ نصب متعین ہوتی ہے جیسے مالک وزیداً وما شانک وعمرواً اس لئے کہ اس کا معنی ماتضنع ہے۔

"منصوبات کی پانچویں قسم":۔ منصوبات کی پانچویں قسم مفعول معہ ہے۔ مفعول معہ وہ اسم ہوتا ہے جو واؤ کے بعد ہو اور اس کا واؤ کے بعد ذکر کیا جانا فعل کے معمول کی مصاحبت کے لئے ہوتا ہے خواہ فعل لفظاً ہو یا معناً ہو۔ ایسی واؤ کو واؤ بمعنی مَعَ کہتے ہیں۔ پھر مصاحبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ فعل کے معمول کے صادر ہونے میں معیت ہو جیسے استوی الماء والخشبة پانی لکڑی کے ساتھ برابر ہوگیا۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ فعل کے معمول کے وقوع میں معیت ہو جیسے جاء

البرد و الجبات ۔اس میں والجبات مفعول معہ ہے اوراس کی معمول فعل یعنی البرد کے ساتھ وقوع میں معیت ہے۔

"علامہ نے فرمایا" لفظاً اومعناً کہ فعل لفظاً ہو یا معناً ہو فعل لفظاً تو واضح ہے اور فعل معنوی سے مراد وہ حروف ہیں جن میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے فعل معنوی تین چیزیں ہوتی ہیں ۔

(۱) حروف مشبہ بالفعل جیسے اِنَّ اور اَنَّ تحقیق کے لئے آتے ہیں اور حقَّ کے معنی میں ہیں۔(۲) اور حروف نداء جو ادعوا کے معنی میں ہوتے ہیں۔اور اسم اشارہ جیسے ھٰذا یہ اُشیرُ کے معنی میں ہے اور ماشان جو ماتصنع کے معنی میں ہوتا ہے۔

فان کان الفعل لفظا سے علامہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر فعل لفظی ہو تو اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک صورت یہ ہے کہ اگر اس فعل کے معمول اور مفعول معہ کے درمیان عطف جائز ہو تو اس میں دو اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ایک یہ کہ مفعول معہ بنانے کی وجہ سے نصب پڑھیں جیسے جئت ُاَنَا وزیداً ۔اور دوسرا یہ کہ عطف کی وجہ سے اس پر رفع پڑھیں جیسے جئت ُ اَنَا َوزیدٌ ۔اس میں زیدٌ کا عطف اَنا ضمیر پر ہے جو کہ مرفوع ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ فعل لفظی ہو مگر اس کے معمول اور مفعول معہ کے درمیان عطف جائز نہ ہو تو اس صورت میں مفعول ہونے کی وجہ سے اس میں نصب متعین ہوگی جیسے جئتُ وزیداً یہاں زید کا عطف تُ ضمیر پر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف درست نہیں ہے۔

"وان کا معنیً" یہاں سے علامہ بیان کرتے ہیں کہ جب فعل معنوی ہو تو اس میں بھی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ فعل معنوی ہو اور اس کے معمول اور مفعول معہ کے درمیان عطف درست ہو تو اس میں معطوف علیہ کے اعراب کے مطابق اعراب پڑھیں گے جیسے مالزید و عمر و۔اس میں ما تصنع کے معنی میں ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ فعل معنوی ہو اور اس میں عطف جائز ہو تو اس صورت میں مفعول معہ ہونے کی وجہ سے اس کو منصوب ہی پڑھیں گے۔

جیسے ماشانک وعمر واً اس میں ما شانک ما تصنع کے معنی میں ہے اور معنی ہوگا کہ تو نے زید کے ساتھ کیا کیا ۔اور مالک وزیداً یہ ای شئی حصل لک مع زیدٍ کے معنی میں ہے کہ تجھے زید کیساتھ کیا چیز حاصل ہوئی۔

جن مثالوں کی ابتداء میں ما داخل ہے یہ ما استفہامیہ ہے اور حرف استفہام فعل پر داخل ہوتا ہے جب اس کے بعد فعل لفظوں میں مذکور نہیں تو فعل مقدر ہوگا۔

"الحال ما یبین هیئة الفاعل اوا لمفعول به لفظاً او معنیً نحو ضربت زیداً قائما وزید فی الدار قائماً وھذا زید قائما وعاملھا الفعل او شبھه او معناہ وشرطھا ان تکون نکرۃ وصاحبھا معرفةً غالباً وارسلھا العراک ومررت به وحدہ ونحو متاوّل فان کان صاحبھا نکرۃ وجب تقدیمھا".

منصوبات میں سے چھٹا حال ہے۔ اور حال وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے خواہ وہ فاعل اور مفعول بہ لفظاً ہوں یا معناً ہوں جیسے **ضَرَبْتُ زیدا قائماً** اور **زید فی الدار قائماً**۔ اور **ھذا زید قائماً**۔ اور اس حال کا عامل فعل یا اس فعل کا شبہ یا فعل کا معنی ہوتا ہے۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہوتا ہے اور اس کا صاحب یعنی ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اور **ارسلھا العراک** اور **مررتُ به وحدہ** اور اس جیسی صورتوں کی تاویل کی جاتی ہے۔ پس اگر اس حال کا صاحب یعنی ذوالحال نکرہ ہو تو اس حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے۔

﴿منصوبات کی چھٹی قسم:۔﴾...... منصوبات کی چھٹی قسم حال ہے۔ علامہ نے پہلے مفاعیل کا بیان کیا ہے اور اب یہاں ان مفاعیل کے ملحقات کا بیان کرتے ہیں کہ مفعول کے ملحقات میں سے ایک حال ہے بعض نحویوں نے حال کو تمیز پر مقدم کیا ہے اس لئے کہ حال ہمیشہ منصوب ہوتا ہے بخلاف تمیز کے کہ وہ بعض صورتوں میں منصوب اور بعض میں مرفوع ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے علامہ نے حال کو تمیز اور مستثنیٰ پر مقدم کیا ہے اس لئے کہ مستثنیٰ بھی ہر حال میں منصوب نہیں ہوتی بلکہ کبھی مجرور بھی ہوتی ہے۔ حال کا لغوی معنی ہے تغیر وتبدل۔ سال کو حول اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں موسم اور حالات کے لحاظ سے تبدیلی آتی رہتی ہے۔ اور نحویوں کی اصطلاح میں حال اس اسم کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت کو بیان کرے۔

اعتراض:۔علامہ نے کہا ہے کہ حال وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے حالانکہ حال اس کو بھی کہتے ہیں جو فاعل اور مفعول بہ دونوں کی حالت کو بیان کرے اور اس کو بھی حال کہتے ہیں جو مفعول معہ اور مفعول مطلق کی حالت کو بیان کرے اور حال مضاف الیہ سے بھی واقع ہوتا ہے۔

جواب:۔جب یہ کہا کہ حال وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے تو اس میں یہ بھی شامل ہے کہ دونوں کی حالت بیان کرے جیسے **لقیت زاید راکبین**. راکبین فاعل اور مفعول بہ دونوں سے حال واقع ہے۔ پھر فاعل اور مفعول بہ سے عام مراد ہیں خواہ وہ فاعل اور مفعول حقیقی ہوں یا حکمی ہوں اور مفعول معہ اور مفعول مطلق مفعول بہ حکماً ہوتے ہیں اس لئے ان سے واقع ہونے والا حال بھی فاعل یا مفعول بہ حکماً واقع ہوتا ہے۔

اور جو حال مضاف الیہ سے واقع ہوتا ہے تو اس میں دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مضاف الیہ ایسا ہو کہ اگر اس کو مضاف کی جگہ رکھیں تو معنی میں خرابی نہ آئے جیسے'' **واتبعوا ملة ابراهیم حنیفا**' 'حنیفاً حال ہے ابراہیم سے جو کہ مضاف الیہ ہے۔ ملة کا اور ملة مفعول بہ ہے اتبعوا کا اس صورت میں اگر ابراہیم کو اس کے مضاف ملة کی جگہ رکھیں تو معنی میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ جب مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کر دیا تو یہ حال مفعول بہ سے ہی ہے جس کے قائم مقام مضاف الیہ کو کیا گیا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ کو مضاف کی جگہ رکھیں تو معنی میں خرابی لازم آتی ہو اور مضاف اور مضاف الیہ کا تعلق کل اور جز والا ہو جیسے'' **ان دابر هوء لاء مقطوع مصبحین** '' اس میں **مصبحین** حال ہے اور **دابر** مضاف اور **هو لاء** مضاف الیہ ہے۔ اس صورت میں مضاف الیہ کو مضاف کی جگہ رکھنا درست نہیں ہے اس لئے کہ مقطوع کی مفرد ضمیر دابر کی طرف راجع ہے اور اگر دابر کی جگہ ھولاء مضاف الیہ کو رکھیں تو مقطوع کی مفرد ضمیر اسکی راجع نہیں ہوسکتی اسلئے کہ ھولاء جمع ہے۔ جب مقطوع کی ضمیر جو کہ نائب فاعل ہے یہ دابر کی طرف راجع ہے اور قاعدہ ہے کہ راجع اور مرجع کے درمیان اتحاد ہوتا ہے تو جب ضمیر نائب فاعل ہے تو اس کا مرجع دابر بھی نائب فاعل ہوگا اور نائب فاعل حکماً فاعل ہوتا ہے اس لئے مصبحین فاعل حکمی سے حال ہے۔

'' **لفظا او معناً** ''، یعنی فاعل اور مفعول کلام کے اندر لفظوں میں مذکور ہوں جیسے **ضربتُ زیداً قائماً**۔ یا وہ فاعل اور مفعول لفظوں میں تو مذکور نہ ہوں مگر کلام کے مفہوم سے سمجھے جاتے ہو جیسے **زیدٌ فی الدار قائما**۔ میں زید مبتدا

ہے اور فی الدار جار مجرور کا متعلق استقر مقدر ہے جو کہ مفہوم کلام سے سمجھا جاتا ہے اور یہ اصل میں ہے **زید ا استقر فی الدار** اور استقر کی ضمیر زیدا کی طرف راجع ہے اس لحاظ سے زید فاعل معنوی ہے اور قائما اس فاعل معنوی سے حال ہے۔ اسی طرح **ھذا زید قائما** میں ھذا فعل معنوی ہے اسلئے کہ یہ **ھذا** اُشیر ُ کے معنی میں ہے۔ اور زید مفعول بہ معنوی ہے اور قائما اس سے حال ہے۔

" **و عاملها الفعل** " یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ حال کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل ہوسکتا ہے۔ حال کا عامل فعل ہوگا اس لئے کہ عمل میں اصل وہی ہے۔ جیسے **ضربت زیدا قائما** یا حال کا عامل شبہ فعل ہوگا۔ اور فعل کے مشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی فعل جیسا عمل کرتا ہو اور شبہ فعل پانچ ہیں۔ (۱) اسم فاعل جیسے **زید ذاھب راکباً**۔ اس میں (راکبا حال ہے ذاھب کی ضمیر مستتر سے) (۲) اسم مفعول جیسے **زید مضروب قائما** (اسمیں قائما حال ہے مضروب کی ضمیر مستتر سے (۳) اسم تفضیل جیسے **ھذا بسرا طیب منه رطبا** اس میں رطبا حال ہے اطیب کی ضمیر مستتر سے۔ (۴) صفت مشبہ جیسے **زید حسن ضاحکا** اس میں ضاحکا حسن کی ضمیر سے حال ہے (۵) مصدر جیسے **ضربی زیدا قائماً**۔ اس میں قائما حال ہے ضربی کی ضمیر فاعل ہے۔

" **او معناہ** " ...... معنیٰ فعل کا یہ مطلب یہ ہے کہ جس کلمہ سے فعل کے معنی استنباط کئے جائیں وہ فعل نہ ہو بلکہ اسم ہو اور وہ کئی اسماء ہیں جن میں سے سات مشہور ہیں۔ (۱) ظرف مستقر جیسے **زید فی الدار قائما**۔ اس جملہ میں استقر کا مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ (۲) اسم اشارہ جیسے **ھذا زید قائما** اسمیں اُشیر کا معنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ (۳) اسم فعل جیسے **علیک زیدا راکبا** اس میں علیک سے اَلزِمْ کا معنیٰ سمجھا جاتا ہے (۴) حرف ندا جیسے **یا زید راکبا** اس میں ادعوا کا معنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ (۵) تمنی جیسے **لیتک عندنا قائماً**۔ اسمیں لیت تمنی سے تشتھی کا معنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ (۶) ترجی جیسے **لعل زیدا فی الدار قائما**۔ اسمیں لعل حرف ترجی سے ارجو کا معنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ (۷) تشبیہ جیسے **کانه اسد صاھلا** گویا کہ وہ دھاڑنے والا شیر ہے اس میں کانہ سے اشبھہ کا معنیٰ سمجھا جاتا ہے۔

"وشر طها ان تکون نکر ۃ" .... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے اور اس کا صاحب یعنی ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے۔ حال اس لئے نکرہ ہوتا ہے کہ نکرہ اصل ہے اور حال ذوالحال کے لئے قید ہوتا ہے اور قید نکرہ بھی بن سکتی ہے تو جب اصل پر رکھتے ہوئے مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کو معرفہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اور ذوالحال مقید ہوتا ہے اور مقید کا معرفہ ہونا ضروری ہے اس لئے ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے۔ اس عبارت میں **وصاحبها** کا عطف **وشر طها ان تکو ن نکرة** پورے جملہ پر ہے صرف **ان تکون نکرة** پر نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں معنی میں خرابی لازم آتی ہے اور معنی یہ بن جاتا ہے کہ ذوالحال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اکثر معرفہ ہوتا ہے حالانکہ شرط تو دوام کیلئے ہوتی ہے اس لئے اکثر کو شرط کے تحت لانا درست نہیں ہے۔ اور اکثر معرفہ ہونے سے یہ ثابت ہوا کہ ذوالحال کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ **وصاحبها** کا عطف **ان تکو ن نکرة** پر بھی ہو سکتا ہے اور یہ شرط کے تحت داخل ہے اس لئے کہ شرط کبھی دوامی ہوتی ہے اور کبھی اکثری ہوتی ہے اور یہاں اکثر کو شرط کے تحت لا کر بتا دیا کہ یہ شرط دوامی نہیں بلکہ اکثری ہے۔

"نکرہ کے ذوالحال واقع ہونے کے مقامات" ...... ذوالحال اکثر تو معرفہ ہی ہوتا ہے مگر پانچ مقامات میں نکرہ بھی ذوالحال واقع ہو سکتا ہے۔ پہلا مقام کہ جب نکرہ موصوفہ ہو جیسے **جاء نی رجل عالم راکبا**۔ اس میں رجل نکرہ ہے مگر عالم کی صفت سے موصوف ہے اسلئے یہ ذوالحال اور راکبا اس سے حال واقع ہے۔

دوسرا مقام کہ نکرہ مستفہمہ ہو یعنی ایسا نکرہ ہو جس پر حرف استفہام داخل ہو جیسے **ھل جاءک رجل راکبا** اسمیں رجل نکرہ مستفہمہ ہے اس لئے کہ اس سے پہلے ھل صرف استفہام ہے اور **راکباً رجلٌ** سے حال ہے۔

تیسرا مقام کہ نکرہ تحت النفی ہو جیسے **ماجاء نی رجل الاّ راکباً**۔ اس میں رجل نکرہ ہے اور نفی کے تحت داخل ہے اور ذوالحال ہے راکباً کا۔ چوتھا مقام کہ نکرہ مستغرقہ ہو یعنی وہ نکرہ جس پر حرف استغراق داخل ہو جیسے **یفرق کل امر حکیم امرا من عند نا**۔ اس میں کل امر نکرہ ہے اور اس پر کل استغراقیہ داخل ہے اور امر ذوالحال ہے اور **امرا من عند نا** اس سے حال ہے۔ پانچواں مقام کہ ذوالحال سے پہلے الاّ ھو جیسے **ماجاء نی راکباً الاّ رجلٌ**۔

اس میں راکباً حال مقدم ہے اور رجلٌ نکرہ ہے اور اس پر الا داخل ہے اور یہ حال ہے۔

"وارسلها العراک" ......اس میں واؤ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے حالانکہ **ارسلها العراک اور مررت به وحده** میں العراک اور وحدہ معرفہ ہونے کے باوجود حال واقع ہیں۔ تو اس کا جواب علامہ نے دیا کہ یہ متاول ہیں۔ یعنی جہاں بظاہر معرفہ حال واقع ہو تو وہ اصل نہیں ہوتا بلکہ اس میں تاویل کی جاتی ہے جیسے **ارسلها العراک** اصل میں **ارسلها تعترک العراک** ہے تو **العراک** حال نہیں بلکہ یہ تعترک فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اور **مررتُ به وحده** میں **وحده مررتُ** کا حال نہیں ہے بلکہ اس کا فعل محذوف ہے اور یہ اصل میں ہے **مررتُ به یتفرد وحده**۔ اس **وحده** جو ہے وہ **یتفرد** کا ہم معنی ہے اور اس سے مفعول مطلق ہے۔

"حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہونے کا مقام" ......علامہ فان کان صاحبها نکرۃ سے بیان فرماتے ہیں کہ اگر حال کا صاحب یعنی ذوالحال نکرہ ہو تو اس صورت میں حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے۔ ذوالحال کے نکرہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں صفت یا استفہام وغیرہ کسی بھی لحاظ سے تخصیص نہ ہو۔ جب ذوالحال نکرہ ہو تو اس حال کو ذوالحال پر مقدم کرنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ذوالحال مبتدا کے اور حال خبر کے قائم مقام ہوتا ہے اور جب مبتدا نکرہ ہو تو خبر کو مقدم کرنا واجب ہے اسی طرح جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو اس پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ایسی حالت میں حال کو مقدم نہ کریں تو بعض صورتوں میں اس کا صفت کے ساتھ التباس لازم آتا ہے اور شک پڑتا ہے کہ یہ حال ہے یا صفت ہے جیسے **راءیتُ رجلاً قارئاً** اس میں **قارئاً رجلاً** کی صفت بھی بن سکتا ہے اور حال بھی بن سکتا ہے۔ جب حال کو مقدم کریں گے اور **رائیتُ قارئاً رجلاً** پڑھیں گے تو کوئی التباس نہیں آتا اس لئے کہ صفت اپنے موصوف سے مقدم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس کا حال ہونا ہی متعین ہوگا۔ اس التباس سے بچنے کیلئے ایسی حالت میں حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا ہے اور صفت کے ساتھ التباس کی صورت صرف اس حالت میں ہوتی ہے جبکہ ذوالحال منصوب ہو۔ اور باقی رفعی اور جری حالت میں نصبی حالت کیساتھ مطابقت کی وجہ سے مقدم کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔

" ولا یتقدم علی العامل المعنوی بخلاف الظرف ولا علی المجرور علی الاصح وکل مادلّ علی ھیئة صحّ ان یقع حالاً مثل ھذا بُسراً اطیب منه رُطباً ."...... اورحال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے اور اصح قول کے مطابق حال کو مجرور پر بھی مقدم نہیں کیا جاسکتا اور ہر وہ اسم جو ھیئت یعنی حالت پر دلالت کرے اس کو حال واقع کرنا صحیح ہے جیسے **ھذا بسرا اطیب منه رُطباً** . یہ بسر اور انحالیکہ رطب اس سے زیادہ اچھا ہے۔

"حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا۔"...... علامہ فرماتے ہیں کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا بخلاف الظرف بخلاف ظرف کے۔ حال کو عامل معنوی پر مقدم اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ عامل معنوی ضعیف ہوتا ہے اور وہ اسی وقت عمل کرتا ہے جبکہ عامل اور معمول ترکیب کے ساتھ ہوں جیسے **ھذا زید قائما** میں **زید** خبر ہے اور قائما کیلئے عامل معنوی ہے اس لئے قائما کو زید سے مقدم نہیں کیا جاسکتا۔

"بخلاف الظرف "...... اس عبارت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ ظرف کو عامل معنوی پر مقدم کرسکتے ہیں جیسے **کل یو م لک ثوب** اس میں ثوب لک کیلئے عامل معنوی ہے مگر لک کے ظرف ہونے کی وجہ سے اس کو عامل معنوی پر مقدم کرسکتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ حال کو ظرف پر مقدم کرسکتے ہیں جیسے **زید فی الدار قائما** ۔ اور اسمیں **قائما فی الدار زید** کہہ سکتے ہیں (اس لحاظ سے عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ حال کو عامل معنوی سے مقدم نہیں کرسکتے اور ظرف سے مقدم کرسکتے ہیں۔) ظرف کو عامل معنوی پر مقدم کرنا اس لئے جائز ہے کہ ظروف میں ایسی وسعت ہوتی ہے جو کسی اور میں نہیں ہوتی۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ حال کی بحث میں ظرف کا ذکر کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حال اور ظرف دونوں قریب قریب ہیں اس لئے حال کی بحث میں ظرف کا بھی کچھ ذکر کردیا ہے۔ **ولا علی المجرور علی الاصح** کہ اصح قول کے مطابق حال کو مجرور پر بھی مقدم نہیں کیا جاسکتا اس مسئلہ میں نحویوں کا اختلاف ہے اور علامہ نے جس نظریہ کو اختیار کیا ہے اس کو اصح کہہ کر بیان کردیا ہے۔

''مجرور کی حالتیں'' مجرور کی دو حالتیں ہیں (۱) مجرور بالاضافت (۲) مجرور بحرف الجار۔

اگر ذوالحال مجرور بالاضافت ہو تو اسمیں بالاتفاق حال کو مجرور پر مقدم نہیں کر سکتے اس لئے کہ اگر حال کو صرف مضاف الیہ پر مقدم کریں تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فاصلہ آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اور اگر حال کو مضاف مضاف الیہ دونوں سے مقدم کریں تو یہ بھی ذرست نہیں اس لیئے کہ حال مضاف الیہ کا تابع ہے اور اس کی فرع ہوتا ہے اس لئے کہ مضاف الیہ اس کا ذوالحال ہے اور ذوالحال حال کے لئے متبوع اور اس کی اصل ہوتا ہے تو جب مضاف الیہ کو مضاف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے تو مضاف الیہ کے تابع کو مضاف پر مقدم کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ جیسے **جاء نی غلام زید راکبا** . میں **راکبا غلام** کو **زید** سے مقدم کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر ذوالحال مجرور بالجار ہو تو اس پر بھی حال کا مقدم کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اگر صرف مجرور پر مقدم کریں تو یہ درست نہیں اس لئے کہ جار اور مجرور کے درمیان فاصلہ آتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور اگر جار مجرور دونوں پر مقدم کریں تو یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ مجرور اصل اور حال اس کا تابع ہوتا ہے تو جب مجرور کو جار پر مقدم کرنا درست نہیں تو مجرور کے تابع کو مقدم کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ اور بعض نحویوں کے نزدیک مجرور بالجار پر حال کو مقدم کرنا جائز ہے اور انھوں نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ قرآن کریم میں ہے'' **وما ارسلنک الا کافة للناس** '' اس میں کافة حال ہے اور للناس ذوالحال ہے اور حال ذوالحال سے مقدم ہے۔ جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کافة حال ہے مگر للناس سے نہیں بلکہ ماارسلناک کی کاف ضمیر سے حال ہے۔

''کیا اسم جامد حال واقع ہوسکتا ہے؟...... **وکل مادل** سے علامہ ابن حاجب نے اپنے نظریہ کے مطابق بیان کیا ہے کہ ہر ایسا اسم حال واقع ہوسکتا ہے جو حالت کو بیان کرے خواہ وہ اسم مشتق ہو یا جامد ہو) جبکہ جمہور نحویوں کے نزدیک حال صرف مشتق واقع ہوسکتا ہے۔ جمہور کی طرف سے اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حال خبر اور صفت کی طرح ہے تو جیسے خبر اور صفت اسم جامد نہیں ہوسکتے تو اسی طرح اسم جامد کو حال بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ علامہ ابن حاجب نے اسم جامد کے حال واقع ہونے کی مثال یہ دی ہے'' **هذا بسرا اطیب منه رطبا** .''اس میں بسرا اور رطبا دونوں کھجوروں کی نیم پختہ اور پختہ حالت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے اسم جامد ہونے کے باوجود حال واقع ہورہے ہیں۔ اور جمہور نحویوں کے نزدیک اس

مثال میں بسرااور رطبا کو بتاویل فاعل کر کے حال بنائیں گے اور بسرااور رطبا کو مزید کے باب سے اسم فاعل **مبسرا** اور **مرطبا** بنائیں گے اوران کو مجرد کی بجائے مزید کے باب سے اسم فاعل بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اہل عرب سے مجرد کے باب سے باسر اور راطبا (کھجوروں کی صفت کے طور پر مسموع نہیں ہے۔) جبکہ مزید کے باب سے **مُبسّرا** اور **مُرَطّباً** مسموع ہے (جوکہ کھجور کے درختوں کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔) پھر بعض نحویوں کے نزدیک رطبا میں عامل اطیب ہے اور بسرا میں عامل ھذا فعل معنوی ہے۔ اور جمہور کے نزدیک بسرااور رطباً دونوں میں عامل اطیب ہے۔

اعتراض :۔ جمہور نحویوں پر اعتراض ہوتا ہے کہ جب بسراء اور رطباً دونوں کا عامل اطیب کو بنایا جائے تو اطیب اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل جب من کے ساتھ استعمال ہو تو وہ ضعیف عامل ہوتا ہے اور عامل ضعیف اسی وقت عمل کرتا ہے جبکہ عامل اور معمول میں ترتیب ہو۔ اور یہاں بسرا اپنے عامل سے مقدم ہے اس لئے اس کو اطیب کا معمول نہیں بنایا جا سکتا۔

جواب :۔ جمہور کی طرف سے جواب دیا گیا ہے کہ یہاں ایک اور قاعدہ کا لحاظ رکھ کر بسرا کو اس کے عامل سے مقدم کیا گیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کلام میں دو ذوالحال اور دو حال ہوں یا ایک ذوالحال اور دو حال ہوں اور وہ دونوں متعلق کے لحاظ سے مختلف ہوں تو وہاں ہر حال کو اس کے متعلق کے پہلو میں ذکر کرنا واجب ہے۔ اور یہاں اطیب ایک ذوالحال ہے اور اس کے دو حال بسرااور رطبا ہیں۔ اور دونوں کا متعلق مختلف ہے اس لئیے کہ اطیب اسم تفضیل لا کر بسر اور رطب میں سے ایک کو مفضل یعنی اعلی اور ایک کو مفضل علیہ یعنی اعلی اس سے کم درجہ بتایا جارہا ہے۔ تو مفضل علیہ کا معنی ھذا سے سمجھ آرہا ہے اس کے ساتھ بسرا کو ذکر کرنا اور مفضل کا معنی منہ سے سمجھ آرہا ہے اس کے ساتھ رطبا کو ذکر کرنا واجب تھا اس لئے قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہوئے بسرا کو اطیب سے مقدم کیا گیا ہے۔

" وقد تكون جملة خبرية فالا سمية بالوا و والضمير او بالواو او بالضمير على ضعف والمضارع المثبت بالضمير وحده وما سواهما بالواو والضمير او باحد هما ولا بدفي الماضي المثبت من قد ظاهر ةٍ اومقدرةٍ ." ...... اور حال کبھی جملہ خبریہ ہوتا ہے تو اسمیہ کی صورت میں واؤ اور ضمیر کے ساتھ ہوگا یا صرف واؤ کیساتھ یا صرف ضمیر کیساتھ ہوگا اور یہ صورت ضعیف ہے۔ اور مضارع مثبت حال واقع ہو تو وہ صرف ضمیر کے ساتھ ہوگا۔ جب جملہ اسمیہ اور مضارع مثبت کے علاوہ کوئی اور جملہ حال واقع ہو تو وہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوگا اور جب حال فعل ماضی مثبت ہو تو وہاں قد ضروری ہوتا ہے خواہ وہ لفظوں میں ظاہر ہو یا مقدر ہو۔

"جملہ خبریہ کے حال واقع ہونے کے احکام:" یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ جملہ خبریہ بھی حال واقع ہو سکتا ہے خبریہ کی قید سے معلوم ہوا کہ جملہ انشائیہ حال واقع نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جملہ انشائیہ موجود نہیں ہوتا بلکہ اس میں طلب ہوتی ہے اور جو موجود نہ ہو وہ حال واقع نہیں ہوسکتا۔ اگر حال جملہ اسمیہ ہو تو اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں اس لئے کہ جہاں جملہ حال ہوگا وہاں اس جملہ میں ایسی چیز ضرور ہوگی جس کے ساتھ حال کا اپنے ماقبل کے ساتھ تعلق واضح ہو اس لئے کہ حال کا ماقبل کے ساتھ تعلق ضروری ہوتا ہے۔

پہلی صورت یہ ہے کہ جملہ جو حال ہے اس کے اور اس سے پہلے جملہ کے درمیان تعلق واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ہو جیسے جاء نی زید وابو ہ قائمٌ وابوہ بھی واؤ میں ہے اور ہُ ضمیر بھی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان صرف واؤ ہو جیسے جئتک والشمس طالعة ۔ میں تیرے پاس آیا اس حال میں کہ سورج طلوع ہو چکا تھا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان صرف ضمیر ہو جیسے جاء نی زید هو قائم ۔ مگر یہ صورت ضعیف ہے۔ اس لئے کہ ضمیر ماقبل کے ساتھ ربط پر دلالت نہیں کرتی اس لئے کہ اس کا کلام کی ابتداء میں واقع کرنا واجب نہیں ہے۔

" **والمضارع المثبت بالضمير وحده** "......اگر حال مضارع مثبت ہو تو پہلے جملہ اور مضارع کے درمیان تعلق قائم کرنے والی صرف ضمیر ہوگی جیسے **جاء نی زید یسرع ای سارعاً** اس میں **یسرع سارعاً** کے معنی میں ہے زید میرے پاس آیا درانحالیکہ وہ دوڑ رہا تھا۔

" **وما سواھما بالواو والضمیر اوباحدھما** "......اور اگر ان دو یعنی جملہ اسمیہ اور مضارع مثبت کے علاوہ جو جملہ حال واقع ہو تو وہاں تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان تعلق قائم کرنے والی واؤ اور ضمیر دونوں ہوں جیسے **جاء نی زید وما یتکلم غلامه**۔ زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ اس کا غلام کلام نہیں کرتا تھا اس میں مضارع منفی حال واقع ہے اس میں واؤ بھی ہے اور غلامہ کے ساتھ ضمیر بھی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان رابطہ صرف واؤ کیساتھ ہو جیسے **جاء نی زید وما یتکلم عمر و**۔ زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ عمرو کلام نہیں کر رہا تھا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان رابطہ صرف ضمیر کیساتھ ہو جیسے **جاء نی زید قد خرج غلامه**۔ زید میرے پاس آیا اس حال میں کہ بے شک اس کا غلام نکلا۔

" **ولا بد فی الماضی المثبت من قد ظاھرۃٍ او مقدرۃٍ** "......اور جب حال فعل ماضی مثبت ہو تو وہاں قد ضروری ہوتا ہے خواہ وہ ظاہر ہو یعنی لفظوں میں مذکور ہو جیسے **جاء نی زید قد رکب** میرے پاس زید آیا اس حال میں کہ بیشک وہ سوار تھا۔ یا وہ قد مقدر ہو جیسے قرآن کریم میں ہے **جاء وکم حصرت صدورھم** یہ اصل میں **قد حصرت صدورھم** ہے۔ اس صورت میں ماضی پر قد کا داخل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ قد ماضی کو زمانہ حال کے قریب کر دیتا ہے اور اگر قد نہ ہو تو ماضی اور حال کو اکھٹا نہیں کیا جا سکتا۔" حال ماضی مثبت ہو تو اس پر قد داخل کرنے کے بارہ میں **نحویوں کا اختلاف**:"......اگر ماضی مثبت قد کے بغیر حال واقع ہو تو اس بارہ میں تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب بصریوں کا ہے کہ اگر ماضی مثبت پر قد نہ ہوتو اسکو مقدر مانیں گے۔

دوسرا مذہب کوفیوں کا ہے کہ اگر ماضی پر قد نہ ہوتو اس کو بغیر قد کے ہی حال بنائیں گے۔

اور تیسرا نظریہ امام مبرد کا ہے کہ اگر ماضی مثبت پر قد داخل ہوتو وہ حال واقع ہو سکتی ہے۔ اور اگر قد داخل نہ ہوتو وہ حال واقع نہیں ہوسکتی۔ او جاء وکم حصرت صدورھم میں حصرت پر قد داخل نہیں ہے تو بصریوں کے نزدیک اس پر قد کو مقدر مانیں گے اور کوفیوں کے نزدیک اس کو بغیر قد کے ہی حال بنائیں گے اور امام مبرد کے نزدیک یہ حال نہیں ہے۔

ماضی مثبت کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر ماضی منفی ہوتو اس پر قد داخل کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس میں فعل ماضی کی نفی حال تک مستمر ہوتی ہے۔ بخلاف مثبت کے کہ اس میں فعل کی حالت تک استمرار کی حاجت قد سے ہی پوری ہوتی ہے۔

"ویجوز حذف العامل کقولک للمسافر راشدا مهدیا ویجب فی المؤکدة مثل زید ابوک عطوفا ای اُحقه وشرطها ان تکون مقررة لمضمون جملة اسمیة" ......اور جائز ہے حال کے عامل کو حذف کرنا جیسے تیرا قول مسافر کے لئے راشدا مھدیا اور اگر حال موکد ہوتو اس میں عامل کو حذف کرنا واجب ہے جیسے زید ابوک عطوفا ای اُحقه اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کو پختہ یعنی اس کی تاکید کر رہا ہو۔

"حال کے عامل کو حذف کرنے کے مقامات" ...... جہاں قرینہ موجود ہو وہاں حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے خواہ قرینہ حالیہ ہو یعنی حال اس پر دلالت کرتا ہو جیسے راشدامھدیا یہ اصل میں تھا سِرْ راشدا مھدیا یا اصل میں تھا اِذھب حال کونک راشدا مھدیا۔

پہلی صورت میں صرف فعل امر حاضر سِر کو حذف کیا اور دوسری صورت میں اذھب حال کونک کو حذف کیا اس لئے کہ اس پر مخاطب کی حالت قرینہ کے طور پر موجود ہے۔ یا قرینہ مقالی ہو یعنی قول اس پر دلالت کرتا ہو جیسے کسی نے دوسرے کو کہا کیف جئت تو اس نے جواب میں کہا رَاکِباً یہ اصل میں تھا جئتُ رَاکِباً۔ اور جہاں حال موکد ہو وہاں حال کے

عامل کوحذف کرنا واجب ہے۔حال موکد اسکو کہتے ہیں جو اکثر احوال میں ذوالحال اس سے جدا نہ ہوسکے جیسے **والو العلم** میں سے **قائما ً بالقسط** میں اولوذوالحال ہے اور **قائما ً بالقسط** حال ہے اور یہ اکثر احوال میں اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا۔اور حال موکدہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ حال کی اور صورت بھی ہے اور وہ حال منتقلہ ہے اور حال منتقلہ وہ ہوتا ہے کہ اکثر احوال میں ذوالحال اس سے جدا ہوتا رہے جیسے **جاء نی زید راکبا** اس میں راکبا حال ہے اور یہ حالت زید پر اکثر نہیں رہتی بلکہ اکثر احوال میں ذوالحال اپنے حال سے جدا ہوتا رہتا ہے۔حال موکدہ کی مثال علامہ نے یہ دی ہے **زید ابوک عطوفا ای اُحقه** ۔اور ساتھ ہی علامہ نے یہ کہا کہ حال موکد کے عامل کا حذف اس وقت واجب ہے جبکہ اس میں یہ شرط پائی جائے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کررہا ہو۔جیسے **زید ابوک عطوفا ای احقه** یہ اصل میں تھا **زید ابوک احقه عطوفا** ۔زید تیرا باپ ہے درانحالیکہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے اس میں احقہ عامل ہے عطوفا کا۔ اس کوحذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ **زید ابوک** کے جملہ کے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ زید کا تیرا باپ ہونا حق اور ثابت ہے۔اور احقہ اصل میں **حق یَحقُ** سے واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے اور اس کا ہمزہ مفتوح ہے لیکن مجرد کو مزید کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔جیسے **صات یصوت** کو **صوّت یُصوّت** کے معنی مین استعمال کرتے ہیں ل یا **اُحقه** یتقن کے معنی میں باب افعال سے ہے۔

" التمیز مایرفع الابهام المستقر عن ذات مذکورة او مقدرة فالاول عن مفرد مقدار غالبا اما فی عدد نحو عشرون درهما وسیاءتی واما فی غیره نحو رطل رتیا ومنوان سمنا وقفیزان بُرّا و علی التمرةمثلها زبدا ً فیفرد ان کان جنسا الا ان یقصد الانواع ویجمع فی غیره . " ......منصوبات میں سے ساتواں اسم تمیز ہے۔تمیز وہ اسم ہے جو مذکور یا مقدر ذات سے اس ابہام کو

دور کرے جو اس ذات میں پختہ ہوتا ہے پس پہلا یعنی ذات مذکور سے ابہام کو دور کرنا اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرنا ہوتا ہے وہ مقدار یا تو عدد میں ہوتی ہے جیسے **عشرون درهما** اور عنقریب اس کی بحث آئیگی یا اسکے علاوہ کسی اور چیز میں ہوگی جیسے **رطل زيتا** ایک پونڈ تیل۔ اور **منوان سمنا**۔ دو سیر گھی۔ اور **قفیزان برا** دو قفیز گندم۔ اور **وعلى التمرة مثلها زبدا** کھجور پر اس کے مثل مکھن ہے۔ پھر اگر وہ تمیز جنس ہو تو وہ مفرد لائی جاتی ہے مگر یہ کہ اس سے ارادہ انواع کیا جائے اور اس کے علاوہ میں تمیز جمع لائی جاتی ہے۔

"منصوبات کی ساتویں قسم" ...... منصوبات کی ساتویں قسم تمیز ہے۔

تمیز کبھی مجرور بھی ہوتی ہے مگر اکثر منصوب ہوتی ہے اسی اکثر کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو منصوبات میں ذکر کیا ہے۔ علامہ نے تمیز کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایسا اسم ہوتا ہے جو ذات سے ابہام کو دور کرتا ہے خواہ وہ ذات لفظوں میں مذکور ہو یا مقدر ہو۔

"**فالاول عن مفرد**" پس اول یعنی اگر ذات لفظوں میں مذکور ہو تو تمیز اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ کافیہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیز کی کئی صورتیں ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرے اور تیسری صورت یہ ہے کہ نسبت سے ابہام کو دور کرے۔ غالباً کی قید سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمیز کبھی غیر مقدار سے بھی ابہام کو دور کرتی ہے۔ یہاں مفرد سے مراد وہ مفرد نہیں جو تثنیہ اور جمع کے مقابل ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد وہ مفرد ہے جو مضاف اور مشابہ بالمضاف کے مقابل ہوتا ہے۔ مقدار کہتے ہیں کسی چیز کا وزن اور اندازہ کرنا۔

مقدار کتنی چیزوں میں ہوتی ہے ﴿ ...... مقدار پانچ چیزوں میں ہوتی ہے اور تمیز اس سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

(۱) عدد میں جیسے **عشرون درهما**۔ عشرون عدد ہے اور اس میں کوئی معلوم نہیں کہ بیس کیا ہیں تو درھماً نے اس سے ابہام کو دور کر دیا۔ (۲) وزن میں جیسے **عندی رطل زيتا**۔ رطل وزن ہے اس میں کوئی معلوم نہیں کہ ایک پونڈ وزن کی کونسی چیز ہے تو زیتاً نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ (۳) کیل میں جیسے **عندی قفیزان براً** اس میں قفیزان میں کیل ہے اور کوئی معلوم نہیں کہ دو قفیز کونسی چیز ہے تو برّاً نے اس سے ابہام کو دور کیا۔ (۴) مساحت میں یعنی پیمائش میں جیسے **عندی**

ذراع ثوبا۔ ذراع میں ابہام ہے اور ثوبا نے اس ابہام کو دور کیا ہے۔(۵) مقیاس میں ایک چیز کو دوسری چیز کے مثل کہا تو مثل ہونے میں ابہام ہے کہ کس لحاظ سے مثل ہے تو آگے تمیز لا کر اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے جیسے **علی التمرۃ مثلها زبدا** مثلها میں ابہام تھا تو **زبدا** نے اس ابہام کو دور کر دیا۔

"واما فی غیرہ" ......یعنی اگر مقدار عدد کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو تمیز اس سے بھی ابہام کو دور کرتی ہے۔ علامہ نے اس کی چار مثالیں ذکر کی ہیں۔ پہلی مثال:۔ **"رطل زیتاً"** اس میں رطل مقدار وزن سے ہے اور زیتا نے اس سے ابہام کو دور کیا ہے۔ دوسری مثال:۔ **منوان سمناً** اس میں منوان بھی مقدار وزن سے ہے اور سمناً نے اس سے ابہام کو دور کیا ہے۔ تیسری مثال:۔ **قفیزان بُرّاً** قفیز گندم اور اس جیسی دیگر اجناس کے لئے ایک پیمانہ ہے اس میں ابہام ہے او ربُرّاً نے اس سے ابہام کو دور کیا ہے۔ چوتھی مثال:۔ **علی التمرۃ مثلها زبدا** اس میں مثلها مقیاس سے مقدر ہے اس میں ابہام ہے اور زبدا نے اس سے ابہام کو دور کیا ہے۔ اسم کتنی چیزوں سے تام ہوتا ہے (تمیز کا عامل اسم تام ہوتا ہے اور اسم تام وہ ہوتا ہے کہ اس کے آخر میں ایسی حالت لاحق ہو جائے جس کے ہوتے ہوئے اس کلمہ کی اضافت دوسری کلمہ کی طرف نہ ہو سکے اس لئے) ان چار مثالوں کے ذریعے سے علامہ ابن حاجب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم چار چیزوں سے تام ہوتا ہے پہلی چیز نون تنوین۔ اسم نون تنوین سے تام ہوتا ہے خواہ تنوین لفظوں میں مذکور ہو جیسے **عندی رطلٌ زیتاً** میں رطلٌ پر تنوین مذکور ہے یا تنوین مقدر ہو جیسے **عندی مثاقیل ذهباً**۔ اس میں مثاقیل میں تنوین مقدر ہے دوسری چیز نون تثنیہ ہے نون تثنیہ کی مثال جیسے **عندی قفیزان بُرّاً** اور **عندی منوان سمناً** تیسری چیز نون جمع ہے اور نون جمع خواہ جمع حقیقی کا نون ہو جیسے **بالاخسرین اعمالا** میں الاخسرین کے آخر میں نون جمع کا حقیقی کا ہے اور **اعمالا** نے اس سے ابہام کو دور کیا ہے۔ یا وہ نون جمع کے ملحقات کا ہو اور جمع کے ملحقات **عشرون** سے لیکر **تسعون** تک اعشاری عدد ہیں جیسے **عندی عشرون درهماً**۔

چوتھی چیز اضافت :۔اسم اضافت کے ساتھ بھی تام ہوتا ہے جیسے **علی التمرة مثلها زبداً** میں مثلھا میں اضافت کی وجہ سے اسم تام ہے اور زبداً اس کی تمیز ہے۔

اعتراض :۔ **ابی حفص عمر** میں ابی حفص میں ابہام ہے اور عمر نے اس ابہام کو دور کیا ہے۔ان کو ممیز اور تمیز کہنا چاہئے حالانکہ عمر کو عطف بیان کہا جاتا ہے۔

جواب:۔ ابوحفص اور عمر دونوں ایک ہی شخص معین کے نام ہیں اس لئے ابوحفص میں کوئی ابہام نہیں بلکہ یہ نام غیر مشہور ہے اس لئے عطف بیان کے طور پر عمر کو ذکر کر دیا جو کہ مشہور نام ہے۔

اعتراض :۔ یہ کہا گیا ہے کہ اسم چار چیزوں سے تام ہوتا ہے۔حالانکہ اسم تو الف لام کے داخل ہونے سے بھی تام ہوتا ہے۔ **جواب:۔** اسم تام سے مراد یہاں وہ اسم تام ہے جو تمیز کو نصب دیتا ہے مطلق اسم تام مراد نہیں۔جب الف لام کے ساتھ تام اسم تمیز کو نصب نہیں دیتا تو اسلئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

"تمیز منصوب کیوں ہوتی ہے" ......تمیز کے منصوب ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔کہ جس اسم کی تمیز واقع ہوتی ہے وہ اسم تام بمنزلہ فعل کے ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جو حالت ہوتی ہے وہ بمنزلہ فاعل کے ہوتی ہے اور تمیز بمنزلہ مفعول کے ہوتی ہے اس لئے تمیز منصوب ہوتی ہے۔

اعتراض:۔ علامہ نے مساحت میں مقدار کی مثال کیوں نہیں ذکر کی۔

جواب :۔علامہ کا اصل مقصد یہاں مقادیر کو بیان کرنا نہیں بلکہ یہ بتانا کہ ہے کہ اسم ان چیزوں کے ساتھ تام ہو جاتا ہے تا کہ اس کو تمیز کا عامل بنایا جا سکے اس لئے چار مثالوں ے ذریعہ سے اسم کے تام ہونے کی صورتوں کو بیان کیا ہے۔

"فیفرد ان کان جنساً" ......اگر تمیز جنس ہو تو مفرد لائی جاتی ہے اس لئے کہ جنس قلیل اور کثیر سب پر بولی جاتی ہے بے شک ممیز تثنیہ یا جمع ہو تمیز کو تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے الماء ایک قطرہ پر بھی اس کا اطلاق ہے اور سارے دریا پر بھی۔جیسے **عندی رطل زیتاً. عندی رطلان زیتاً. عندی ارطال زیتاً**۔ان مثالوں میں ممیّز مفرد تثنیہ اور جمع ہے مگر تمیز مفرد ہی آتی ہے۔اسلئے کہ تمیز جنس ہے اور جنس جس طرح مفرد پر بولی جاتی ہے اسی طرح تثنیہ اور جمع

کو بھی شامل ہوتی ہے۔ **ویجمع فی غیرہ** (یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ تمیز جب جنس نہ ہو یا جنس ہو مگر مراد جنس نہ ہو بلکہ انواع مراد ہوں تو تمیز جمع لائی جاتی ہے اور جمع سے مراد ما فوق الواحد ہے۔) یعنی تمیز اس صورت میں مفرد لائی جاتی ہے جبکہ جنس بول کر جنس ہی مراد لی جائے اور اگر جنس بول کر اس کے انواع مراد ہوں تو پھر تمیز کو تثنیہ جمع لایا جا سکتا ہے۔ جیسے **عند رطلان زیتان . عندی ارطال زیوتا .** زیت مختلف انواع کے ہو سکتے ہیں۔ سرسوں کا۔ دھنیہ کا۔ چنبیلی کا۔ گری کا۔ اس لئے جب زیت سے مراد انواع زیت ہیں تو زیت کو تثنیہ اور جمع لایا جائیگا۔ اسی طرح اگر تمیز جنس نہ ہو تو اس صورت میں بھی تمیز تثنیہ یا جمع لائی جا سکتی ہے۔ جیسے **بالاخسرین اعمالا** ۔ عمل جنس نہیں ہے اس لئے اس کو جمع لایا گیا ہے۔ **"ثم ان کان بتنوین اوبنون التثنیه جازت الا ضافة و الا فلا"** پھر اگر ممیز تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ ہو تو اس کی تمیز کی جانب اضافت جائز ہے ورنہ نہیں۔

اسم تام بالتنوین یا بنون التثنیہ کی تمیز کا اعراب ...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر اسم تام ہو تنوین کے ساتھ یا نون تثنیہ کیساتھ تو تمیز میں دو طرح کا اعراب ہو سکتا ہے تمیز کو منصوب پڑھنا جیسے **عندی رطل زیتا . عندی قفیزان بُراً** ۔ اور اس صورت میں اضافت بھی جائز ہے اس لئے اضافت کی وجہ سے تمیز کو مجرور پڑھا جا سکتا ہے جیسے **عندی رِطلُ زیتٍ . عندی قفیزا بُرٍّ** ۔

نون تثنیہ کی قید کیوں لگائی ہے ...... اگر ممیز نون جمع کے ساتھ تام ہو تو اس میں اضافت جائز نہیں ہے اس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ نون جمع اور ملحقات جمع کے نون کا ایک جیسا حکم ہے۔ اور ملحقات جمع کا نون اصلی ہوتا ہے اگر ملحقات جمع کے نون کو اضافت کی وجہ سے گرائیں تو اصلی نون کا گرانا لازم آتا ہے اور یہ کلام عرب میں درست نہیں ہے جیسے **عشرون درهما** کو **عشرو دِرْهمٍ** پڑھنا درست نہیں اور جو **عشرو درهم** یاستوک وغیرہ پڑھا جاتا ہے تو یہ شاذ ہے یا یہ فصیح اور بلیغ عرب کا کلام نہیں ہے ۔ اور اگر اس کو باقی رکھیں تو یہ بھی درست نہیں ہے (اس لئے کہ نون تثنیہ اور نون جمع اضافت میں گر جاتے ہیں اس وجہ سے ملحقات جمع کا نون بھی گرنا چاہیئے ۔) لہذا جو ممیز ملحقات جمع میں سے ہو اس کی آگے اضافت درست نہیں تو نون جمع کے ساتھ جو اسم تام ہوتا ہے اس کی اضافت بھی درست نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ

اگر نون جمع کے ساتھ تام ہونے والے اسم کی تمیز کی جانب اضافت کریں تو بعض صورتوں میں اسکا غیر تمیز کے ساتھ التباس لازم آتا ہے۔ جیسے **عشرون رمضان** میں **عشرون** کی اضافت کر کے **عشرو رمضان** پڑھیں تو یہ **رمضان عشرون** کی تمیز بھی بن سکتا ہے اور معنی یہ ہوسکتا ہے **عشرون شهرا من رمضان** ۔ رمضان کے مہینے کا بیسواں دن۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رمضان تمیز نہ ہو اور اس کا معنی یہ ہو **اليوم العشرون من رمضان** ۔ اور جن صورتوں میں التباس لازم نہیں آتا ان کو التباس والی صورتوں پر محمول کر کے ان میں بھی اضافت کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح ممیّز اگر تام ہو نون تثنیہ یا نون جمع کے ساتھ اس کی اضافت جائز نہیں اسی طرح اگر اسم اضافت کی وجہ سے تام ہو تو اس کی بھی آگے اضافت نہیں ہوسکتی جیسے **على التمرة مثلها زبدا** ۔ اس میں مثل کی اضافت ہے ھا کی طرف ۔ اس کی آگے زبدا کی جانب اضافت نہیں ہوسکتی اس لئے کہ اگر ھاء کو باقی رکھیں تو اضافت ممکن ہی نہیں اور اگر اس کو حذف کریں تو معنی ہی فاسد ہوجاتا ہے ۔ جب دونوں صورتیں نہیں ہوسکتیں تو اضافت ہی درست نہیں ۔ **وعن غير مقدار مثل خاتمٌ حديدا والخفض اكثر** " اور تمیز مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ اور مفرد غیر مقدار وہ ہوتا ہے جو ان پانچ چیزوں عدد۔ وزن۔ کیل۔ مساحت۔ اور قیاس کے علاوہ ہو جیسے **خاتمٌ حديداً** ۔ اس میں **خاتمٌ** ممیّز اور حدیدا اس کی تمیز ہے اس لئے کہ **خاتمٌ** میں ابہام تھا کہ نہ جانے وہ کس چیز سے بنی ہوئی انگوٹھی ہے تو حدیدا نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نصب بھی جائز ہے اور اضافت کی وجہ سے **الخفض اكثر** کسرہ اکثر ہے جیسے **خاتمُ حديدٍ** ۔ وعن غیر مقدار کا عطف عن مقدار پر ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ تمیز مفرد مقدار سے اور مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

"والثاني عن نسبة في جملة او ما ضاهاها مثل طاب زيد نفساً وزيد طيب ابا وابوة وداراً وعلما اوفي اضافة مثل يعجبني طيبه ابا وابوة وداراً وعلماً ولله درّه فارساً ." اور تمیز کی دوسری قسم کہ ایسی نسبت سے ابہام کو دور کرے جو جملہ میں ہو یا اس میں ہو جو جملہ کے مشابہ ہو جیسے **طاب زيد نفسا**. زید نفس کے لحاظ سے خوش ہے اور **زيد طيب ابا** زید باپ کے لحاظ سے خوش ہے۔ اور **زيد طيب ابوة** .**زيد طيب دارا** اور **زيد طيب علماً** ۔ یا اضافت میں پائے

جانے والے ابہام کو دور کرے جیسے **یعجبنی طیبہ ابا** . اس کا باپ کے لحاظ سے خوش ہونا مجھے تعجب میں ڈالتا ہے **یعجبنی طیبه ابوة . یعجبنی طیبه دار اً . یعجبنی طیبه علماً .ولله درّه فارسا** اور اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خوبی سوار ہونے میں۔

تمیز کی دوسری قسم ...... پہلے تمیز کی ایک قسم بیان کی گئی کہ وہ ذات سے ابہام کو دور کرے خواہ وہ ابہام مفرد مقدار میں ہو یا غیر مقدار میں ہو۔ اب تمیز کی دوسری قسم بیان کی جارہی ہے۔ کہ جملہ یا مشابہ بالجملہ یا اضافت میں پائے جانے والے ابہام کو دور کرے۔ علامہ نے اس مسئلہ میں پہلی مثال دی ہے **طاب زید نفساً** یہ جملہ میں ابہام کی مثال ہے کہ طاب زید جملہ ہے کہ زید خوش ہوا مگر اس میں ابہام ہے کہ کس طور پر خوش ہوا تو نفساً نے اس ابہام کو دور کر دیا۔ یہ مثال ہے جبکہ تمیز عین غیر اضافی ہو اور **ماانتصب عنه** کے ساتھ مختص ہو۔ اور دوسری مثال **زید طیب ابا** بیان کی ہے۔ اس مثال میں طیب صفت مشبہ ہے اور زید طیب جملہ کے مشابہ ہے اس میں ابہام ہے اور **ابا** نے اس ابہام کو دور کر دیا یہ مثال ہے جبکہ تمیز عین اضافی (ہو اور **ماانتصب عنه** اور اس کے متعلق میں سے ہر ایک سے ہو سکے۔) نسبت اضافی ہے۔ اسی طرح تیری مثال **زید طیب ابوة** میں ابوة نے ابہام کو دور کر دیا (یہ مثال ہے جبکہ تمیز عرض اضافی ہو اور **ماانتصب عنه** کے ساتھ مختص ہو۔) چوتھی مثال **زید طیب دارا** بیان کی ہے زید طیب جملہ کے مشابہ ہے اور دارا نے اسکے ابہام کو دور کیا ہے یہ مثال ہے جب کہ تمیز عین غیر اضافی ہو اور **ماانتصب عنه** کیساتھ مختص ہو۔ اور پانچویں مثال **زید طیب علما** ۔ اس میں علما نے ابہام کو دور کیا اور یہ مثال ہے جبکہ تمیز عرض غیر اضافی چیز اور **ماانتصب عنه** کے ساتھ مختص ہو۔

اعتراض :۔ علامہ نے پانچ مثالیں کیوں دی ہیں۔

جواب :۔ جس اسم کو تمیز بنایا جارہا ہے وہ عین ہوگا یعنی بذاتہ قائم ہوگا یا عرض ہوگا یعنی اپنے قیام میں دوسرے کا محتاج ہوگا۔ پھر ان میں ہر ایک اضافی ہوگا یا غیر اضافی ہوگا۔ تو یہ کل چار صورتیں بن گئیں۔ پھر وہ تمیز **ماانتصب عنه** کے ساتھ مختص ہوگی یا اس کے متعلق کے ساتھ متعلق ہوگی یا دونوں میں سے ہر ایک سے ہو سکے گی تو چار کو جب تین سے ضرب دی تو کل بارہ صورتیں بن گئیں۔ ان بارہ صورتوں میں سے پانچ ثابت ہیں اور سات ساقط ہیں اس لئے علامہ نے پانچ مثالیں دی ہیں۔

وہ بارہ صورتیں اس طرح بنتی ہیں۔ پہلی صورت کہ تمیز عین اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے ساتھ مختص ہو۔ یہ صورت ساقط ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تمیز عین اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مختص ہو یہ صورت بھی ساقط ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تمیز عین اضافی ہو اور ما انتصب عنہ اور اس کے متعلق میں سے ہر ایک سے ہو سکتی ہو۔ یہ صورت ثابت ہے اور اس کی مثال ہے طاب زید اباً ۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ تمیز عین اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے ساتھ مختص ہو۔ یہ صورت ثابت ہے اور اس کی مثال ہے طاب زید نفسا ۔ نفس عینی چیز ہے اور اضافی بھی نہیں اور زید کے ساتھ مختص ہے جو اس کو نصب دینے والا ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ تمیز عین اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مختص ہو جیسے طاب زیدا دار اً ۔ اس میں دار عینی چیز ہے اور اضافی بھی نہیں اور یہ زید کے متعلقات میں سے ہے۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ تمیز عین اضافی ہو اور ما انتصب عنہ اور اسکے متعلق میں سے ہر ایک سے ہو سکے۔ یہ صورت غیر ثابت ہے۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ تمیز عرض اضافی ہو جو ما انتصب عنہ کے ساتھ مختص ہو یہ صورت ثابت ہے اور اس کی مثال ہے طاب زید ابوۃ ۔ اس میں ابوۃ عرض ہے اس لئے کہ یہ باپ بیٹے درمیان نسبت ہے جو بذاتہ قائم نہیں اس لئے یہ عرض ہے اور باپ اور بیٹے کے درمیان نسبت اضافی ہے۔ آٹھویں صورت یہ ہے کہ تمیز عرض اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے متعلق کیساتھ مختص ہو یہ صورت بھی ثابت نہیں ہے۔ نویں صورت یہ ہے کہ تمیز عرض اضافی ہو اور ما انتصب عنہ اور اس کے متعلق میں سے ہر ایک سے ہو سکے۔ یہ صورت بھی ثابت نہیں ہے۔ دسویں صورت یہ ہے کہ تمیز عرض غیر اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے ساتھ مختص ہو جیسے طاب زید علماً ۔ گیارھویں صورت کہ تمیز عرض غیر اضافی ہو اور ما انتصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مختص ہو یہ صورت بھی ثابت نہیں ہے۔ بارھویں صورت یہ ہے کہ تمیز عرض غیر اضافی ہو اور ما انتصب عنہ اور اس کے متعلق میں سے ہر ایک سے ہو سکے۔ یہ صورت بھی ثابت نہیں ہے۔ جب ان بارہ صورتوں میں سے صرف پانچ صورتیں ثابت ہیں تو علامہ نے پانچ ہی مثالیں دی ہیں۔

اوفــی اضــافة.......... سے بیان کرتے ہیں کہ جب ابہام اضافت میں ہوتو تمیز اس ابہام کو دور کرے جیسے **یعجبنی طیبه ابا** ۔اس مثال میں طیبہ میں ابہام تھا کہ اس کا خوش ہونا کن وجہ سے تھا تو ابا نے اس ابہام کو دور کردیا۔اسی طرح باقی مثالوں **یعجبنی طیبه ابوۃ یعجبنی طیبه دارا** اور **یعجبنی طیبه علماً** میں ہے۔" **ولله درّہ فارساً** " دراصل میں دودھ کو کہتے ہیں دودھ میں خیر ہوتی ہے اس لئے اہل عرب درّ کے لفظ کو خیر کے لئے استعمال کرتے ہیں اور للہ درّہ تعجب کے موقعہ پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے اس ممدوح سے جو خیر صادر ہوئی ہے وہ اس سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالی کی جانب سے ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اس ممدوح کے لئے سوار ہونے کی جو خیر صادر ہے وہ اللہ تعالی ہی کی جانب سے ہے۔

"علامہ کا جمہور نحویوں سے اختلاف"...... جمہور کے نزدیک اسم جامد تمیز بن سکتا ہے اسم مشتق تمیز نہیں بن سکتا تو یہ مثال ذکر کر کے علامہ نے جمہور کے خلاف اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ مشتق بھی تمیز بن سکتا ہے۔یا یہ مثال پیش کر کے علامہ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ تمیز اگر ضمیر سے واقع ہوتو وہ قسم اول سے ہوگی یعنی ذات مذکورہ سے ابہام دور کرنے کی قسم میں سے ہوگی اسی لئے صاحب مفصل نے اس کو پہلی قسم کے تحت ذکر کیا ہے جبکہ علامہ ابن حاجب کا نظریہ یہ ہے کہ اگر ضمیر کا مرجع معلوم ہوتو یہ تمیز ذات مقدرہ سے ہوگی اور اگر اس ضمیر کا مرجع معلوم نہ ہوتو پھر وہ ذات مذکورہ سے ہوگی اس لئے کہ اس حالت میں ضمیر مبہم ہے اور ضمیر مذکور ہے اور اس سے تمیز واقع ہو رہی ہے۔

ثم ان کان اسماً یصح جعله لما انتصب عنه جاز ان یکون له ولمتعلقه والا فهو لمتعلقه فیطابق فیهما ماقصد الا اذا کان جنسا الا ان یقصد الانواع وان کانت صفة کانت له وطبقه واحتملت الحال"

...... پھر اگر وہ ایسا اسم ہو کہ اس کو ماانتصب عنہ یعنی جس کی وجہ سے اس کو نصب دی گئی ہے اس کے لئے بنایا جا سکتا ہوتو جائز ہے کہ وہ اس کے لئے اور اس کے متعلق کے لئے ہو سکے ورنہ وہ اس کے متعلق کے لئے ہوگا۔پس ان دونوں

صورتوں میں اس کو اس کے مطابق لایا جائے گا جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ مگر جب کہ وہ جنس ہو مگر یہ کہ اس سے انواع کا ارادہ کیا گیا ہو اور اگر تمیز ذات نہ ہو بلکہ صفت کا صیغہ ہو تو وہ اسی کے لئے ہو گی اور اس کے مطابق ہو گی اور وہ حال ہونے کا احتمال بھی رکھتی ہے۔

"**کونسی تمیز ماانتصب عنه کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔**" یہاں سے علامہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کونسی تمیز ماانتصب عنہ کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور کونسی اس کے متعلق کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور کونسی تمیز دونوں کے لئے ہو سکتی ہے۔ جو اسم تمیز واقع ہوتا ہے وہ کبھی ذات اور کبھی صفت ہوتا ہے اور جس سے اس کو تمیز بنایا جاتا ہے اس کی وجہ سے ہی اس پر نصب آتی ہے تو اس کو **ما انتصب عنه** سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ پھر جس کو تمیز بنایا جاتا ہے وہ کبھی **ماانتصب عنه** کے لئے قرار دیا جا سکتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور **ماانتصب عنه** کے لئے قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر **ماانتصب عنه** کو مبتدا اور جس کو تمیز بنایا جا رہا ہے اس کو خبر بنائیں تو حمل درست ہو جیسے **طاب زید ابا** میں زید کو مبتدا اور اب کو خبر بنائیں تو حمل درست ہے تو ایسی صورت میں تمیز **ماانتصب عنه** اور اس کے متعلق دونوں سے بنانا درست ہے۔ جیسے **طاب زید ابا** میں ابا کو زید کی تمیز بنایا جا سکتا ہے اس لحاظ سے معنی یہ ہو گا کہ زید باپ ہونے کے لحاظ سے خوش ہوا کہ وہ خود باپ ہے۔ اور ابا کو زید کے متعلق سے بھی تمیز بنا سکتے ہیں اور زید کا متعلق وہ ہے جو اس کا باپ ہے تو اس لحاظ سے معنی یہ ہو گا کہ زید خوش ہوا اس لحاظ سے کہ اس کا باپ ہے۔

اعتراض :۔ممیز تو اسم جامد ہوتا ہے اس کو تمیز کے لئے ماانتصب عنہ کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

پہلا جواب کہ اس ممیز پر **ماانتصب عنه** کا اطلاق مجازاً ہے اس لئے کہ جملہ تام ہونے کے باوجود ممیز جو جملہ کا جز بنتا ہے اس میں ابہام ہوتا ہے۔ اور اسی ابہام کو دور کرنے کے لئے ہی تمیز لائی جاتی ہے تو یہ ممیز ہی تمیز کی نصب کا سبب ہے اس لئے اس کو **ماانتصب عنه** سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

دوسرا جواب:۔ کہ **ماانتصب عنه** میں جو عَنْ ہے وہ بَعْد کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ **لترکبن طبقا عن طبق** میں عَنْ بعد کے معنی میں ہے تو اس لحاظ سے معنی یہ ہو گا **ماانتصب بعده** کہ جس کے بعد اس کو نصب دی گئی ہے۔ اس تمیز کو اس

سے قرار دیا جاسکے۔ " والا فھو لمتعلقه اور اگر ماانتصب عنه کے لئے اس کو قرار نہ دیا جاسکے تو پھر وہ تمیز ماانتصب عنه کے متعلق کے لئے ہوگی جیسے طاب زید علما اس میں اگر زید کو مبتدا اور علما کو خبر بنائیں تو حمل درست نہیں اس لئے کہ زیدٌ علمٌ ہو جائیگا اور زید علم نہیں کہا جاسکتا تو اس صورت میں تمیز ماانتصب عنه کے متعلق سے ہوگی اور معنی یہ ہوگا کہ زید کا علم اچھا ہوا اور علم زید کا متعلق ہے۔

" فیطابق فیهما ماقصد " ...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ خواہ ماانتصب عنه سے تمیز بنائی جائے یا اس کے متعلق سے بنائی جائے دونوں صورتوں میں جس کا ارادہ کیا گیا ہو اس کے مطابق ہی تمیز لائیں گے اگر ارادہ مفرد کا ہے تو مفرد اور اگر تثنیہ کا ہے تو تثنیہ اور اگر جمع کا ہے تو جمع لائیں گے جیسے طاب زید ابا ۔ " طاب الزیدا ن ابوین ۔ طاب الزیدون اٰباءً ا ۔ مگر جبکہ تمیز جنس ہو یعنی جب تمیز جنس ہو تو اس کو تثنیہ جمع لانے کی ضرورت نہیں جیسے طاب زید علما ۔ طاب الزید ان علما ۔ طاب الزیدون علماً ۔ ان میں علماً اسم جنس ہے۔ اس لئے اس کو تثنیہ جمع بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

" الا ان یقصد الا نواع " ...... ہاں جب جنس سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر اس کو تثنیہ جمع بنایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ جب علم کی مختلف انواع مراد ہوں تو پھر یوں کہا جاسکتا ہے۔ طاب زید علما ۔ طاب الزیدا ن علمان ۔ طاب الزید و ن علوماً۔

" وان کا نت صفة " ...... اور اگر تمیز اسم ذات نہ ہو بلکہ صفت کا صیغہ ہو تو تمیز ماانتصب عنہ کے لئے ہی ہوگی اور اس کے مطابق ہوگی جیسے طاب زید فارساً طاب الزیدا ن فارسین ۔ طاب الزیدو ن فوارس ۔ ان مثالوں میں فارساً فارسین اور فوارس تمیز واقع ہیں اور واحد تثنیہ اور جمع ہونے میں ممیّز کے مطابق ہیں۔

" وا حتملت الحال " ...... اس صورت میں یہ احتمال بھی ہے کہ آخر والا اسم تمیز نہ ہو بلکہ حال ہو۔ جیسے طاب زید فارساً ۔ میں فارسا تمیز بھی بن سکتا ہے اور حال بھی بن سکتا ہے۔ مگر اس کا تمیز ہونا راجح ہے اس لئے کہ کبھی اس

آخری اسم پر من بیانیہ بھی داخل ہوتا (جیسے للہ درہ من فارس ۔ اور من بیانیہ تمیز پر تو آسکتا ہے مگر حال پر نہیں آسکتا اس لئے تمیز بنانے کو راجح قرار دیا گیا ہے۔)۔

”ولا یتقدم التمیز علی عاملہ والا صح ان لا یتقدم علی الفعل خلاف للمازنی والمبرد“ اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوسکتی اور زیادہ صحیح نظریہ کے مطابق تمیز کو فعل پر مقدم نہیں کیا جاسکتا اس میں امام مازنی اور امام مبرد کا اختلاف ہے۔

”تمیز کو عامل پر مقدم کرنے کی بحث“...... علامہ فرماتے ہیں کہ تمیز اپنے عامل یعنی ممیز سے مقدم نہیں ہوسکتی۔ اگر عامل اسم تام ہو تو بالاتفاق تمیز کا اس پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ ضعیف عامل ہے۔ اور اگر عامل فعل ہو تو اس میں امام مازنی اور امام مبرد کے علاوہ باقی نحویوں کے نزدیک تمیز کو فعل پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مازنی اور امام مبرد نے کہا ہے کہ جب عامل فعل ہو تو اس پر تمیز کو مقدم کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ فعل قوی عامل ہے جو مقدم اور موخر ہر طور پر عمل کرتا ہے اس لئے اس پر تمیز کو مقدم کر سکتے ہیں۔ مگر جمہور کی جانب سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ تمیز تو ابہام کو دور کرنے کے لئے آتی ہے۔ اور اسکی حیثیت ایسے ہے جیسے اجمال کے لئے بیان کی۔ تو جیسے بیان کو اجمال پر مقدم نہیں کر سکتے اسی طرح تمیز کو بھی عامل یعنی ممیز پر مقدم نہیں کر سکتے۔

”المستثنی متصل ومنقطع فالمتصل ھو المخرَجُ عن متعدد لفظاً او تقدیراً بالا واخواتھا۔“...... منصوبات میں سے مستثنی ہے اور وہ متصل اور منقطع ہے۔ پس متصل وہ ہوتی ہے جس کو الا اور اس کے اخوات کے ساتھ متعدد سے نکالا گیا ہو اور وہ متعدد خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً ہو۔

منصوبات کی آٹھویں قسم مستثنی ہے۔...... مستثنی استثناء سے ہے۔ اور استثناء کا لغوی معنی ہے دوہرا کرنا اور اصطلاح میں استثناء کہتے ہیں کسی چیز کو ماقبل حکم سے خارج کرنا۔ مستثنی کو مستثنی اسلئے کہتے ہیں کہ اس میں کلام دوہری ہوتی ہے۔ ایک کلام حرف استثناء سے پہلے اور دوسری اس کے بعد۔ یعنی ماقبل میں وہ چیز شامل ہوتی ہے۔ پھر اس کو نکالا جاتا ہے۔“

علامہ ابن حاجب نے مستثنیٰ کی تعریف نہیں کی بلکہ مستثنیٰ کی اقسام بیان کر کے پھران میں سے ہر ایک کی تعریف کی ہے اس لئے کہ جہاں اشتراک معنوی ہو وہاں ایسی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ جو تمام اقسام کو شامل ہو اور مستثنیٰ متصل اور منقطع میں اشتراک لفظی ہے اس لئے ان کی مشترکہ تعریف نہیں ہوسکتی تھی اس لئے علامہ نے پہلے تقسیم کی اور پھر ان میں سے ہر ایک قسم کی علیحدہ علیحدہ تعریف کی ہے۔

''مستثنیٰ کی اقسام''...... مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں ایک متصل او دوسری منقطع۔ مستثنیٰ متصل کی تعریف یہ کی کہ جس کو **اِلاّ واخواتھا** کے ساتھ متعدد سے نکالا گیا ہو (یعنی مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس ہو اور اسکو الا و اخواتھا کے ساتھ ماقبل حکم سے خارج کیا گیا ہے۔) خواہ وہ متعدد لفظوں میں مذکور ہو جیسے **جاء نی القوم الا زیدا**۔ القوم متعدد ہے زید اس میں شامل تھا مگر الا کے ساتھ اس کو ماقبل حکم سے خارج کیا گیا ہے۔ خواہ متعدد لفظوں میں مزکور نہ ہو بلکہ مقدر ہو جیسے **ماجاء نی الا زید**" میں زید اکو الا کے ساتھ متعدد سے نکالا گیا ہے مگر جس متعدد سے اس کو نکالا گیا ہے وہ لفظوں میں مزکور نہیں بلکہ مقدر ہے

اعتراض:۔ **جاء نی القوم الا زیدا** کہنا درست نہیں اس لئے اس سے تناقض لازم آتا ہے کہ جاء کا فاعل القوم ہے اور زید اس کا فرد ہے تو پہلے زید کا آنا ثابت ہوا اور پھر اِلاّ سے اس کی نفی ثابت ہوگی اور یہ تناقض ہے۔

جواب: جاء کا فاعل صرف القوم نہیں بلکہ **القوم الا زیدا** مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا مجموعہ ہے اور اس میں زید کو نکال کر باقی افراد کے لئے آنے کا حکم ثابت ہے۔ اور الا کے اخوات **غیر. سوی. حاشا. لیس. اور لا یکون** ہیں۔

'' والمنقطع المذکور بعدھا غیر مخرج ''...... اور مستثنیٰ منقطع وہ ہوتی ہے جو الا کے بعد ذکر کی جائے اور متعدد سے اس کو نہ نکالا گیا ہو۔ مستثنیٰ کی دوسری قسم:۔ مستثنیٰ کی دوسری قسم مستثنیٰ منقطع ہے اور مستثنیٰ منقطع وہ ہوتی ہے کہ مستثنیٰ **مشتثنی منه** کی جنس سے نہ ہو۔ مگر **الا** و اخواتھا کے بعد اس کو ذکر کیا جائے جیسے **جاء نی القوم الا حمارًا**۔ **حمارًا** الا کے بعد واقع ہے مگر یہ القوم میں شامل نہ تھا اور نہ ہی اس سے اس کو نکالا گیا ہے۔ اس لئے **جاء نی القوم الا حمارًا** میں حمارًا مستثنیٰ منقطع ہے۔

"وھو منصوب اذا کان بعد الا غیر الصفة فی کلام موجب اومقدما علی المستثنی منه اومنقطعاً فی الا کثر او کان بعد خلا وعدا فی الا کثر اوما خلا وما عدا ولیس ولا یکون " اور وہ مستثنی منصوب ہوتی ہے جبکہ الا کے بعد ہواور صفت کا صیغہ نہ ہواور کلام موجب میں ہو یا مستثنی منہ پر مقدم ہو یا مستثنی منقطع ہوتو اکثر کے مذہب کے مطابق یا خلا اور عدا کے بعد تو تب بھی اکثر کے مذہب کے مطابق اور ماخلا اور ماعدا اور لیس اور لا یکون کے بعد بھی مستثنی منصوب ہوتی ہے۔

"مستثنیٰ کا اعراب:" ...... یہاں سے علامہ مستثنی کا اعراب بیان کرتے ہیں کہ مستثنی کا اعراب پانچ قسم پر ہے۔ پہلی قسم کہ نصب واجب ہو۔ دوسری قسم کہ بدل بنانا مختار اور مستثنی بنا کر نصب جائز ہو۔ تیسری قسم کہ عامل کے مطابق اعراب سے ہو (اور چوتھی قسم کہ جر واجب ہو)۔

"مستثنیٰ پر نصب کے وجوب کے مقامات" ......

پہلا مقام کہ مستثنی الا کے بعد واقع ہواور کلام موجب ہواور مستثنی صفت کا صیغہ نہ ہوجیسے **جاء نی القوم الا زید** ۔ کلام موجب اس کو کہتے ہیں جس میں نفی یا نہی یا استفہام نہ ہو۔ اور اگر کلام میں ان میں سے کوئی ہوتو اس کو کلام غیر موجب کہتے ہیں ۔**دوسرا مقام**۔ مستثنی پر نصب واجب ہونے کا دوسرا مقام یہ ہے کہ مستثنی منہ پر مستثنی مقدم ہوخواہ کلام موجب ہو جیسے **جاء نی الا زیداً القومُ** ۔خواہ کلام غیر موجب ہوجیسے **ماجاء نی الا زیدا نِ القومُ** ۔اس صورت میں نصب اس لئے واجب ہے کہ اس میں استثناء متعین ہے اور بدل کا احتمال نہیں ۔اس لئے کہ بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوسکتا ۔ **تیسرا مقام** کہ مستثنی منقطع ہوتو اس میں اکثر نحویوں کے مذہب کے مطابق نصب واجب ہے۔ جیسے **جاء نی القوم الا حمارا**ً ۔ اسلئے کہ حماراً کو اگر القوم سے بدل بنائیں تو وہ بدل الغلط ہوگا اور بدل الغلط نسیان اور غلطی سے ہوتا ہے اس

لئے اس کا اعتبار نہیں ۔ جب اس کا اعتبار نہیں تو ایسی صورت میں استثناء متعین ہوگئی لہذ ا نصب واجب ہوگی ۔ اور بعض نحویوں کے نزدیک بے شک یہ بدل الغلط ہے مگر بدل تو ہے اسلئے اس کا اعتبار کرتے ہوئے مبدل منه کے اعراب کے مطابق مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے ۔ جیسے جاء نی القوم الا حمارٌ ۔

چوتھا مقام کہ مستثنی جب خلا اور عدا کے بعد واقع ہو تو اکثر نحویوں کے نظریہ کے مطابق مستثنی منصوب ہوتی ہے ۔ جیسے جاء نی القوم خلا زیدا اور جاء نی القوم عَدا زیداً ۔ اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ خلا اور عدا حروف جارہ میں سے ہیں اس لئے ان کا مدخول مجرور ہوسکتا ہے ۔ اس لئے اس صورت میں نصب اور جر دونوں کا احتمال ہے ۔ جیسے جاء نی القوم خلا زیدا . جاء نی القوم خلا زیدٍ . جاء نی القوم عدا زیداً اور جاء نی القوم عدا زیدٍ اور جمہور کے نزدیک نصب اس لئے متعین ہے کہ خلا اور عدا دونوں فعل ہیں اور جاوز کے معنی میں ہیں اور مستثنی ان کا مفعول واقع ہوتا ہے ۔ اور مفعول منصوب ہی ہوتا ہے ۔

پانچواں مقام جہاں مستثنی پر نصب واجب ہے یہ ہے کہ مستثنی ماخلا ۔ ماعدا ۔ لیس اور لا یکون میں سے کسی ایک کے بعد واقع ہو جیسے جاء نی القوم ماخلا زیدا . جاء نی القوم ما عدا زیدا . جاء نی القوم لیس زیدا اور جاء نی القوم لا یکو ن زیداً . اس صورت میں نصب اس لئے واجب ہے کہ ماخلا اور ماعدا پر ما مصدریہ ہے اور ما مصدریہ صرف فعل پر داخل ہوتی ہے تو اس سے واضح ہوگیا کہ یہاں خلا اور عدا فعل ہیں ۔ اور مستثنی ان کا مفعول بہ واقع ہے ۔

”ویجوز فیه النصب ویختار البدل فی ما بعد الا فی کلام غیر موجب وذکر المستثنی منه مثل ما فعلوه الا قلیل والا قلیلاً“......

اور اس مستثنی میں نصب جائز اور بدل بنانا مختار ہوتا ہے جب کہ مستثنی الا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنی منہ ہو مذکور ہو جیسے ما فعلوه الا قلیل اور مافعلوه الا قلیلا دونوں طرح جائز ہے ۔

''مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری قسم'' .... کہ مستثنیٰ پر نصب جائز اور اس کو بدل بنانا بہتر ہو۔ اور یہ صورت اسوقت ہوتی ہے جبکہ مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو۔ جیسے **مافعلوہ الا قلیلٌ** میں قلیلٌ کو فعلو کی واؤ ضمیر جمع سے بدل بنایا گیا ہے۔ اور جب قلیلاً کو منصوب پڑھیں تو یہ مستثنیٰ ہوگا۔ مگر بدل بنانا بہتر ہے اور بدل سے مراد بدل البعض ہے اسلئے کہ الا کے بعد صرف بدل البعض ہی ہوسکتا ہے۔ اور بدل بنانا اس لئے بہتر ہے کہ بدل بنانے کی صورت میں فعل الاّ کے بغیر عمل کرتا ہے۔ اور مستثنیٰ بنانے کی صورت میں وہ فعل بواسطہ الا کے اس میں عمل کرتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ بلا واسطہ اعراب بہتر ہوتا ہے اس اعراب سے جو بالواسطہ ہو۔ اس لئے بدل بنانا بہتر اور مستثنیٰ بنانے کی وجہ سے نصب جائز ہے۔ ''**ویعرب علی حسب العوامل اذا کان المستثنی منه غیر مذکور وهو فی غیر الموجب لیفید مثل ما ضربنی الا زید الا ان یستقیم المعنی مثل قرأت الا یوم کذا ومن ثَمّ لم یجز ما زال زیدٌ الا عالما .**'' ...... اور عوامل کے مطابق مستثنیٰ کو اعراب دیا جاتا ہے جبکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور یہ کلام غیر موجب میں ہوتا ہے تاکہ وہ کلام یا وہ استثناء فائدہ دے جیسے **ما ضربنی الا زیدٌ** نہیں مارا مجھ کو مگر زید نے۔ مگر یہ کہ درست ہوسکے معنی کلام موجب میں جیسے **قرأت الا یوم کذا** میں نے قرأت کی مگر اتنے دن نہیں کی۔ اور اسی وجہ سے **ما زال زید الا عالماً** کہنا جائز نہیں ہے۔

''مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم'' ...... کہ عامل کے مطابق مستثنیٰ کو اعراب دیا جائے اور اس کیلئے شرط یہ رکھی گئی ہے کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور کلام غیر موجب ہو جیسے **ما ضربنی الا زید**۔ آگے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر کلام موجب کی صورت میں مستثنیٰ مستقیم المعنی ہو یعنی کلام غیر موجب کی قید اس صورت میں ہے جبکہ کلام موجب کی صورت میں مستثنیٰ منہ کو حذف کرنے سے کلام کا معنی درست نہ ہوسکے اور اگر کلام موجب میں مستثنیٰ کے محذوف ہونے کے باوجود معنی

درست رہتا ہے تو اس میں بھی مستثنیٰ کو عامل کے مطابق اعراب دیا جاتا ہے جیسے **قراءت الا یوم کذا** ۔ یہ اصل میں ہے **قراءت فی الایام کلھا الا یوم کذا** ۔ مستثنیٰ منہ کو حذف کرنے کے باوجود معنیٰ درست ہے تو اس میں بھی یوم کو قراءت کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ اس میں **فی الایام کلھا** سے مراد زندگی بھر کے ایام (نہیں بلکہ مخصوص اور متعین ایام مراد ہیں۔ مثلاً استاد نے دس دن متعین کئے کہ ان میں تو قراءت کر تو شاگرد بتاتے ہوئے کہتا ہے **قراءت الا یوم الجمعۃ** ۔) **ومن ثَمّ** ۔ ثَمّ اسم اشارہ ہے اور اس کا مشارالیہ حقیقت میں مکان ہوتا ہے اور مجازاً غیر مکان ہوتا ہے اور یہاں اس کا مشارالیہ مجازاً غیر مکان ہے (اور اس میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ) **ان یستقیم المعنی** میں جو استقامت معنیٰ ہے وہ اس کا مشارالیہ ہے۔ اور ثَمّ پر **مِنْ اجلیہ** ہے اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوگا کہ کلام موجب میں اس استقامت معنیٰ کے شرط ہونے کی وجہ سے **مازال زید الا عالماً** کہنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا معنیٰ بن جاتا ہے کہ زید ہمیشہ سے صفت علم کے علاوہ باقی صفات کیساتھ متصف ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ کئی صفات آپس میں متضاد ہیں مثلاً **قیام . قعود. نوم اور بیداری** وغیرہ اور کئی صفات انسان کو پہلے حاصل نہیں ہوتیں بلکہ اس پر عارض ہوتی ہیں تو ایسی حالت میں **مازال زید الا عالما** کہنا درست نہیں ہے۔ اور ثَمّ کے مشارالیہ میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلے ذکر ہوا **اذا کان المستثنی منہ غیر مذکور وھو فی غیر الموجب** کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اور یہ کلام غیر موجب میں ہوتا ہے اور جہاں مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ یعنی مستثنیٰ مفرغ کلام غیر موجب ہوتی ہے اس عبارت میں یہ مفہوم ہوا کہ مستثنیٰ مفرغ کا ہونا کلام غیر موجب میں ہوتا ہے تو یہ مفہوم ثَمّ کا مشارالیہ ہے اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہوگا کہ مستثنیٰ مفرغ کا کلام غیر موجب میں ہی پائے جانے کی وجہ سے **ما زال زید الا عالما** کہنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ کلام غیر موجب نہیں بلکہ کلام موجب ہے۔ اور یہ کلام موجب اس طرح ہے کہ زال نفی کیلئے ہے اور اس پر ما نافیہ داخل ہے۔ <u>**اور قاعدہ ہے**</u> کہ جب نفی پر نفی داخل ہو تو اثبات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اس لحاظ سے مازال کا معنیٰ ثبت ہوا کہ **ثبت زید الا عالما** ۔ جب یہ کلام موجب ہے۔ اور کلام موجب میں مستثنیٰ منہ کا حذف کرنا درست نہیں تو **ما زال زید الا عالما** کہنا درست نہیں ہے۔۔

"واذا تعذر البدل على اللفظ فعلى الموضع مثل ماجاء نى من احد الا زيد ولا احد فيها الا عمرو" وما زيد شيئا الاشيى لا يعبابه لا ن من لا تزاد بعد الا ثبات وما ولا لاتقدر ان عاملتين بعده لا نهما عملتا للنفى وقد انتقض النفى بالا بخلاف ليس زيد شيئا الا شيئا لانها عملت للفعلية فلا اثر فيها لنقض معنى النفى لبقاء الامر العاملة هى لا جله ومن ثم جاز ليس زيد الا قائما ً وامتنع ما زيد الا قائما ً"

......اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا دشوار ہوتو اس کے محل سے بدل بنائیں گے جیسے **ماجاء نى من احد الا زيد** نہیں آیا میرے پاس کوئی ایک سوائے زید کے۔ **ولا احد فيها الا عمرو**۔ اوراس میں کوئی نہیں سوائے عمرو کے۔ **وما زيد شيئا الا شيئى لايعابه** اورنہیں ہے زید کوئی چیز مگرایسی چیز ہے کہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اس لئے کہ بے شک مِن کا اثبات کے بعد اضافہ نہیں کیا جاتا اور ما اور لا اس کے بعد عامل کی حیثیت سے مقدر نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ دونوں نفی کا عمل کرتے ہیں اور نفی تو الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے **بخلاف ليس زيد شيئا الا شيئا** کے اس لئے کہ اس لیس نے فعل ہونے کی وجہ عمل کیا ہے تو الا کی وجہ سے نفی کا معنی ٹوٹ جانے کا اثر اس میں کوئی نہیں اس لئے کہ عاملہ کا وہ امر باقی ہے جس کی وجہ سے وہ عاملہ ہے۔ یعنی فعلیت باقی ہے اور اسی وجہ سے **ليس زيد الا قائما** کہنا جائز ہے اور **ما زيد الا قائما** کہنا ممتنع ہے۔

''مستثنیٰ کو بدل بنانے میں اشکال اور اس کا جواب'': مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری قسم میں علامہ نے فرمایا تھا کہ اس میں بدل بنانا مختار اور نصب جائز ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بعض صورتوں میں تو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا دشوار ہوتا ہے تو اس صورت میں مختار پر عمل کیسے ہوگا؟ تو اسکے جواب میں علامہ نے فرمایا کہ اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل بنانا دشوار ہو تو اس کے محل سے بدل بنائیں گے تا کہ بقدر الامکان بہتر پر عمل ہو سکے اور اس کی علامہ نے تین مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی مثال **ماجاء نی من احد الا زید** اس میں زید کو مستثنیٰ منہ کے لفظ اَحدٍ سے بدل نہیں بنا سکتے اس لئے کہ جب احد کے لفظ کو مبدل منہ بنائیں گے اور زید کو اس سے بدل بنائیں تو **مبدل منه** مِن داخل ہے اور یہی مِن بدل پر بھی آئے گا۔ تو عبارت ہو جائیگی **ماجاء نی من احد الا من زید**۔ حالانکہ من زائدہ نفی کے بعد آتا ہے اثبات کے بعد نہیں آتا۔ اور یہاں الا کی وجہ سے نفی ٹوٹ کر کلام مثبت ہوگئی ہے اس لئے زید کو احد کے لفظ سے بدل نہیں بنایا جا سکتا۔ جب لفظ سے بدل نہیں بنایا جاسکتا تو اس کے محل بدل سے بنائیں گے اور من احد فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اس لئے زید کو من احد کے محل سے بدل بنانے کی وجہ سے مرفوع پڑھیں گے۔

دوسری مثال:۔ **لا احد فیها الا عمرو** :۔ اس میں بھی عمروٌ کو احد کے لفظ سے بدل نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ اس پر لا داخل ہے جب عمروٌ کو اس سے بدل بنائیں گے تو لا عمرو پر بھی آئے گا اور عبارت یوں ہو جائیگی **لا احد فیها الا لا عمرو**۔ اصل میں تو الا کے بعد کلام مثبت تھی مگر لا کی وجہ سے وہ منفی ہو جاتی ہے جب اصل مقصد باقی نہیں رہتا تو اس کو جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جب احد کے لفظ سے بدل بنانا دشوار ہے تو اس کے محل سے بدل بنائیں گے اور وہ ابتداء میں ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ اس لئے اس کے محل بدل سے بنا کر عمروٌ کو مرفوع پڑھا جائیگا۔

تیسری مثال:۔ **مازید شیئا الا شئی لا یعباء به**۔ چونکہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ میں مغائرت ہوتی ہے اس لئے الا کے بعد شئی کی صفت **لا یعباء به** ذکر کی تا کہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ میں مغائرت ہو جائے ورنہ پہلا شیئ اور دوسرا شیئ ایک ہی چیز ہے۔ اس مثال میں **شیئی لا یعباء به** کو پہلے شئیا کے لفظ سے بدل نہیں بنا سکتے اسلئے کہ وہ نفی کے تحت ہے اور قاعدہ ہے کہ بدل عامل کی قوت تکرار میں ہوتا ہے تو اس لحاظ سے بدل پر نفی آئیگی تو عبارت اس طرح ہو جائیگی **مازید شیئا الا ما**

شئی لا یعبا به ۔نفی کے بعد جوالا آ تا ہےاس کے بعد کلام مثبت ہوتی ہےاور بدل بنانے کی صورت میں کلام منفی ہو جاتی ہے اس لئے شیئاً کے لفظ سے بدل بنانا دشوار ہےاس لئے اس کے محل سے بدل بنائیں گےاوراس کا محل خبریت کی وجہ سے مرفوع ہےاس لئے الا کے بعد شیئٌ کو مرفوع پڑھیں گے۔

" **لان من لا تزاد** "...... یہاں سے علامہ مذکورہ مثالوں میں مبدل منہ کے لفظ سے بدل بنانا دشوار ہونیکی وجہ بیان کرتے ہیں کہ جس مثال میں مِنْ ہے جیسا کہ **ماجاء نی من احد الا زید** تو اس صورت میں اثبات کے بعد مِنْ کا اضافہ لازم آ تا ہے۔ حالانکہ اثبات میں من زائد نہیں کیا جا تا ۔اور دوسری دو مثالوں میں ما اور لا کا بدل پر مقدر ہونا لازم آ تا ہے۔اور یہ اثبات کے بعد عامل کی حیثیت سے مقدر نہیں ہوتے ۔اس لئے کہ یہ نفی کا عمل کرتے ہیں جبکہ الا کے بعد کلام کا اثبات مقصود ہوتا ہے۔اور وہ نفی الا کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

" **بخلاف لیس زید شیئا الا شیئا** "........... یہاں سے علامہ پہلی مثال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ الا کے بعد نفی ٹوٹ جانے کی صورت میں اس کو مبدل منہ کو لفظ سے بدل بنانا اس وقت دشوار ہے جبکہ نفی حرف نفی کے ساتھ ہواور جب نفی فعل یا مشابہ بالفعل کی وجہ سے ہوتو ایسی حالت میں الا کے بعد نفی ٹوٹ جانے کے باوجود بدل کو مبدل منہ کے لفظ سے بدل بنانا درست ہےاس لئے کہ نفی کا معنی ٹوٹنا اس میں اثر نہیں کرتا اس لئے کہ لیس کا عمل نفی کی وجہ سے نہیں بلکہ مشابہ بالفعل ہونے کی وجہ سے فعلیت کی وجہ سے ہے۔اور نفی کا معنی ختم ہو جائے تب بھی اس کا عمل باقی رہتا ہے بخلاف حرف نفی کے کہ جب ان میں نفی کا معنی ختم ہو جائے تو ان کا عمل ہی باقی نہیں رہتا۔اس لئے ما اور لا والی مثالوں اور لیس والی مثال میں فرق ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بخلاف **لیس زید** سے علامہ سوال مقدر کا جواب دے رہے ہوں اس لئے کہ جب کہا کہ الا کے بعد نفی ختم ہو جاتی ہے۔اس لئے مبدل منہ کے لفظ سے بدل نہیں بنایا جا سکتا تو سوال ہوتا ہے کہ پھر **لیس زید شیئا الا شیئا** میں مبدل منہ کے لفظ سے کیوں بدل بنانا درست ہے۔تو اس کا جواب دیا کہ لیس اور ما و لا میں فرق ہے جب اس مثال میں مبدل منہ کے لفظ سے بنانا درست ہےتو اسی لئے الا کے بعد شیئا کو منصوب پڑھا گیا۔

اعتراض:۔ قاعدہ ہے کہ مبدل منہ اور بدل میں مغائرت ہوتی ہے۔اور **لیس زید شیئا الا شیئا** میں دونوں جگہ **شیئا ءً** ہی ہےتو اس سے **بدل عن نفسه** لازم آ تا ہے۔

جواب:۔اس مثال میں بھی مستثنی کی صفت لا یعباء به تھی مگر اختصار کی وجہ سے اسکو حذف کردیا۔ یا یہ جواب ہے کہ متکلم کے ہاں پہلی شیئ اور دوسری شیئ میں حیثیت کا فرق ہے کہ ایک حیثیت سے زید کوئی شیئ نہیں اور دوسری حیثیت سے شیئ ہے جب حیثیت کا فرق ہو گیا تو مغائرت ثابت ہو گئی۔

اعتراض :۔جس طرح ما زید شیئا الا شیئی کی مثال میں الا کے بعد شیئ کو پہلے شیئا کے محل سے بدل بنایا گیا ہے تو لیس زید شیئا الا شیئا میں پہلے شیئا کے محل سے بدل کیوں نہیں بنایا جاتا۔ اور اس کو مرفوع کیوں نہیں پڑھا جاتا ہے۔ **جواب**:۔ لیس افعال ناقصہ میں سے ہے اس لئے اس نے زید شیئا کے درمیان مبتدا اور خبر کے عمل کو منسوخ کردیا ہے۔ اس لئے کہ نحویوں کے نزدیک جب افعال ناقصہ یا مقاربہ یا افعال قلوب میں سے کوئی فعل مبتدا پر داخل ہو یا حروف مشبہ بالفعل یا ما ولا مشابہ بلیس اور لانفی جنس میں سے کوئی حرف مبتدا پر داخل ہو تو یہ مبتدا اور خبر کے عامل معنوی کو منسوخ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے ان کو نواسخ کہا جاتا ہے۔ اس مثال میں مبتدا پر جب لیس داخل ہے تو اس نے مبتدا والے عمل کو ختم کردیا۔ اور پہلا شیئا محل خبر میں رہا ہی نہیں اس لئے اس کے محل سے بدل نہیں بنایا جاسکتا۔

اعتراض :۔لیس میں معنی نفی اور فعلیت دونوں پائے جاتے ہیں اور دونوں اس سے جدا نہیں ہوتے تو پھر فعلیت کو باقی رکھ کر معنی نفی کی نفی کیسے کی جاسکتی ہے۔ **جواب**:۔ یہ ترکیب ماؤل ہے اور اس کو ما کان زید شیئا الا شیئا کی تاویل میں لیا جاتا ہے۔ جب یہ ما کان کی تاویل میں ہے تو اس کی فعلیت باقی اور نفی ختم ہو سکتی ہے۔

" لبقاء الا مر العاملة هی لا جله "...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ لیس کے بعد جو الا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کے مابعد میں نفی ٹوٹ جانے کے باوجود لیس کے عمل میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ عاملہ جس وجہ سے عاملہ ہے یعنی فعلیت جب وہ باقی ہے تو اس عاملہ کا حکم باقی ہے۔

" ومن ثم جا ز لیس زید ا الا قائما وامتنع ما زیدٌ الا قائما . ... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ جب لیس اور ما کے عمل میں فرق ہے اور نفی ختم ہو جانے کے باوجود لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے باقی رہتا ہے تو لیس زید الا قائما کہنا درست ہے۔ اور ما اور لا سے نفی ختم ہو جانے کے بعد ان کا عمل باقی نہیں رہتا اس لئے ما

زید الا قائماً کہنا درست نہیں ہے۔

"ومخفوض بعد غیر وسوی وسواء وبعد حاشا فی الا کثر" ...... اور مستثنی غیراور سوی اور سواء کے بعد مجرور ہوتا ہے۔اور حاشا کے بعد اکثر کے نزدیک مجرور ہوتا ہے۔

"مستثنی کے اعراب کی چوتھی قسم" ...... کہ مستثنی مجرور ہو اور یہ وہ مستثنی ہوتی ہے جو غیر اور سوی اور سواء کے بعد ہو اور اکثر کے نزدیک جب حاشا کے بعد ہو تو وہ بھی مجرور ہوتی ہے۔جیسے جاء نی القوم غیر زید . جاء نی القوم سوی زید. جاء نی القوم سواء زیدٍ . اور جاء نی القوم حاشا زیدٍ

۔علامہ نے حاشا کے ساتھ فی الاکثر اس لئے کہا کہ یہ اکثر نحویوں کا نظریہ ہے جبکہ امام مبرد کے نزدیک یہ حاشا کبھی جانبَ کے معنی میں فعل بھی آتا ہے جیسے ایک منقول دعاء میں ہے " اللھم اغفر لی ولمن سمع دعائی حاشا الشیطن " اے اللہ مجھے بھی بخش دے اور جو میری دعاء کو سنے اس کو بھی بخش دے دور رکھے اللہ شیطان کو۔یعنی شیطان کو میری دعاء شامل نہ ہو۔اور کبھی حاشا تنزیہہ اور براءت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے ضرب القوم عمر و أحا شا زیدا ۔ قوم نے عمرو کو ظالمانہ انداز سے مارا۔اللہ تعالی عمرو کو مارنے سے زید کو بچائے کبھی حاشا کے آخر سے الف حذف کردیا جاتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے حاَ ش لِلہ یہ حاش تنزیہ کے معنی میں اسم ہے یعنی ہر عیب سے منزہ ہونا اللہ ہی کے لئے ہے۔

" واعراب غیر کاعراب مستثنی بالا علی التفصیل وغیر صفة حملت علی الا فی الاستثناء کما حملت الا علیها فی الصفة اذا کانت تابعة لجمع منکور غیر محصور لتعذرا لاستثناء مثل لو کان فیهما الهةٌ الا الله لفسدتا وضعف فی غیر ہ . " ...... اور غیر کا اعراب الا کے بعد مستثنی کے اعراب کی طرح ہے اور غیر صفة کا صیغہ ہے جس کو استثناء میں الا پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ الا کو صفت میں اس خبر پر

محمول کیا جاتا ہے جبکہ تابع ہو ایسی جمع کا جونکرہ غیر محصورہ ہو۔ ایسی حالت میں الا کو صفت کیلئے اس لئے لیا جاتا ہے کہ استثناء دشوار ہوتی ہے جیسے **لو کان فیھما الھة الا اللہ** میں الا غیر کے معنی میں ہے۔ اوراس کے علاوہ میں الا کو غیر پر محمول کرنا ضعیف ہے۔

''غیر کا اعراب'' ...... پہلے یہ بیان ہوا کہ غیر کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتی ہے۔ اب یہاں علامہ بتاتے ہیں کہ غیر کا اعراب کیسا ہوگا تو فرمایا کہ جو الا کے بعد مستثنیٰ کے اعراب کی تفصیل ہے اسی کے مطابق غیر کا اعراب ہوگا یعنی جن حالتوں میں الا کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتی ہے ان حالتوں میں غیر منصوب ہوگا اور جن حالتوں میں الا کے بعد مستثنیٰ مرفوع ہوتی ہے۔ ان حالتوں میں غیر مرفوع ہوگا۔ غیر اصل میں تو صفت کے لئے ہے مگر اس کو الا کے معنی میں لیکر استثناء کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور الا اصل میں استثناء کے لئے ہے مگر اس کو غیر کے معنی میں لیکر صفت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور الا کو غیر کے معنی میں لینے کے لیئے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ صفت جمع منکر کی تابع ہو اور دوسری شرط یہ ہے وہ جمع منکر غیر محصور ہو اور غیر محصور سے مراد یہ ہے کہ اس جمع پر لفظ کل نہ ہو یا وہ جمع نکرہ تحت النفی نہ ہو یعنی اس جمع پر کسی قسم کا کلمہ حصر نہ ہو۔ اور ایسی صورت میں الا کو غیر کے معنی میں اس لئے لیا جاتا ہے کہ استثناء متعذر ہوتی ہے۔ جیسے **لو کان فیھما الھۃ الا اللہ** میں اگر الا کو استثنائیہ بنائیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں ایک خرابی یہ ہے کہ الھۃ جمع منکر ہے اور تحت الاثبات ہے اور نکرہ تحت الاثبات عموم کا فائدہ نہیں دیتا جبکہ مستثنیٰ منہ میں عموم کا ہونا ضروری ہے اور دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ استثناء کی صورت میں یہاں معنی ہی خراب ہو جاتا ہے اس لئے کہ معنی یہ بن جاتا ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ کی استثناء کر کے اور معبود ہوتے تو نظام درہم برہم ہو جاتا ہے تو اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی استثناء کئے بغیر اور معبود ہیں اس لئے نظام درہم برہم نہیں۔ اور یہ معنی بالکل غلط اور توحید کے منافی ہے۔ جب یہاں الا کو استثنائیہ نہیں بنایا جا سکتا تو پھر اس کو غیر کے معنی میں لیکر صفت کے لئے بنائیں گے اور معنی ہوگا **لو کان فیھما الھة غیر اللہ لفسدتا** ۔ اگر اللہ کے سوا زمین و آسماں میں اور معبود ہوتے تو نظام درہم برہم ہو جاتا۔ تو اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اللہ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی اور معبود ہے ہی نہیں اس لئے نظام قائم ہے۔ اس میں الھۃ موصوف اور غیر اللہ اس کی صفت ہے۔ جب الا کو غیر کے معنی میں لیا تو اس نے غیر والا عمل کیا غیر مرفوع مضاف اور لفظ اللہ مضاف الیہ ہے (جب غیر کی جگہ الا آیا اور یہ صورۃً حرف ہے اس پر رفع نہیں آسکتا تو اس کا رفع مابعد لفظ اللہ

کے دے دیا گیا اس لئے الا اللہ ہو گیا۔)

اعتراض: جب غیر الّا کے معنی میں ہے تو وہ الا کی طرح مبنی کیوں نہیں؟

جواب: غیر ہمیشہ اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ اضافت اس کے مبنی ہونے سے مانع ہے۔

اعتراض: الا کو غیر کے معنی میں لینے کے لئے یہ شرط بیان کی گئی ہے کہ جمع منکر غیر محصور ہو حالانکہ جمع منکر غیر محصور نہ ہو تو تب بھی الا کو غیر کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ جیسے **جاء نی مائة رجل الا زید**" اس میں مائۃ رجال جمع منکر محصور ہے اس کے باوجود الا کو غیر کے معنی میں لیا گیا ہے۔ اسی طرح لا الہ الا اللہ میں الہ جمع نہیں ہے اس کے باوجود الا کو غیر کے معنی میں لیا گیا ہے۔

جواب: جمع منکر غیر محصور ہونے کی شرط حتمی اور لازمی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب یہ شرائط پائی جاتی ہیں تو الا کو غیر کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف چونکہ قلیل ہے اسلئے مصنف نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور غالبا کی قید نہیں لگائی ورنہ عبارت **اذا کا نت تابعة لجمع منکور غیر محصور** غالبا ہونی چاہیئے تھی۔

"**وضعف فی غیر ہ**": ۔ جب یہ شرط نہ پائی جائے یعنی صفت جمع منکر غیر محصور کی تابع نہ ہو تو اس صورت میں الا کو غیر کے معنی لینا ضعیف ہے۔ "**واعرا ب سوی وسواء النصب علی الظرف علی الا صح**" اور سوی اور سواء کا اعراب ظرف ہونے کی وجہ سے نصب ہوتا ہے زیادہ صحیح نظریہ کے مطابق۔

"**سوی اور سواء کا اعراب**"۔ سوی اور سواء کبھی استثناء کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور کبھی استثناء کے علاوہ بھی استعمال ہوتے ہیں اگر سواء استثناء کے لئے استعمال نہ ہو تو ان کے اعراب میں تین احتمالات ہیں۔

پہلا احتمال یہ ہے کہ ماقبل کی خبر ہوتے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مابعد کی خبر ہوتے ہیں یعنی خبر مقدم ہوتے ہیں۔

اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مبتدا ہوتے ہیں اور ان کا مابعد ان کی خبر ہوتا ہے جیسے **ان الذین کفروا سواء علیهم ءا نذرتهم** میں سواء انّ کی خبر بھی بن سکتی ہے۔ اور **سواء علیهم** خبر مقدم ہے اور اس کی مبتداء نذرتھم مؤخر ہے۔ اور سواء مبتدا اور علیھم اس کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ اور سوی اگر استثناء کے لئے واقع نہ ہو تو یہ ماقبل کی صفت واقع ہوتا ہے جیسے **مکانا**

سُوًی ۔اور اگر سواء اور سوی استثناء کے لئے ہوں تو علامہ نے ان کا اعراب یہ بیان کیا ہے کہ اصح قول کے مطابق یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں۔علی الاصح اس لئے کہا کہ اس بارہ میں تین مذاهب ہیں۔

پہلا مذہب امام سیبویہ کا ہے کہ ان کے ساتھ ظرفیت اور نصب لازم ہے اس لئے ان کو نصب اور ظرفیت سے نکالا نہیں جا سکتا۔دوسرا مذہب کوفیوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کو ظرفیت اور نصب نکالنا جائز ہے۔اور یہ غیر کی طرح ہوتے ہیں اور وہ حماسہ کے اس شعر کو دلیل بناتے ہیں ''ولم یبق سوی العدوان دنا هم کما دانو ا '' اور دشمنی کے سوا کوئی صورت باقی نہ رہی تو ہم نے انکو بدلہ دیا جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔اس میں سوی فاعل ہے لم یبق کا اور یہ ظرفیت اور نصب سے نکل گیا ہے۔مگر امام سیبویہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ شاذ ہے۔

اور تیسرا مذہب امام اخفش کا ہے۔جو یہ کہتے ہیں کہ ان کو ظرفیت سے تو نکالا جا سکتا ہے مگر نصب سے نکالنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن حاجب نے امام سیبویہ کے نظریہ کو ترجیح دیتے ہوئے اس کو اصح قرار دیا ہے۔

" خبر کان واخواتها هو المسند بعد دخولها مثل کا ن زید قائما وامره کامر خبر المبتداء ویتقدم معرفة وقد یحذف عامله فی نحو النا س مُجزیوّن باعمالهم ان خیر اً فخیر وان شرّا ً فشرٌّ ویجوز فی مثلها اربعة او جه ویجب الحذف فی مثل اما انت منطلقا انطلقت ای لا ن کنت منطلقا . " منصوبات میں کان اور اس کے اخوات کا اسم بھی ہے جو اس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتا ہے جیسے کان زید قائماً ۔اور اس کا حکم مبتداء کی خبر کی طرح ہے اگر اس کی خبر معرفہ ہو تو وہ اسم پر مقدم ہو سکتی ہے اور کبھی اس کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے الناس مجزیون باعمالهم ان خیر اً فخیر وان شر اًفشرًا ۔لوگ اپنے اعمال کے مطابق بدلہ دیئے جاتے ہیں اگر وہ عمل بہتر ہو تو بہتر اور اگر برا ہو تو برا بدلہ ہوتا ہے اور اس

جیسی مثالوں میں چار وجہیں جائز ہیں اور اماا نت منطلقا انطلقت جیسی مثال میں عامل کا حذف کرنا واجب ہے یعنی یہ اصل میں تھا " لان کنت منطلقا "

﴿منصوبات کی نویں قسم کان واخواتھا کی خبر ہے۔﴾

...... کان کے اخوات سے مراد دیگر افعال ناقصہ ہیں۔کان واخواتھا کی خبر وہ اسم ہوتا ہے جو کان واخواتھا کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتا ہے جیسے کان زیدٌ قائماً میں قائماً کان کی خبر ہے۔

"وامره کامر خبر المبتداء " ...... علامہ فرماتے ہیں کہ کان کی خبر کے وہی احکام ہیں جو مبتداء کی خبر کے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ مبتدا کی خبر معرفہ ہو تو اس کو مبتدا پر مقدم کرنا درست نہیں ہوتا جبکہ کان واخواتھا کی خبر جب معرفہ ہو تو اس کو اسم پر مقدم کیا جا سکتا ہے۔اس لئے کہ مبتدا کی خبر کو مقدم کرنے سے التباس لازم آتا ہے اور کان کی خبر کو اسم پر مقدم کرنے سے کوئی التباس لازم نہیں آتا۔

" وقد یحذف عامله " ...... علامہ فرماتے ہیں کہ الناس مُجزیون باعمالهم ان خیرا فخیر وان شرا فشرٌ جیسی مثالوں میں اس خبر کے عامل کو حزف کیا جا سکتا ہے اس مثال سے علامہ ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ جب ان حرف شرط کے بعد اسم ہو اور اس اسم کے بعد فا جزائیہ ہو اور فاء جزائیہ کے بعد اور اسم ہو تو وہاں کان کو حذف کرنا جائز ہے اس مثال میں اصل تھا ان کا ن خیرا فخیرٌ وان کا ن شراً فشرٌ ۔یہ قاعدہ صرف کان کے لئے ہے اس کے اخوات کے لئے نہیں ہے اسلئے کہ کان کثیر الاستعمال ہے اس لئے جب اس کے حذف کا قرینہ موجود ہو تو وہاں کان کو حذف کیا جا سکتا ہے جبکہ باقی افعال ناقصہ کو حذف کرنا جائز نہیں ۔

" ویجو ز فی مثلها اربعة او جه "...... کہ ان خیر افخیر جیسی مثالوں میں چار صورتیں جائز ہے۔پہلی صورت یہ ہے کہ پہلے اسم کی نصب اور دوسرے اسم کا رفع ہو جیسے ان خیرا فخیرٌ یہ اصل میں تھا ان کا ن عملهم خیرا فجزا ئهم خیرٌ (پہلی جگہ یہ کان کی خبر ہے اور دوسری جگہ مبتدا کی خبر ہے۔)

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں اسموں پر نصب ہو جیسے ان خیرا فخیراً یہ اصل میں تھا ان کان عملھم خیرا فیکون جزائھم خیرا ۔ پہلی جگہ یہ خیرا کان کی خبر اور دوسری جگہ یکون کی خبر ہے اسلئے دونوں جگہ منصوب ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں اسموں پر رفع ہو جیسے ان خیرٌ فخیرٌ. یہ اصل میں تھا ان کان فی عملھم خیرا فجزائھم خیر ۔ پہلی جگہ کان اپنی خبر سمیت محذوف ہے اور خیر اس کا اسم ہے۔ اور دوسری جگہ خیرٌ مبتدا کی خبر ہے۔ اور

چوتھی صورت یہ ہے کہ پہلے اسم پر رفع اور دوسرے اسم پر نصب ہو جیسے ان خیرٌ فخیرا ً یہ اصل میں تھا ان کان فی عملھم خیرٌ فیکون جزائھم خیرا ً ۔ پہلی جگہ میں خیرٌ کان کا اسم ہے اور کان اپنی خبر سمیت محذوف ہے اور دوسری جگہ خیرا یکون کی خبر ہے۔ ان صورتوں میں جس صورت میں عبارت کا حذف کم ہے۔ وہ صورت بہتر ہے اور وہ پہلی صورت ہے جس میں پہلے اسم کی نصب اور دوسرے اسم کا رفع ہے جیسے ان خیرا ً فخیر ۔ اسی لئے علامہ نے مثال میں اسی کو ذکر کیا ہے۔

" ویجب الحذف "...... علامہ فرماتے ہیں کہ اما انت منطلقاً انطلقت جیسی مثالوں میں کان کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور یہاں بھی علامہ ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ جب کان کے عوض کوئی اور چیز لائی جائے تو وہاں کان کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسی جگہ میں کان کو حذف نہ کیا جائے تو عوض اور معوض عنہ کا ایک جگہ جمع ہونا لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ "اَمّا انت منطلقا انطلقت یہ اصل میں تھا لان کنت منطلقا انطلقت ۔ لام جارہ کو حذف کیا (اس لئے کہ مصدر سے پہلے لام جارہ کو حذف کیا جاتا ہے) پھر اختصار کیلئے کان کو حذف کیا اور اس کے ساتھ ضمیر متصل کو منفصل میں بدل کر انت کر دیا۔ اور کان کے عوض اَمّا لائے۔ تو اما انت منطلقا انطلقت ہو گیا۔ اور اس کا معنی ہوگا بہر حال جب عوض اَمّا لائے تو امانت منطلق انطلقت ہو گیا۔ اور اس کا معنی ہوگا بہر حال جب تو چلا تو میں چلا۔

اسم اِنَّ و اخواتھا ھو المسند الیہ بعد دخولھا مثل ان زیداً قائمٌ ۔

منصوبات میں سے ان واخواتھا کا اسم بھی ہے اور وہ ان کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ ۔

﴿منصوبات کی دسویں قسم اِنَّ واخواتھا کا اسم ہے﴾ ...... ان کے اخوات سے مراد دوسرے حروف مشبہ بالفعل ہیں۔ جو اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں اور ان واخواتھا کا اسم ان کے داخل ہونے کے بعد مسندالیہ ہوتا ہے جیسے ان زیداً قائمٌ میں زید ا ان کا اسم ہے اور مسندالیہ ہے۔

" المنصوب بلا التی لنفی الجنس هو المسند الیه بعد دخولها یلیها نکرة مضافا او مشبها به مثل لا غلام رجل ظریف فیها ولا عشرین درهما لک فان کان مفرداً فهو مبنی علی ماینصب به وان کان معرفة او مفعولا بینه وبین لا وجب الرفع والتکریر ومثل قضیة ولا ابا حسن لها متاوّل وفی مثل لا حول ولا قوة الا بالله خمسة اوجه فتحهما وفتح الاول ونصب الثانی ورفعه رفعهما ورفع الاول علی ضعف وفتح الثانی ." منصوبات میں سے وہ منصوب بھی ہے جو لائے نفی جنس کی وجہ سے ہو اور وہ وہ اسم ہوتا ہے جو اس لا کے داخل ہونے مسندالیہ ہوتا ہے اور اس کے قریب نکرہ مضاف یا مشابہ بالمضاف ہوتا ہے جیسے لا غلام رجل ظریف فیها اور عشرین درهما لک پس اگر وہ اسم مفرد ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے اور اگر معرفہ ہو یا اس اسم اور لاء کے درمیان فاصلہ ہو تو اس اسم پر رفع بھی واجب اور اس کو تکرار سے لانا بھی واجب ہے اور قضیة ولا ابا حسن لها جیسی مثال متاول ہے اور لا حول ولا قوة الا بالله جیسی صورت میں پانچ صورتیں جائز ہیں۔ دونوں کا فتحہ۔ پہلے کا فتحہ اور دوسرے کی نصب پہلے کا فتحہ اور دوسرے کا رفع۔ دونوں کا رفع۔ اور پہلے کا رفع ضعیف نظریہ کے مطابق اور دوسرے کا فتحہ۔

﴿منصوبات کی گیارھویں قسم لانفی جنس کا اسم ہے﴾...... اور لانفی جنس کا اسم وہ ہوتا ہے جو اس لا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے اور وہ اسم اس لا کے بعد متصل ہوتا ہے اور نکرہ مضاف ہوتا ہے جیسے **لا غلام رجل ظریف فیھا** یا نکرہ مشابہ بالمضاف ہوتا ہے جیسے **لا عشرین درھما لک**۔

اعتراض:۔علامہ نے المنصوب بلا التی کیوں کہا ہے اسم لاءنفی جنس کیوں نہیں کہا۔

جواب: لاءنفی جنس کا اعراب صرف نصب کے ساتھ ہی نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر نصب اکثر ہے اس لئے لانفی جنس کے اسم کو مطلقاً منصوبات میں شمار کرنا درست نہیں اس لئے علامہ نے اس کو **المنصوب بلا التی لنفی الجنس** کے ساتھ تعبیر کیا ہے بخلاف دیگر منصوبات کے کہ وہ ہمیشہ یا اکثر حالات میں منصوب ہوتے ہیں۔

"فان کان مفردا"...... علامہ نے پہلے بتایا کہ لانفی جنس کا اسم مضاف یا مشابہ بالمضاف ہوتا ہے۔اب یہاں بتاتے ہیں کہ اگر لانفی جنس کا اسم مضاف یا مشابہ بالمضاف نہ ہو بلکہ مفرد ہو تو یہ علامت نصب پر مبنی ہوگا۔مبنی اس لیئے ہوگا کہ یہ حرف مِن کو متضمن ہے اس لئے کہ یہ کلام جواب میں ہے کسی نے کہا" **ھل من رجل فی الدار**" کیا کوئی آدمی گھر میں ہے تو جواب میں کہا **لا رجل فی الدار** ۔جب سوال میں مِن تھا تو جواب میں بھی مِنْ چاہیے تھا مگر تخفیف کی وجہ سے جواب میں اس کو حذف کر دیا۔مگر معنی میں مِنْ کا معنی شامل ہے۔جب لاء کا اسم حرف کے معنی کو متضمن ہے تو اس کو مبنی کر دیا۔ اور نصب اس لیئے دی گئی تا کہ اسکی حرکت مرکب بنائی کی حرکت کے ساتھ موافق ہو جائے۔

۞...... **اعتراض**:۔ جب لائے نفی جنس کا اسم مضاف یا مشابہ بالمضاف ہو تو اس وقت بھی وہ حرف کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اس وقت اس کو مبنی کیوں نہیں قرار دیا جاتا۔

۞...... **جواب**:۔مضاف یا مشابہ بالمضاف ہونا اسم کا بہت بڑا خاصہ ہے اس لئے حرف کے معنی کو متضمن ہونے کے باوجود اسم کے اس خاصہ کی وجہ سے اس کو اسم ہی رہنے دیا گیا اور اسماء میں اصل اعراب ہے اسلئے ان کو معرب ہی رہنا دیا گیا ہے۔ ۞...... **اعتراض**:۔علامہ نے **فھو مبنی علی ماینصب به** کہا ہے اور ماینصب بہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معرب ہوتا ہے تو مبنی اور معرب کا ایک ہی جگہ اکھٹے ماننا تو تناقض ہے۔

۞…… **جواب**:۔ اس میں دو مختلف حالتوں کا اعتبار ہے فھو مبنی حال کے اعتبار سے ہے یعنی اس وقت یہ مبنی ہے اور **علی ماینصب به ما کَانَ** کے اعتبار سے ہے کہ یہ پہلے منصوب تھا اس لئے کوئی تناقض نہیں ہے۔

"وان کان معرفة" …… اگر لانفی جنس کا اسم نکرہ نہ ہو بلکہ معرفہ ہو یا نکرہ ہی ہو مگر اس کے اور لا کے درمیان فاصلہ ہو تو ایسی حالت میں لانفی جنس کے اسم پر رفع پڑھنا اور دوسرے اسم کے ساتھ لا تکرار دونوں باتیں واجب ہیں۔ جیسے **لا زید فی الدار ولا عمر وٌ** یہ مثال ہے جبکہ لا کا اسم معرفہ ہو اور جب لا اور اس کے اسم کے درمیان فاصلہ ہو تو اس کی مثال یہ ہے جیسے **لا فی الدار رَجُلٌ ولا امراۃ** ۔لا کا اسم جب معرفہ ہو تو اس پر رفع اس لئے واجب ہے کہ لا ملغی یعنی بے عمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ لا جنس کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اور جنس میں تعدد ہوتا ہے جبکہ معرفہ میں تعدد نہیں ہوتا جب لا کے بعد معرفہ ہوگا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لانفی جنس کے لئے نہیں ہے بلکہ ملغی عن العمل ہے جب یہ لا بے عمل ہے تو اس کے بعد اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اسی طرح لانفی جنس کے عمل کی شرط یہ ہے کہ وہ اسم کے ساتھ متصل ہو۔ جب وہ اسم کے ساتھ متصل نہیں بلکہ لا اور اسم کے درمیان فاصلہ ہو گیا تو اس صورت میں بھی لا ملغی یعنی بے عمل ہو گیا۔ اور اس کے بعد اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے۔

﴿**اعتراض**﴾:۔ جب لانفی جنس کا اسم معرفہ ہو یا لا اور اسم کے درمیان فاصلہ ہو تو لا کا تکرار کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے۔

﴿**جواب**﴾…… ایسی صورت میں لا کا دوسرے اسم کے ساتھ تکرار اس لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ یہ سوال کے جواب میں ہوتا ہے اور سوال میں تکرار ہوتا ہے اس لئے جواب میں بھی تکرار ضروری ہے جیسے کسی شخص نے سوال کیا ''**افی الدار رجل ام امراء ۃ**'' تو جواب میں کہا **لا فی الدار رجل ولا امراء ۃ** ۔ اور جب لا کا اسم معرفہ ہو تو اس صورت میں تکرار اس لئے ضروری ہے کہ لا میں تعدد ہوتا ہے جبکہ معرفہ میں تعدد نہیں ہوتا تو تکرار سے ذکر کر کے لا اور معرفہ دونوں کا تقاضہ پورا کیا جاتا ہے۔

"ومثل قضیه ولا اباحسن لها متاول" اس میں ومثل پر واوَ استنافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ جب لاء کا اسم معرفہ ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے حالانکہ **قضیه ولا ابا حسن لها**

میں لا کا اسم ابا حسن ہے جو معرفہ ہے اس لئے کہ یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے اور یہ معرفہ ہونے کے باوجود مرفوع نہیں ہے۔ تو علامہ نے اس سوال کا جواب دیا کہ یہ متاول ہے پھر اس میں تاویل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ کہا جائے کہ ابا حسن یہ لا کا اسم نہیں ہے بلکہ لا کا اسم محذوف ہے اور یہ اصل میں ہے **و لا مثل ابی حسن لھا**۔ مثل مضاف ہے ابی حسن کی طرف اور مثل ان اسماء میں سے ہے جو متوغل فی الابھام ہوتے ہیں اور اضافت کے باوجود نکرہ ہی رہتے ہیں معرفہ نہیں بنتے۔ پھر مضاف کو حذف کر کے ابا حسن کو اس کی جگہ رکھ کر اس کو رفع دیا گیا تو ابا حسن ہو گیا۔ جب لا کا اسم معرفہ ہے ہی نہیں تو اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ اور تاویل کی دوسری صورت یہ ہے کہ ابا حسن لاء کا اسم ہی ہے مگر یہ معرفہ نہیں بلکہ نکرہ ہے اس لئے کہ ابا حسن کنیت سے ذات مراد نہیں بلکہ وصف مشہور مراد ہے۔ اور جب وصف مشہور مراد ہو تو علیت اور تعریف باطل ہو جاتی ہے اور اس کی تائید حسن پر تنوین کرتی ہے اس لئے کہ حسن عموماً الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جب یہاں تنوین کے ساتھ ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ نکرہ ہے۔ اور جب یہاں ابا حسن معرفہ نہیں بلکہ نکرہ ہے تو **مبنی علی النصب** ہے اس لئے کہ لانفی جنس کا اسم جب نکرہ مفردہ ہو تو وہ مبنی علی النصب ہوتا ہے۔

"و فی مثل لا حول ولا قوۃ الا باللہ"...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ **لا حول ولا قوۃ** جیسی مثال میں پانچ صورتیں جائز ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے دونوں لا کے بعد اسموں پر فتحہ ہو جیسے **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** ...... اس لئے یہاں دونوں لانفی جنس کے ہیں اور ان کے بعد متصل نکرہ مفردہ ہے اس لئے یہ مبنی علی النصب ہوں گے اس صورت میں لا کی خبر موجود محذوف ہوگی (اور اصل عبارت ہوگی **لا حول ولا قوۃ موجود ان الا باللہ** ...... جبکہ اس کو ایک جملہ قرار دیں اور اگر اس کو دو جملے قرار دیا جائے تو اصل عبارت ہوگی " **لا حول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ** اور دونوں کی خبریں محذوف ہونگی۔ جیسے **لا حول موجود الا باللہ ولا قوۃ موجود الا باللہ**)

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے لا کے بعد اسم پر فتحہ اور دوسرے لا کے بعد اسم پر نصب ہو جیسے" **لاَ حَولَ وَلاَ قوۃً الا باللہ** "اس صورت میں لانفی جنس کا ہے اور اس کے بعد اس کا اسم نکرہ مفرد ہے اس لئے وہ مبنی بر فتحہ ہے۔ اور دوسرا لا زائدہ ہے

اور صرف نفی کی تاکید کے لئے ہے اور اس کا عطف پہلے لا کے اسم کے لفظوں پر کریں گے اور اس اسم کے لفظوں پر نصب ہے اس لئے دوسرے اسم کو منصوب پڑھیں گے۔

﴿ **اعتراض:۔** ﴾...... جب دوسرے لا کا اسم سمیت پہلے لا پر عطف ہے تو جیسے پہلے لا کا اسم مبنی بر فتحہ ہے تو اسی طرح دوسرے لا کا اسم بھی مبنی بر فتحہ ہونا چاہیے۔

جواب :۔ پہلے لا کا اسم اگرچہ مبنی بر فتحہ ہے مگر اس کی حرکت حرکت اعرابیہ کے مشابہ ہے اس لئے پہلے اسم کے لفظوں پر حمل کیا اور فتحہ کی بجائے دوسرے اسم پر نصب پڑھی جائے اس لئے کہ اصل اسماء میں اعراب ہے۔

﴿ تیسری صورت ﴾...... یہ ہے کہ پہلے اسم پر فتحہ اور دوسرے اسم پر رفعہ پڑھیں جیسے **لاحول ولا قوۃٌ الا باللہ** ۔ اس صورت میں پہلا نفی جنس کا ہے اور اس کے بعد اس کا اسم نکرہ مفردہ ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتحہ ہے۔ اور دوسرا لا محض تاکید کے لئے ہے اور ملغی عن العمل ہے اور دوسرے اسم کا عطف پہلے اسم کے محل پر کریں گے اور اس کا محل محل رفع ہے ابتداء کی وجہ سے اس لئے دوسرے اسم کو مرفوع پڑھیں گے۔

﴿ چوتھی صورت ﴾...... کہ پہلے لا کے بعد اسم اور دوسرے لا کے بعد اسم دونوں کو رفع دیا جائے جیسے **لا حولٌ ولا قوۃٌ الا باللہ** ۔ اس صورت میں دونوں ملغی عن العمل ہیں اور ان کے بعد اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں گے۔ اور یہ کلام سوال کے جواب میں ہے اس لئے کہ کسی نے سوال کیا " **ابغیر اللہ حولٌ و قوۃٌ** " کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طاقت اور قوت ہے تو جواب میں کہا **لاحولٌ ولا قوۃٌ الا باللہ** ۔ سوال میں بغیر اللہ کے بعد دونوں اسم مرفوع تھے تو جواب میں بھی مرفوع رکھے تاکہ سوال اور جواب میں مطابقت ہو جائے۔

﴿ پانچویں صورت ﴾...... یہ ہے کہ پہلے اسم پر رفع اور دوسرے اسم پر فتحہ پڑھیں جیسے **لا حولٌ ولا قوۃَ الا باللہ** ۔ اس صورت میں پہلا لا مشابہ بلیس ہے جو مبتدا پر داخل ہوتا ہے اس لئے پہلا اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور دوسرا لا نفی جنس کا ہے۔ اور اس کے بعد نکرہ مفردہ ہے جو کہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ اصل عبارت ہوگی " **لا حولٌ موجودٌ ولا قوۃَ موجودٌ الا باللہ** " ۔ اس پانچویں صورت میں پہلے اسم پر رفع ضعیف ہے اس لئے کہ اس پر لا مشابہ بلیس ہے اور لا مشابہ بلیس قلیل ہے اس لئے اس کا لحاظ رکھ کر اسم کو رفع دینے کو ضعیف کہا ہے۔

" وا ذا دخلت الهمزة لم يتغير العمل ومعنا ها الا ستفهام والعرض والتمنی " اور جب لانفی جنس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو لا کے عمل میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اور اس کا معنی استفہام اور عرض اور تمنی کا ہوتا ہے۔" علامہ فرماتے ہیں کہ اگر لانفی جنس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو لا کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑتا اگر لا کا اسم مبنی ہے تو وہ مبنی ہی رہے گا اور اگر معرب ہے تو معرب رہے گا البتہ یہ فرق ہوتا ہے کہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد اس کا معنی استفہام کا ہوگا جیسے الا رجلٌ فی الدار یا عرض کا معنی ہوگا جیسے الا ماء اشر به کیا پانی نہیں کہ میں اس کو پیوں۔

" علامہ کا امام سیبویہ سے اختلاف "...... امام سیبویہ کا نظریہ یہ ہے کہ جب لا ایسے اسم پر داخل ہو جس میں عرض کا معنی پایا جاتا ہے تو ہمزہ کے داخل ہونے کے بغیر اس کا حکم اور ہوتا ہے اور ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد اس کا حکم اور ہوتا ہے اور اس صورت میں لاملغی عن العمل ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اسم عرض کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ مگر علامہ کے نزدیک عرض کی صورت میں بھی لا پر ہمزہ کے داخل ہونے یا نہ ہونے سے حکم میں کوئی تغیر نہیں آتا۔

" ونعت المبنی الاول مفرد ا یلیه مبنیٌ ومعربٌ رفعا ونصباً مثل لا رجل ظریف وظریفٌ وظریفا والا فالاعراب والعطف علی اللفظ وعلی المحل جائز فی مثل لا اب وابناً وابنٌ ومثل لا اباً له ولا غلامی له جائز تشبیهاله بالمضاف لمشارکته له فی اصل معناه ومن ثم لم یجز لا اباً فیها ولیس بمضاف لفساد المعنی خلافا لسیبویه ویحذف کثیرا فی مثل لا علیک ای لا باءس علیک . " اور مبنی کی پہلی صفت جو اس مبنی کے قریب ہو وہ مبنی اور معرب ہو سکتی ہے رفعاً بھی اور نصباً بھی جیسے لا رجل ظریف ا ور لا رجلَ

ظریفٌ اور **لا رجل ظریفا** ۔ورنہ وہ صفت معرب ہوگی اور اس کا عطف لفظ پر بھی اور محل پر بھی جائز ہے جیسے **لا اب وابناً** اور **لا اَبَ وابنٌ** ۔اور **لا اباً لہ** اور **لا غلامی لہ** جیسی مثالوں میں اس کی مضاف کے ساتھ مشابہت اور اصل معنی میں مشابہت کی وجہ سے جائز ہے اور اسی وجہ سے **لا اباً فیھا** کہنا جائز نہیں ہے اور یہ مضاف نہیں ہے معنی کے فساد کی وجہ سے۔اس میں سیبویہ کا اختلاف ہے اور لانفی جنس کا اسم اکثر حذف کردیا جاتا ہے" جیسے **لا علیک** یعنی یہ اصل میں **لا باء س علیک** ہے۔

"**لانفی جنس کے اسم کے توابع کی بحث**"......علامہ نے پہلے لانفی جنس کے اسم کی بحث کی ہے اور اب اس اسم کے توابع کی بحث کرتے ہیں کہ جب لانفی جنس کا اسم مبنی ہو (اور نکرہ مفردہ ہو اور اس کی پہلی صفت) مضاف نہ ہو بلکہ مفرد ہو اور اس اسم کے ساتھ متصل ہو تو ایسی صفت کو مبنی اور معرب دونوں قرار دیا جاسکتا ہے اور اس پر تین اعراب پڑھے جاسکتے ہیں۔

(۱) پہلا اعراب:۔کہ فتحہ پڑھیں جیسے **لا رجُل ظریف فی الدار** کوئی عقلمند آدمی گھر میں نہیں ہے۔اس پر فتحہ اس لئے جائز ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب موصوف بالصفت یا کسی اور قید کے ساتھ مقید اسم پر نفی داخل ہوتی ہے تو نفی صفت اور قید کی ہوتی ہے اس لحاظ سے اصل نفی صفت کی ہے تو گویا لا صفت پر داخل ہے اور لا جس اسم پر داخل ہوتا ہے اگر وہ مفرد ہو تو وہ مبنی بر فتحہ ہوتا ہے اس لیے اس پر فتحہ پڑھنا جائز ہے۔

(۲) دوسرا اعراب:۔کہ اس صفت کو منصوب معرب پڑھیں جیسے **لا رجل ظریفا فی الدار** اس کو معرب اس لئے پڑھا جاسکتا ہے کہ اس کا مبنی ہونا عارضی ہے اور نصب اس لئے کہ اس کا حمل لانفی جنس کے اسم کے لفظوں پر کریں گے۔اس پر فتحہ ہے تو اس کی صفت پر نصب پڑھیں گے۔

(۳) تیسرا اعراب:۔کہ اس صفت کو مرفوع پڑھیں جیسے **لا رجل ظریفٌ فی الدار** اس صورت میں صفت کا حمل اسم کے محل پر ہوگا اور اس کا محل ابتداء کی وجہ سے رفع کا محل ہے۔اس لئے اس صفت پر رفع پڑھیں گے ۔

"**والا فالا عراب**"...... کہ اگر اس صفت میں مذکورہ شرائط نہ پائی جائیں تو وہ معرب ہی ہوگی یعنی اگر لانفی جنس کا اسم مبنی نہ ہو (جیسے **لا غلام رجل ظریفاً**۔) یا وہ نکرہ مفردہ نہ ہو (بلکہ مضاف یا مشابہ بالمضاف ہو جیسے **لا رجل حسن الوجه فی الدار**) یا اس کی وہ صفت پہلی صفت نہ ہو بلکہ دوسری یا تیسری صفت ہو (جیسے **لا رجل ظریف کریمٌ فی الدار**) یا وہ صفت اس اسم کے ساتھ متصل نہ ہو (جیسے **لا غلام فیها ظریفٌ**) تو ایسی حالتوں میں اس صفت کو معرب ہی پڑھیں گے۔

"**والعطف علی اللفظ وعلی المحل جائز**"...... یہاں سے علامہ لانفی جنس کے اسم کے دوسرے تابع کا بیان کرتے ہیں کہ جب لانفی جنس کے اسم کا تابع معطوف ہو تو تابع پر رفع اور نصب دونوں جائز ہے۔ اگر اس اسم کے محل پر عطف کریں تو تابع پر رفع ہوگا جیسے **لا اَبَ وابنٌ له**۔ ابنٌ کا عطف اَبَ کے محل پر ہے اور اس کا محل ابتداء کی وجہ سے محل رفع ہے۔ اس لئے ابنٌ کو مرفوع پڑھا جا سکتا ہے اور اگر اس اسم کے لفظ پر عطف کریں تو تابع پر نصب پڑھی جا سکتی ہے جیسے **لا اب وابناً له**۔ تابع معطوف پر نصب اور رفع دونوں جائز ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ معطوف معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ معطوف ایسا نہ ہو جو لا کے تکرار کے ساتھ ہو۔ لانفی جنس کے اسم کے صرف یہ دو تابع صفت اور معطوف ہی سماعی طور پر ثابت ہیں اس لئے علامہ نے دو ہی توابع کا ذکر کیا ہے۔

"**ومثل لا اباله ولا غلامی له جائزٌ**"...... ومثل پر واوٗ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لانفی جنس کا اسم نکرہ مفردہ ہو اور لا کے ساتھ متصل ہو تو وہ مبنی برفتحہ ہوتا ہے حالانکہ **لا اباً له** اور **لا غلامی له** میں یہ مبنی نہیں بلکہ معرب ہے تو اس کا جواب دیا کہ ان جیسی مثالوں میں لا کے اسم کو باوجود نکرہ مفردہ متصلہ ہونے کے معرب پڑھنا جائز ہے۔ اور ان مثالوں کے ذریعہ سے علامہ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب لانفی جنس کا اسم نکرہ مفردہ متصلہ ہو اور اس کے بعد لام جارہ ضمیر پر داخل ہو تو ایسی حالت میں لانفی جنس کا وہ اسم معرب منصوب ہوتا ہے۔

" تشبیھا لہ " ...... یہاں سے علامہ ایسے اسم کے معرب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں مضاف کے ساتھ اصل معنی میں مشابہت پائی جاتی ہے۔(اس لئے اس میں مضاف والے احکام جاری ہوتے ہیں) مضاف کا اصل معنی تعریف یا تخصیص ہے اور جب لام جارہ ضمیر پر داخل ہو تو اس میں بھی تعریف یا تخصیص کا معنی پایا جاتا ہے اس لئے مضاف کے اصل معنی میں اس کی مشابہت کی وجہ سے اس میں مضاف کے احکام جاری ہوتے ہیں۔اور جب لانفی جنس کا اسم مضاف ہو تو وہ منصوب ہوتا ہے اسی طرح لانفی جنس کے اسم کے بعد جب لام جارہ ضمیر پر داخل ہو تو لا کا اسم منصوب ہوتا ہے۔اور اسی طرح مضاف کے احکام میں سے الف کو ثابت رکھنا ہے تو ایسے اسم کے آخر میں بھی الف کو ثابت رکھیں گے اور لا ابالہ پڑھیں گے۔ اسی طرح مضاف کے احکام میں تثنیہ کے نون کو حذف کرنا ہے تو ایسا اسم اگر تثنیہ ہو تو اس کے نون کو بھی حذف کریں گے" جیسے **لا غلامی لہ** ".

" ومن ثم لم یجز لا اباً فیھا ...... یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ جہاں لانفی جنس کے اسم کی مضاف کے معنی میں مشابہت نہیں پائی جاتی وہاں اس کو منصوب پڑھنا جائز نہیں ہے جیسے **لا ابا فیھا** میں لا کے اسم کے بعد لام اضافت نہیں ہے اسی وجہ سے اسکو منصوب پڑھنا جائز نہیں ہے۔

" ولیس بمضاف لفساد والمعنی "...... ولیس پر واؤ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے کہ **لا ابا لہ** اور **لا غلامی لہ** کی مثالوں میں مشابہ بالمضاف کیوں قرار دیا گیا ہے حقیقتاً مضاف کیوں نہیں قرار دیا گیا تو اس کا جواب دیا کہ اگر اس کو مضاف بنائیں تو لفظاً ومعناً دونوں لحاظ سے خرابی لازم آتی ہے۔اور معنی فاسد ہو جاتا ہے لفظاً خرابی اس طرح لازم آتی ہے کہ ضمیر کی طرف لا کے اسم کی اضافت ہوگی۔اور ضمیر معرفہ ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ معرفہ کی جانب مضاف بھی معرفہ ہوتا ہے اگر یہاں اضافت حقیقی مانیں تو لا کا اسم نکرہ نہیں بلکہ معرفہ ہو جاتا ہے حالانکہ ہم نے اس کو نکرہ مانا ہے۔جب لا کے اصل میں تبدیلی آتی ہے تو ایسی صورت میں اضافت حقیقی ماننا درست نہیں ہے۔اور (دوسری لفظی خرابی یہ آتی ہے کہ اسم کی ضمیر اضافت کی صورت میں لام کو حذف کرنا چاہیئے اور یہاں حذف نہیں کیا گیا۔)اور معنوی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اضافت کے بغیر اس اسم میں عموم ہے اس لحاظ سے اس کا معنی ہے کہ **لا ابا لہ** کہ اس کا کوئی باپ نہیں یعنی وہ ثابت النسب

نہیں ہے اور **لا غلامی له** کا معنی ہے کہ اس کے کوئی دو غلام نہیں ہیں۔ اگر یہاں اضافت حقیقی مانیں تو اضافت میں تخصیص ہوتی ہے تو اس لحاظ سے **لا ابا له** کا معنی یہ ہو جائیگا کہ اس کا وہ باپ نہیں ہے جو متکلم کے ذہن میں ہے اور **لا غلامی له** کا معنی ہوگا کہ اس کے وہ دو غلام نہیں ہیں جو متکلم کے ذہن میں ہیں۔ جب عموم کے معنی سے خصوص کی جانب تبدیلی آتی ہے۔ تو اس لحاظ سے معنی ہی فاسد ہو جائیگا اس لئے ان مثالوں میں اضافت حقیقی نہیں مانی جا سکتی۔

"**خلافا لسیبویه**"...... امام سیبویہ اس مسئلہ میں دیگر نحویوں سے اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان جیسی مثالوں میں اضافت حقیقی ہے اور جمہور کے جواب میں کہتے ہیں کہ لہ میں لام اضافت نہیں بلکہ لام تاکید ہے اور اضافت کا لام مقدر ہے اور لفظوں میں مذکور لام لام مقدر کے عوض لایا گیا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جب ایسے معرفہ کو نکرہ کرنا ہوتا ہے تو دوسرا لا عوض میں تاکید کے لئے لایا جاتا ہے تاکہ اس پر دلالت کرے کہ یہ نکرہ ہے۔

"**ویحذف کثیر افی مثل لاعلیک**"...... اور **لا علیک** جیسی مثالوں میں لانفی جنس کے اسم کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور اس سے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب نفی جنس کا لا ایسے اسم پر داخل ہو جو اس کا اسم بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہاں لا کا اسم محذوف ہوتا ہے جیسے **لاعلیک** یہ اصل میں **لا بـاس علیک**۔ لانفی جنس علیک پر داخل ہے اور علیک اس کا اسم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے کہ لا مبتدا پر داخل ہوتا ہے اور علیک مبتدا واقع نہیں ہو سکتا۔ جب علیک اس لا کا اسم واقع نہیں ہو سکتا تو اس کا اسم محذوف ہوگا۔ اگر لا ایسے اسم پر داخل ہو جو لا کا اسم بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس حالت میں لا کے اسم کو محذوف ماننا اور محذوف نہ ماننا دونوں طرح درست ہے جیسے **لا کزیدٍ**۔ اس کی دو ترکیبیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک ترکیب یہ ہے کہ کاف کو مثل کے معنی میں لیا جائے تو یہ **لا مثل زید** ہو جائیگا اور یہ لا کا اسم ہوگا اور اس کی خبر موجودٌ محذوف ہوگی۔ اور دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ کزید ظرف مستقر کو لانفی جنس کی خبر بنایا جائے اور اس کا اسم **اَحَد** محذوف مانا جائے اس لحاظ سے اصل عبارت ہوگی "**لا اَحد کزیدٍ**"۔ جس طرح لانفی جنس کے اسم کو حذف کرنا جائز ہے اسی طرح اس کی خبر کو بھی حذف کرنا جائز ہے مگر اسم اور خبر دونوں کو اکٹھے حذف نہیں کیا جا سکتا اس لئے اس سے کلام کی اصل حیثیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اور لانفی جنس کا حذف جمہور کے نزدیک جائز نہیں اور امام اخفش کے نزدیک اگر کوئی قرینہ موجود

ہوتو حذف جائز ہے جیسے **لا رجل فی الدار وامراءۃ** ۔امراءۃ کا عطف رَجُل پر ہےاس پر لانفی جنس ہےتو اس قرینہ سے امراءۃ پر بھی لا تھا جس کو حذف کر دیا گیا ہےاوراصل میں تھا **لا رجل فی الدار ولا امراءۃ**"۔

" خبر ما ولا المشبهتین بِلَیس هو المسند بعد دخولهما وهی لغة حجازیة واذا زیدت ان مع ما او انتقض النفی بالا اوتقدم الخبر بطل العمل واذا عطف علیه بموجب فالرفع " ......

منصوبات میں سے ما اور مشبھتان بلیس کی خبر بھی ہے جوان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے اور یہ حجازی لغت کے مطابق ہے اور جب ما کے ساتھ اِنْ کا اضافہ کیا جائے یا اِلَّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ جائے یا خبر مقدم ہوتو ان کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور جب اس خبر پر مثبت کا عطف کیا جائے تو معطوف پر رفع ہی پڑھا جائیگا۔

﴿منصوبات کی بارھویں قسم﴾ منصوبات کی بارھویں قسم ما اور لا مشبھتان بلیس کی خبر ہے۔ ما اور لا کو مشبھتان بلیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی لَیسَ کے ساتھ لفظاً اور معناً مشابہت ہوتی ہے۔لفظاً اس طرح مشابہت ہوتی ہے کہ جس طرح لیس جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور معناً مشابہت اس طرح ہوتی ہے کہ جیسے لیس جس جملہ پر داخل ہوتا ہے اس میں نفی کا معنی پیدا کرتا ہے اسی طرح یہ بھی اپنے مدخول جملہ میں نفی کا معنی پیدا کرتے ہیں۔"

بعد دخولهما اصل میں بعد دخول احدھما ہے اس لئے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں اکٹھے داخل ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

" وهی لغة حجازیة "...... ...... ما اور لا مشبھتان بلیس کے عامل ہونے میں نحویوں کا اختلاف ہے اہل حجاز کی لغت میں یہ عامل ہیں اس لئے علامہ نے فرمایا کہ ما اور لا کے عامل ہونے کی حیثیت سے بحث اہل حجاز کی لغت کے مطابق ہے۔

﴿"ما اورلا کے ملغی عن العمل کی صورتیں﴾...... علامہ فرماتے ہیں کہ تین صورتوں میں مااورلا بےعمل ہوجاتے ہیں۔

پہلی صورت کہ جب ما پراِنْ کا اضافہ کیا جائے تو مامُلغی عن العمل یعنی بےعمل ہوجاتا ہے جیسے **ما اِنْ زیدٌ قائمٌ** میں مانے کوئی عمل نہیں کیا اور زید قائم مبتدا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔

دوسری صورت کہ مااورلا کی جوخبر بن سکتی ہے اس پرالا داخل ہو اور اس کی وجہ سے نفی ٹوٹ جائے تو مااورلا بےعمل ہوجاتے ہیں۔اس لئے کہ ان کا عمل لیس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا اور الا کی وجہ سے یہ مشابہت باقی نہ رہی جیسے **ما زید الا قائما** ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مااورلا کی خبران کے اسم پرمقدم ہوتو اس صورت میں بھی مااورلا بےعمل ہوجاتے ہیں۔اس لئے کہ یہ ضعیف عامل ہیں اور ضعیف عامل اسی وقت عمل کرتا ہے جبکہ اسکے معمول میں ترتیب ہو جیسے **ما قائم الا زیدٌ** .

"وا ذا عطف علیه بموجب "...... جب مااورلا کی خبرپرمثبت کا عطف کریں تو معطوف پررفع پڑھنا واجب ہے موجب اور مثبت دو ہیں لکن اور بَلْ جیسے **لا رجل قائمٌ ولکن قاعدٌ . ما زید قائمٌ بَلْ قاعدٌ** .

اس صورت میں معطوف پررفع پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ لکن اور بَلْ اپنے مابعد کلام کومثبت کردیتے ہیں اور ان کا عمل الاّ کی طرح ہوجاتا ہے یعنی جیسے اِلاّ نفی کوتوڑتا ہے اسی طرح یہ بھی نفی کوتوڑدیتے ہیں جب نفی کا معنی نہ رہا تو مااورلا ملغی عن العمل ہوجاتے ہیں اور معطوف کا عطف مااورلا کی خبر کے محل پرہوگا اور وہ اصل میں مبتدا کی خبر ہے اور خبرمرفوع ہوتی ہے اس لئے معطوف پررفع پڑھنا واجب ہوگا۔جیسے **ما زید قائما بل قاعدٌ** اورما **زید قائما لکن قاعدٌ** . ان میں بَلْ اور لکن عاطفہ ہے اور **قاعدٌ** کا عطف قائماً کے محل پر ہے جو ما کی خبر ہے فالرفع پرفا جزائیہ ہے اور یہ اصل میں ہے فالرفع واجبٌ اور یہ اذا عطف علیہ کی جزا ہے۔

المجرورات ......' هو مااشتمل على علم المضاف اليه والمضاف اليه كل اسم نُسب اليه شيئى بواسطة حرف الجر لفظاً او تقديراً مراداً فالتقدير شرطه ان يكون المضاف اسماً مجرداً تنوينه لاجلها

. "یہ مجرورات کی بحث ہے۔ مجرور وہ اسم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اور مضاف الیہ ہر وہ اسم ہوتا ہے جس کی جانب حرف جر کے واسطہ سے کوئی چیز منسوب کی جائے خواہ وہ حرف جر لفظاً ہو یا تقدیراً ہو مگر مراد میں ہو۔ پس تقدیر کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جس کو اس کی تنوین سے اس اضافت ہی کی وجہ سے خالی کیا گیا ہو۔

﴿مجرورات کی بحث﴾ ...... علامہ مرفوعات اور منصوبات کے بعد اب مجرورات کی بحث کر رہے ہیں۔ معرب کا جہاں اعراب بیان کیا تھا وہاں کہا تھا **رفع و نصب و جر** تو جس ترتیب سے اجمال میں بیان کیا تھا اسی ترتیب سے تفصیل میں پہلے رفع اور پھر نصب اور ان کے بعد جر کا ذکر کیا جا رہا ہے نیز مجرورات کم ہیں بہ نسبت مرفوعات اور منصوبات کے اس لئے مجرورات کا ذکر بعد میں کیا۔

﴿مجرورات کی تعداد﴾ ...... مجرورات دو ہیں (۱) مجرور بحرف الجار (۲) مجرور بالاضافت۔ مجرورات کو جمع اس لئے لائے تاکہ مرفوعات اور منصوبات کے ساتھ مطابقت ہو جائے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مجرور کی ہر ایک نوع کے تحت کئی کئی افراد ہیں مثلاً مجرور بحرف الجار کے تحت کئی افراد ہیں کہ حرف جار لفظوں میں مذکور ہو یا حرف جار مقدر ہو یا مجرور بحرف الجار اصلی ہو یا مجرور بالجار زائدہ ہو اسی طرح مجرور باضافت لفظیہ اور مجرور باضافت معنویہ۔ تو ان کا لحاظ رکھ کر مجرورات کو جمع لایا گیا ہے۔

......مضاف الیہ کی تعریف......

''علامہ نے کہا ہے کہ مجرور وہ اسم ہوتا ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو تو مضاف الیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ مضاف الیہ وہ اسم ہوتا ہے جس کی جانب سے حرف جار کے واسطہ سے کوئی چیز منسوب کی جائے۔خواہ وہ حرف جار لفظوں میں مذکور ہو جیسے **مررت بزید** جو اصل میں مروری بزید ہے یا وہ حرف جار مقدر ہو جیسے **غلام زید** جو اصل میں **غلام لزید** ہے۔**اعتراض**:۔جب مجرور کی تعریف کرتے ہوئے (کہا کہ مجرور وہ ہوتا ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو جب مضاف الیہ کا ذکر ہو گیا تو آگے والمضاف الیہ کہنے کی بجائے ہو ضمیر لا کر **وهو کل اسم** کہنا چاہیئے تھا۔

جواب:۔ مجرور تو وہی ہوتا ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو مگر مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مضاف الیہ صورۃً ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ مضاف الیہ حقیقتاً ہو اور تعریف مضاف الیہ حقیقتاً کی مقصود ہے اس لئے صراحت کے ساتھ **والمضاف اليه كل اسم** کہا) او **تقديرا مرادا**۔تقدیرا کے ساتھ مراد کی قید اس لئے لگائی کہ مقدر کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مقدر **نسیاً منسیاً** ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ معنوی ہو یہاں علامہ نے مراداً کی قید ذکر کر کے بتلایا کہ وہ مقدر مراد ہے جو منوی ہو اور مراد میں ہو۔اگر حرف جار مقدر ہو تو وہ اسم بالاتفاق مضاف ہوتا ہے جیسے غلام زید اور اگر حرف جار لفظوں میں مذکور ہو تو اس میں نحویوں کا اختلاف ہے جمہور کے نزدیک حرف جار کے لفظوں میں مذکور ہونے کی صورت میں اسم مضاف نہیں ہوتا بلکہ وہ مجرور بالجار ہوتا ہے۔اور علامہ ابن حاجب کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک خواہ حرف جار لفظوں میں مذکور ہو یا مقدر ہو دونوں صورتوں میں اسم مضاف ہوتا ہے جیسے **غلام لزید** میں جمہور کے نزدیک ترکیب یہ ہوگی لام جارہ اور زید مجرور اور علامہ ابن حاجب کے نزدیک ترکیب یہ ہوگی غلام مضاف اور زید مضاف الیہ جیسا کہ غلام زید کی ترکیب ہے۔

﴿فالتقدير شرطه﴾...... **فالتقدیر** میں فا تفصیلیہ ہے اور الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے مراد وہ تقدیر ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔اس عبارت میں علامہ نے بیان کیا کہ حرف جار کو مقدر کرنے کی تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ بیان کی اسا کہ مضاف اسم ہو فعل نہ ہو۔اس لئے کہ اگر مضاف فعل ہو تو حرف جار کو ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے

مررت بزید ۔دوسری شرط یہ ہے کہ (مجرداتنوینہ) مضاف تنوین سے خالی ہو۔اسی طرح ان چیزوں سے بھی خالی ہو جو تنوین کے قائم مقام ہوتی ہیں۔مثلاً نون تثنیہ اور نون جمع ۔علامہ نے اختصار کی وجہ (سے ان کا ذکر نہیں کیا کہ جب اصل تنوین کا حکم یہ ہے تو قائم مقام کا بھی اسی سے سمجھا جاسکتا ہے۔یا پھر یہاں عبارت محذوف ہوگی اور اصل میں یوں ہے'' مجردا تنوینه او ما یقوم مقامه من نون التثنیه و الجمع)

اعتراض : ۔علامہ کا اسما مجرداتنوینہ کہنا درست نہیں اس لئے کہ تنوین مجرد نہیں ہوتی بلکہ اس کو دور کر کے اسم کو مجرد کیا جا تا ہے **جواب** : ۔یہاں ملزوم بول کر لازم مرادلیا گیا ہے۔اس لئے کہ جہاں تجرید ہوگی وہاں زوال ہوگا اس لئے مجردا بول کر مراداس سے زائلا ہے۔اور زائل تنوین ہوتی ہے اسم زائل نہیں ہوتا ۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ لاجلھا کہ تنوین سے اس اسم کو اضافت ہی کی وجہ سے خالی کیا گیا ہو۔مضاف الیہ اسم ہی ہوتا ہے خواہ اسم لفظی ہو جیسے غلام زید میں زید یا اسم تاویلی ہو جیسے یو م ینفع الصادقین میں ینفع اسم تاویلی نفع کے معنی میں ہے۔

وهی معنویة ولفظیة فالمعنویة ان یکون المضاف غیر صفة مضافة الی معمولها وهی اما بمعنی اللام فی ماعد ا جنس المضاف وظرفه واما بمعنی من فی جنس المضاف اوبمعنی فی فی ظرفه وهو قلیلٌ مثل غلام زید وخاتم فضة وضر ب الیوم وتفید تعریفا مع المعرفة وتخصیصاً مع النکر ة وشرطها تجرید المضاف من التعریف وما اجازه الکو فیون من الثلاثة الا ثواب وشبهه من العدد ضعیف ." ...... اور وہ اضافت معنوی اور لفظی ہوتی ہے بس معنویہ وہ ہوتی ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اور وہ یا تو لام کے معنی میں ہوتی ہے مضاف الیہ کے مضاف کی جنس سے ہونے اور اس کی

ظرف ہونے کے علاوہ میں اور یا وہ من کے معنی میں ہوگی مضاف الیہ کے مضاف کی جنس میں سے ہونے کی صورت میں یا اس کی ظرف ہونے کی صورت میں فی کے معنی میں ہوتی ہے۔اور یہ قلیل ہے جیسے **غلام زید** . اور **خاتم فضة** اور **ضرب ُ الیوم** ۔اور یہ اضافت معنویہ معرفہ کے ساتھ تعریف کا اور نکرہ کے ساتھ تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اور اس کی شرط مضاف کو تعریف سے خالی کرنا ہے اور جو کوفیوں نے **الثلاثہ الاثواب** اور اس کے مشابہ عدد سے جائز قرار دیا ہے تو وہ ضعیف ہے۔

﴿اضافت کی قسمیں﴾ ...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ اضافت کی دو قسمیں ہیں۔(۱) اضافت معنوی (۲) اضافت لفظی۔اضافت معنوی کی تعریف یہ کی ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔پھر اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ایک صورت یہ ہے کہ مضاف صفت کا صیغہ ہی نہ ہو جیسے **غلام زید** میں **غلام** ۔دوسری صورت یہ ہے کہ مضاف صفت کا صیغہ تو ہو مگر اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ کسی اور کی طرف مضاف ہو جیسے **مضارِع ُ مصرٍ** ۔اور **کریم البلد** ۔اور تیسری صورت یہ ہے کہ مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے **ضرب ُ الیوم**۔صفت کے صیغہ سے مراد اسم فاعل۔اسم مفعول۔اسم تفضیل صفت مشبہ اور اسم ظرف ہیں اور معمول سے مراد فاعل اور مفعول ہیں۔اضافت کی دوسری قسم اضافت لفظیہ ہے اضافت لفظی وہ ہے جس میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی جانب مضاف ہو جیسے **ضارب ُ زیدٍ** ۔اس کو لفظی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اضافت صرف لفظوں تک محدود ہوتی ہے معنی میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ معنی میں سرایت نہیں کرتی اور اضافت معنوی معنی میں تخصیص یا تعریف پیدا کرتی ہے اس لئے اس کو اضافت معنوی کہتے ہیں۔

" وھی اما بمعنی اللام " ...... یہاں سے بیان کیا جارہا ہے کہ اضافت معنوی کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم لامی ...... دوسری قسم مِنی اور تیسری قسم ظرفی ہے۔اگر مضاف الیہ پر لام مقدر ہو اضافت لامی (جیسے **غلام زید** جو اصل میں **غلام لزید** ہے۔)اور اگر مِنۡ مقدر ہو تو اضافت منی (جیسے **خاتم فضة** یہ اصل میں **خاتم من فضۃ** ہے)اور اگر فی مقدر ہو تو اضافت ظرفی کہتے ہیں جیسے **ضرب ُ الیوم** یہ اصل میں **ضرب فی الیوم** تھا اور **قتیل ٌ کربلا**۔یہ اصل

میں قتیلٌ فی کربلا ہے۔ اضافت لامی سے مراد یہ ہے کہ اضافت کی وجہ سے تخصیص کا معنی حاصل ہو یہ مراد نہیں کہ وہاں لام ہی مقدر ہواسی لئے علامہ ابن حاجب نے بتقدیر اللام نہیں کہا بلکہ بمعنی اللام کہا ہے۔ اور اضافت بمعنی اللام وہاں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ مضاف کی جنس میں سے نہ ہو اور نہ ہی اسکے لئے ظرف ہو جیسے غلام زیدٍ۔ اور اضافت بمعنی من وہاں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو یعنی ان کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہو جیسے خاتمُ فضة میں فضة عام ہے اور خاتمُ اس میں سے خاص ہے۔ اور اضافت بمعنی فی وہاں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو۔ ظرف زمان ہو جیسے ضرب الیوم یا ظرف مکان ہو جیسے قتیل کربلا۔ اور اضافت معنوی بمعنی فی کا استعمال کم ہے اسی لئے علامہ نے فرمایا وهو قليلٌ .

" وتفيد تعريفا مع المعرفة ...... اضافت معنوی میں اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو یہ اضافت تعریف کا فائدہ دیتی ہے یعنی مضاف میں بھی تعریف پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو پھر اضافت کی وجہ سے تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

" وشرطها " ...... اضافت معنوی کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو اس لئے کہ اگر مضاف معرفہ ہو اور مضاف الیہ بھی معرفہ ہو تو یہ تحصیل حاصل ہے اور تحصیل حاصل کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز پہلے سے حاصل ہے اسی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اور تحصیل حاصل ناجائز ہے۔ جب مضاف پہلے ہی معرفہ ہے تو اس میں تعریف حاصل کرنا تحصیل حاصل ہے۔ اور اگر مضاف معرفہ اور مضاف الیہ نکرہ ہو تو اضافت کی وجہ سے خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اعلیٰ چیز کے ہوتے ہوئے ادنیٰ چیز کو حاصل کرنا اس لئے کہ اضافت کی وجہ سے تخصیص کا فائدہ ہوتا ہے حالانکہ مضاف کو تو پہلے سے تعریف حاصل ہے اور تعریف اور تخصیص میں سے تعریف اعلیٰ ہے اس لئے اس کے ہوتے ہوئے تخصیص کو حاصل کرنا اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کو حاصل کرنا لازم آتا ہے۔

" وما اجازه الكوفيون "...... وما پر واؤ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قاعدہ یہ بیان ہوا ہے کہ اضافت معنوی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ تعریف سے خالی ہو حالانکہ الثلاثة الاثواب اور الخمسة

الدراھم اور المائة الدینا ر جیسی صورتوں میں مضاف کے معرفہ ہونے کے باوجود اضافت معنوی پائی جاتی ہے۔ تو اس کا جواب دیا کہ جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے وہ بصریوں کی لغت کے مطابق ہے اور یہ مثالیں کوفیوں کی لغت کے مطابق ہیں اور ضعیف ہیں۔ اس لئے کہ مضاف کے معرفہ ہونے کی صورت میں عقلاً اور نقلاً فصحائے عرب سے کوئی مثال نہیں پائی گئی۔ باقی رہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث جس میں یہ الفاظ ہیں" لو اشتریتم الکاٴ س بالا لف الدینا ر " کاش تم ہزار دینار کا پیالہ خرید لیتے۔ تو اس میں الالف معرفہ ہے اور مضاف ہے تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں الالف مضاف نہیں بلکہ مبدل منہ ہے اور الدینار اس سے بدل ہے۔

"واللفظیة ان یکون المضاف صفة مضافة الی معمولها مثل ضارب زید وحسن الوجه ولا تفید الا تخفیفا فی اللفظ ومن ثُم جاز مررُت برجل حسن الوجه وامتنع مررت بزید حسن الوجه وجاز الضاربا زید والضاربوا زید وامتنع الضارب زید خلافا للفراء وضعف الواهب المائة الهجان وعبد ها ...... "اور اضافت لفظیہ وہ ہوتی ہے کہ مضاف صفت کا ایسا صیغہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضارب زید اور حسن الوجه اور یہ اضافت صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور اسی وجہ سے مررُت برجل حسن الوجه کہنا درست ہے اور مررت بزید حسن الوجه کہنا ناجائز ہے اور الضاربا زید اور الضاربوا زید کہنا جائز ہے اور الضارب زید کہنا ناجائز ہے اور اس میں امام فراء کا اختلاف ہے (اور الواهب المائة الهجان وعبدها کی مثال ضعیف ہے۔)

"**اضافت لفظیہ** ...... اضافت لفظیہ صرف لفظوں میں تخفیف پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے اور وہ وہ ہوتی ہے کہ مضاف صفت کا ایسا صیغہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے ضارب زید .

" **ومن ثم جاز**"...... یہاں سے ایک قاعدہ بیان کیا جارہا ہے کہ جب اضافت لفظی تعریف یا تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تو اس کو نکرہ کی صفت تو بنایا جاسکتا ہے مگر معرفہ کی صفت بنانا درست نہیں ۔جیسے **مررتُ برجل حسن الوجه** میں حسن الوجہ کے درمیان اضافت لفظیہ ہے اس کے باوجود حسن نکرہ ہے اس لئے اس کو برجل نکرہ کی صفت بنانا درست ہے۔اور اس کو معرفہ کی صفت بنانا درست نہیں ہے اسی لئے **مررتُ بزید حسن الوجه** کہنا درست نہیں اس لئے کہ زید معرفہ اور حسن الوجہ نکرہ ہے اور نکرہ کو معرفہ کی صفت نہیں بنایا جاسکتا۔

"**وجاز الضاربا زید** "......اس میں بھی ایک قاعدہ بیان کیا جارہا ہے کہ جب صفت کا صیغہ تثنیہ یا جمع ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو تو اضافت لفظیہ جائز ہے اس لئے کہ اس اضافت کی وجہ سے لفظوں میں تخفیف پیدا ہوتی ہے اس طرح کہ تثنیہ اور جمع کا نون گر جاتا ہے اور جہاں لفظوں میں اس اضافت کا فائدہ نہ ہو تو وہاں اضافت درست نہیں ہے جیسے **الضارب زید** میں اضافت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ الضارب کے معرف بلام ہونے کی وجہ سے اس کے آخر میں تنوین نہیں رہی۔اور ضارب زید میں اضافت کا فائدہ ہے اس لئے کہ اضافت کی وجہ سے **ضارب** کی تنوین گر گئی اور لفظوں میں تخفیف پیدا ہوگئی ہے۔

" **خلافا للفراء** "....... امام فراء فرماتے ہیں کہ **الضارب زید** کہنا بھی جائز ہے اور ان کے درمیان اضافت لفظیہ درست ہے۔اس پر انھوں نے ایک عقلی اور ایک نقلی دو دلیلیں دی ہیں۔

﴿عقلی دلیل﴾...... عقلی دلیل یہ دی کہ **الضارب زید** میں اضافت پہلے اور اس پر الف لام بعد میں آئے ہیں اور تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہے تو اضافت کا فائدہ ہوا کہ تخفیف حاصل ہوگئی۔ جمہور نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں اضافت بعد میں اور اس کا معرف باللام ہونا پہلے پایا جاتا ہے اس لئے اضافت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

﴿نقلی دلیل﴾......امام فراء نے نقلی دلیل یہ دی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر اعشی کو قول ہے ' **الواهب المائة الهجان وعبدها** " اس میں عبدھا کا عطف المائۃ پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جو عبارت معطوف علیہ کے ساتھ لگتی ہے وہ معطوف کے ساتھ بھی لگتی ہے اس لحاظ سے المائۃ کے ساتھ الواھب ہے تو یہ الواھب عبدھا کے ساتھ بھی لگے گا۔اور عبارت یوں ہوجائے

گی" الواھب عبدھا " اور یہ بعینہ الضارب زید کی طرح ہے۔ جب الواھب عبدھا جائز ہے تو الضارب زید بھی جائز ہے۔ علامہ ابن حاجب نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس شعر سے استدلال درست نہیں ہے اس لئے کہ الواھب عبدھا کہنا ضعیف ہے۔"

۞......**اعتراض**:۔ علامہ نے الضارب زید کو ممتنع اور الواھب عبدھا کو ضعیف کہا ہے حالانکہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہونا چاہیئے۔ ۞**جواب**:۔ بعض دفعہ عطف کی صورت میں کوئی چیز جائز اور بغیر عطف کی صورت میں ناجائز ہوتی ہے جیسے "رب شاة وسخلتها " کہنا درست ہے اور رب سخلتها کہنا درست نہیں ہے اس لئے الواھب عبدھا میں عطف کی وجہ سے یہ عبارت بنتی ہے اس لئے اس میں الواھب عبدھا کہنے کی گنجائش ہے اس لئے اس کو ضعیف کہا ہے جبکہ الضارب زید میں عطف کے بغیر عبارت ہے اس لئے اس میں الضارب زید کہنے کی گنجائش نہیں نکلتی اس لئے اس کو ممتنع کہا ہے۔" **وانما جاز الضارب الرجل حملاً علی المختار فی الحسن الوجه والضاربک وشبهه فیمن قال انه مضاف حملا علی ضاربک ولا یضاف موصوف الی صفة ولا صفة الی موصوفها ومثل مسجد الجامع وجانب الغربی وصلوة الاولی وبقلة الحمقاء متاول ومثل جرد قطیفة واخلاق ثیاب متاول "** ...... اور پختہ بات ہے کہ الضارب الرجل کو الحسن الوجه کی مختار صورت پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ اور الضاربک اور اس کے مشابہ مثالوں کو ان کے قول کے مطابق جو اس کے قائل ہیں کہ یہ مضاف ہے ان کے نزدیک ضاربک پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ اور موصوف کی اپنی صفت کی جانب اور صفت کی اپنے موصوف کی جانب اضافت نہیں کی جاتی اور مسجد الجامع اور جانب الغربی اور صلوة الاولی اور بقلة الحمقاء جیسی مثالوں کی تاویل کی جاتی ہے۔ اور جرد قطیفة اور اخلاق ثیاب جیسی مثالوں کی بھی تاویل کی جاتی ہے۔

" وانما جاز الضارب " ...... امام فراء نے اپنے نظریہ پر اس کو بھی دلیل بنایا ہے کہ جب **الضارب الرجل** میں اضافت کو جائز کہا جاتا ہے تو الضارب زید میں بھی اضافت جائز ہے تو وانما جاز سے علامہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ **الضارب الرجل کو الحسن الوجه** کی مختار صورت پر محمول کرتے ہوئے جائز کہا گیا ہے۔ اور الحسن الوجہ کی مختار صورت سے مراد یہ ہے کہ جب صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور مضاف الیہ بھی معرف باللام ہو تو اضافت جائز ہے اور الحسن میں صفت کا صیغہ معرف باللام ہے اور معرف باللام کی طرف مضاف ہے تو اضافت جائز ہے جبکہ **الضارب زید** میں الضارب صفت کا صیغہ معرف باللام ہے مگر معرف باللام کی طرف مضاف نہیں ہے اسلئے دونوں میں فرق ہے۔

" والضاربک وشبهه ...... امام فراء نے اپنی تائید میں الضاربک اور اس کے مشابہ **الضاربی. الضاربوه** وغیرہ مثالوں کو بھی پیش کیا ہے کہ **الضاربک** وغیرہ مثالوں میں بھی صفت کا صیغہ ہے جو معرف باللام ہے اور ضمیر کی طرف مضاف ہے اور ضمیر معرفہ ہوتی ہے جب یہ مثالیں جائز ہیں تو **الضارب زید** بھی جائز ہے۔ علامہ ابن حاجب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **الضاربک** جیسی مثالیں نحویوں کے نزدیک متفقہ نہیں بلکہ ان میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک ان میں بھی اضافت درست نہیں ہے اور امام سیبویہ کے نزدیک درست ہے تو جن کے نزدیک **الضاربک** جیسی مثالوں میں اضافت درست ہے ان کے نزدیک ان کو غیر معرف باللام پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور الضاربک کو ضاربک پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے ان مثالوں میں اور الضارب زید میں فرق ہے۔

"ولایضاف موصوف " ...... یہاں قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ موصوف اپنی صفت کی جانب اور صفت اپنے موصوف کی جانب مضاف نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغائرت ہوتی ہے۔ جبکہ موصوف صفت کے درمیان مغائرت نہیں بلکہ عینیت ہوتی ہے۔ اور بعض حضرات نے صفت کی اپنے موصوف کی جانب اضافت درست نہ ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ صفت موصوف سے موخر ہوتی ہے جبکہ مضاف مضاف الیہ سے مقدم ہوتا ہے اس لئے صفت کی موصوف کی جانب اضافت نہیں ہوسکتی۔

" ومثل مسجد الجامع " ...... ومثل پرواؤ استینافیہ ہےاور آگےسوال مقدر کا جواب ہے کہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ صفت کی موصوف کی جانب اور موصوف کی صفت کی جانب اضافت نہیں ہوسکتی حالانکہ مسجد الجامع وغیرہ مثالوں میں موصوف کی صفت کی جانب اضافت ہے اس کا جواب علامہ نے یہ دیا ہے کہ ان مثالوں میں تاویل کی جاتی ہے اس لحاظ سے الجامع مسجد کی صفت نہیں بلکہ الجامع کی صفت الوقت محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح مسجد الوقت الجامع ۔اوراس پر دلیل یہ ہے کہ لوگوں کو جمع کرنے کا باعث مسجد نہیں بلکہ نمازوں کے اوقات ہیں ۔اسی طرح جانب الغربی میں الغربی کا موصوف المکان محذوف ہےاور صلوۃ الاولی میں الاولی کا موصوف الساعۃ محذوف ہےاور **بقلة الحمقاء میں الحمقاء** کا موصوف الحبۃ محذوف ہےاوراصل میں **بقلة الحبة الحمقاء** ہے۔

"ومثل جرد قطيفة " ...... ومثل پرواؤ استینافیہ ہےاور آگےسوال مقدر کا جواب ہےسوال یہ ہے کہ جرد قطیفة اور اخلاق ثیاب میں صفت کی موصوف کی جانب اضافت ہے حالانکہ قاعدہ میں اسکو ناجائز کہا گیا ہے۔اس کا جواب علامہ نے دیا ہے کہ ان مثالوں میں تاویل ہے کہ جرد قطیفة اصل میں قطيفة جرد تھااور یہ اضافت صفت کی موصوف کی جانب نہیں بلکہ ان میں اضافت منی ہے۔اوراصل میں جرد من قطيفة ہے جرد قطيفة اصل میں قطیفۃ جرد صفت موصوف تھے یعنی ایسی چادر جو پرانی ہے موصوف قطیفۃ کو حذف کیا تو صرف جرد رہ گیا تو اس میں ابہام ہے کہ کس چیز میں پرانا پن ہے تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے آگے قطیفة لائے اس لئے کہ ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کو اپنی جنس کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے (اور جہاں مضاف اپنی جنس کی جانب مضاف ہو وہاں اضافت منی ہوتی ہے اس لئے ان میں اضافت منی ہے۔)اسی طرح اخلاق ثیاب اصل میں ثیاب اخلاق صفت موصوف تھے موصوف کو حذف کیا اور پھر ابہام دور کرنے کے لئے جنس کی جانب مضاف کر دیا۔اس لئے ان مثالوں میں صفت کی موصوف کی جانب اضافت نہیں بلکہ اضافت منی ہے۔

"ولا يضاف اسم مماثل للمضاف اليه فى العموم والخصوص كليث واسد وحبس ومنع لعدم الفائدة بخلاف كل الدراهم وعين الشيئى فانه يختص به وقولهم سعيد كرز ونحوه متاوّل"...... اور ایسا اسم جو عموم وخصوص میں مضاف الیہ کے مماثل ہو اس کی اضافت نہیں کی جاتی اس لئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا جیسے لیت اور اسد اور حبس اور منع بخلاف کل الدراھم اور عین الشیئی کے اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور ان کا قول سعید کرز اور اس جیسی مثالیں متاول ہیں۔

"وہ مقام جہاں اضافت ممنوع ہے"...... ولا یضاف اسم مماثل سے یہ علامہ فرماتے ہیں کہ جب مضاف اور مضاف الیہ دونوں عموم وخصوص میں برابر ہوں تو وہاں اضافت جائز نہیں ہے اس لئے کہ اضافت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پھر مساوی ہونا عام ہے خواہ دونوں سے مراد ایک ہی ہو جیسے لیت اور اسد کہ دونوں کا معنی شیر ہے۔ اور دونوں سے مراد ایک ہی ہے یا وہ دونوں معنی میں مترادف ہو جیسے حبس اور منع کہ دونوں کا معنی روکنا ہے۔ یا وہ دونوں مساوی فی الصدق ہوں یعنی دونوں کا مصداق ایک ہو جیسے ناطق اور انسان تو ایسی حالت میں اضافت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اس لئے اضافت جائز نہیں ہے۔

"بخلاف کل الدراھم"...... یہاں سے علامہ مذکورہ قاعدہ پر ہونے والے اعتراض کا جواب دیتے ہیں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ کل الدراھم میں کل اور دراھم اسی طرح عین الشیئ میں عین اور الشیئ عموم میں مساوی بھی ہیں اور ان میں اضافت بھی ہے تو اس کا جواب دیا کہ ان میں عام کی اضافت عام کی طرف نہیں بلکہ عام کی اضافت خاص کی طرف ہے اس لئے کل عام ہے اور الدراھم خاص ہے اور الدراھم بول کر اس کو باقی اشیاء سے خاص کیا ہے۔ اور عین الشیئ میں عین عام ہے اور الشیئ خاص ہے اس لئے ان مثالوں میں عام کی اضافت عام کی طرف نہیں بلکہ عام کی اضافت خاص کی طرف ہے جو کہ جائز ہے۔

" وقولھم سعید کرز " …… **وقولھم** پر واؤ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ سعید اور کرز دونوں ایک چیز کے نام ہیں اور عموم وخصوص میں مساوی ہیں اس کے باوجود ان میں اضافت جائز ہے تو اس کا جواب دیا کہ یہ اور اس جیسی مثالیں متاول ہیں کہ سعید سے مراد ذات اور کرز سے مراد مسمی یا ملقب ہے اس لحاظ سے سعید کرز کا معنی یہ بن جائیگا کہ سعید وہ ذات ہے جس کا لقب کرز ہے۔

" واذا اضیف الاسم الصحیح او الملحق به الی یاء المتکلم کسر آخره والیاء مفتوحة او ساکنة فان کان آخره الفاً تثبت وھذیل تقلبھا لغیر التثنیة یاءً وان کان یاءً ادغمت وان کان واواً قلبت یاءً وادغمت وفتحت الیاء للساکنین۔ " …… اور جب اسم صحیح کی یا اس کے ساتھ ملحق کی اضافت یاء متکلم کی طرف کی جائے تو اس کے آخر میں کسرہ دیا جاتا ہے اور یا مفتوحہ بھی ہوسکتی ہے اور ساکن بھی۔ پس اگر اس کے آخر میں الف ہو تو اسکو باقی رکھا جاتا ہے اور ھذیل قبیلہ والے تثنیہ کے الف کے علاوہ باقی الف کو یاء سے بدلتے ہیں۔ اور اگر اس اسم کے آخر میں یاء ہو تو اس کا یاء متکلم میں ادغام کیا جاتا ہے اور اگر واؤ ہو تو اسکو یاء سے بدلا جاتا ہے اور پھر ادغام کیا جاتا ہے اور التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو فتحہ دیا جاتا ہے۔

''اسم کی یاء متکلم کی طرف اضافت کی حالتیں'' …… علامہ فرماتے ہیں کہ جب اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کی پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں۔ پہلی صورت کہ وہ اسم صحیح ہو جیسے **غلامی**۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اسم جاری مجری صحیح ہو جیسے **دلوی**۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس اسم کے آخر میں الف ہو جیسے **عَصَایَ**۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس اسم کے آخر میں یا ہو جیسے **مسلمی** (جو اصل میں **مسلمینی** تھا۔)

اور پانچویں صورت یہ ہے کہ اسم کے آخر میں واؤ ہو جیسے **مسلمی** جو اصل میں **مُسلمونی** تھا۔

اگر اسم صحیح یا جاری مجری صحیح کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہو تو اس اسم کے آخر میں کسرہ دیا جاتا ہے اور یاء متکلم کو ساکن بھی پڑھا

جا سکتا ہے جیسے غُلامیْ اور یاء متکلم کو مفتوح بھی پڑھا جا سکتا ہے جیسے غُلامِیَ ۔اس لئے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے اور سکون اس سے بھی زیادہ خفیف ہے اس لئے دونوں جائز ہیں۔

اگر اسم کے آخر میں الف ہو تو جمہور کے نزدیک خواہ وہ الف تثنیہ کا ہو یا غیر تثنیہ کا ہو ہر حالت میں اس کو باقی رکھا جاتا ہے جیسے تثنیہ کی حالت میں غلامایَ اور غیر تثنیہ کی حالت میں عصایَ ۔اور قبیلہ ھذیل والوں کے نزدیک اگر الف تثنیہ کا ہو تو اس کو باقی رکھا جاتا ہے اور اگر تثنیہ کے علاوہ ہو تو اس کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کیا جاتا ہے جیسے عَصَیَّ جو اصل میں عَصَا یَ ہے۔اگر اسم کے آخر میں یاء ہو تو اسم کو یاء متکلم میں ادغام کیا جاتا ہے جیسے مُسلمین کی اضافت جب یاء متکلم کی طرف کریں تو مُسلمینِیَ ہو جاتا ہے پھر نون اضافت کی وجہ سے گر گیا تو مُسلِمِیْیَ ہو گیا تو پہلی یاء کا یاء متکلم میں ادغام کیا تو مُسلِمِیَّ ہو گیا۔اگر اسم کے آخر میں واؤ ہو تو یاء متکلم کی طرف اضافت کے وقت واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر تے ہیں جیسے مُسلمون کی اضافت جب یاء متکلم کی طرف کی تو یہ مسلمونی ہو گیا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا تو مُسلموِیَ ہو گیا۔واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کیا تو مُسلمُیّ ہو گیا اور یاء کی موافقت سے اس کے ماقبل کسرہ لائے تو مسلمی ہو گیا۔ان حالتوں میں التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے یاء متکلم کو فتحہ دیا جاتا ہے۔للساکنین اصل میں للزوم التقاءالساکنین ہے یا یہ اصل میں لاحتراز الساکنین ہے۔

" واما الا سماء الستة فاخي وابي واجاز المبرد اَخيَّ واَبيَّ وتقول حمي وهني ويقال فِي في الا كثر وفمي واذا قطعت قيل اخٌ وابٌ وحمٌ وهنٌ وفمٌ وفتح الفاء افصح منهما وجاء حَمٌ مثل يد وخِبء ودلوٍ وعصاً مطلقاً وجاء هن مثل يد مطلقا وذو لا يضاف الى مضمر ولا يُقطع ." ......اور بہرحال اسماء ستہ پس وہ اخی اور ابی پڑھے جاتے ہیں اور امام مبرد نے اَخِیَّ اور اَبِیَّ

کو جائز قرار دیا ہے اور آپ حمی اور ھنی کہہ سکتے ہیں اور اکثر کے قول کے مطابق فِيَّ کہا جاتا ہے اور فمی بھی کہا جاتا ہے اور جب یہ اسماء اضافت سے کاٹ دیئے جائیں تو اَخٌ. اَبٌ. حَمٌ. هَنٌ. اور فَمٌ پڑھے جاتے ہیں اور فم کے فاء کلمہ پرفتحہ باقی دو یعنی رفع اور نصب کی بہ نسبت زیادہ فصیح ہے۔ اور حَمٌ مطلقا یدٍ اور خبٍ اور دَلْوٍ اور عصاً کی طرح آیا ہے اور هَنٌ مطلقا یدٍ کی طرح آیا ہے اور ذو کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی اور نہ ہی وہ اضافت سے کاٹا جاسکتا ہے۔

''اسماء ستہ مکبرہ کی یاء متکلم کی جانب اضافت کا حکم'' ...... اگر اسماء ستہ میں سے کسی اسم کی یاء متکلم کی طرف اضافت کریں تو ان اسماء میں اب اور اخ کی اضافت کے وقت اَخِي اور اَبِي پڑھا جاتا ہے۔ اور امام مبرد نے ان میں اَخِيَّ اور اَبِيَّ پڑھنا جائز کہا ہے اس لئے کہ اَبٌ اصل میں اَبَوٌ اور اَخٌ اصل میں اَخَوٌ تھا۔ جمہور کے نزدیک ان کے آخر میں واؤ محذوف نسیا منسیا ہے اس لئے اس کو واپس نہیں لایا جاتا۔ اور امام مبرد کے نزدیک اس واؤ کو واپس لائیں گے تو یہ اَبَوِيَ اور اَخَوِيَ ہوجائیں گے پھر واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کریں گے اور یاء کے ماقبل کسرہ لائیں گے تو اَخِيَّ اور اَبِيَّ ہوجائے گا۔ امام مبرد کے نزدیک اَخِيَّ اور اَبِيَّ پڑھنا جائز ہے مگر بہتر اَخِيْ اور اَبِيْ ہے اس لئے کہ یہ کثیر الاستعال ہیں۔ اور حم اور ھن کی جب یاء متکلم کی طرف اضافت کریں تو ان کو حمی اور ھنی پڑھا جائیگا اور حم اصل میں حَموٌ اور هَنٌ اصل میں هَنوٌ تھا ان کے آخر میں واؤ نسیا منسیا محذوف ہے اور بالاتفاق اس کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔ اس لئے حَمِي اور هَنِي پڑھا جائیگا۔

'' ویقال فِيَّ فی الاکثر وفمی .'' ...... اگر فم کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں تو اکثر نحویوں کے قول کے مطابق اس کو فِيَّ پڑھا جاتا ہے۔ اور فمی بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

فَمٌ اصل میں فوہٌ تھا آخر سے ہاء کو حذف کیا اور واؤ کی جگہ میم لائے اسلئے کہ واؤ اور میم قریب المخرج ہیں تو فُمٌ ہوگیا۔ پھر فاء کے ضمہ کو فتحہ سے بدل دیا تو فَمٌ ہوگیا۔ اس فم کی جب یاء متکلم کی طرف اضافت کریں تو اکثر نحویوں کے نزدیک اس کی واؤ محذوف واپس آجاتی ہے تو اضافت کے وقت یہ فُوِيٌ ہوجاتا ہے پھر واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کیا اور یا کی

مناسبت سے اس کے ماقبل ضمہ کو کسرہ سے بدلا تو فِیَّ ہو گیا۔ اور بعض نحویوں کے نزدیک فم کی یاء متکلم کی طرف اضافت کے وقت اس کی محذوف یاء واپس نہیں آتی اس لئے اس کو فَمِی ہی پڑھا جائیگا۔

"**واذاقطعت**"...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ جب اسماء ستہ کی اضافت نہ کی جائے تو ان کو اَبٌ . اخٌ. حَمٌ . هَنٌ . اور فَمٌ پڑھا جاتا ہے اور فم میں تین لغات ہیں پہلی لغت فاء کے ضمہ کے ساتھ جیسے فُمٌ ۔ دوسری لغت فاء کے کسرہ کے ساتھ جیسے فِمٌ اور تیسری لغت فاء کے فتحہ کے ساتھ جیسے فَمٌ ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ ان تین لغات میں سے فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھنے کی لغت زیادہ فصیح ہے۔

"**وجاء حَمٌ مثل يدٍ**"...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ حَمٌ کی جب اضافت کریں تو اسمیں چار لغات ہیں۔ پہلی لغت جس کو علامہ نے مثل ید سے تعبیر کیا ہے یہ ہے کہ حم کی اضافت یاء متکلم کے علاوہ کسی اور کی طرف ہو تو مطلقاً اس کا اعراب بالحرکت لفظی حقیقی ہوگا جیسے جاء حَمکَ . راءیت حُمکَ . مررْتُ بِحمکَ۔ اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ خواہ اس کی اضافت ہو جیسے جاء حمکِ . راءیتُ حمک . مررْتُ بِحمک یا اس کی اضافت نہ ہو جیسے جاء حم راءیت حماً اور مررت بحما . دوسری لغت جس کو علامہ نے مثل خَبْءٌ سے تعبیر کیا ہے جیسے خَبْ ءٌ کے آخر مین ہمزہ پر اعراب ہے اسی طرح حَماءٌ کے آخر میں ہمزہ پر اعراب بالحرکت حقیقی ہے جیسے جاء حماءٌ . راءیت حَمْاءً . مررتُ بِحماءٍ . جاءَ حماکَ . راءیت حماءَکَ . مررتُ بِحماکَ ۔ تیسری لغت جس کو علامہ نے مثل دلوٍ کے ساتھ تعبیر کیا ہے یہ ہے کہ حَمٌ کے آخر میں واؤ لا کر اس واؤ پر اعراب بالحرکت لفظی حقیقی جاری کیا جائے جیسے جاء حموٌ . راءیت حُمواً . مررْتُ بِحموٍ ۔ اور جاء حموکَ . راءیت حُموکِ . مررْتُ بِحموکَ ۔ چوتھی لغت جس کو مثل عصاء سے تعبیر کیا گیا ہے یہ ہے کہ حَم کے آخر میں الف لایا جائے تو اس صورت میں ہر حالت میں اس پر اعراب تقدیری ہوگا جیسے جاء نی حما . راءیت حَماَ . مررتُ . بِحما . جاء حماکِ . راءیت حُماکِ . مررتُ بحماکِ .

" **وجاء هن مثل يد مطلقا** "...... اور هن مطلقاً ید کی طرح آیا ہے یعنی اس کا اعراب اضافت اور غیر اضافت ہر حالت میں ید کی طرح ہے جیسے هی. هَنٌ . رائیت هَناً . مررت بهنٍ . هیَ هُنک . راء یت هَنکِ . مررتُ بِهنِک .

" **وذو لایضاف الی مضمر** "...... اسماء ستہ میں ذو بھی ہے تو اس کا قاعدہ یہ بتایا کہ یہ نہ تو اضافت کے بغیر آتا ہے اور نہ ہی اس کی ضمیر کی طرف اضافت ہوسکتی ہے بلکہ یہ ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف ہی مضاف ہوکر استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ذو کی وضع اسم جنس کو کسی چیز کی صفت بنانے کے لئے ہے۔ اور اسم جنس حکماً نکرہ ہوتا ہے جبکہ ضمیر اعرف المعارف ہے اس لیے ضمیر کی جانب ذو مضاف نہیں ہوتا۔ اگر کسی مقام میں ذو کی ضمیر کی اضافت پائی جاتی ہے تو وہ شاذ ہے جیسے شاعر کا قول ہے " **انما یعرف ذاالفضل من الناس ذووه** "۔ پختہ بات ہے کہ فضیلت والے کو لوگوں میں سے اس فضیلت والے ہی پہنچانتے ہیں۔ اس میں ذووہ میں ذو کی اضافت ہٗ ضمیر کی جانب ہے مگر یہ شاذ ہے۔

" **ولا یقطع** "...... اس کے بعد عبارت محذوف ہے اصل میں ہے **ولا یقطع عن الاضافة** کہ اس کو اضافت سے نہیں کاٹا جاتا۔ بلکہ یہ ہمیشہ مضاف ہی ہوتا ہے اس لئے کہ ذو اسم جنس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور اضافت کے بغیر یہ ذریعہ نہیں بن سکتا اس لئے اسکو اضافت کے بغیر استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

" **التوابع کل ثان باعراب سابقه من جهه واحدة** "...... تابع ہر بعد میں آنے والا ایسا اسم ہوتا ہے جس کا اعراب اپنے سے پہلے اسم کے مطابق ہو اور دونوں کا اعراب ایک ہی وجہ سے ہو۔ توابع جمع ہے تابع کی ۔ جس اسم میں وصفیت پائی جاتی ہے اگر اس کو وصفیت سے اسمیت کی جانب منتقل کریں تو اس کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے ۔ تابع میں بھی وصفیت پائی جاتی ہے جب اس کو اسمیت کی جانب منتقل کیا تو اسی وجہ سے اس کی جمع توابع لائی گئی ہے۔ تابع کی تعریف میں کل ثان جو کہا گیا اس ثان سے متاءخر مراد ہے کہ پہلے اسم کے بعد ہو اس لئے کہ تابع دوسرے تیسرے یا چوتھے مقام میں بھی ہوسکتا ہے جیسے **زید عالم فاضل حلیم ذومال** ۔ تابع کی تعریف یہ کی ہے کہ ایسا اسم جو پہلے اسم سے متاخر ہو اور اس کا اعراب وہی ہو جو پہلے اسم کا ہے اور اعراب کی وجہ بھی وہی ہو جو پہلے اسم کے اعراب کی ہے۔

’’توابع کی اقسام‘‘......توابع پانچ ہیں

(۱)نعت یعنی صفت (۲) عطف بحرف (۳) تاکید (۴) بدل (۵) عطف بیان۔

’’ النعتُ تابعٌ یدل علی معنیٰ فی متبوعه مطلقاً وفائدته تخصیصٌ او توضیحٌ وقد یکون لمجرد الثناء او الذمّ او التوکید نحو نفخةٍ واحدة ولا فصل بَینَ اَنْ یَکُونَ مُشْتَقّاً اوغیره اذاکانَ وضعُه لغرض المعنی عموماً نحو تمیمی وذِیْ مالٍ اوخصوصاً مثل مررْتُ برجُلٍ اَیِّ رجُلٍ ومررتُ بهٰذا لرجل وبزید هذا ‘‘...... نعت وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں مطلقاً پایا جاتا ہے اور اس کا فائدہ تخصیص یا توضیح ہوتا ہے اور کبھی صرف تعریف یا مذمت یا تاکید مقصود ہوتی ہے جیسے نفخة واحدة ۔اور کوئی فرق نہیں کہ وہ مشتق ہو یا غیر مشتق ہو جبکہ اس کی وضع کا مقصد عموماً اس معنی پر دلالت ہوتی ہے جو معنی متبوع میں پایا جاتا ہے جیسے تمیمی اور ذی مال۔ یا اس کی وضع کا مقصد خصوصا متبوع میں پائے جانے والے معنی پر دلالت ہوتی ہے جیسے مررتُ برجل ایّ رجل اور مررتُ بهذا لرجل اور مررت بزید هذا .

’’تابع کی پہلی قسم‘‘...... تابع کی پہلی قسم نعت یعنی صفت ہے اور نعت وہ تابع ہے جو متبوع میں پائے جانے والے اس معنی پر دلالت کرے جو معنی اس میں مطلقاً پایا جاتا ہے۔ مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ وہ معنی متبوع میں تمام حالتوں میں پایا جاتا ہو جیسے جاء نی زید عالمٌ عالم زید کی صفت ہے اور اس میں ہر حالت میں پائی جاتی ہے۔

’’صفت کا فائدہ‘‘...... وفائدته تخصیص صفت لانے کا فائدہ یا تو متبوع میں تخصیص پیدا کرتا ہوتا ہے جبکہ متبوع نکرہ ہو جیسے جاء نی رجل عالم اوتوضیح یا نعت کا فائدہ متبوع میں توضیح ہوتی ہے جب کہ متبوع معرفہ ہو جیسے جاء

نبی زید عالم . وقد یکون لمجر دا لثناء ۔اور کبھی نعت کا فائدہ متبوع کی ثنا یعنی تعریف ہوتی ہے جیسے بسم اللہ الر حمن الرحیم میں الرحمٰن اور الرحیم دونوں اللہ کی ثناء کے لئے ہیں۔ اوالذم یا نعت کا فائدہ متبوع کی مذمت ہوتی ہے جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم میں الرجیم شیطن کی مذمت کے لئے ہے او التوکید یا نعت کا فائدہ متبوع میں پائے جانے والے معنی کو پختہ کرنا ہوتا ہے جیسے نفخۃ واحدۃ ایک ہی نفحہ۔ اس میں واحدۃ صرف توکید کے لئے ہے اس لئے کہ وحدت کا فائدہ تو نفخۃٌ کی تنوین سے پہلے ہی حاصل ہو چکا ہے۔

" **ولافصل** "...... یہاں سے علامہ ان نحویوں کا رد کر رہے ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ نعت کے لئے مشتق ہونا ضروری ہے۔ علامہ نے فرمایا کہ خواہ مشتق ہو یا غیر مشتق ہو جب کہ اس کی وضع سے مقصد اس معنی پر دلالت ہو جو متبوع میں پایا جاتا ہے تو یہ مقصد دونوں صورتوں میں حاصل ہو جاتا ہے جیسے زید عالمٌ اس میں صفت مشتق ہے اور جاء نبی رجل تمیمی جاء نبی رجل ذومال میں تمیمی اور ذومال صفت ہیں حالانکہ مشتق نہیں ہیں۔ عموماً یعنی تابع ہر حالت میں اس معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پایا جاتا ہے جیسے تمیمی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو بنو تمیم قبیلہ کا ہو اور ذومال ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو مالدار ہو۔ اور خصوصاً اس کا عطف عموماً پر ہے یعنی تابع میں اس معنی کا استعمال خصوصاً ہو کہ بعض استعمالات میں پایا جاتا ہو اور بعض میں نہ پایا جاتا ہو جیسے مررتُ برجل ایّ رجل اس میں ایّ رجل صفت ہے اور یہ رجولیت میں کمال پر دلالت کرتی ہے مگر جب اس کو متبوع کے ساتھ ذکر کریں تو صفت کا فائدہ دیتی ہے اور اگر متبوع سے کاٹ دیں تو پھر اس میں وصفیت کا معنی نہیں پایا جاتا۔ مررتُ بھذ الرجل ۔اس میں الرجل صفت ہے ھذا کی اس لئے کہ ھذا ذات مبھم پر دلالت کرتا ہے اور الرجل نے ذات مبھم کا تعین کر دیا ہے۔ اگر اس کو اس جیسی ترکیب سے کاٹ کر صرف الرجل ذکر کریں تو اس میں وصفیت کا معنی نہیں پایا جاتا۔

" **مررتُ بزید بھذا** "...... اس میں ھذا صفت ہے زید کی اس لئے کہ زید اس کا مشار الیہ ہے اگر اس کو اس جیسی ترکیب سے کاٹ کر صرف ھذا ذکر کریں تو اس میں وصفیت کا معنی نہیں پایا جاتا۔

" وتوصَفُ النكرة بالجملة الخبريّة ويلزم الضمير وتوصف بحال الموصوف وبحال متعلقه نحو مررت برجلٍ حسنٍ غلامه فالاول يتبعه فى الاعراب والتعريف والتنكير والافرادِ والتثنيةِ والجمع والتذكير والتانيث والثانى يتبعُه فى الخمسة الاُوَلِ وفى البواقى كالفعل ومن ثم حَسن قام رجلٌ قاعدٌ غلما نه وضعُف قاعدون غلمانه ويجوز قعود غلمانه" ...... اورنکرہ کی صفت جملہ خبریہ لایا جاسکتا ہے اوراس جملہ میں ضمیر لازم ہوتی ہے۔ اورموصوف کے حال اوراس کے متعلق کے حال کی بھی وصف کی جاسکتی ہے جیسے **مررت برجل حسنٍ غلامه** پس پہلا یعنی جب متبوع کے حال کی وصف کی جائے تو تابع اپنے متبوع کا اعراب تعریف۔ تنکیر۔ افراد۔ تثنیہ۔ جمع۔ مذکراور مونث ہونے میں تابع ہوتا ہے اور دوسرا یعنی جب متبوع کے متعلق کے حال کی وصف کی جائے تو تابع پہلی پانچ چیزوں میں متبوع کا تابع ہوتا ہے اور باقی چیزوں میں وہ فعل کی طرح ہوتا ہے اوراس وجہ سے **قام رجل قاعد غلمانه** کہنا مستحسن ہے اور **قام رجل قاعدون غلمانه** کہنا ضعیف ہے اور **قام رجل قعود غلمانه** کہنا جائز ہے۔

"نکرہ کی صفت جملہ خبریہ" ...... جملہ خبریہ نکرہ کی صفت واقع ہوسکتا ہے اوراس کی شرط یہ ہے کہ اس جملہ میں ایک ضمیر ہو جواس نکرہ کی طرف راجع ہو۔ جملہ خبریہ جملہ ہونے کے باوجود نکرہ کی طرح ہوتا ہے اسی لئے وہ نکرہ کی صفت واقع ہوسکتا ہے معرفہ کی صفت نہیں واقع ہوسکتا۔ اور جملہ کے ساتھ خبریہ کی قیداس لئے لگائی ہے کہ جملہ انشائیہ صفت خبر صلہ اور حال واقع نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جملہ انشائیہ کا **فی نفسها** ثبوت نہیں ہوتا بلکہ اس میں طلب ہوتی ہے۔ اور جو بذات خود ثابت نہ ہو وہ متبوع کے معنی کے ثبوت پر کیسے دلالت کرسکتا ہے؟ اور جملہ انشائیہ اس وجہ سے بھی صفت واقع نہیں ہوسکتا کہ صفت کا موصوف کے ساتھ مربوط ہونا ضروری ہے جب کہ جملہ انشائیہ تاویلات بعیدہ کے بغیر ربط کو قبول نہیں کرتا۔

" **وتوصف بحال الموصوف** "...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ نعت کی دوصورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ نعت اس معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پایا جاتا ہے جیسے **جاء نی زید عالمٌ** میں عالم اس علیت پر دلالت کررہا ہے جو زید میں پائی جاتی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ نعت اس معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں نہیں بلکہ اس کے متعلق میں پایا جاتا ہے۔ جیسے **مررت برجل حسنٍ غلامه** ۔حسن غلامہ صفت ہے رجل کی مگر یہ حُسن رجل میں نہیں بلکہ اسکے متعلق یعنی اس کے غلام میں پایا جاتا ہے۔

"صفت اور موصوف کے درمیان مطابقت"......

فالاول یتبعه سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر نعت اس معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پایا جاتا ہے تو ایسی حالت میں متبوع اور تابع میں دس چیزوں میں مطابق ضروری ہے۔

﴿۱﴾ رفع میں جیسے **جاء نی رجل عالمٌ** ﴿۲﴾ نصب میں جیسے **راءیت رجلا عالماً**

﴿۳﴾ جر میں جیسے **مررت برجل عالمٍ** ۔ان تینوں کو علامہ نے فی الاعراب سے تعبیر کیا ہے۔

﴿۴﴾ معرفہ ہونے میں جیسے **جاء نی زید العالم** ﴿۵﴾ نکرہ ہونے میں جیسے **جاء نی رجل عالمٌ**

﴿۶﴾ مفرد ہونے میں جیسے **جاء نی رجل عالمٌ** ﴿۷﴾ تثنیہ ہونے میں جیسے **جاء نی رجلان عالمان**

﴿۸﴾ جمع ہونے میں جیسے **جاء نی رجال عالمون** ﴿۹﴾ مذکر ہونے میں جیسے **جاء نی رجل عالم**

﴿۱۰﴾ مونث ہونے میں جیسے **جاء تنی امراۃ عالَمةٌ** ۔

" **والثانی** " ...... اگر نعت اس معنی پر دلالت کرے جو متبوع کے متعلق میں پایا جاتا ہے تو ایسی صورت میں تابع کا پہلی پانچ چیزوں یعنی اعراب اور تعریف وتنکیر میں متبوع کے مطابق ہونا ضروری ہے باقی میں نہیں۔

" **وفی البواقی کالفعل** " ...... باقی چیزوں میں تابع فعل کی طرح ہے اس لئے کہ تابع فعل کے مشابہت رکھتا ہے تو جن صورتوں میں فعل کو مفرد لایا جاتا ہے ان صورتوں میں تابع کو بھی مفرد لایا جائیگا اور جن صورتوں میں فعل کو تثنیہ یا

جمع لایا جاتا ہے ان میں تابع کو بھی تثنیہ یا جمع لایا جائیگا اور جن صورتوں میں فعل کو مذکر یا مونث لایا جاتا ہے ان صورتوں میں تابع کو بھی مذکر یا مونث لایا جائے گا ۔ اگر فاعل مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو فعل مفرد ہی لایا جاتا ہے تو اسی طرح اگر تابع کے بعد مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو تابع کو مفرد ہی لایا جائیگا جیسے جاء نی رجل قاعد غلما نه جا ء نی رجل قاعد غلاماه جاء نی رجل قاعد غلمانه ۔ اگر فاعل مونث حقیقی ہو تو فعل مونث لایا جاتا ہے اسی طرح اگر تابع کے بعد مونث حقیقی ہو تو تابع مونث لایا جائیگا جیسے جا ء نی رجل قاعدۃ امر اته ۔

" **ومن ثمّ** " جب قاعدہ یہ بیان کیا ہے اگر تابع متبوع کے متعلق میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرے تو وہ اعراب اور تعریف و تنکیر کے علاوہ باقی چیزوں میں فعل کی طرح ہے تو اسی وجہ سے قام رجل قاعد غلمانه کہنا مستحسن ہے اس لئے کہ فاعل بے شک مفرد یا تثنیہ جمع ہو فعل مفرد لایا جاتا ہے تو تابع کے بعد بے شک غلمانہ جمع ہے مگر تابع کو مفرد ہی لایا جائیگا ۔

" **وضعف قاعدون غلمانه** " ...... اور قاعدون غلمانه کہنا ضعیف ہے اس لئے کہ جب فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل میں تثنیہ اور جمع کی ضمیر کا ظاہر کرنا ضعیف ہے اسی طرح جس تابع کی بحث ہو رہی ہے اس کے بعد تثنیہ جمع ہو تو اس تابع میں ضمیر کا ظاہر کرنا بھی ضعیف ہے لہذا قام رجل قاعدون غلمانه اور قام رجل قاعدان غلاماه کہنا ضعیف ہے۔

"**ویجوز قعود غلمانه**"...... اور قعود غلمانہ کہنا جائز ہے اس لئے کہ قعود جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر پر فعل کے احکام جاری نہیں ہوتے اس لئے کہ اس کی فعل کے ساتھ مشابہت نہیں ہوتی جب فعل کے ساتھ مشابہت نہیں تو اسی لئے قعود غلمانه کہنا جائز ہے۔

"**والمضمر لا یُوصَف ولا یُوصف ُبه والموصوف اخصُّ اومساوٍ ومن ثم لم یُوصَف ذو اللام الا بمثله او بالمضاف اِلی مثله وانما التزم َوصف ُباب هذا بذی اللام للابهام ومِن ُثم ضَعُف َمررتُ بهذ**

الا بیضِ وحَسُن بھذا العَالِمِ" ۔اور اسم ضمیر کی نہ وصف کی جاسکتی ہے اور نہ ہی اسکے ساتھ وصف کی جاسکتی ہے۔اور موصوف صفت، کی بہ نسبت اخص یا اس کے مساوی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ذوالللام کی وصف صرف اس کے مثل کے ساتھ یا اس کے مثل کی جانب مضاف کے ساتھ کی جاسکتی ہے اور پختہ بات ہے کہ ھذا کے باب کی وصف کا ذی اللام کے ساتھ التزام ابہام کی وجہ سے کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے **مررت بھذا الابیض** کہنا ضعیف ہے اور **مررت بھذا لعالم** کہنا مستحسن ہے۔

﴿"ضمیر صفت اور موصوف نہیں بن سکتی"﴾...... **والمضمر لا یوصف** سے یہ بیان کیا جارہا ہے کہ ضمیر نہ صفت واقع ہوسکتی ہے اور نہ ہی موصوف واقع ہوسکتی ہے۔موصوف اس لیے نہیں بن سکتی کہ ضمیر خود اعرف المعارف اور اوضح ہوسکتی ہے اس لئے توضیح کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔اور صفت اس لئے نہیں بن سکتی کہ صفت اس معنی پر دلالت کرتی ہے جو متبوع میں پایا جاتا ہے جبکہ ضمیر جس کی جانب راجع ہوتی ہے اسمیں پائے جانے والے معنی پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے اس لئے ضمیر نہ صفت بن سکتی ہے اور نہ ہی موصوف بن سکتی ہے۔

"والموصوف اخص"...... موصوف کا صفت کی بہ نسبت اخص یا اس کے مساوی ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اگر تابع افضل ہو تو ایسی صورت میں تابع کا متبوع سے افضل ہونا لازم آتا ہے۔اخص میں خصوص اور مساوِ میں مساوات سے مراد یہ ہے کہ دونوں تعریف اور معلومیت میں مساوی ہوں یا موصوف صفت سے **احض ھو الحیو ان الناطق** میں **الناطق الحیو ان** کی صفت واقع ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ تعریف میں مساوی ہیں باوجودیکہ الناطق ماصدق علیہ کے اعتبار سے احض ہے اس لئے کہ ماصدق علیہ میں موصوف کا احض یا مساوی ہونا مراد نہیں بلکہ تعریف اور معلومیت میں احض یا مساوی ہونا مراد ہے۔

"ومن ثم"...... معرفہ ہونے میں اعرف المعارف ضمیریں ہیں پھر اعلام پھر اسماء اشارات پھر معرف باللام اور اسماء موصولات ہیں۔معرف باللام اور اسماء موصولات کے درمیان تعریف میں مساوات ہے۔جب قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ موصوف اور صفت کا تعریف میں مساوی ہونا یا موصوف کا صفت کی بہ نسبت احض ہونا ضروری ہے تو اسی وجہ سے معرف باللام

کی صفت معرف باللام ہی آسکتی ہے خواہ وہ اسم موصول کے ساتھ ہو جیسے جاء نی الرجل الذی ضربک ۔ یا معرف باللام کیساتھ ہو جیسے جاء نی الر جل العالم۔

" او بالمضاف الی مثله "...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ معرف باللام کی صفت وہ اسم بھی واقع ہوسکتا ہے جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے جاء نی الر جل صاحب الفرس ۔

" وانما التزم "...... یہاں سے علامہ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہوتا ہے کہ قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ معرف باللام کی صفت صرف معرف باللام ہی واقع ہوسکتا ہے حالانکہ معرف باللام کی صفت تو اسم اشارہ بھی واقع ہوتا ہے جیسا کہ جاء نی الر جل هذ ا ۔تو علامہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ هذا اسم اشارہ میں ابہام ہوتا ہے (جو بیان جنس کا تقاضہ کرتا ہے۔) اس لئے اس ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کی صفت معرف باللام لائی جاتی ہے اسی وجہ سے مررت بهذا الا بیض کہنا ضعیف ہے اس لئے کہ بیاض ایک جنس کو دوسری جنس سے مختص نہیں کرتا بلکہ یہ بہت سی اجناس میں پایا جاتا ہے۔اور مررت بهذ العالم کہنا مستحسن ہے اس لئے کہ علم انسان کے ساتھ مختص ہے اور العالم کے اجناس میں سے انسان کو مختص کر دیا ہے۔

" العطف تابعٌ مقصودٌ بالنسبة مع متبوعه ویتوسّط بینه وبین متبوعه احد الحروف العشرة وسیاتی مثل قام زیدٌ وعمرٌو ."" توابع میں سے عطف بھی ہے اور وہ تابع ہے جو اپنے متبوع سمیت نسبت کے ساتھ مقصود ہوتا ہے اور اس تابع اور اس کے متبوع کے درمیان دس حروف میں سے کوئی حرف لایا جاتا ہے اور ان کا بیان عنقریب ہوگا جیسے قام زیدٌ عمرٌو .

" تابع کی دوسری قسم "...... تابع کی دوسری قسم عطف بحرف ہے کہ متبوع اور تابع کے درمیان حروف عاطفہ میں سے کوئی حرف لاکر متبوع کی جانب کی جانے والی نسبت میں تابع کو بھی شریک کیا جاتا ہے جیسے قام زید و عمرٌو میں زید

کی جانب قیام کی نسبت تھی تو وہی نسبت حرف عطف کے واسطے عمرو کی جانب بھی کردی گئی۔

" واذا عُطِفَ عَلى المرفوع المتصل اُكدّ بمنفصل مثل ضربت انا وزيدٌ الا ان يقع فصلٌ فيجوز تركه مثل ضربت اليوم وزيدٌ واذا عُطف على الضمير المجرور اعيدُ الخافض نحو مررتُ بك وبزيد" ...... اور جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو ضمیر منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لائی جاتی ہے جیسے ضربتُ انا وزیدٌ مگر اس صورت میں جبکہ ضمیر متصل اور معطوف کے درمیان فاصلہ ہو تو اس کا ترک جائز ہے جیسے ضربت الیوم وزیدٌ . اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو حرف جارہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے مررت بک وبزید میں زید کا عطف بک کی ضمیر مجرور پر ہے اس لئے زید پر بھی باجارہ لائی گئی ہے۔

"ضمیر پر عطف کا قاعدہ" ...... اگر ضمیر متصل پر عطف کیا جائے خواہ وہ ضمیر بارز ہو یا مستتر ہو تو ضمیر منفصل کے ساتھ اسکو موکد کیا جاتا ہے ضمیر بارز پر عطف کی مثال جیسے ضربتُ انا وزیدٌ . اور ضمیر مستتر کی مثال جیسے زید ضرب ہو وعمروٌ . اس میں عمرو کا عطف ضرب کے اندر ضمیر مستتر پر ہے اس لئے اس کی تاکید ھو ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی اور یہ قاعدہ اس صورت میں ہے جب کہ ضمیر متصل اور معطوف کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔ اگر فاصلہ ہو تو اس صورت میں ضمیر منفصل لائے بغیر بھی عطف درست ہے جیسے ضربتُ الیوم وَزیدٌ میں زیدٌ کا عطف ضربتُ کی تُ کی ضمیر پر ہے چونکہ الیوم کا درمیان میں فاصلہ ہے اس لئے ضمیر منفصل لائے بغیر بھی عطف درست ہے۔ اور ایسی صورت میں ضمیر منفصل کا لانا بھی جائز ہے جیسے فکبکبوا فیها هم والغاونَ ۔ میں الغاون کا عطف کبکبوا کی واؤ ضمیر بارز پر ہے اور درمیان میں فیھا کا واسطہ بھی ہے اس کے باوجود ھم ضمیر منفصل لائی گئی ہے۔

" **واذ عطف على الضمير المجرور** "...... اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو حرف جار کا تکرار ضروری ہے جیسے **مررت بک وبزید** .

" **والمعطوف فى حكم المعطوف عليه ومن ثمّ لم يجز فى ما زيد بقائمٍ او قائماً ولا ذاهبٌ عمروٌ الا الرفع وانما جاز الَّذى يطيُر فيغضب زيد الذباب لا نها فاء السَّببيّةواذا عطف على عاملين مختلفين لم يجز خلافا للفرّا ء الا فى نحو فى الدار زيدٌ والحجرةِ عمروٌ خلا فا للسيبويه** "...... اور معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ۔**مازيد بقائم ولا ذاهب عمروٌ** یا**ما زيد قائما ولا ذاهب عمروٌ**. **معطوف ذاهب** میں سوائے رفع کے کوئی اور اعراب پڑھنا جائز نہیں ہے۔اور پختہ بات ہے کہ **الذى يطير فيغضب زيدا لذباب** پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ اس پر فاء سببیہ ہے اور جب دو مختلف عاملوں کے معمولوں کا آپس میں عطف کیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔اسمیں امام فراء کا اختلاف ہے مگر **فى الدار زيد والحجرة عمرو** جیسی مثالوں میں دو مختلف عاملوں کے معمولوں کے درمیان عطف جائز ہے اس میں امام سیبویہ کا اختلاف ہے کہ وہ اس کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

﴿معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے﴾...... علامہ فرماتے ہیں کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جو چیزیں معطوف علیہ میں درست ہیں وہ معطوف میں بھی درست ہونگی اور جو چیزیں معطوف علیہ میں ناجائز ہیں وہ معطوف میں بھی ناجائز ہوں گی۔

"**ومن ثم**"...... جب معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تو اسی وجہ سے **مازيد بقائم ولا ذاهبٌ**

عمر وٌ میں اور **ما زید قائما ولا ذاهب عمر وٌ** میں معطوف پر صرف رفع ہی جائز ہے۔اس لئے کہ وہ **عمر وٌ** کی خبر مقدم ہے اور یہ جملہ کا جملہ عطف ہوگا۔اور **ذاهب** پر نصب اور جر اس لئے جائز نہیں کہ اس صورت میں اس کا عطف **قائم یا قائما** پر ہوگا۔اور یہ بواسطہ عطف زید کی خبر ہوگی جیسا کہ معطوف علیہ بقائم یا قائما اس کی خبر ہے اور ذاهب کو زید کی خبر بنانا درست نہیں ہے اس لئے کہ معطوف علیہ میں ایک ضمیر ہے جو زید کی طرف لوٹتی ہے جب کہ ذاهب میں کوئی ضمیر نہیں اس لئے کہ معطوف علیہ میں ایک ضمیر ہے جو زید کی طرف لوٹتی ہے جبکہ ذاهب میں کوئی ضمیر نہیں لوٹتی ہول جب اس مثال میں ذاهب کو زید کی خبر بنانا ممتنع ہے تو اس پر بقائم میں قام پر عطف کر کے جر پڑھنا یا قائماً پر عطف کر کے نصب پڑھنا جائز نہیں ہے ۔

"**وانما جاز الذی یطیر**"...... وانما پر واؤ استینافیہ ہے اور آگے سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تو جب معطوف علیہ میں ضمیر ہو جو کسی کی طرف راجع ہو تو معطوف میں بھی ضمیر ہوگی جو اسی چیز کی طرف راجع ہوگی جس کی طرف معطوف علیہ کی ضمیر راجع ہے حالانکہ **الذی یطیر فیغضب** میں یغضب کا عطف یطیر پر ہے اور یطیر کی ضمیر الذی کی طرف لوٹتی ہے اور یغضب کی ضمیر الذی کی طرف نہیں لوٹتی تو اس کو کیوں جائز قرار دیا گیا ہے۔تو اس کا جواب علامہ نے دیا کہ اس مثال میں فیغضب میں فاء عاطفہ نہیں بلکہ فاء سببیہ ہے اور اعتراض اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ فاء عاطفہ ہو۔

"**واذا عطف علی عاملین**"...... جب دو مختلف عاملوں کے مختلف معمول ہوں تو اور ان معمولوں کا آپس میں ایک دوسرے پر عطف کریں تو یہ درست نہیں ہے۔اس لئے کہ واؤ حرف علت ہے اور ضعیف ہے اور یہ دو مختلف عاملوں کے اثر کو ان کے دو مختلف معمولوں تک پہنچانے میں واسطہ نہیں بن سکتی ہے۔

"**خلافا للفراء**"...... اس مسئلہ میں امام فراء کا اختلاف ہے اور وہ ایک عامل کے دو مختلف معمولوں کے درمیان عطف کے جواز پر قیاس کرتے ہوئے دو مختلف عاملوں کے دو مختلف معمولوں کے درمیان عطف کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں۔

"**الافی نحو فی الدار**" یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ **فی الدار زید والحجرة عمر وٌ** جیسی

مثالوں میں دو مختلف عاملوں کے دو مختلف معمولوں کے درمیان عطف جائز ہے اور مثال سے ایک قاعدہ سمجھاتے ہیں کہ جب مجرور مقدم ہو تو ایسی صورت میں عطف درست ہے (اس لئے کہ سماعاً ایسا ثابت ہے)

" **خلافا للسیبویه** "...... امام سیبویہ اس مسئلہ میں مجرور مقدم ہونیکی صورت میں عطف کو ناجائز کہتے ہیں اور دلیل یہی دیتے ہیں کہ واؤ ضعیف ہے یہ دو مختلف عاملوں کا اثر ان کے معمولوں تک پہنچانے میں واسطہ نہیں بن سکتی۔ اس کے جواب میں جمہور کہتے ہیں کہ جب سماع سے ایسا ثابت ہے تو اس کو جائز قرار دیا جائیگا۔

"التاکید تابعٌ یُقرِّرُ امر المتبوع فی النسبة او الشمول وھو لفظیٌّ ومعنویٌّ فاللفظیُّ تکریرُ اللفظ الاوّل نحو جاءنی زیدٌ زیدٌ ویجری فی الالفاظِ کلّها والمعنوی بالفاظ محصُورة وھی نفسهُ وعَینهُ وکلاھُما وکُلّه واَجْمع واکتع وابتع وابصعُ فالاولان یعمانِ باختلاف صیغتهما وضمیرھما تقول نفسه ونفسها وانفسهما وانفسهم وانفسهنّ والثانی للمثنی تقُولُ کلاھما وکِلتاھما والباقی لغیر المثنی باختلاف الضمیر فی کله وکلها وکلهم وکلهن والصیغ فی البواقی تقول اجمع وجمعاء واجمعونَ وجمعُ" تاکید وہ تابع ہوتا ہے جو متبوع کی حالت اور اس کی شان کو نسبت یا شمول میں پختہ کرتا ہے اور لفظی اور معنوی ہوتا ہے پس لفظی پہلے لفظ کو تکرار سے لانے کو کہتے ہیں جیسے جاءنی زید زید اور یہ تاکید لفظی تمام الفاظ میں جاری ہوتی ہے اور معنوی چند مخصوص الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں

" نفسه اورعینه اور کلاهما اور کله اور اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع . " پس پہلے دو عام ہیں اپنی ضمیر اور صیغہ کے اختلاف کے ساتھ آتے ہیں جیسے آپ کہہ سکتے ہیں نفسه اور نفسها اور انفسهما اور انفسهم اور انفسهن ۔ اور دوسرا صیغہ تثنیہ کے لئے ہے جیسے آپ کہہ سکتے ہیں کلاهما اور کلتا هما ۔ اور باقی صیغے ضمیر کے اختلاف کے ساتھ تثنیہ کے علاوہ کے لئے ہیں کله اور کلها اور کلهم اور کلهن میں اور باقی الفاظ میں صیغہ کے اختلاف کے ساتھ ہوتے ہیں جیسے اجمع اور جمعاء اور اجمعون اور جُمَعُ .

"تابع کی تیسری قسم"...... تابع کی تیسری قسم تاکید ہے اور تاکید وہ تابع ہوتا ہے جو نسبت یا شمول میں متبوع کی حالت کو پختہ کرے۔ تاکید کی دو قسمیں ہیں ایک تاکید لفظی اور دوسری تاکید معنوی۔

﴿ تاکید لفظی وہ ہوتی ہے جو لفظ کے تکرار کے ساتھ ہو جیسے جاء نی زید زید ۔ اور تاکید لفظی تمام الفاظ میں ہو سکتی ہے۔

اور ﴿ تاکید معنوی وہ ہوتی ہے جو ان مخصوص الفاظ میں سے کسی کے ساتھ ہو جو اس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور وہ الفاظ " نفس . عین . کلاهما . کلتاهما . کله . اجمع . اکتع . ابتع . اور ابصع ہیں۔" فلا ولان یعمان

...... پہلے دو صیغے یعنی نفس اور عین اپنے اپنے صیغوں کے مطابق اور ان کی ضمیروں کے مطابق افراد تثنیہ اور جمع میں مختلف ہوتے ہیں جس قسم کی ضمیر اور صیغہ متبوع کا ہوگا یہ اس کے مطابق ہونگے جیسے جاء نی زیدنفسه . جاء تنی زینب نفسها . جاء نی الرجلا ن عینا هما . جاء نی الرجلان انفسهما . جاء نی الر جال انفسهم . جاء نی الرجال اعینهم . جاء تنی نساء انفسهن اور جاء تنی نساء اعینهن "

" والثانی للمثنی "...... یہاں الثانی سے مراد کلاهما ہے جب نفس اور عین کا ایک حکم بیان کر دیا تو یہ قمرین کی طرح تغلیباً ایک ہو گئے اس لئے تیسرے لفظ کو الثانی کے ساتھ تعبیر کیا ہے کلاهما تثنیہ مذکر کے لئے اور کلتاهما تثنیہ مونث کے لئے ہوتا ہے جیسے جاء نی الر جلا ن کلا هما . اور جاء تنی المر ا ء تا ن کلتا هما .

" والبواقی لغیر المثنی "نفس عین اور کلاهما کے علاوہ تاکید معنوی کے باقی الفاظ تثنیہ کے علاوہ باقی کے لئے یعنی مفرد اور جمع کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور کل کے آخر میں متبوع کیمطابق ضمیر ہوتی ہے جو متبوع کی جانب لوٹتی ہے

جیسے قراء ت الکتاب کله قراء ت الصحیفة کلها . اشتریت العبید کلهم. اشتریت الاماء کلهن ۔اورکل کے علاوہ باقی صیغے اجمع اکتع ابصع اورابتع متبوع کے مطابق ان کے صیغے مختلف ہوں گے جیسے قراء ت الکتاب کله اجمع واحد مذکرکیلئے اور قراء ت الصحیفة کلها جمعاء واحدہ مونث کے لئے۔اورجاء نی المسلمون کلهم اجمعون جمع مذکر کے لئے اورجاء تنی النساء کلهن جُمع جمع مونث کے لئے۔اسی طرح باقی صیغے۔ قراء ت الکتاب کله اجمع اکتع وابصع وابتع . قراء ت الصحیفة کلها جمعاء کتعاء وبصعاء وبتعاء جاء نی المسلمون کلهم اجمعون واکتعون وابصعون وابتعون . جاء تنی النساء کلهن جمع وَکُتع ُوبُصَع ُوبُتع َ. "ولا یوکد بکل واجمع الا ذواجزاءٍ یصح افتراقها حِسًّا اوحکما مثل اکرمت ُالقوم کلهم واشتریت ُ العبد کلّه بخلاف جاء زید کُلّه واذا اکّد الضمیر المرفوع ُالمتّصِل بالنفس ِوالعیْن ِاکّد بمنفصلٍ مثل ضربت انت نفسَک واکتع واخواهُ اتباعٌ لا جمع َفلا تتقدم علیه وذکرُها دونه ضعیفٌ ." ......اور کل اوراجمع کیساتھ صرف اس کی تاکیدلائی جاتی ہے جوذواجزاء ہواورحسایاحکمااس کاافتراق ہوسکتاہوجیسے اکرمت القوم کلهم اور اشتریت العبد کله بخلاف جاءزیدکله کے اورجب ضمیرمرفوع متصل کی نفس اورعین کیساتھ تاکیدلائی جائےتو ضمیر منفصل کے ساتھ اس کوموکدکیاجاتاہے جیسے ضربت انت نفسک . واکتع اوراس جیسے دوسرے الفاظ اجمع کے تابع ہیں اس لئے اس سے مقدم نہیں ہوسکتے اوراجمع کے بغیران الفاظ کاذکرکرناضعیف ہے۔

''کل اوراجمع کے تاکید بننے کے لئے شرط''...... علامہ فرماتے ہیں کہ کل اور اجمع صرف اس کی تاکید بن سکتے ہیں جوذواجزاء ہوخواہ مفرد ہو یا جمع ہواور اس کا افتراق حسا یا حکما صحیح ہو جیسے **اکرمت القوم کلھم** میں القوم ذو اجزاء ہے اس لئے کہ اس کے تحت بہت سے افراد ہیں ان افراد کا افتراق حسا ہوسکتا ہے اور اشتریت العبد کلہ میں العبد ذو اجزاء ہے اس لئے کہ ایک غلام کے کئی مالک ہوسکتے ہیں تو ہر ایک کی ملکیت اس میں علیحدہ علیحدہ ہوگی اس لئے اس میں حکما افتراق ہو سکتا ہے بخلاف جاء زید کلہ کے کہ زید کے اجزاء کا افتراق مجیئت میں نہ حسا ہوسکتا ہے اور نہ ہی حکما ہوسکتا ہے کہ یہ تصور کیا جا سکے کہ زید کے کچھ اجزاء آئے اور کچھ نہیں آئے۔ جب زید کے اجزاء کا مجیئت میں افتراق نہ حسا ہوسکتا ہے اور نہ ہی حکما ہوسکتا ہے تو اسی لئے جاء زید کلہ میں کل کو زید کی تاکید بنانا درست نہیں ہے۔

'' واذا اکد الضمیر المرفوع ''...... جب ضمیر مرفوع متصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے تو ضمیر متصل کو ضمیر منفصل کیساتھ موکد کیا جاتا ہے پھر اس کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ جیسے **ضربت انت نفسک** ۔اور ضمیر منفصل کے ساتھ ضمیر متصل کو موءکد کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر ضمیر منفصل کے ساتھ اس کو موکد نہ کریں تو ضمیر مستتر کی صورت میں تاکید کا فاعل کے ساتھ التباس آتا ہے جیسے **زید اکرمنی نفسہ** اس میں نفسہ تاکید بھی ہوسکتا ہے اور اکرمنی کا فاعل بھی ہوسکتا ہے اور جب **زید اکرمنی ھو نفسہ** کہیں گے تو اس کا تاکید کے لیے متعین ہونا ثابت ہوجائیگا۔ جب بعض صورتوں میں التباس آتا ہے تو باقی صورتوں کو بھی اس کی موافقت میں یہی حکم دے دیا گیا۔

''واکتع واخواہ''...... اکتع کے اخوات سے مراد ابصع اور ابتع کے صیغے ہیں یہ اجمع کے تابع ہیں اسی لئے اس سے مقدم نہیں ہوسکتے اور اجمع کے بغیر ان کو تاکید کے لئے لانا ضعیف ہے اس لئے کہ یہ ان الفاظ جمعیت کے معنی پر دلالت کرنے میں واضح نہیں ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ اجمع کے تابع ہیں تو اس کے بغیر ان کا استعمال متبوع کے بغیر پایا جائیگا اور یہ درست نہیں ہے۔

''البَدَلُ تابعٌ مقصود بما نُسِبَ الی المتبوع دُونه وھو بدلُ الکُلّ والبعض والاشتِمال والغلط فالاول مدلوله مَدْلول الاول والثانی جزءہ والثالث بَینَه وبَیْن الاوّل مُلابسةٌ بغیر ھما والرابعُ ان تقصد الیه بعد ان غلطتَ بغیرہ '' ...... بدل وہ ہوتا ہے کہ متبوع کی جانب جونسبت کی گئی ہے اس نسبت میں مقصود تابع ہوتا ہے وہ متبوع نہیں ہوتا اور وہ بدل الکل ۔ بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط ہوتا ہے پس پہلا وہ ہوتا ہے کہ اس کا مدلول وہی ہوتا ہے جو اس پہلے یعنی متبوع کا مدلول ہوتا ہے اور دوسرا وہ ہوتا ہے کہ اس کا مدلول متبوع کے مدلول کا جزء ہو اور تیسرا وہ ہوتا کہ اس بدل اور اس کے متبوع کے درمیان کل اور جزء کے تعلق کے علاوہ کوئی تعلق ہو اور چوتھا وہ ہوتا ہے کہ اس کی جانب تو ارادہ کرے بعد اس کے کہ اس کے علاوہ لفظ بول کر تو نے غلطی کی ہو۔

﴿ تابع کی چوتھی قسم ﴾ ...... تابع کی چوتھی قسم بدل ہے اور بدل کے متبوع کو مبدل منہ کو کہتے ہیں ۔ اور بدل وہ ہوتا ہے کہ پہلے نسبت متبوع کی جانب کر دی گئی ہو اور پھر تابع لا کر وہی نسبت اس کی جانب کر دی جائے اس لئے کہ نسبت میں مقصود ہوتا بع ہی ہوتا ہے اس کو متبوع نسبت میں مقصود نہیں ہوتا۔

''بدل کی اقسام'' ...... بدل کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم بدل الکل (۲) دوسری قسم بدل البعض (۳) تیسری قسم بدل الاشتمال (۴) اور چوتھی قسم بدل الغلط ہے۔

(۱) ''بدل الکل وہ ہوتا ہے کہ تابع کا مدلول بعینہ وہی ہو جو متبوع کا مدلول جیسے جاء نی زید اخوک اخوک بدل ہے زید کا ۔ اور جو زید کا مدلول ہے وہی اخوک کا مدلول ہے یعنی جس ذات پر زید دلالت کرتا ہے اسی پر اخوک بھی دلالت کرتا ہے ۔ (۲) ''بدل البعض وہ ہوتا کہ بدل مبدل منہ کا جز ہو جیسے ضَرَبْتُ زیداً راسهٗ. راسه' زید سے بدل ہے اور اس کا جز ہے کا اس لئے یہ بدل البعض ہے۔

(۳) بدل الاشتمال وہ ہوتا ہے کہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان کل اور جز والے تعلق کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو جیسے اَعْجَبَنِي

زید" علمہ ' ۔علمہ بدل ہے زید سے اور یہ اس کا نہ کل ہے اور نہ جز ہے مگر اس کا تعلق اس کے ساتھ ہے۔اس لئے یہ بدل الاشتمال ہے۔ (۴) بدل الغلط وہ ہوتا ہے کہ پہلے غلطی سے نسبت متبوع یعنی مبدل منہ کی جانب کردی ہو پھر اس کے تدارک کے لئے تابع کو لایا گیا ہو جیسے ضربتُ زیداً حماراً ۔پہلے غلطی سے زیدا کہہ دیا پھر غلطی کے تدارک کے لئے حمارا کو ذکر کیا۔

" ویکونان مَعرفتینِ ونکرتینِ ومختلفتین واذا کانَ نکرۃً مِنْ معرفۃٍ فالنعت مثل بالنَّاصِیَۃِ ناصیۃٍ کاذبۃٍ ویکونان ظاہِرین ومضمرِیْن ومختلفَیْنِ ولا یبدَل ظاہرٌ من مضمر بدَلَ الکُل الا من الغائب نحو ضرَبتُہ زیداً . "...... اور وہ دونوں معرفہ بھی ہوتے ہیں اور نکرہ بھی ہوتے ہیں اور دونوں مختلف بھی ہوتے ہیں۔اور جب معرفہ کا بدل نکرہ ہو تو نکرہ کی نعت لانا ضروری ہے جیسے الناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ ۔پہلا الناصیۃ بدل منہ ہے اور معرفہ ہے جبکہ دوسرا ناصیۃ بدل ہے اور نکرہ ہے تو اس کی صفت کاذبۃ لائی گئی۔اور دونوں اسم ظاہر بھی ہو تے ہیں اور دونوں اسم ضمیر بھی ہوتے ہیں۔اور دونوں مختلف بھی ہوتے ہیں اور اسم ظاہر کو اسم ضمیر کا بدل نہیں بنایا جا سکتا سوائے ضمیر غائب کے جیسے ضربتہ' زیداً .

" ویکونان معرفتین "...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے جاءنی زید اخوک ۔زید مبدل منہ اور اخوک بدل ہے اور دونوں معرفہ ہیں۔ونکرتین۔دونوں نکرہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے جاءنی رجل غلامٌ لک .

" ومختلفتین "۔ اور دونوں مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہو جیسے بالناصیۃ ناصبۃ کاذبۃ . اس میں الناصبۃ مبدل منہ معرفہ ہے اور ناصبۃ بدل نکرہ ہے۔اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ ہو

جیسے جاء نی رجل" غلام زید میں رجل مبدل منہ نکرہ اور غلام زید معرفہ اس سے بدل ہے۔

" **واذا کان نکرۃ من معرفۃ** " ...... جب مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہو تو ایسی حالت میں بدل کی صفت لانا ضروری ہے جیسے بالناصیۃ نا صیۃ کا ذبۃ ۔ میں بدل ناصیۃ کی صفت کاذبۃ لائی گئی ہے۔

" **فالنعت** " ...... یہاں اصل عبارت اس طرح ہے " فنعت البدل النکرۃ واجب " تو تخفیف کر کے صرف فالنعت کہہ دیا۔

" **ویکونان ظاہرین** " ...... بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر بھی ہو سکتے ہیں جیسے جاء نی زید اخوک ۔ ومضمرین اور دونوں اسم ضمیر بھی ہو سکتے ہیں الزیدون لقیتھم ایا ھم میں ھم ضمیر مبدل منہ ہے اور ایاھم ضمیر اس سے بدل ہے۔

" **ومختلفتین** "...... اور دونوں مختلف بھی ہو سکتے ہیں کہ مبدل منہ اسم ظاہر اور بدل ضمیر ہو جیسے اخوک ضربت زیدا ایاہ ۔ اس میں زید اسم ظاہر مبدل منہ اور ایاہ اسم ضمیر اس سے بدل ہے اور اگر مبدل منہ اسم ضمیر ہو تو اس کا بدل اسم ظاہر ہو سکتا ہے جیسے اخوک ضربتہ زیدا ایاہ ضربتہ میں ہٗ ضمیر مبدل منہ اور زید اس سے بدل ہے۔

" **ولا یبدل ظاہر** "...... یہاں سے علامہ فرماتے ہیں کہ اگر مبدل منہ ضمیر ہو تو اس کا بدل الکل اسم ظاہر صرف غائب کی صورت میں لایا جا سکتا ہے۔ مخاطب اور متکلم کی صورت میں جب مبدل منہ اسم ضمیر ہو تو اسم ظاہر بدل الکل نہیں لایا جا سکتا۔ اس لئے کہ خطاب اور متکلم کی ضمیریں مدلول پر دلالت کے لحاظ سے اسم ظاہر سے زیادہ قوی اور اخص ہوتی ہیں جب کہ غائب کی ضمیر اور اسم ظاہر دونوں مدلول پر دلالت کرنے میں برابر ہیں اس لئے ضمیر غائب سے اسم ظاہر بدل الکل لایا جا سکتا ہے جیسے ضربتہ زیدا میں ہٗ ضمیر مبدل منہ ہے اور زید اس سے بدل ہے۔

"عطف البیان تابع غیر صفة یوضح متبوعہٗ مثل اقسم باللہ ابو حفص عمر و فصلہٗ من البدل لفظاً فی مثل انا ابن التارک البکری بشرٍ"...... عطف بیان وہ تابع ہوتا ہے جو صفت نہ ہومگر اپنے متبوع کی وضاحت کرے جیسے اقسم باللہ ابو حفص عمر۔ اوراس عطف بیان کا بدل سے فرق لفظاً ہے انا ابن التارک البکری بشرٍ جیسی مثالوں میں

۔تابع کی پانچویں قسم"...... تابع کی پانچویں قسم عطف بیان ہے اور عطف بیان اس کو کہتے ہیں جو صفت نہ ہونے کے باوجود اپنے متبوع کی وضاحت کرے جیسے اقسم باللہ ابو حفص عمر۔ ابوحفص کنیت ہے اور عمر نے آکر اس کی وضاحت کی ہے حالانکہ عمر ابوحفص کی صفت نہیں ہے اسلئے کہ عمر عَلَم ہے اور عَلَم ذات پر دلالت کرتا ہے جبکہ صفت اس معنی پر دلالت کرتی ہے جو متبوع میں پایا جاتا ہے۔

" وفصلہ من البدل لفظاً "...... فصل سے مراد یہاں فرق ہے عطف بیان اور بدل میں معنوی فرق تو واضح کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے جب کہ عطف بیان (معطوف علیہ کے ساتھ نسبت میں شریک ہوتا ہے جب ان میں معنوی فرق واضح تھا تو اس کے بیان کی ضرورت نہ تھی اور عطف بیان اور بدل کے درمیان لفظی فرق کچھ زیادہ واضح نہ تھا اس لئے اس کا ذکر کیا ہے) عطف بیان کا بدل سے فرق لفظاً ہے یعنی احکام لفظیہ کے لحاظ سے ہے جیسے انا ابن التارک البکری بشرٍ۔ یہ مثال ذکر کے علامہ نے ایک قاعدہ مراد لیا ہے کہ جب متبوع ایسا معرف باللام ہو جو صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہو تو اس متبوع سے عطف بیان تو آسکتا ہے مگر اس سے بدل نہیں واقع ہوسکتا۔ جیسے البکری متبوع ہے اور یہ معرف باللام ہے اور التارک معرف باللام کا مضاف الیہ ہے اور التارک صفت ہے اور بشر تابع ہے تو یہ عطف بیان تو بن سکتا ہے مگر بدل نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جو عامل مبدل منہ پر ہوتا ہے وہی عامل بدل پر بھی لایا جاسکتا ہے اس صورت میں اگر بشر کو البکری سے بدل بنائیں تو البکری پر التارک ہے تو یہ التارک بشر پر بھی آئے گا تو عبارت اس طرح ہوجائیگی۔" التارک بشر اور یہ الضارب زید کے قبیل سے ہوگا تو جیسے الضارب زید جائز

نہیں اسی طرح التارک بشر بھی جائز نہیں ہے اور عطف بیان تکرار عامل کے حکم میں نہیں ہوتا اس لئے عطف بیان بنانا جائز ہے۔" **المبنیُّ ما ناسبَ مبنیَّ الاَصل او وقع غیر مرکب والقابہٗ ضَمٌّ وفتحٌ وکسرٌ ووقفٌ وحکمُہٗ انْ لا یختلف اٰخرہٗ لاختلافِ العوامل وھی المضمرات واسماء الاشارات وَالموصولاتُ والمرکبات والکنایات واسماء الافعال والاصوات وبعضُ الظروف".** "...... مبنی وہ ہوتا ہے جو مبنی الاصل کیساتھ مشابہت رکھے یا غیر مرکب واقع ہو اور اس کے القاب ضم۔ فتح اور کسر۔ اور وقف یعنی سکون ہیں۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا نہیں ہے اور وہ مضمرات۔ اسماء اشارات۔ موصولات مرکبات۔ کنایات۔ اسماء افعال۔ اسماء اصوات اور بعض اسماء ظروف ہیں۔

﴿مبنی کی بحث﴾ ...... علامہ نے پہلے معرب کا بیان کیا اور اب یہاں مبنی کی بحث شروع کرتے ہیں۔ علامہ کی عبارت **المبنی ماناسب مبنی الا صل او وقع غیر مرکب** سے معلوم ہوتا ہے کہ مبنی کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ کلمہ اپنے اصل کے لحاظ سے مبنی ہو اور وہ تین ہیں تمام حروف اور فعل ماضی اور امر حاضر معلوم۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہو۔ جیسے مضمرات وغیرہ اور تیسری صورت یہ ہے کہ کلمہ ترکیب کے بغیر واقع ہو اس لئے کہ معرب کے لئے یہ قید لگائی گئی تھی کہ وہ مرکب ہو جب ترکیب کے بغیر واقع ہونے والا کلمہ معرب نہیں ہوگا تو پھر مبنی ہوگا جیسے زید۔ عمرو۔ وغیرہ جبکہ ترکیب کے بغیر واقع ہوں۔ جب یہاں بحث اسم کی ہو رہی ہے تو المبنی صفت ہوگی موصوف محذوف الاسم کی اور معنی یہ ہوگا کہ اسم مبنی وہ ہوتا ہے جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھے یا غیر مرکب واقع ہو۔ القابہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبنی کے القاب ضم۔ فتح۔ اور کسر ہیں حالانکہ یہ مبنی کے نہیں بلکہ اس کی حرکات کے القاب ہیں۔ مگر یہ اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے کہ اسم مبنی ان حرکات پر مشتمل ہوتا ہے تو مجازاً مشتمل بول کر مشتمل مراد لیا گیا ہے اور معنی یہ ہے کہ مبنی پر جو حرکات آتی ہیں ان کو ضم۔ فتح اور کسر سے پکارا جاتا ہے۔

"وحكمه"" ...... مبنی کا حکم یہ ہے کہ مختلف عوامل کے باوجود اس کا آخر بدلتا نہیں بلکہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔

اعتراض:۔وھی المضمرات میں ھی ضمیر مونث ہے جبکہ المبنی مذکر کی طرف راجع ہے تو راجع اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں ہے۔ **جواب**: ۔قاعدہ یہ ہے کہ جب خبر مونث ہو اور مرجع مذکر ہو تو ضمیر لانے میں خبر کی رعایت ہوتی ہے اور یہاں المضمرات خبر ہے جو کہ مونث ہے تو مبتدا کی ضمیر مونث ہی لائی جائیگی بے شک اس کا مرجع مذکر ہے۔

﴿اسم مبنی کی اقسام﴾ ...... جو اسم مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہے اس کی آٹھ قسمیں ہیں۔

(۱) مضمرات (۲) اسماء اشارات (۳) اسماء موصولات (۴) اسماء مرکبات (۵) اسماء کنایات (۶) اسماء افعال (۷) اسماء اصوات (۸) بعض اسماء ظروف۔﴾

"المضمر ما وضع لمتكلّم او مخاطبٍ او غائب تقدّم ذكره لفظاً اومعنىً او حُكماً وهو متّصلٌ اومنفصِلٌ فالمنفصِل المستقل بنفسِه والمتّصل غير المستَقل بنفسه وهُو مرفوعٌ ومنصوبٌ ومجرورٌ فالاولان متّصل ومنفصلٌ والثالث متّصلٌ فقط فذلك خمسةُ انواعٍ الاول ضربتُ وضربتُ الى ضَرَبْن وضُربْنَ والثانى انا الى هُنَّ والثالثُ ضربنى الى ضرَبَهُنَّ وانِنِى الى انهنّ والرّابع اياى الىٰ ايّاهنّ والخامس غلامى ولى الى غُلامِهِنَّ ولهُنَّ." ضمیر وہ اسم ہوتا ہے جو ایسے متکلم یا مخاطب یا غائب کے تعین کے لئے وضع کیا گیا ہو جس کا ذکر پہلے لفظاً یا معناً یا حکماً ہو چکا ہو اور وہ متصل اور منفصل ہوتا ہے۔ پس ضمیر منفصل وہ ہوتی ہے جو مستقل بنفسہ ہو اور متصل وہ ہوتی ہے جو مستقل بنفسہ نہ ہو اور وہ مرفوع اور منصوب اور مجرور ہو

تی ہے پس پہلی دو متصل اور منفصل ہوتی ہیں اور تیسری صرف متصل ہوتی ہے پس یہ پانچ قسمیں ہیں ۔پہلی ضـربـت سے ضربن تک اور ضُرِبتُ سے ضُربن تک اور دوسری اَنا سے ھُن تک اور تیسری ضربنی سے ضربھن تک اور اننی سے انھن تک اور چوتھی ایای سے ایاھن تک اور پانچویں غلامی سے غلامھن تک اور لِی سے لھُن تک ۔

''اسم ضمیر کی بحث'' ...... اسم ضمیر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو ایسے متکلم یا مخاطب یا غائب کے تعین کے لئے وضع کی گئی ہو جس کا ذکر پہلے لفظاً یا معناً یا حکماً ہو چکا ہو ۔اور یہ ضمیر دو قسم پر ہے منفصل اور متصل ۔

''ضمیر منفصل وہ ہوتی ہے جو مستقل بنفسہٖ ہو یعنی جو تلفظ میں دوسرے کلمہ کی محتاج نہ ہو جیسے ھو وغیرہ اور ضمیر متصل وہ ہوتی ہے جو تلفظ میں دوسرے کلمہ کی محتاج ہو جو اس میں عامل ہوتا ہے جیسے ضربتُ میں تُ ضمیر ضرب کی محتاج ہے جو اس میں عامل ہے ۔اور اس کے بغیر تُ ضمیر کا تلفظ درست نہیں ہے ۔

﴿اعراب کی اقسام کے لحاظ سے ضمیر کی قسمیں﴾......

اعراب کی اقسام کے لحاظ سے اسم ضمیر کی تین قسمیں ہیں (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور

''ضمیر مرفوع اور منصوب متصل بھی ہو سکتی ہیں اور منفصل بھی ہو سکتی ہیں اور ضمیر مجرور صرف متصل ہوتی ہے ۔متصل اور منفصل اس طرح اعراب کے لحاظ سے اسم ضمیر کی کل پانچ قسمیں ہیں ۔(۱) مرفوع متصل (۲) مرفوع منفصل (۳) منصوب متصل (۴) منصوب منفصل (۵) مجرور متصل ۔

''ضمیر کی پہلی قسم'' ...... پہلی قسم یعنی مرفوع متصل ضربت سے لے کر ضربن تک کے تمام صیغوں میں ہے ۔نحوی گردان میں پہلے متکلم کے صیغے پھر خطاب کے اور آخر میں غائب کے صیغے لاتے ہیں (اس لئے کہ ان کے نزدیک متکلم کی ضمیر اعرف المعارف ہے پھر اسکے بعد خطاب کی ضمیر اور پھر اس کے بعد غائب کا درجہ ہے اسی لئے علامہ نے ضربت الی ضربن کہا ہے ۔اور صرفی غائب کے صیغے سے گردان شروع کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک غائب کی ضمیر مقدم ہے) فعل کے تمام صیغوں کے ساتھ جو ضمیر متصل ہوتی ہے اور فاعل بنتی ہے وہ ضمیر مرفوع متصل ہوتی ہے جیسے ضـربـتُ . ضـربـنـا . ضربتَ . ضربتماَ . ضربتم. ضربتِ . ضربتما. ضربُتن . ضرب . ضربا . ضر بوا . ضربتْ

. ضربتا . ضربْنَ ۔اسی طرح ماضی مجہول کے صیغوں میں اور مضارع معروف اور مجہول کے صیغوں اور امر کے صیغوں میں جو ضمیر فعل کے ساتھ مل کر آتی ہے اور فاعل واقع ہوتی ہے وہ ضمیر مرفوع متصل ہے خواہ وہ بارز ہو یا مستتر ہو۔ جیسے ضَرَبَ میں ھو اور ضَرَبَتْ میں ھی ضمیر مستتر ہے اور باقی صیغوں کے آخر میں ضمیر بارز ہے۔

''ضمیر کی دوسری قسم'' ......ضمیر کی دوسری قسم ضمیر مرفوع منفصل ہے۔ جو ضمیر فعلوں کے ساتھ مل کر نہیں آتی بلکہ علیحدہ آتی ہے اور فاعل یا مبتداء یا خبر واقع ہوتی ہے وہ ضمیر مرفوع منفصل ہوتی ہے اور اَنَا سے لے کر ھُنَّ تک تمام ضمیریں مرفوع منفصل ہیں جیسے انا . نحن . انت . انتما . انتم . انت . انتما . انتن . ھو . ھما . ھم . ھی . ھما . ھن .

''ضمیر کی تیسری قسم'' ......ضمیر کی تیسری قسم ضمیر منصوب متصل ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ ضمیر جو فعلوں کے ساتھ مل کر آتی ہے اور مفعول بہ واقع ہوتی ہے جیسے ضربنی سے لے کر ضربھن تک تمام ضمیریں منصوب متصل ہیں جیسے ضربنی . ضربنا . ضربک . ضربکما . ضربکم. ضربکِ . ضربکما . ضربکن . ضربه . ضربھما . ضربھم . ضربھا ضربھما . ضربھنّ ۔(اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان واخواتھا کے ساتھ مل کر آئے اور ان کا اسم واقع ہو جیسے اننی .اننا . انک . انکما. انکم. انکِ. انکما. انکن . انه. انھما . انھم . انھا. انھما . انھن ۔)

﴿ضمیر کی چوتھی قسم﴾......ضمیر کی چوتھی قسم ضمیر منصوب منفصل ہے جو ضمیر فعلوں کے ساتھ مل کر نہیں آتی بلکہ علیحدہ آتی ہے اور مفعول بہ واقع ہوتی ہے وہ ضمیر منصوب منفصل ہوتی ہے جیسے ایا ی . ایانا . ایاک . ایاکما. ایاکم. ایاکِ. ایاکما . ایاکن . ایاہ . ایا ھم. ایا ھما. ایا ھا . ایا ھما . ایا ھن .

﴿ضمیر کی پانچویں قسم﴾......ضمیر کی پانچویں قسم ضمیر مجرور متصل ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ یہ ضمیر مضاف الیہ واقع ہو جیسے غلامی . غلامنا . غلامک . غلامکما . غلامکم . غلامکِ .

غلامکما . غلامکن . غلامه . غلامهما . غلامهم . غلامها . غلا مهما . غلامهن ۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر پر حرف جار داخل ہو جیسے لی . لنا . لک . لکما . لکم . لکِ. لکما. لکن . له . لهما . لهم . لها . لهما . لهُنَّ ۔جب ضمیر کی پانچ قسمیں ہیں اور ہر ایک قسم کے چودہ چودہ صیغے ہیں تو کل ضمیریں ستر ہوگئیں۔" فالمرفوع المتِصل خاصّةً یستتر فی الماضی للغائب و الغائبة والمضارع للمتکلّم مطلقاً والمخاطب والغائب والغائبة فی الصّفَةِ مطلقاً ولا یسوغُ المنفصل الا لتعذر المتصل وذالک بالتقدیم علی عامله او بالفصل لغرض او بالحذف او بکون العَامل معْنویاً اوحرُفاً والضمیر مرفوع اوبکونه مسند الیه صفة جرت علی غیر من هی له مثل ایاک ضربت وما ضر بک الا انا وایاک والشر وانا زید وما انت قائما . وهند زید ضاربته هی .... "پس ضمیر مرفوع متصل خاص کر فعل ماضی کے غائب اور غائبہ کے صیغے میں اور مضارع متکلم کے صیغوں میں مطلقاً اور مخاطب اور غائب اور غائبہ کے صیغے میں اور مضارع متکلم کے صیغوں میں مطلقا اور مخاطب اور غائب اور غائبہ میں اور صفت کے صیغوں میں مطلقاً مستتر ہوتی ہے۔اور ضمیر منفصل نہیں گنجائش رکھتی مگر متصل کے متعذر ہونے کی صورت میں اور یہ ضمیر کے اپنے فاعل پر مقدم ہونے یا کسی غرض سے ضمیر اور عامل کے درمیان فاصلہ لانے یا عامل کو حذف کرنے یا عامل معنوی ہونے یا عامل حرف ہو اور ضمیر مرفوع ہو یا اس ضمیر کا ایسی حالت میں ہونا کہ اس کی جانب ایسی صفت مسند ہو جو موصوف کے علاوہ پر واقع ہو جیسے ایاک ضربت . اور ما ضربک الا انا . ایاک والشر . انا زید . ماانت قائما . اورهند زید ضاربته هی ۔ان صورتوں میں ضمیر متصل کا لانا متعذر رہوتا ہے۔

﴿ضمیر بارز اور مستتر کے مقامات﴾......فعل ماضی کے دوصیغوں واحد مذکر غائب اور واحدہ مونثہ غائبہ میں ضمیر مستتر ہوتی ہے واحد مذکر غائب میں ھو اور واحدہ مونثہ غائبہ میں ھی ضمیر مستتر ہوتی ہے۔فعل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلق یعنی خواہ واحد متکلم کا صیغہ ہو یا جمع متکلم کا صیغہ ہو۔جیسے **اَضرِبُ** ۔میں اَنا َ ۔اور **نَضرِبُ** میں **نحن** ضمیر مستتر ہے اسی طرح فعل مضارع کے واحد مذکر مخاطب کے صیغے تضرب میں انت اور واحد مذکر غائب کے صیغہ **یضربُ** میں ھو اور واحدہ مونثہ غائبہ کے صیغہ میں ھی اور صفت کے صیغوں میں مطلقاً ضمیر مستتر ہوتی ہے اور یہاں مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ اسماء صفات میں سے کوئی بھی ہو اور اس کا کوئی بھی صیغہ ہو ہر ایک میں ضمیر مستتر ہوتی ہے۔اور ضمیر منفصل صرف وہاں لائی جاسکتی ہے جہاں ضمیر متصل لانا متعذر ہو۔اس لئے کہ ضمیروں کی وضع اختصار کے لئے ہے اور متصل میں اختصار زیادہ ہوتا ہے جب تک اسکی گنجائش ہو اس وقت تک ضمیر منفصل نہیں لائی جاتی)

﴿کن مقامات پر ضمیر متصل لانا متعذر ہے۔﴾......چھ مقامات میں ضمیر متصل لانا متعذر رہے اس لئے وہاں ضمیر منفصل لائی جاتی ہے۔

''پہلا مقام''......جہاں ضمیر کو اس کے عامل سے مقدم کیا گیا ہو جیسے **ایاک ضربتُ** ۔اس میں ضربت عامل ہے مگر اس پر ضمیر کو مقدم کیا گیا ہے اور ایسے مقام میں ضمیر متصل نہیں لائی جاسکتی۔اسلئے (کہ ضمیر متصل تو عامل کے آخر میں آتی ہے۔) **''دوسرا مقام''**......جہاں ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان کسی غرض کی وجہ سے فاصلہ کیا گیا ہو جیسے **ما ضربک الا انا** ۔انا ضمیر اور اس کے عامل **ضربک** کے درمیان اِلاّ ہے (اور الا کو درمیان میں لائے بغیر کلام کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا۔) جب درمیان میں فاصلہ ہے تو اتصال متعذر ہے۔

''تیسرا مقام''......جہاں ضمیر کا عامل محذوف ہو اس لئے کہ جب عامل ہی محذوف ہے تو ضمیر کو کس کے ساتھ متصل کریں گے۔اس لئے کہ عامل کیساتھ متصل کو ہی متصل کہتے ہیں۔جیسے **ایاک والشر** جو اصل میں **اتق نفسک والشر** ہے اتق فعل اور نفس کو حذف کیا اور کاف ضمیر متصل بغیر عامل کے رہ گئی تو اس کو ضمیر منفصل سے بدل دیا اور ایاک والشر

ہو گیا۔ ''چوتھا مقام'' ...... جہاں عامل معنوی ہو وہاں ضمیر متصل کالا نا متعذر ہے اس لئے کہ ضمیر متصل عامل لفظی کیساتھ متصل ہوتی ہے ۔جیسے انا زید ۔انا مبتداء ہے اور مبتدا میں عامل معنوی ہوتا ہے۔

''پانچواں مقام'' ...... جہاں عامل حرف ہو اور ضمیر مرفوع ہو جیسے ما انت قائماً اس میں ما حرف ہے اور عامل ہے۔ یہاں مرفوع کی قید اس لئے لگائی ہے کہ صرف ضمیر مرفوع کی صورت میں ہی متصل کالا نا متعذر ہے اسلئے کہ ضمیر مرفوع متصل فعل کے ساتھ آتی ہے جبکہ یہاں عامل فعل نہیں بلکہ حرف ہے اور ضمیر مرفوع کے علاوہ منصوب متصل یا مجرور متصل حرف کے ساتھ بھی آسکتی ہیں۔منصوب متصل کی مثال جیسے اِنَّنِي وغیرہ اور مجرور متصل کی مثال جیسے لی .لنا وغیرہ۔

''چھٹا مقام'' ...... جہاں ضمیر کی جانب ایسی صفت مسند ہو جو اس ذات کے غیر پر جاری ہوتی ہے جس کی یہ صفت ہے جیسے هند زید ضاربته هی. اس مثال میں ضاربتہ میں ضاربیت صفت ہے جس کی نسبت ضمیر کی جانب ہے اور ضمیر زید کی طرف راجع ہے مگر یہ ضاربیت اس ذات پر جاری نہیں ہوتی جس کی جانب ضمیر راجع ہے بلکہ اس کے غیر پر جاری ہوتی ہے اس لئے بعد میں ضمیر منفصل کالا نا ضروری ہے۔اس لئے کہ اگر ایسی حالت میں ضمیر منفصل نہ لائیں تو بعض صورتوں میں التباس آتا ہے۔جیسے زیدٌ عمروٌ ضاربه هُوَ .اگر اس میں ھو ضمیر منفصل نہ ذکر کی جائے تو التباس آتا ہے کہ ضَارِبُ زیدٌ ہے یا عمرو ہے جب ھو ضمیر منفصل لائے تو معلوم ہو گیا کہ ضارب زید ہے۔جن صورتوں میں التباس نہیں آتا ان صورتوں میں التباس والی صورتوں کی موافقت کی وجہ سے یہ حکم ثابت کیا گیا ہے۔

''واذا اجتمعَ ضميران وليسَ احدُهُما مرفوعاً فان كان احدُهُما اعرَفَ وقدّمْتَهُ فلك الخيار فى الثانى نحو اعطيتُكَه واعطيتُكَ اياهُ وضربيك وضربى اياك والا فهوَ منفصلٌ نحوا عطيتُه اياه او اياك'' ...... اور جب دو ضمیریں جمع ہوں اور ان میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو تو پھر اگر ان میں سے ایک دوسری کی

بہ نسبت اعرف ہواور تو نے اس کو مقدم کر دیا تو دوسری ضمیر میں تجھے اختیار ہے خواہ متصل لائے یا منفصل لائے جیسے **اعطیتکه** اور **اعطیتک ایاه** اور **ضربیک** اور **ضربنی ایاک** اور اگر دونوں ضمیروں میں سے کوئی اعرف نہ ہوتو پھر ضمیر منفصل ہی لائی جائیگی جیسے **اعطیته ایا ہ یا اعطیته ایاک** . ...

یہاں سے علامہ بیان فرماتے ہیں کہ جب دو ضمیریں جمع ہوں اوران میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہواوران دونوں ضمیروں میں سے جو اعرف ہے اسکو مقدم کر دیا گیا تو دوسری ضمیر میں اختیار ہے خواہ متصل لائیں یا منفصل لائیں۔ مرفوع نہ ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ مرفوع تو فعل کے جزء کی طرح ہوتی ہے اس لئے اسکا اتصال ضروری ہوتا ہے اور دوسری قید یہ لگائی کہ ان میں سے ایک اعرف ہو یعنی دونوں برابر درجہ کی نہ ہوں اس لئے کہ اگر برابر درجہ کی ہونگی تو پھر ضمیر منفصل کا لانا واجب ہے جیسے **اعطاھا ایا ھا** ۔اور نحویوں کے نزدیک ضمیروں میں ترتیب یہ ہے کہ متکلم کی خبر اعرف ہے پھر مخاطب کی اور پھر غائب کی۔ **اعطاھا ایا ھا** میں دونوں ضمیریں غائب کی ہیں اور ایک درجہ کی ہیں اس لئے ضمیر منفصل ہی لائی جائیگی۔اور تیسری قید یہ لگائی کہ اعرف ضمیر کو مقدم کیا گیا ہواس لئے کہ اگر اعرف کو مقدم نہ کیا گیا ہوتو اس صورت میں بھی ضمیر منفصل کا لانا ضروری ہے جیسے **اعطیته ایاک** اس میں پہلی ضمیر ۂ غائب کی ہے اور دوسری ضمیر ایاک خطاب کی ہے اور یہ غائب کی بہ نسبت اعرف ہے مگر موخر ہے اس لئے ضمیر منفصل ہی لائی جائیگی ۔ جب اکٹھی آنے والی دونوں ضمیروں میں سے کوئی مرفوع نہ ہواوران میں سے اعرف کو مقدم کیا گیا ہوتو ہر صورت میں دوسری ضمیر متصل یا منفصل لائی جاسکتی ہے۔جیسے **اعطیتکه** بھی پڑھ سکتے ہیں اور اس صورت میں ضمیر متصل ہے اور **اعطیتک ایا ہ** بھی پڑھ سکتے ہیں اس صورت میں ضمیر منفصل ہے اور **ضربیک** ضمیر متصل کے ساتھ اور **ضربی ایاک** ضمیر منفصل کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔اور اگر ایسا نہ ہوتو ضمیر منفصل ہی لائیں گے جیسے **اعطیته ایاه** . اس مثال میں دونوں ضمیریں برابر درجہ کی ہیں اسلئے کہ دونوں غائب کی ہیں اور **اعطیته ایاک** اس مثال میں ایاک ضمیر خطاب اعرف ہے مگر موخر ہے اس لئے ان صورتوں میں ضمیر منفصل لائی جائیگی۔

"والمختار فی خبر باب کان الا نفصالُ والا کثر لولا انت الی اٰخِرِہ وعسیت الی اٰخرھا وجاء لولاک وعساک الی اخرھما "...... اور کان کے باب میں ضمیر منفصل کالانا مختار ہے اور لولا انت اس کے آخر تک اسی طرح ہے اور عسیت سے آخر تک اور لولاک اور عساک ان کے آخر تک بھی اسی طرح آیا ہے۔ اگر کان کی خبر ضمیر ہو تو ضمیر منفصل کالانا بہتر ہے اس لئے کہ کان کی خبر اصل میں مبتدا کی خبر ہوتی ہے اور مبتدا کی خبر جب ضمیر ہو تو وہ منفصل ہی ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں عامل معنوی ہوتا ہے۔ اس لئے اصل کی رعایت رکھتے ہوئے کان کی خبر ضمیر منفصل لانا مختار ہے۔ مگر ضمیر متصل لانا بھی درست ہے اسلئے کہ کان کے داخل ہونے کے بعد اس کی خبر مفعول کے مشابہ ہوتی ہے اور جب ضمیر منصوب ضمیر مرفوع کے بعد واقع ہو تو اتصال واجب ہے لہذا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ضمیر منفصل بھی لاسکتے ہیں جیسے **زید قائم و کنت ایاہ** یہ مختار ہے اور **زید قائم و کنتہ** بھی جائز ہے۔

" والا کثر لو لا "...... لولا کے بعد اکثر ضمیر منفصل آتی ہے اس لئے کہ لولا کے بعد مبتدا کی خبر محذوف ہوتی ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہے اس لئے اس کو منفصل لانا ضروری ہے جیسے **لو لا انت الی آخرہ** ۔الی آخرہ سے مراد یہ ہے کہ تمام صیغوں میں اسی طرح ہے۔ جیسے **لو لا انا . لولا نحن . لو لا انت . لو لاانتما. لولا انتم. لو لا انتِ . لو لا انتما . لولا انتن . لولا ھو . لولا ھما. لولا ھم. لولا ھی . لو لا ھما . لولاھن**۔ اور لولا کے بعد ضمیر متصل بھی آسکتی ہے جیسے **لولا یَ . لو لانا . لو لا ک . لو لا کما (لو لا کم . لولاکِ. لولاکما . لو لا کن . لو لاہُ . لولاھما . لولاھم .لو لا ھا. لو لا ھما . لو لا ھن .) وعسیت الی آخرھا** ۔ یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ **عسی** کے ساتھ اس کے سارے صیغوں میں ضمیر متصل ہوتی ہے۔ جیسے۔ **عسیتُ . عسینا . عسیتَ . عسیتما . عسیتم .عسیتِ . عسیتما . عسیتن .عسی . عسیا . عسوا . عسیت . عستاَ . عَسینَ** ۔ اور عسی کی گردان میں عسی کے بعد ضمیر متصل بھی آسکتی ہے جیسے **عسای .**

عسانا. عساک. عساکما. عساکم. عساکِ. عساکما. عساکن. عساه. عساهما. عساهم. عساها. عساهما. عساهن.

"ونو نُ الوقاية مع الياء لا زمةٌ في الماضي وفي المضارع عرياً عَنْ نون الاعراب وانت مع النون فيه ولدُنْ وانَّ واخواتها مخيرٌ ويختارُ في ليتَ ومِن وعن وقدْ وقطْ وعَكسُها لعلّ" ...... اور ماضی میں اور جو مضارع نون اعرابی سے خالی ہو اس میں یاء متکلم کے ساتھ نون وقایہ ضروری ہے اور جب مضارع نون کے ساتھ ہو اور لدن اور ان واخوتھا میں یاء متکلم کے ساتھ نون وقایہ کو لانے میں آپ کو اختیار ہے۔ اور لیت اور من۔ اور عن او قد اور قط میں یاء متکلم کیساتھ نون وقایہ لانا پسندیدہ ہے اور لعل میں اسکا عکس پسندیدہ ہے۔ اگر فعل ماضی کیساتھ یاء متکلم ضمیر منصوب متصل آئے تو اس کے ساتھ نون وقایہ لانا ضروری ہے اس لئے کہ اگر نون وقایہ نہ لائیں تو یاء کی مناسبت کی وجہ سے اس سے پہلے کسرہ لایا جاتا ہے اور کسرہ تو اسم کا خاصہ ہے اس لئے فعل کو اسم کے خاصہ سے بچانے کے لئے یاء متکلم سے پہلے نون وقایہ لاتے ہیں جیسے ضربنی اسی طرح جو فعل مضارع نون اعرابی سے خالی ہو اس کے ساتھ جب یاء متکلم ضمیر لائیں تو اس سے پہلے بھی نون وقایہ لایا جاتا ہے تا کہ فعل مضارع کو کسرہ سے بچایا جاسکے۔ جیسے یضربنی۔ اگر فعل مضارع کے ایسے صیغے ہوں جن میں نون اعرابی ہوتا ہے اور ان کے ساتھ یاء متکلم ضمیر متصل لائیں تو اس سے پہلے نون وقایہ لانے میں اختیار ہے لانا بھی درست ہے جیسے یضربانني۔ اور نہ لانا بھی درست ہے جیسے یضربانی۔ اسی طرح لدن اور ان واخواتھا کے ساتھ جب یاء متکلم ضمیر متصل ہو تو اس سے پہلے نون وقایہ لانا بھی درست ہے (یہاں ان کے اخوات سے مراد اَنَّ۔ کانَّ۔ اور لکِنَّ ہیں اس لئے کہ لیت اور لعل کا حکم ان سے علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔) جیسے لَدُنّيِ۔ اِنَّنی۔ کاَنَّنی۔ لکِنَّنیِ۔ اور نون وقایہ نہ لانا بھی درست ہے جیسے لَدُنیِ۔ اِنّی۔ اَنّی۔ کانّیِ۔ لکِنّی۔ اور لیت کے بعد یاء ضمیر متکلم ہو تو اس سے پہلے نون وقایہ لانا مختار ہے جیسے لَیتَنِی اور من۔ عَنْ۔ قد اور قط کیساتھ جب یاء ضمیر متکلم ہو تو اس سے پہلے نون وقایہ لانا پسندیدہ ہے

جیسے مِنّی . عَنّی . قدْنی . اور قَطْنیِ۔

"**وعکسها لعل**"...... اور لعل میں اس کے الٹ پسندیدہ ہے یعنی نون وقایہ کا نہ لانا پسندیدہ ہے جیسے لَعَلّی۔

"**ویتوسَّطُ بین المبتداء والخبر قبل العوامل وبعدَها صِیغۃٌ مرفوع منفصل مُطابِقٍ للمبتداء ویُسمیّٰ فصلاً لیفصّل بین کونه خبرا ونعتا وشرطه ان یکون الخبرُ معرفةً او افعل مَن کذا مثل کان زیدٌ هو افضَل مَن عمر و ولا موضع له عند الخلیل وبعض العرب یجعله مبتداءً وما بعده خبره**"...... اور مبتداء اور خبر کے درمیان عوامل لفظیہ سے پہلے اور ان کے بعد ضمیر مرفوع منفصل لائی جاتی ہے جو مبتدا کے مطابق ہوتی ہے اور اس کو ضمیر فصل کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ ضمیر اپنے مابعد اسم کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کرتی ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا افعل من کذا ہو جیسے **کان زید هو افضل من عمر و** امام خلیل کے نزدیک اسکے اعراب کا کوئی محل نہیں ہوتا۔ اور بعض عرب اسکو مبتدا اور اس کے مابعد کو اس کی خبر قرار دیتے ہیں۔

"**ضمیر فصل**"...... یہاں سے علامہ ضمیر فصل کا ذکر کر رہے ہیں کہ مبتدا اور خبر کے درمیان عوامل لفظیہ سے پہلے اور ان کے بعد ضمیر لائی جاتی ہے جس کو ضمیر فصل کہا جاتا ہے۔ اور وہ مبتدا کے مطابق ہوتی ہے اور اس کو ضمیر فصل اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ واضح کرتی ہے کہ ضمیر کے بعد جو اسم ہے وہ صفت نہیں بلکہ خبر ہے جیسے **زید هو القائم** اگر درمیان میں ھو ضمیر نہ ہو تو القائم کا زید کی صفت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ضمیر فصل کیلئے شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو جیسے **زید هو القائم** میں القائم معرفہ ہے یا خبر افعل من کذا ہو یعنی اسم تفضیل کا صیغہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو جیسے **زید هو افضل مِنْ عمروٍ**۔ امام خلیل کے نزدیک ضمیر فصل کے اعراب کا کوئی محل نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے نزدیک جب اس کو فصل کے لئے لایا گیا ہے تو یہ **اولئک** کے کاف

اور انت کی تاء کی طرح ہوگیا تو جیسے ان کے اعراب کا محل نہیں اسی طرح ضمیر فصل کے اعراب کا محل بھی نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ امام خلیل کے نزدیک یہ ضمیر اسم نہیں بلکہ حرف بصورت ضمیر ہے اور حرف کے اعراب کا کوئی محل نہیں ہوتا۔

" وبعض العرب "...... اور بعض عرب ضمیر فصل کو مبتدا اور اس کے مابعد کو اس کی خبر قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے زید ھو افضل من عمرو میں ھو مبتدا اور افضل من عمرو اس کی خبر ہوگی اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے زید مبتدا کی۔ **"ویتقدّم قبل الجملة ضمیر غائبٌ یسمی ضمیر الشان والقصة یُفَسَّر ُبالجملة بعده ٗ ویَکون منفصلاً ومتصلاً مستترً او بارزًا علی حَسَب العوامل نحو ھذا زیدٌ قائم وکان زیدٌ قائمٌ وانه ٗ زیدٌ قائم وحذفه منصوباً ضعیفٌ الا معَ ان اذا خففت فانه لازمٌ**

"...... اور جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب لائی جاتی ہے جس کو ضمیر شان اور ضمیر قصہ کہا جاتا ہے جب کہ اسکے بعد والا جملہ اس کی تفسیر کرے اور وہ ضمیر عوامل کے مطابق متصل اور منفصل مستتر اور بارز ہوسکتی ہے جیسے ھو زید قائم . کان زید قائمٌ ۔ انه زید قائم ۔اور اس ضمیر شان کا حذف کرنا ضعیف ہے جب کہ وہ منصوب ہومگر اَن کے ساتھ جب کہ آپ اس کو مخفف کریں تو اس وقت اس کا حذف لازم ہے۔

"ضمیر شان اور ضمیر قصہ"...... کبھی جملہ سے پہلے ضمیر غائب آتی ہے اس کو ضمیر شان کہتے ہیں جیسے" قل ھو الله احد "میں ھو ضمیر شان ہے اور ضمیر شان کا مرجع نہیں ہوتا اس لحاظ سے معنی ہوگا آپ کہہ دیجئے شان یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔اور اگر جملہ سے پہلے ضمیر ہو اور بعد والا جملہ اس ضمیر کی تفسیر کرے تو اس کو ضمیر قصہ کہتے ہیں اور یہ ضمیر مونث ہوتی ہے جیسے فانها لا تعمی الا بصار میں ھا ضمیر قصہ ہے اور یہ ضمیر شان عوامل کیمطابق منفصل بھی ہوتی ہے جیسے ھو زید قائمٌ اور متصل مستتر بھی ہوتی ہے جیسے کان زید قائم میں کان کے اندر ضمیر مستتر ہے اور متصل بارز ہے اور ضمیر شان ہے۔اور متصل

بارز بھی ہوتی ہے جیسے انہ زید قائم۔ اور ضمیر شان جب منصوب ہو تو اس کا حذف کرنا ضعیف ہے البتہ جب اَنَّ کو مخفف کر کے اَن کیا جائے جس کو اَنْ مُخففه عَنِ المُثقّلة کہا جاتا ہے تو اس صورت میں ضمیر شان کو حذف کرنا واجب ہے اس لئے کہ اَن کے مخفف ہونے کے بعد اس کا لفظوں میں کوئی عمل نہیں رہتا تو فرض کر لیا گیا کہ اس نے ضمیر شان مقدر میں عمل کیا ہے اور یہ اس لئے کہنا پڑا کہ اِنَّ اور اَنَّ میں سے عمل کے لحاظ سے اَن قوی ہے اور اِن مخفف ہو کر اِن کی صورت میں بھی عمل کرتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اَنَّ نے مخفف ہونے کے بعد عمل نہیں کیا تو ضعیف کو قوی پر فضیلت دینا لازم آتا ہے اور یہ قبیح بات ہے اس قباحت سے بچنے کے لئے نحویوں نے کہا کہ اَن کے بعد ضمیر شان مقدر ہے اور اَن نے اس میں عمل کیا ہے۔

"اسماء الاشارة ما وُضِع لمشار اليه وهی ذاللمذکر ولمثناه ذَانِ وذین وللمونث تا وذی وتی وتِهْ وذِهْ وتهِی وذهِی ولمثناه تان وتین ولجمعهما اولآءِ مدًا و قصراً ویلحقُها حرفُ التنبیه ویتّصِلُ بهَا حرف الخطاب وهِیَ خمسةٌ فی خمسةٍ فیکونُ خمسةٌ وعشرین وهی ذاک الی ذاکنَّ وذانک الی ذانکن وکذلک البواقی ویُقال ذاللقریب وذلک للبعید وَذَاک للمتوسّطِ وتلک وتانّک وذانّک مشدّدتین واولا لکَ مثل ذلک واما ثَمَّ وهنا وَهنّا فَلِلمکان خاصّةً."...... اسماء اشارہ وہ ہوتے ہیں جو مشار الیہ کے لیے وضع کئے گئے ہوں اور وہ مذکر کے لئے ذا ہے اور اسکے تثنیہ کے لئے ذان اور ذین ہے اور مونث کے لئے تا اور ذیْ اور تیْ اور تِہ اور ذِہْ اور تہِی اور ذھِی ہیں اور اسکے تثنیہ کیلئے تان اور تین ہیں اور ان دونوں یعنی مذکر اور مونث کی جمع کیلئے اولاء مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ ہے اور ان اسماء اشارات کو حرف تنبیہ بھی لاحق ہوتا ہے اور ان اسماء کے ساتھ حرف خطاب بھی آکر ملتا ہے اور وہ پانچ ہیں جب ان کو پانچ

اسماءاشارات کے ساتھ ضرب دی تو پچیس صیغے ہو گئے۔اور وہ **ذاک** سے **ذاکن** تک اور **ذانک** سے **ذانکن** تک ہیں اوراسی طرح باقی صیغے ہیں۔اور کہا جاتا ہے کہ **ذا** قریب کیلئے ہے اور **ذالک** بعید کے لیے،اور ذاک متوسط کے لئے ہے اورتلک اورتانک اورذانک جب کہ یہ دونوں مشدد ہوں اوراولا بھی اسی طرح ہیں یعنی بعید کیلئے ہیں۔اور بہر حال **ثَمَّ** اور **هُنا** اور **هَنا** تو یہ جگہ کی جانب اشارہ کے لئے خاص ہیں۔

﴿اسم مبنی کی دوسری قسم﴾...... اسم مبنی کی دوسری قسم اسم اشارہ ہے اوراسم اشارہ وہ ہوتا ہے جو مشارالیہ کے تعین کے لئے وضع کیا گیا ہو (اسم اشارہ کی حرف کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے کہ جس طرح حرف کسی دوسرے کلمہ کوملائے بغیر اپنا مقصودی معنی نہیں دیتا اسی طرح اسم اشارہ بھی مشارالیہ کے بغیر اپنا معنی نہیں دیتا) اور واحد مذکر کے لئے اس کا صیغہ ذا ہے اور تثنیہ مذکر کے لئے رفعی حالت میں ذان اور نصبی اور جری حالت میں ذَین ہے اور واحدہ مونث کے لئے علامہ ابن حاجب نے سات صیغے ذکر کئے ہیں (۱) **تا** ء(۲) **ذِیُ** (۳) **تِی ُ** (۴) **تِه** (۵) **ذِهُ** (۶) **تِهِی ُ** (۷) **ذِهِی ُ** اور تثنیہ مونث کی رفعی حالت میں تَان اور نصبی اور جری حالت کے لئے تَیْن ہے۔اور جمع مذکر اور مونث دونوں کے لئے **اُوَلا** ہے خواہ مد کے ساتھ ہو یعنی اس کے آخر میں ہمزہ ہو جیسے **اولاء** یا قصر کے ساتھ ہو جیسے **اُولیٰ**۔

" ویلحقها حرف التنبیه "...... یہاں لحوق سے مراد دخول ہے اس لئے کہ کسی چیز کا لحوق آخر میں ہوتا ہے جبکہ حرف تنبیہ ان اسماء کے ابتداء میں آتے ہیں۔ان اسماء اشارات کی ابتداء میں حرف تنبیہ بھی داخل ہوتا ہے۔جیسے **هـذا . هـذان . ها تا . هاتان . اور هو لاء** وغیرہ اوران کے آخر میں حرف خطاب بھی لگتا ہے تاکہ افراد تثنیہ اور جمع کے لحاظ سے مخاطب کے احوال پر دلالت کرے۔اور حرف خطاب پانچ ہیں۔**کَ . کُـمـاَ . کُمْ . کِ . کُنَّ** . <u>اوراسماء اشارات بھی پانچ ہیں</u>

(۱) **ذا** (۲) **ذان** (۳) **تـا** (۴) **تان** (۵) **اولاء** ۔جب ان اسماء اشارات میں سے ہر ایک کیساتھ خطاب کے پانچ پانچ صیغے لگائے گئے تو ہر ایک کی گردان کے پانچ پانچ صیغے ہو گئے اس طرح کل پچیس صیغے ہو گئے۔جیسے" (۱) **ذاک**

(۲) ذاکما (۳) ذاکم (۴) ذاکِ(۵) ذاکُنَّ (۶) ذانک (۷) ذانکما (۸) ذانِکم (۹) ذانِک(۱۰) ذانِکُنَّ (۱۱) تاک (۱۲) تاکما (۱۳) تاکم (۱۴) تاکِ (۱۵) تاکُنَّ (۱۶) تانک (۱۷)تانکما (۱۸) تانکم (۱۹) تانکِ (۲۰) تانکن (۲۱) اولئکَ (۲۲) اولئکما (۲۳) اولٰئکمُ (۲۴) اولئکِ (۲۵)اُولٰئِکُن تو یہ کل پچیس صیغے ہیں۔اور نحوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ ذا اسم اشارہ قریب کے لئے ہے یعنی جس کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے وہ قریب ہو تو اسم اشارہ ذا لایا جاتا ہے اور ذالک اسم اشارہ بعید کے لئے ہے اور ذاک متوسط کے لئے ہے اور تلک اور تانک اور ذانک جبکہ دونوں مشدد ہوں اور اولاء بھی اسی طرح ہیں یعنی اسماء اشارہ بعید کے لئے ہیں اور ثمّ اور ھنا اور ھَنّا یہ جگہ کی جانب اشارہ کے لئے خاص ہیں جبکہ باقی اسماء اشارہ عام ہیں۔

" الموصول مالا یتمُّ جزءً ا لا بصلةٍ وعائدٍ وصلتُه جملةٌ خبريةٌ والعائد ضميرٌ له وصلة الالف واللام اسم الفاعل او المفعول وهى الذى والتى واللذان واللتان بالالفِ والياء والاولى والذين واللائى واللاء واللائى واللاتى واللواتى وَمنْ وما وایٌّ وايَّةٌ وذو الطّائية وذا بعد ماللاستفهام والالف واللام ".......اسم موصول وہ ہوتا ہے جو اپنے صلہ اور عائد کے بغیر جملہ کا تام جز نہیں بنتا اور اس کا صلہ جملہ خبر یہ ہوتا ہے اور اس میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو اس کی جانب لوٹتی ہے اور الف لام جو موصول ہوتے ہیں ان کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتے ہیں اور وہ اسم موصول الذی . التی . اللذان . اللتان . الف اور یاء کے ساتھ اور اولی 'اور الذین . اللائی . اللای . اللاتی . اللواتی . من . ما . ایٌّ . ایَّةٌ . اور بنی طی کی لغت میں ذو اور ما استفہامیہ کے بعد ذا اور الف لام ہیں۔

﴿اسم مبنی کی تیسری قسم﴾...... اسم مبنی کی تیسری قسم اسم موصول ہے۔اس کی بھی حرف کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے یہ اپنے معنی مقصودی کو ادا کرنے میں صلہ اور اس میں پائی جانے والی ضمیر کا محتاج ہوتا ہے اسی لئے اسم موصول کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسم موصول وہ ہوتا ہے جو اپنے صلہ اور ضمیر کے بغیر جملہ کا کامل جزء نہیں بنتا۔اسم موصول کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور اس جملہ میں ضمیر ہوتی ہے جو اسم موصول کی جانب لوٹتی ہے اس ضمیر کو عائد اور صدر صلہ کہا جاتا ہے۔اگر اسم موصول صرف الف ولام کی صورت میں ہوتو اس کا صلہ وہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے جس پر یہ الف لام داخل ہوتے ہیں اور وہ الف لام الذی کے معنی میں ہوتا ہے۔

" وَھِیَ "...... یہاں سے اسم موصول کے صیغے بتا رہے ہیں کہ واحد مذکر کے لئے الذی۔واحدہ مونثہ کے لئے **الّتی**۔اور تثنیہ مذکر کے **اللذان** رفعی حالت میں الف کے ساتھ اور نصبی وجری حالت میں **اللذین** یاء کیساتھ اور تثنیہ مونث **اللتان** رفعی حالت میں الف کے ساتھ اور **اللتین** نصبی وجری حالت میں یاء کیساتھ اور **الذین** جمع مذکر کے لئے اور اُولیٰ جمع مذکر اور جمع مونث کے درمیان مشترک ہے مگر مذکر کے لئے اس کا استعمال مشہور ہے۔اور **اللّائیِ**. **اللّا ی** . **اللّاتِی** اور **اللّواتی** یہ صیغے جمع مونث کے لئے ہیں۔مَنْ اور مَا بھی اسماء موصولہ ہیں۔مَنْ ذوالعقول کے لئے اور ما غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے مگر کبھی ان کا استعمال ایک دوسرے کی جگہ پر بھی ہوجاتا ہے یعنی **مَـــنْ** غیر ذوی العقول کے لئے اور ما ذوی العقول کے لئے بھی کبھی آجاتا ہے۔اَی اور اَیَّۃ بھی کبھی موصول کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

"ایٌّ اور ایّۃٌ کی حالتیں "...... ایٌّ اور ایّۃٌ کی چار حالتیں ہیں تین حالتوں میں یہ معرب اور ایک حالت میں مبنی ہوتے ہیں:۔ "پہلی حالت کہ یہ مضاف نہ ہوں اور ان کا صدر صلہ مذکور ہو جیسے **اَیٌّ ھو قائمٌ** . **ایّۃٌ ھی قائمۃ**"۔"دوسری حالت کہ یہ مضاف نہ ہوں اور ان کا صدر صلہ مذکور نہ ہو جیسے **اَیٌّ قائمٌ** اور **اَیَّۃٌ قائمۃٌ**۔"

"تیسری حالت کہ یہ مضاف ہوں اور انکا صدر صلہ مذکور ہو جیسے **اَیُّھم ھُوَ قائمٌ** . **اَیَّتُھُنَّ ھِیَ قائمۃٌ** ان تین حالتوں میں اَی اور اَیَّۃٌ معرب ہوتے ہیں۔

"چوتھی حالت کہ یہ مضاف ہوں اوران کا صدر صلہ مذکور نہ ہو جیسے اَیُّھم قائمٌ اور اَیَّتُھُنَّ قائمة ۔اس حالت میں اَیٌّ اور اَیَّة مبنی ہیں اوراسی وجہ سے ان کو مبنیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

" وذو الطائية " ...... اور بنی طے قبیلہ کی لغت میں ذو جو الذی کے معنی میں آتا ہے وہ بھی اسم موصول ہے جیسے جاء نی ذو ضربک ۔میرے پاس وہ آدمی آیا جس نے تجھے مارا۔

"وذابعد ماللاستفهام "...... اور ما استفہامیہ کے بعد جوذا ہوتا ہے وہ بھی اسم موصول ہے جیسے ماذا صنعت یہ ما الذی صنعت کے معنی میں ہے کہ وہ کیا ہے جو تو نے کیا۔

" والالف واللام ۔"...... اور الف لام جب اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہو تو وہ بھی الذی کے معنی میں ہوکر اسم موصول ہوتے ہیں جیسے جاء نی الضارب یہ جاء نی الذی ضَرَبَ کے معنی میں ہےاور جاء نی المضروب جاء نی الذی ضُرِبَ کے معنی میں ہے۔

" والعائد المفعول يجوز حزفه واذا اخبرت بالذِى صدرتَها و جعلت موضعَ المخبرِ عنه ضمير ا لها واخّرتَه خبراً عنه فاذا اخبرت عن زيد مِنْ ضربتُ زيداً قلت َالذى ضربته ُزيدٌ . "...... اسم موصول کے صلہ میں اگر مفعول کی ضمیر ہو تو اس کو حذف کرنا جائز ہےاور جب الذی کے ساتھ آپ خبر لائیں تو اس کو جملہ کی ابتداء میں لائیں اور مخبر عنہ کی جگہ آپ اس الذی کے مطابق ضمیر لائیں اور مخبر عنہ کے بعد اس کی خبر لائیں گے پس جب کسی نے کہا کہ ضَرَبْتُ زیدً تو اس کے جواب میں آپ زید کے بارہ میں خبر دیتے ہوئے کہیں کہ الذی ضربته زیدٌ کہ جس کو تو نے مارا ہے وہ زید ہے

۔**صدر صلہ کا حذف**:۔ اگر صدر صلہ مفعول کی ضمیر ہو تو اس کا حذف کرنا جائز ہے اس لئے کہ مفعول فُضلہ ہوتا ہے اور س کا حذف جائز ہوتا ہے جیسے الله يبسط الرزق لمن يشاء یہ اصل میں لمن يشاء ه ہے۔

" **واذا اخبرت بالذی** " ...... یہاں سے علامہ ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں (جس کو نحوی الا خبار بالذی کا نام دیتے ہیں وہ قاعدہ یہ ہے) کہ جب خبر میں الذی ہوتو اس الذی کو جملہ کی ابتداء میں لائیں گے اور مخبر عنہ کی جگہ الذی کے مطابق ضمیر لائیں گے اور اس کے بعد خبر لائینگے۔ جیسے کسی نے کہا ضربت زیدا کہ میں نے زید کو مارا ہے تو آپ جواب میں کہیں الذی ضربته زیدا. یہ اصل میں ضربتُ الذی زید ہے۔ الذی کو ابتداء میں لائے اور ضربت جو مخبر عنہ ہے اس کے بعد الذی کے کے مطابق مفرد کی ضمیر لائے تو ضربته ہوگیا اور زید خبر ہے الذی کی تو اس کو بعد میں لائے تو الذی ضربته زید" ہوگیا۔ " **وكذالک الالف واللام فی الجملة الفعليّة خاصّة ليصحّ بناء اُسمِ الفاعل او المفعول فإن تعذّر امرٌ منها تعذّر الاخبار ومن ثمّ امتنع فی ضمير الشان والموصوف والصفة والمصدر العامِل والحال والضمير المُستحِقّ لغيرها والاسم المشتمِل عليه .** " اسی طرح خاص کر جملہ فعلیہ میں الف لام اس مسئلہ میں الذی کی طرح ہے تا کہ اسم فاعل اور اسم مفعول کو صلہ بنانا درست ہو جائے۔ پس اگر ان میں سے کوئی امر متعذر رہو تو ایسی صورت میں الذی کیساتھ خبر دینا دشوار ہوگا۔ اور اسی وجہ سے ضمیر شان میں الذی کیساتھ خبر دینا ممتنع ہے۔ اور موصوف جب صفت کے بغیر ہو اور صفت جب موصوف کے بغیر ہو اور مصدر عامل جب معمول کے بغیر ہو اور حال کی صورت میں اور وہ ضمیر جس کو الذی کے علاوہ کسی اور کی طرف لوٹانا لازم ہو اور وہ اسم جو ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جس کا الذی کے علاوہ کسی اور کی طرف لوٹانا لازم ہو تو ان صورتوں میں الذی کیساتھ خبر دینا متعذر رہوتا ہے۔

" **وكذالک الالف واللام** "...... یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ جیسے الذی کے بارہ میں قاعدہ بیان ہوا ہے کہ جب خبر میں الذی ہو تو اس کو ابتداء میں لا کر اس کی جگہ مخبر عنہ پر ضمیر لاتے ہیں اور بعد میں خبر ذکر کرتے ہیں اسی طرح

جب جملہ فعلیہ میں الف لام آئے تو وہ بھی اس مسئلہ میں الذی کے طرح ہے اوران کو الذی کی طرح قرار دینا اس لئے ہے تا کہ اسم فاعل اور اسم مفعول کو صلہ بنانا درست ہو جائے جیسے **القائم زید** جو اصل میں **قام زید** تھا۔ جب الف لام کے ذریعہ سے خبر دینے کا ارادہ کیا تو قام فعل کو اسم فاعل سے بدل دیا اس لئے کہ فعل پر الف لام نہیں آتا اور قائم جو مخبر عنہ ہے اس کے ساتھ ضمیر لائی اور آخر میں خبر ذکر کی تو القائمه زید ہو گیا۔ اسی طرح المضروبه زید یہ اصل میں **ضُرِب زید** تھا۔

"**فان تعذر امر منها .**"...... پس اگر ان تین امور میں سے کوئی امر متعذر ہو یعنی موصول کو ابتدا میں لانا متعذر ہو یا ضمیر کو مخبر عنہ کے ساتھ لانا دشوار ہو یا مخبر عنہ کے بعد خبر کا لانا دشوار ہو تو ان صورتوں میں الذی کے ساتھ خبر دینا متعذر ہوتا ہے۔

"**ومن ثَمَّ**"...... اور اسی وجہ سے جب جملہ میں ضمیر شان ہو تو اس صورت میں الذی کے ساتھ خبر دینا متعذر ہے اس لئے کہ ضمیر شان جملہ کی ابتداء میں آتی ہے۔ اگر الذی کیساتھ خبر دیں تو یہ ضمیر الذی کے بعد ہوگی جو کہ درست نہیں ہے اس لئے کہ جو جملہ الذی کے ساتھ شروع ہوتا ہے وہ اس ضمیر کی تفسیر کرتا ہے۔ اور اگر الذی کو ضمیر شان پر مقدم کریں تو مفسِر کا مفسَر پر مقدم کرنا لازم آتا ہے جیسے **الذی هو زید قائم هو** ۔ یہ درست نہیں ہے۔ یہ مثال دی اس کی جب کہ موصول کو ابتداء میں لانا متعذر ہوتا ہے۔

"**والموصوف**"...... اور موصوف جب صفت کے بغیر ہو اور صفت جب موصوف کے بغیر ہو تو ان حالتوں میں الذی کے ساتھ خبر دینا دشوار ہے اس لئے کہ موصوف جب صفت بغیر ہو تو ضمیر کا موصوف ہونا لازم آتا ہے اور جب صفت موصوف کے بغیر ہو تو ضمیر کا صفت ہونا لازم آتا ہے اور ضمیر نہ صفت بنتی ہے اور نہ ہی موصوف بنتی ہے اس لئے ایسی حالت میں الذی کیساتھ خبر دینا ممتنع ہے۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ ضمیر کو مخبر عنہ کے ساتھ لانا دشوار ہو۔ جیسے **الذی ضربته زید** ا اس میں زید موصوف ہے مگر اس کی صفت مذکور نہیں۔ اسی طرح **الذی ضربته العاقل** میں العاقل صفت ہے مگر اس کا موصوف مذکور نہیں ہے اس لئے الذی کے ساتھ خبر دینا دشوار ہے۔ اور جب جملہ میں موصوف صفت دونوں ہوں تو وہاں الذی کے ساتھ خبر دینا جائز ہے جیسے **الذی ضربته زید العاقل** ۔ جو اصل میں **ضربت زیدا عاقلا** ہے۔

" **والمصدر العامل** " ...... اور مصدر عامل جب معمول کے بغیر ہوتو اس حالت میں بھی الذی کے ساتھ خبر دینا متعذر ہے جیسے **عجبت من دق القصار الثوب** . میں نے دھوبی کے کپڑے کوٹنے پر تعجب کیا۔ اگر اس میں الذی کے ساتھ خبر دیں تو عبارت اس طرح ہو جائیگی " **الذی عجبت منه الثوب دق القصار** ۔ اور یہ درست نہیں اس لئے کہ یہاں ضمیر کو مخبر عنہ کی جگہ رکھنا درست نہیں ہے اور یہ درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں ضمیر کا عامل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ ضمیر عامل نہیں بلکہ معمول ہوتی ہے (اور یہ خرابی بھی آتی ہے کہ اس صورت میں خبر کپڑے کے بارہ میں ہوگی حالانکہ خبر تو کوٹنے کے بارہ میں تھی ۔ جب مقصودی معنی ہی بدل جاتا ہے تو الذی کیساتھ خبر دینا ہی درست نہ ہوا) اور جب عامل اور معمول دونوں ہوں تو الذی کے ساتھ خبر دینا درست ہے جیسے **الذی عجبت منه دق القصار الثوب** ۔ اسی طرح جب مصدر غیر عامل ہو تو اس صورت میں بھی الذی کے ساتھ خبر دینا درست ہے جیسے **عجبت مِن ضَر بک** کو **الذی عجبت منه ضر بک** پڑھا جاسکتا ہے۔

" **والحال** "...... اور حال کی خبر الذی کے ساتھ نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ ضمیر کو اس کی جگہ نہیں رکھا جاتا کیونکہ حال نکرہ ہوتا ہے اور ضمیر معرفہ ہوتی ہے اور معرفہ کو نکرہ کی جگہ نہیں رکھا جاسکتا۔

" **والضمير المستحق** "...... جب عبارت ایسی ہو کہ اس میں ضمیر موصول کی طرف نہ لوٹائی جاسکتی ہو بلکہ اس کا لوٹانا موصول کے علاوہ کسی اور کی طرف ضروری ہو تو ایسی حالت میں بھی الذی کے ساتھ خبر دینا متعذر ہے جیسے **زید ضربت** کو **الذی زید ضربته** پڑھنا درست نہیں اسلئے کہ ضمیر الذی کی جانب لوٹانے کی بجائے زید کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔ اس لحاظ سے موصول ضمیر کے بغیر رہ جاتا ہے۔ اور یہ درست نہیں ہے اور اگر ضمیر کو موصول کی طرف لوٹائیں تو زید مبتدا ہے اور یہ ضمیر کا مستحق ہے اس صورت میں یہ اس ضمیر سے محروم ہو جائیگا۔

" **والاسم المشتمل عليه** " ...... اور جو اسم ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو ضمیر الذی کی جانب لوٹانے کی بجائے کسی اور کی جانب لوٹانا ضروری ہو تو اس صورت میں بھی الذی کے ساتھ خبر دینا درست نہیں ہے۔ جیسے **زید ضربت**

غلامه کو الذی زید ضربته غلامه کہنا درست نہیں اس لئے کہ یا تو موصول ضمیر کے بغیر رہ جاتا ہے جب کہ ضمیر کو الذی کی طرف نہ لوٹائیں یا پھر مبتدا ایسی ضمیر کے بغیر رہ جاتی ہے جس کی وہ مستحق ہے جب کہ ضمیر کو موصول کی طرف لوٹائیں۔ جب یہ درست نہیں تو ایسی حالت میں الذی کے ساتھ خبر دینا درست نہیں ہے۔

" وما الاسمِيّة موصُولةٌ واستفهاميةٌ وشرطيةٌ وموصُوفةٌ وتامةٌ بمعنى شيءٍ وصفةٌ وَمَن كذلك الا فى التامة والصفة ." ...... اور ما اسمیہ موصولہ اور استفہامیہ اور شرطیہ اور موصوفہ اور تامہ ہوتی ہے جو شي کے معنی میں ہوتی ہے اور ما صفت ہوتی ہے۔ اور من بھی اسی طرح ہے سوائے تامہ اور صفت ہونے کے۔

" ما اسمیه کی اقسام" ...... وما الاسمیہ سے علامہ ما اسمیہ کی اقسام بتاتے ہیں کہ اس کی چھ قسمیں ہیں۔

پہلی قسم ما موصوله جیسے اعجبنی ما صنعته۔ مجھے اس نے تعجب میں ڈالا جو تو نے کیا۔

دوسری قسم ما استفهامیه جیسے ماتلک بیمینک یا موسی۔ اے موسی تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔

تیسری قسم ما شرطیه جیسے ما تصنع اصنع۔ جو تو کرے گا وہی میں کروں گا۔

چوتھی قسم ما موصوفه جیسے مررت بما معجّبٌ لک میں ایسی چیز کے پاس سے گذرا جو تجھ کو تعجب میں ڈالنے والی ہے۔ پانچویں قسم ما تامه جو کہ شي کے معنی میں ہوتی ہے جیسے فنِعِما هی پس وہ چیز کیا ہی اچھی ہے۔

چھٹی قسم ما صفتیه جو صفت واقع ہوتی ہے اور یہ نکرہ کے ساتھ ابہام کی زیادتی کے لیے لاحق کی جاتی ہے جیسے اضربه ضرباً مّاَ. **" ومن كذالک "** ...... من بھی ما کی طرح ہے یعنی اس کی بھی وہی انواع ہیں جو ما کی ہیں سوائے تامہ اور صفت ہونے کے۔ اس لئے کہ مَن نہ تامہ ہوتا ہے اور نہ صفت واقع ہوتا ہے۔ من موصولہ کی مثال جیسے اکرمت من جاءک۔ تیرے پاس جو آیا میں نے اس کی عزت کی۔ من استفہامیہ کی مثال جیسے مَن ضربک تجھے کس نے مارا ہے۔ من شرطیہ کی مثال جیسے من تضرب اضرب۔ جس کو تو مارے گا میں بھی ماروں گا۔

من موصولہ کی مثال: ۔مفرد کی صورت میں جیسے **کفی بنا فضلا علی من غیرنا** ۔ہمارے لئے فضل کافی ہے ان لوگوں پر جو ہمارے غیر ہیں۔اور من موصوفہ کی مثال جملہ کی صورت میں جیسے **رب من جاء ک قد اکرمته** ..بہت سے وہ لوگ جو تیرے پاس آئے ہیں بے شک میں نے انکی عزت کی۔

"وَاَیٌّ وایّةٌ کمن ُوهی معربة وحدها الا اذا حذف صدر صلتها وفی ما ذا صنعت وجهان احد هما ما الذی وجو ابه رفعٌ والا ٰخر ایُّ شَیءٍ وجَوَابُهٗ نصبٌ "...... اور ایٌّ اور ایّة جو الذی کے معنی میں ہیں وہ بھی من ُ کی طرح ہیں اور ای اور ایّة میں سے ہر ایک معرب ہے مگر اس وقت جب کہ یہ موصولہ ہوں اور ان کا صدر صلہ حذف کیا گیا ہو اور یہ مضاف بھی ہوں۔تو اس حالت میں یہ مبنی ہیں۔

"وفی ما ذا وجها ن "...... یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ جب ما استفہامیہ کے بعد ذا ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ما موصولہ ہو بلکہ وہ موصولہ ہونے کے بغیر بھی استفہام کا معنی ادا کرتی ہے اور ای شیئی کے معنی میں ہوتی ہے ۔جیسے **ماذا صنعت** یہ ای شیئی صنعت کے معنی میں ہے اور وہ ما موصولہ بھی ہوسکتی ہے اس صورت میں ماذا اکٹھے موصول کے لئے ہوں گے۔جب **ما الذی** کے معنی میں ہو تو اس کا جواب مرفوع ہوگا۔اس لئے کہ وہ **خیرٌ** محذوف کی مبتدا ہے جیسے **ما ذا صنعت** یہ **الذی صنعته خیرٌ** کے معنی میں ہے اس لئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ماذا صنعت تو جواب میں کہا جاتا ہے خیر "مرفوع کہا جاتا ہے یعنی الذی صنعة خیر ۔الذی صنعت ہ مبتدا اور اس کی خبر خیرٌ محذوف ہے اور جب ما ای شیئی کے معنی میں ہو تو اس صورت میں اس کا جواب منصوب ہوتا ہے جیسے جب کہا جاتا ہے کہ **ماذا صنعت** تو جواب میں خیراً یعنی صنعت خیراً اور یہ خیراً فعل محذوف صنعت کا مفعول ہے اس لئے منصوب ہے۔

"اسماءُالافعال ما کانَ بمعنی الامُر او الماضی نحو رُوَیدَ زیداً ای اَمهِلہُ وھیھاتَ ذلک ای بعدَ وفعال بمعنی الامر من الثلاثی قیاسٌ کَنَزَالِ بمعنی اِنزِلِ وفَعَالِ مصدراً معرفةً کفجار وصفةً مثلُ یا فُساقِ مبنیٌّ لمشابھتِہ لہٗ عدلا وزنةً وفعالِ عَلَماً للاعْیان مونثاً کقطام وغلابِ مبنِیٌّ فی الحجاز ومعْربٌ فی تمیمٍ الاماکان فی آخرہ راء نحو حَضارِ ." ...... اسماءافعال وہ ہوتے ہیں جوامر یاماضی کے معنی میں ہوں جیسے روید زیدا جوامھلہ کے معنی میں ہےاورھیھات ذالک یعنی بعد ذالک کے معنی میں ہےاورفعال کاوزن ثلاثی سے قیاساًامر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے نزالِ اِنزِل ُ کے معنی میں ہےاورفعال جومصدر معرفہ ہوتا ہے جیسا کہ فجاراور جوصفة ہوجیسے یا فَساقِ تو یہ مبنی ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کی امر حاضر کے معنی میں آنے والے فعال کے ساتھ معدول ہونے میں اوروزن میں مشابہت ہوتی ہےاور جوفعال کاوزن مونث اعیان کاعَلَم ہوجیسے قطام اورغلاب تواہل حجاز کی لغت میں مبنی اور بنوتمیم کی لغت میں معرب ہوتا ہے مگراس صورت میں جبکہ اس کے آخر میں راء ہوجیسے حضارِ .

﴿اسم مبنی کی چوتھی قسم﴾...... اسم مبنی کی چوتھی قسم اسماءافعال ہیں۔اسم فعل وہ ہوتا ہے کہ جواسم ہواورفعل کے معنی میں ہو۔

"اسماءافعال کی قسمیں۔"...... **اسماءافعال کی دوقسمیں ہیں۔**

ایک یہ کہ وہ اسم فعل ماضی کے معنی میں ہوجیسے ھیھاتَ بمعنی بعدَ ھیھاتَ زید ای بَعدُ زیدٌ کہ زیددور ہوااوردوسری قسم یہ کہ اسم امر حاضر کے معنی میں ہوجیسے روید جواَمھِل ُ کے معنی میں ہے جیسے رُوید زیدا ای امھلہ ۔اس کومہلت دے۔

"**فَعال کی حالتیں۔**"...... اگر فعال کا وزن ثلاثی مجرد سے ہوتو یہ قیاساً امر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے نَزَالِ جو کہ اِنْزِلْ کے معنی میں ہے۔ اور اگر فعال کا وزن مصدر معرفہ ہو جیسے فجار یا فعال کا وزن صفت ہو جیسے یا فساق اے فاسق آدمی۔ تو یہ مبنی ہوتا ہے اس لئے کہ اس فعال کی اس فعال کے ساتھ وزن اور معدول ہونے میں مشابہت ہوتی ہے جو فعال امر کے معنی میں ہوتا ہے یعنی جیسے امر حاضر کے معنی میں فعال امر سے معدول ہے اسی طرح فعال مصدر معرفہ سے معدول ہوتا ہے اور جو فعال صفت کے لئے ہو وہ اپنے فاعل سے معدول ہوتا ہے۔ اور جو فعال اعیان مونثہ کا علم ہو یعنی جو فعال ایسے اشخاص کا علم ہو جو مونث ہیں تو یہ فعال اہل حجاز کی لغت میں مبنی ہوتا ہے اور بنوتمیم کی لغت میں معرب ہوتا ہے۔ اہل حجاز کہتے ہیں کہ اس فعال کی اس فعال کے ساتھ وزن اور عدل میں مشابہت ہے جو فعال امر کے معنی میں آتا ہے اس لئے یہ مبنی ہے اور بنوتمیم کہتے ہیں کہ اس میں عدل تقدیری ہے اور عدل تقدیری ضعیف ہوتا ہے اس لئے یہ مبنی ہونے میں اثر نہیں کرتا۔

"**الاما کان فی آخرہ راء**"...... اگر فعال کا وزن اعیان مونثہ کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء ہو جیسے حضارِ جو کہ ایک ستارہ کا نام ہے تو یہ بنوتمیم کے نزدیک بھی مبنی ہوتا ہے۔

"**الاصواتُ کُلُّ لفظ حُکِیَ به صَوتٌ او صُوِّت به البهائِمُ فالاولُ کغاق والثانی کَنخ**". اسماء اصوات وہ ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ کسی کی آواز نقل کی جائے یا ان کیساتھ جانوروں کو آواز دی جائے پس پہلا جیسے غاق اور دوسرا نخ۔

﴿**اسم مبنی کی پانچویں قسم۔**﴾...... اسم مبنی کی پانچویں قسم اسماء اصوات ہے۔ اسم صوت اس کو کہتے ہیں جس سے کسی کی آواز نقل کی جائے جیسے غاق جس سے کوے کی آواز نقل کی جاتی ہے۔ یا اس اسم کے ساتھ جانوروں کو آواز دی جائے جیسے اونٹ کو بٹھاتے وقت نخ کہا جاتا ہے۔ تو یہ اسماء اصوات بھی مبنی ہوتے ہیں۔

"**المرکبات کُلُّ اسمٍ مِن کلمتین لیسَ بینهما نسبةٌ فان تضمَّن**

الثانی حرفاً بُنِیا کخمسة عَشَر وحادِیَ عَشَر واخواتها الاَّ اِثنی عشر و الا ّاُعرب الثانی کبعلبک وبُنی الاول علی الاصَحِّ "...... مرکب ہر وہ اسم ہوتا ہے جو دو کلموں سے مرکب ہو اور ان دونوں کے درمیان نسبت نہ ہو پس اگر دوسرا اسم حرف کو متضمن ہو تو وہ دونوں اسم مبنی ہوتے ہیں **کخمسة عشر** اور **حادی عشر** اور اس کے اخوات یعنی **حادی عشر** سے لیکر **تسعة عشر** تک کے اعداد سوائے اثنا عشر کے۔ ورنہ دوسرا اسم معرب ہوتا ہے جیسے **بعلبک** اور زیادہ صحیح مسلک کے مطابق پہلا اسم مبنی ہوتا ہے۔

﴿اسم مبنی کی چھٹی قسم﴾...... اسم مبنی کی چھٹی قسم مرکبات ہیں اسم مرکب وہ ہوتا ہے جو ایسے دو اسموں سے مرکب ہو جن کے درمیان نسبت نہ ہو اس سے مرکب تام اور مرکب اضافی نکل گئے اور اس مرکب سے مراد مرکب عددی اور مرکب بنائی ہے۔ اسم مرکب مبنی کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ دوسرا اسم کسی حرف کو متضمن ہو جیسے **احد عشر** سے لیکر **تسعة عشر** تک کے اعداد۔ ان کے دونوں جز مبنی ہوتے ہیں سوائے اثنا عشر کے کہ اس کا پہلا جز معرب ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس مرکب کا دوسرا اسم کسی حرف کو متضمن نہ ہو تو اس صورت میں دوسرا اسم معرب ہوتا ہے (اس کا بیان علامہ نے **والا اعرب الثانی** سے کیا ہے ایسی صورت میں) پہلا اسم زیادہ صحیح قول کے مطابق مبنی برفتحہ ہوتا ہے جیسے **جاء نی بعلبکٌّ . رائیت ُبعلبکَّ مررت ُببعلبکٍّ . بعلبک** میں بعل ایک بت کا نام ہے اور بک ایک بادشاہ کا نام ہے پھر ان دونوں کو جوڑ کر ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا۔ اسی طرح حضرموت اور معدیکرب۔ **علی الا صح** اس لئے کہا کہ اس کے علاوہ دو قول اور بھی ہیں ایک قول کے مطابق اس مرکب کے دونوں جز معرب ہوتے ہیں اور دوسرا جز غیر منصرف ہوتا ہے اور یہ دونوں مضاف اور مضاف الیہ ہوتے ہیں۔ اور دوسرا (قول یہ ہے کہ دونوں جز معرب ہوتے ہیں اور مضاف مضاف الیہ ہوتے ہیں اور دوسرا جز منصرف ہوتا ہے جب پہلا قول زیادہ فصیح ہے تو اس کو علی الاصح قرار دیا گیا ہے۔)

” الکنایات کم وکذا للعدد وکیتَ وذیتَ للحدیث فکَمِ الاستفھامیّةُ ممیّزھا مَنصوبٌ مُفردٌ والخبریَّةُ مجرورٌ مفردٌ ومجموعٌ وتدخل من فیھما ولھما صدر الکلام وکلاھما یقع مرفوعاً ومنصوباً ومجروراً فکُلُّ ما بعدَہ فعلٌ غیر مُشتعل عنہُ بضمیرہ کان منصوباً معمولاً علی حَسَبہ وکل ما قبلہ حرف جرّا ومضافٌ فمجرورٌ والا فمرفوعٌ مبتداء اِن لم یکن ظرفاً وخبرٌ ان کانَ ظرفاً وکذالک اسماء الاستفھام والشرط وفی مِثل ع کم عَمَّةٍ لک یا جریرُ وخالةٍ ثلثةُ اوجہٍ وقد یُحذفُ فیِ مِثل کَم مالُکَ وکَمْ ضرَبْتَ .“ اسماء مبنیات میں سے اسماء کنایات بھی ہیں اور وہ کم اور کذا ہیں جو عدد کے لئے آتے ہیں اور کیت وذیت ہیں جو بات کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ پس کم استفہامیہ کی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے اور کم خبریہ کی تمیز مجرور مفرد اور جمع ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کم استفہامیہ اور کم خبریہ پر مِنْ داخل ہوتا ہے اور ان دونوں کے لئے صدر کلام ہوتا ہے اور دونوں مرفوع اور منصوب اور مجرور واقع ہوتے ہیں۔ پس ہر وہ کم کہ اس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس ما کی جانب لوٹنے والی ضمیر کے ساتھ اس کَم سے مشغول نہ ہو تو وہ کم منصوب ہوتا ہے اور اپنے عامل کے مطابق معمول ہوتا ہے اور ہر وہ کم جس سے پہلے حرف جر ہو یا مضاف ہو تو وہ کم مجرور ہوتا ہے ورنہ وہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے جب کہ وہ ظرف نہ ہو اور اگر وہ ظرف ہو تو وہ خبر ہونے کیوجہ سے مرفوع ہوتا ہے اور اسی طرح اسماء استفہام اور اسماء شرط ہیں اور کم عمّة لک یا جریر وخالة جیسی مثالوں میں تین صورتیں جائز ہیں اور کبھی کم کے ممیّز کو کم مالک او کم ضربت جیسی مثالوں میں حذف کر دیا جاتا ہے۔

﴿اسم مبنی کی ساتویں قسم﴾ ...... اسم مبنی کی ساتویں قسم اسماء کنایات ہیں۔ اسم کنایہ وہ اسم ہوتا ہے جو کسی چیز کے لئے بولا جائے مگر وہ اس چیز پر دلالت کرنے میں صریح نہ ہو۔ اسم کنایہ کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم کہ کنایہ عدد سے ہو اور اس کے لئے کم اور کذا ہیں دوسری قسم کہ کنایہ بات سے ہو اس کے لئے کیت اور ذیت ہیں جیسے **قُلت زید اً کیت و ذیت** میں نے زید کو ایسا ویسا کہا۔ ان کو مبنی قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ ایسے جملہ کی جگہ واقع ہے جو نہ اعراب کا مستحق ہے اور نہ بناء کا۔ جب یہ مفرد اس کی جگہ واقع ہوا تو یہ مفرد اعراب یا بناء سے خالی نہیں ہوسکتا اور کلمات میں بناء اصل ہے تو اس کا لحاظ رکھ کر ان کو مبنی قرار دیا گیا۔

" **فکم الاستفهامیه** " ...... کمْ دو قسم پر ہے ایک قسم کم استفہامیہ اور دوسری قسم کم خبریہ۔

کم استفہامیہ وہ ہوتا ہے جو استفہام کے معنی کو متضمن ہو اور اس کا ممیّز یعنی اسکی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے جیسے **کَم رُجلاً ضَربُتَ** کتنے آدمیوں کو میں نے مارا۔ اور کم خبریہ جس میں خبر کا معنی ہوتا ہے اور اس کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے **کَمْ رجلٍ عندی** . میرے پاس کتنے ہی آدمی ہیں۔ اور کبھی کم خبریہ کی تمیز مجرور جمع ہوتی ہے جیسے **کم رجال عندی**۔

" **وتدخل من فیهما** " ...... کم استفہامیہ ہو یا کم خبریہ ہو کبھی ان کی تمیز پر من بھی داخل ہوتا ہے۔ کم استفہامیہ کی مثال جیسے **کم من رجل ضربت** ۔ اور کم خبریہ کی مثال جیسے **کم من قریة اهلکنا ها** . **ولهما صدر الکلام** ۔ کم استفہامیہ ہو یا کم خبریہ یہ صدارت کلام کو چاہتے ہیں۔ یعنی کلام کی ابتداء میں واقع ہوتے ہیں۔

" **وکلاهما یقع مرفوعا** " ...... یہاں سے علامہ کم کا اعراب بتاتے ہیں کہ کَمْ خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ ہو کبھی مرفوع کبھی منصوب اور کبھی مجرور واقع ہوتا ہے۔ ہر ایسا کَمْ جس کے بعد ایسا فعل ہو جو اپنی ضمیر کیساتھ اس کَمْ سے اعراض کرنے والا ہو یعنی اس فعل کی ضمیر کو اس کَمْ کی طرف لوٹانے کی ضرورت نہ ہو تو ایسی حالت میں وہ کم منصوب ہوتا ہے اور اپنے عامل کے مطابق معمول ہوتا ہے۔ یعنی عامل اس کو مفعول بہ بنانا چاہے تو یہ مفعول بہ ہوگا۔ جیسے **کم رجلا ضربت** اور اگر عامل اس کو مفعول مطلق بنانا چاہے تو وہ مفعول مطلق ہوگا جیسے **کم ضربة ضربت** اور اگر عامل اس کو مفعول فیہ

بنانا چاہے تو وہ مفعول فیہ ہوگا۔ جیسے کم یو ماً صُمتُ ۔

" وکل ماقبلہ حرف جر "...... اور ایسا کم جس پر حرف جارہ داخل ہو جیسے بکم درھما اشتریت یا اس سے پہلے مضاف ہو جیسے غلامُ کم رجل ضربت تو ان صورتوں میں کم مجرور ہوتا ہے۔

" والا فمر فوع "...... اگر یہ مذکورہ صورتیں نہ ہوتو پھر کم مرفوع ہوتا ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے جبکہ وہ ظرف پر داخل نہ ہو جیسے کم رجلاً اخوتک ۔ کتنے آدمی تیرے بھائی ہیں۔ اگر وہ ظرف پر داخل ہو تو خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے جیسے کم یوما سفرک ۔کتنے دن ہے تیرا سفر۔ اس میں کم یو ماً خبر مقدم ہے اور سفرک مبتدا موخر ہے۔

" وکذالک الاسماء الا ستفھام "...... محل اعراب میں اسماء استفہام اور اسماء شرط کا حکم کَمْ کی طرح ہے جیسے مَنْ اور ما استفہامیہ بھی ہیں اور شرطیہ بھی ہیں۔ اگر ان کے بعد ایسا فعل ہو جو اپنے ضمیر کے ساتھ ان سے اعراض کرنے والا ہو تو یہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں۔ جیسے مَنْ ضَرَبتُ . ما ضربتُ . میں کس کو ماروں اور اگر ان پر حرف جر ہو تو یہ مجرور ہوتے ہیں۔ جیسے بِمَنْ مررْتُ میں کس کے ساتھ گزرا۔ اور اگر ان سے پہلے مضاف ہو تو تب بھی یہ مجرور ہوتے ہیں جیسے غلام من ضربتُ۔ کس کے غلام کو میں نے مارا۔ اور اگر ایسی صورتیں نہ ہوں تو یہ مبتدا یا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتے ہیں۔

" وفی مثل کم عمة "...... کم عمة جیسی صورتوں میں کم کے ممیز کا رفع۔ نصب اور جر تینوں صورتیں جائز ہیں نصب اس وجہ سے کہ کم استفہامیہ ہے اور کم استفہامیہ کا ممیّز منصوب ہوتا ہے۔ اور جر اس لحاظ سے کہ کم خبریہ ہے اور کم خبریہ کا ممیّز مجرور ہوتا ہے اور رفع اس لحاظ سے کہ کم مبتدا ہے اور اس کا ممیز محذوف ہے۔

" وقدیحذف "...... اور کبھی کم کے ممیّز کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ قرینہ موجود ہو۔ جیسے کم مالک یہ اصل میں تھا "کم درھما مالک "اور کم ضربت یہ اصل میں تھا کم مرةً ضربت .

" الظروف ُمنها ما قُطِعَ عَنِ الا ضافةِ كقبلُ وبعدُ واُجری َمجراهُ لا غیرُ ولیس وحَسْبُ ومنها حیث وَلا یُضاف الا اِلَی الجُملة فی الا کثر ِومنها اذا و هِیَ للمستقبل وفیها معنی الشرط ولذٰلک اختِیر ُ بَعْدها الفعل وقد تکون للمفاجا ةِ فیلزم المبتَدا ء بعدها ومنها اذ للماضی ویقع بعدها الجُملَتَان ِ . " اورمبنیات میں سے اسماء ظرف ہیں۔ان میں سے بعض وہ ہیں جن کواضافت سے کاٹ دیا گیا ہوجیسے قبل اور بعد۔اوران کے قائم مقام لا غیر اور لیس اور حسبُ ہیں۔اور ان اسماء ظروف میں سے حیث ہے اور اکثر صرف جملہ کی طرف مضاف کیا جا تا ہے اوران میں سے اذا ہے اور وہ مستقبل کے لئے ہوتا ہے اوراس میں شرط کا معنی ہوتا ہے اسی لئے اس کے بعد فعل کو پسند کیا گیا ہے اور کبھی وہ اذا مفاجاۃ کے لئے ہوتی ہے پھراس کے بعد مبتدا لازم ہے اوران اسماء ظروف میں سے اذ بھی ہے جو ماضی کے لئے ہوتا ہے اوراس کے بعد دونوں جملے واقع ہوسکتے ہیں۔

﴿اسم مبنی کی آٹھویں قسم﴾...... اسم مبنی کی آٹھویں قسم اسماء ظرف ہیں۔اسم ظروف وہ ہوتا ہے جو وقت یا جگہ پر دلالت کرے۔ " **قبل اور بعد** " ...... قبل اور بعدُ ایسے اسماء ظروف ہیں کہ ان کو اضافت سے کاٹ دیا گیا ہے یعنی یہ اصل میں مضاف بنتے ہیں مگران کواضافت سے کاٹ دیا جاتا ہے اگر انکے آخر میں مضاف الیہ کے عوض تنوین آجائے تو یہ معرب ہوتے ہیں جیسے شاعر کا قول ہے " فساغ لی الشراب وکنت قبلاً . اکاد اغص بالماء الفرات . "پس میرے لئے شراب کافی ہے اور میں پہلے اس حال میں تھا۔قریب تھا کہ دریائے فرات کا پانی پی جاتا۔اس میں قبلاً کے آخر میں تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔اوراگران کے آخر میں مضاف الیہ کے عوض تنوین نہ ہوتو یہ مبنی ہوتے ہیں جیسے لِلہِ الامر مِن ُقبل ومن بعدُ۔

" **واجری مجراہ** " ...... جو اسماء ظروف منقطع عن الاضافۃ ہیں ان کے قائم مقام لا غیر اور لیس غیر اور حسب ہیں جیسے **جاء نی زید لا غیر** ۔ یہ اصل میں لا غیرہ ہے ۔ اور **جاء نی زید لیس غیر . جاء نی زید حسبُ** .

" **ومنھا حیث** " ...... اسماء ظروف میں سے حیث ہے جو اکثر صرف جملہ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے خواہ جملہ اسمیہ ہو جیسے **اجلس حیث زیدٌ جالسٌ** ۔ میں اس جگہ بیٹھوں گا جہاں زید بیٹھنے والا ہے ۔ یا جملہ فعلیہ ہو جیسے **اجلس حیث جلس زید** ۔ فی الاکثر کے قید اس لئے لگائی ہے کہ کبھی یہ مفرد کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے " **اما تری حیث سھیلٌ طالعاً** ۔ کیا تو نے اس جگہ کو نہیں دیکھا سہیل جہاں ستارہ طلوع ہوتا ہے ۔ اور یہ جملہ کی طرف اس لئے مضاف ہوتا ہے کہ یہ ایسے مکان کیلئے وضع کیا گیا ہے جس میں نسبت ہوتی ہے ۔

" **ومنھا اذا** " ...... اسماء ظرف میں سے اذا بھی ہے اور اذا کبھی زمانیہ ہوتا ہے اور کبھی مکانیہ ۔ جب اذا زمانیہ ہو تو یہ مستقبل کے لئے ہوتا ہے جیسے **اذا یقوم زید** ۔ اور اگر ماضی پر داخل ہو تو اس کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے **اذا جاء نصر اللہ** ۔ جب اللہ کی مدد آئے گی ۔ اور اس اذا میں شرط کا معنی ہوتا ہے اسی لئے اسکے بعد فعل کو لانا پسند کیا گیا ہے اس لئے کہ فعل کی شرط کیساتھ مناسبت ہے ۔ چونکہ یہ اذا شرط میں اصل نہیں اس لئے اس کے بعد اسم بھی آ سکتا ہے ۔

" **وقد تکون للمفاجاۃ** " ...... اور اذا مفاجاۃ کیلئے بھی آتا ہے اور مفاجاۃ کہتے ہیں شعور کے بغیر اچانک کسی چیز کو پانا ۔ جب اذا مفاجاتیہ ہو تو اس کے بعد مبتدا کا لانا لازم ہے تا کہ اذا مفاجاتیہ کو اذا شرطیہ سے جدا کیا جا سکے ۔ جیسے **خرجت فاذا زید بالباب** ۔ میں نکلا تو اچانک دروازے پر زید تھا ۔ یہاں فیلزم المبتداء میں لازم سے مراد غالب اور اکثر ہونا ہے یعنی مبتدا کا ہونا غالب ہے اس لئے کہ کبھی اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا نہیں ہوتی ایسا چونکہ قلیل ہے اس لئے قلیل کو کالمعدوم کے درجہ میں رکھ کر **فیلزم المبتداء** کہہ دیا گیا ہے ۔

" **ومنها اِذْ** " ...... اسماءظروف میں سے اذ ہے جو کہ ماضی کے لئے آتا ہے اور اس کے بعد دونوں جملے واقع ہو سکتے ہیں جملہ اسمیہ بھی واقع ہو سکتا ہے جیسے جئت ُاذ زید قائم ٌ ا میں زید کے کھڑے ہونے کے وقت آیا۔ اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے جیسے جئت ُاذ یقوم زید ۔ اس میں یقوم فعل مضارع ہے مگر قام فعل ماضی کے معنی میں ہے۔

" **ومنها اینَ وانّٰی للمکان ِاستِفهاَماً وشرطاً ومتی 'للزمان فیهما وایّان للزمان استِفهاما ًوکیف للحال ِاستفهاماً ومذ ومنذ بمَعنی 'اوّل المدّة فیلیهما المفرد المعرفة وبمعنی الجمیع فیلیهما المقصود بالعَدد وقد یقعُ المصدر ُا والفعل او اَنَّ او اِن فیقدر زمان مضَافٌ وهو مُبتدا وخبرُه ُما بعده خلافا للزّجاج .** " اور ان اسماءظروف میں سے این اور انّی ہیں جو مکان کے لئے آتے ہیں اور ان میں استفہام اور شرط کا معنی پایا جاتا ہے اور متی زمان کے لئے آتا ہے اس میں بھی استفہام اور شرط کا معنی پایا جاتا ہے اور ایان زمان کے لئے ہے اور اس میں استفہام پایا جاتا ہے اور کیف حال کے لئے آتا ہے اور اس میں استفہام ہوتا ہے اور مذ اور منذ یہ اول مدت کے معنی میں آتے ہیں۔ اور ان کے بعد معرفہ ہوتا ہے اور یہ مذ اور منذ جمیع مدت کے لئے بھی آتے ہیں تو ان کے بعد وہ اسم ہوتا ہے جو عدد کا مقصود ہوتا ہے اور کبھی ان کے بعد مصدر یا فعل یا اَنَّ یا اِنَّ واقع ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں زمان مضاف مقدر ہوتا ہے اور یہ مذ اور منذ مبتدا ہوتے ہیں اور ان کا مابعد ان کی خبر ہوتا ہے ۔ اس بارہ میں امام زجاج کا اختلاف ہے۔

ومنها این وانی ۔ اسماءظروف میں این اور انی بھی ہیں۔ یہ ظرف مکان ہیں یعنی ان کو مکان کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور ان میں استفہام اور شرط کا معنی پایا جاتا ہے جیسے اَیـن زَید زید کہاں ہے اس میں این میں استفہام کا معنی ہے اور اسی طرح ہے اَنّی ُزیدٌ . اور ایـن تجلس اجلس ا ور انـی تقعد اقعد میں این اور انّی میں شرط کا معنی ہے۔ "

ومتی للزمان فیهما " ...... اور اسماء ظروف میں سے متی ہے جو زمان کے لئے آتا ہے ان دونوں میں یعنی شرط اور استفہام دونوں کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **متی القتال** لڑائی کب ہوگی اس میں استفہام کا معنی ہے اور **متی تخرج اخرج** میں متی میں شرط کا معنی ہے۔ **" وایان للزمان استفهاما ."** ...... اور **ایّان** بھی اسم ظرف ہے جو زمان کے لئے آتا ہے اور اس میں استفہام پایا جاتا ہے جیسے **ایّان یوم الدین** ۔کب ہوگا قیامت کا دن۔ **ایان** ہمزہ استفہام کو متضمن ہے اسلئے اس کو مبنی قرار دیا گیا ہے۔

" وکیف للحال استفهاما " ۔اور کیف حالت دریافت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے جیسے **کیف انت** ۔آپ کس حال میں ہیں۔

" ومذ ومنذ " ...... **مذ** اور **منذ** اکثر اول مدت کی تعین کے لئے آتے ہیں ایسی صورت میں ان کے بعد مفرد معرفہ آتا ہے یعنی ان کے بعد تثنیہ جمع نہیں آتے جیسے **ما رائیته مذ یوم الجمعة**۔ میں نے اس کو نہیں دیکھا اور میرے نہ دیکھنے کی مدت کی ابتداء جمعہ کے دن سے ہے۔ اور یہ مذ اور منذ کبھی کل مدت کے بیان کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے بعد ایسا اسم ہوتا ہے جو عدد کے ساتھ مقصود ہوتا ہے۔ یعنی عدد کے ساتھ جس مدت کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اسم ہوتا ہے جیسے **ما رائیته مذیومان** میں نے اس کو دو دن سے نہیں دیکھا۔ یعنی میرے اس کو نہ دیکھنے کی کل مدت دو دن ہے اور کبھی مذ اور منذ کے بعد مصدر ہوتا ہے **ماخرجت مذذهابک** ۔تیرے جانے کے بعد میں نکلا ہی نہیں۔ اور کبھی مذ اور منذ کے بعد فعل واقع ہوتا ہے جیسے **ماخرجت مذ ذهبت** ۔جب سے تو گیا میں نہیں نکلا۔ اور کبھی مذ اور منذ کے بعد اَنَّ آتا ہے جیسے **ماخرجت مذ اَنّک ذاهب** ۔اور ان کے بعد اِنَّ بھی آتا ہے جیسے **ماخرجت مذ اِنّک ذاهب**"۔ جب مذ اور منذ کے بعد مصدر یا فعل یا اَنَّ یا اِنَّ ہو تو ان حالتوں میں مذ اور منذ کے بعد زمان مضاف مقدر ہوتا ہے جیسے **مافرحت مذذهابک** تیرے جانے کے بعد میں خوش نہیں ہوا۔ یہ اصل میں **ما فرحت مذ زمان ذهابک** تھا۔ **ما فرحت مذ ذهبت**۔ یہ اصل میں **ما فرحت مذ زمان ذهبت** ہے۔

" **وھو مبتدأ** " .... مذ اور منذ میں سے ہر ایک ترکیب میں مبتدا واقع ہوتا ہے اور اس کے بعد اسم اس کی خبر ہوتا ہے جیسے مار ائیته مذیو مان اس میں مذ مبتدا اور یومان اس کی خبر ہے اور یہ جملہ ہو کر مفعول فیہ ہے ما رایته کا۔

" **خلافا للزجاج** " ......اس مسئلہ میں امام زجاج کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مذ اور منذ خبر واقع ہوتے ہیں اور ان کا مابعد ان کی مبتدا موخر ہوتا ہے اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ نکرہ ہوتے ہیں اور نکرہ کو خبر بنانا زیادہ درست ہے۔ اس کے جواب میں جمہور نے کہا کہ یہ دونوں بتاویل اضافت معرفہ اور معنی میں اول مدت کے لئے ہوتے ہیں اس لئے یہ مبتدا واقع ہوتے ہیں۔

"**اعتراض** :۔ جب مذ اور منذ مبتدا واقع ہوتے ہیں تو ان کو ظرف کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ظرف مفعول فیہ ہوتا ہے اور مفعول سارے کے سارے فضلہ ہوتے ہیں جب کہ مبتدا تو کلام کا اہم رکن ہوتا ہے۔

جواب :۔ مذ اور منذ میں ظرف کا اطلاق مجازی ہے اس اعتبار سے کہ یہ زمان کے لئے اسم ہیں یہ مراد نہیں ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتے ہیں۔ **و منها لدی ولدُنْ وقد جاء لَدُنِ ولَدِنُ ولُدْنِ ولَدُ ولُدُ ولَدُ و منها قط للماضی المنفی وعوض للمستقبل المنفی** ۔اور ان اسماء ظرف میں سے لدی اور لدن بھی ہیں اور یہ لَدُنِ . لَدِنُ . لُـدُنِ .لَدْ . لُدْ اور لُدُ بھی آیا ہے اور ان اسماء ظروف میں سے قط بھی ہے جو ماضی منفی کے لئے آتا ہے۔ اور عوض مستقبل منفی کے لئے آتا ہے۔

" **و منها لدی** " ......اسماء ظروف میں سے لدی بھی ہے جیسے **المال لدیٰ زید**۔ مال زید کے پاس ہے اور اسماء ظروف میں سے لَدُن بھی ہے اور لَدُنُ میں اور لغات بھی ہیں اسکو لَـدُنِ . لَـدِنُ. لَـدُنُ . لَدْ . لُدُ۔ اور لَدُ بھی پڑھا گیا ہے۔

" **ومنها قط** :. "اسماء ظروف میں سے قط بھی ہے جو ماضی منفی کے لئے آتا ہے جیسے ما راء یته قطّ میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا۔ قط میں بھی کئی لغات ہیں (۱) قاف کا فتحہ اور طاء مشددہ کا ضمہ جیسے **قطُّ** . (۲) قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ

کا بھی ضمہ جیسے قُطُّ ۔ (۳) قاف کا ضمہ اور طاء مشددوہ کا کسرہ جیسے قُطِّ ۔ (۴) قاف کا ضمہ اور طاء مشددوہ کا فتحہ جیسے قُطَّ ۔ (۵) قاف کا ضمہ اور طاء مخففہ کا ضمہ جیسے قَطُ (۶) قاف کا ضمہ اور طاء مخففہ کا ضمہ جیسے قُطُ ۔

" وعـــوض " : ......اور عوض بھی اسم ظرف ہے اور یہ مستقبل منفی کے لئے آتا ہے جیسے لا اراہ عوض میں اس کو کبھی نہیں دیکھوں گا۔

" والظروف المضافة الی الجملة واذ یجوز بناو ها علی الفتح وکذلک مثل ُ وغیرُ مع ما وَ اَنْ واَنَّ "...... اور وہ اسماء ظروف جو جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور اِذْ ۔ ان کو مبنی برفتحہ کرنا جائز ہے اور اسی طرح مثل اور غیر جو ما اور اَنْ اور اَن کے ساتھ آتے ہیں۔

" والظروف المضافة " ...... وہ اسماء ظروف جو جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں جیسا کہ حیث اور اِذْ . ان کو مبنی برفتحہ قرار دینا بھی جائز ہے اسی طرح مثل اور غیر جو ما اور اَنْ اور اَنَّ کے ساتھ مل کر آتے ہیں ان کو بھی مبنی برفتحہ بنانا جائز ہے۔ جیسے قیامی مثل ماقام زید .قیامی مثل انک تقوم . قیامی مثل ان تقوم اسی طرح قیامی غیر ماقام زید . قیامی غیر انک تقوم اور قیامی غیر ان تقوم ۔اور ان کو مبنی بنانا اس لئے جائز ہے کہ انھوں نے مضاف الیہ سے بناء اکتساب کی ہے اور وہ مضاف الیہ جملہ ہے۔ اور فتحہ پر مبنی اس لئے کیا کہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔ اور مثل اور غیر جو ما یا اَنَّ یـــا اَنْ کے ساتھ آتے ہیں ان کی ان اسماء ظروف کے ساتھ مشابہت ہے جو جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں اس لئے ان کا بھی وہی حکم ہے جو ان اسماء ظروف کا ہے۔

"المَعْرفة والنکرةُ المَعرفة ما وُضِعَ لشیءٍ بعینه وهی المضمراتُ والا علام والمبهماتُ وما عُرِّفَ باللام او النداء والمضَاف الی احَدِ ها معنیً العَلَم ُما وُضِعَ لشیءٍ بعینه غیرُ متنا ولٍ غیرَهٗ بوضعٍ

واحدو اعرفها المضمر المتكلم ثم المخاطب ۔" ...... یہ معرفہ اور نکرہ کی بحث ہے ۔معرفہ وہ اسم ہوتا ہے جو کسی معین چیز کیلئے وضع کیا گیا ہو اور وہ ضمیریں ۔اعلام اور اسماء مبھمات ہیں اور وہ جس کو لام یا حرف نداء کی وجہ سے معرفہ کیا گیا ہو اور وہ جو ان میں سے کسی ایک کی طرف اضافت معنوی کیساتھ مضاف کیا گیا ہو۔ **عَلَم** وہ ہوتا ہے جو کسی معین چیز کے لئے ایسے انداز میں وضع کیا گیا ہو کہ ایک ہی وضع کے ساتھ وہ کسی اور کو شامل نہ ہو۔ اور ان میں سے اعرف المعارف متکلم کی ضمیر ہے پھر مخاطب کی۔

"معرفہ اور نکرہ کی بحث"...... المعرفة والنكرة یہ اصل میں ہے هذا باب في بيان المعرفة والنكرة". ...... معرفہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ اسم جو کسی معین چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اور اس کی سات قسمیں ہیں۔

پہلی قسم مضمرات اور معرفہ کی اقسام میں سے سب سے زیادہ معرفہ ضمیریں ہیں اور ضمیروں میں سے متکلم کی ضمیریں اعرف المعارف ہیں پھر مخاطب کی اور پھر غائب کی ضمیریں ہیں۔

دوسری قسم اعلام:۔ علم وہ ہوتا ہے جو کسی معین چیز کیلئے اس انداز سے وضع کیا گیا ہو کہ ایک ہی وضع کیساتھ وہ کسی اور کو شامل نہ ہو جیسے زَید۔ لاہور وغیرہ۔

تیسری قسم:۔ اسماء مبھمات اور ان کی دو قسمیں ہیں اسماء اشارات اور اسماء موصولات اس لحاظ سے تیسری قسم اشارات ہیں جیسے **هذا . هو لاء وغيره .**

چوتھی قسم:۔ اسماء موصولات ہیں۔ جیسے **الذی . الذين** وغیرہ۔ پانچویں قسم:۔ معرف باللام یعنی وہ اسم جس پر تعریف کا الف لام داخل ہو جیسے **الحمد** ۔ چھٹی قسم:۔ معرفہ بہ نداء یعنی وہ اسم جس پر حرف نداء داخل ہو جیسے **یا رجل .**

ساتویں قسم:۔ وہ اسم جو ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔ یعنی ضمیر کی مضاف ہو جیسے **غلامه** ۔ اعلام کی طرف مضاف ہو جیسے **غلام زيد** ۔ اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو جیسے **غلام هذا** ۔ اسم موصول کی طرف مضاف ہو جیسے **غلام**

الذی عندی ۔معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے غلام الرجل ۔معرفہ بہ ندا کی طرف اضافت نہیں ہو سکتی۔

" النکرة ماوضع لشی لابعینه "...... نکرہ وہ ہوتا ہے جو کسی غیر معین چیز کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے رجلٌ اور فرسٌ وغیرہ۔

"اَسْمَاء العدد ما وضِع لکمیّة اٰحاد الا شیآء اصولها اثنتا عَشرة کلمة ً واحِدٌ الی عشرة ومائَةٌ والفٌ تقول واحد اثنان واحدة اثنتان وثنتان وثلثة الی عشرة وثلٰثٌ اِلیٰ عَشَر واحدَ عَشَر احْدٰی عشرةَ اثنتا عَشْرة وثنتا عَشرة وثلٰثة عَشَر الی تِسعَةَ عَشَر وثَلٰث عشرةَ الیٰ تسع عَشْرة وتميمٌ تکسّر الشینَ فی المونثِ وعشرُون َواخواتُها فیهما واحدٌ وّعشرون واحدٰی وعِشرون ثم بالَعطف ِبلفظ ما تقدّم الی تِسعَةٍ وتسعین ومائة والف مائتان والفانِ فیهما ثم بالعطفِ علی ٰما تقدم وفی ثمانی عشره فتح الیاء وجاز اسکانُها وشُذَّ حذفها بفتح النّون . " اسماءعدد وہ ہوتا جو اشیاء کے افراد کی مقدار معلوم کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اسماءعدد کے اصول بارہ کلمات ہیں ایک سے لیکر دس تک دس کلمات اور مائة اور الفٌ ۔آپ کہہ سکتے ہیں وَاحدٌ اثنان مذکر کیلئے اور واحدة اثنتان اور ثنتان مونث کے لئے۔اور ثلٰثة سے عشرة تک اور ثلٰث سے عشر تک اور احد عشر اثنا عشر احدی عشر اثنتا عشرة اور ثنتا عشرة اور ثلٰثة عشر سے تسعة عشر تک اور ثلث

عشـرـۃ سے تسـع عشـرـۃ تک۔اور بنوتمیم قبیلہ والے مونث میں عشرۃ میں شین کوکسرہ دیتے ہیں اور عشـرون واخواتھا ان دونوں میں یعنی مذکراور مونث میں اور احد وعشرون اور احدی وعشرون پھر عطف کے ساتھ اس لفظ کیساتھ جو پہلے بیان ہو چکا ہے تسعۃ وتسعین تک اور مـائۃ والف . مائتان والفان ان دونوں میں پھر عطف کے ساتھ اس طریق کے مطابق جو پہلے بیان ہوا ہے۔اور ثـمـانـی عشرۃ میں یاء کا فتحہ ہے اور اس کا ساکن کرنا بھی جائز ہے اور اس یاء کا حذف اس کے ماقبل کے نون کے فتحہ کے ساتھ شاذ قرار دیا گیا ہے۔

''اسماء عدد'' ...... علامہ نے پہلے معرفہ اور نکرہ کا ذکر کیا جن میں اسم کے معین اور غیر معین کے لئے وضع کے لحاظ سے اسم کی تقسیم تھی اب اسم کی کمیت اور عدم کمیت پر دلالت کرنے کے اعتبار سے تقسیم ہے۔اسماء اعداد میں سے بعض مبنی ہیں اور بعض معرب ہیں جس اعتبار سے یہ مبنی ہیں اس اعتبار سے ان کو مبنیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسم عدد وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کے افراد کی مقدار بیان کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہو خواہ یہ احاد منفردہ ہوں یا مجتمع ہوں جیسے الـواحـد .الا ثـنـان یہ آحاد منفردہ پر دلالت کرتے ہیں اور ثـلاثـۃ وغیـرہ احاد مجتمعہ پر دلالت کرتے ہیں۔اسماء عدد کے اصول بارہ کلمات ہیں۔ایک سے لے کر دس تک دس کلمات جیسے واحد اثنان ثلثۃ . اربعۃ . خمسۃ . ستتہ . سبعۃ . تسعۃ اورعشرۃ اور مائۃ اور الف یہ کل بارہ کلمات اصول اعداد ہیں۔باقی تمام اعداد ان ہی کلمات سے بنائے جاتے ہیں۔جیسے واحد اور اثنان مذکر کے لئے ہیں رجـل واحـد .اثنان۔تثنیہ کا الف ہی دو پر دلالت کرتا ہے اور یہ ہندسہ تاء کے بغیر ہے اس لئے مذکر کے لئے ہے۔اور واحدۃ اور اثنتان مونث کے لئے ہیں۔جیسے امـر اءـۃ واحـدۃ . اور اثنتان میں تثنیہ کا الف دو پر دلالت کرتا ہے اور یہ صیغہ تاء کے ساتھ ہے اس لئے مونث کے لئے ہے۔اور ثنتان بھی مونث کے لئے آتا ہے۔اسی طرح آگے اعداد مذکر اور مونث دونوں طرح آتے ہیں جیسے ثــلا ثـۃ سے عشرۃ تک اور ثلث سے عشر تک۔اسی طرح آگے احد عشر مذکر عدد ہے اور احدی عشرۃ مونث عدد ہے۔ اثنتا عشرۃ .ثنتا عشرۃ اور ثلثۃ عشر سے تسعۃ عشر تک اور ثلث عشرۃ سے تسـع عشـرـۃ تک۔جمہور کے نزدیک عشر خواہ مذکر ہو یا عشرۃ مونث ہو۔ ہر حال میں شین کا سکون ہے اور بنوتمیم کے نزدیک مونث میں شین کا کسرہ ہے۔

"وعشرون واخواتها" ...... عشرون اوراس جیسے دیگر اعداد جو دہائیوں کیلئے استعمال ہوتے ہیں یعنی ثلاثون . اربعون . خمسون . ستون . سبعون . ثمانون ۔اور تسعون یہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے ایک ہی طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے عشرون رجلا اور عشرون امراء ةاس کے بعد احد وعشرون سے تسع وعشرون تک مذکر اعداد ہیں اور احدی وعشرون سے تسعة وعشرون تک مونث اعداد ہیں ۔اسی طرح یہ سلسلہ تسعة وتسعون تک چلتا ہے اگر عدد سو سے بڑھ جائے تو پہلے مائۃ کو اور اس کے بعد دوسرے عدد کو عطف کیساتھ لاتے ہیں اور پھر ان کی تمیز لاتے ہیں جیسے مائة وخمسة رجال . مائة وخمس نسوة ۔اگر عدد ہزار سے بڑھ جائے تو پہلے الف کو پھر مائۃ اور پھر دوسرے عدد کو عطف کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے الف ومائة واحد وعشرون رجلا . الف ومائة واحدی وعشرون امراةً ۔

"ومائة والف مائتان والفان فیهما" ...... مائۃ اور الف کے اعداد مذکر اور مونث دونوں کے لئے ایک ہی طرح استعمال ہوتے ہیں اسی طرح مائتان اور الفان بھی مذکر اور مونث دونوں کیلئے ایک طرح استعمال ہوتے ہیں ۔

"وفی ثمانی عشرة" ...... یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ ثمانی عشرةمیں یاء کا فتحہ بھی جائز ہے جیسے ثمان عشرة ۔اور یاء کا سکون بھی جائز ہے جیسے ثمانی عشرة اور یاء کو حذف کر کے نون کو فتحہ دے کر پڑھنا شاذ ہے جیسے ثمان عشرة یہاں تک علامہ نے یہ بحث کی ہے کہ اعداد کو عبارت میں کس طرح ذکر کیا جاتا ہے۔

"ومَميّز الثلثة الی العشرة مخفوضٌ مجموعٌ لفظاً اومعنیً الا فی ثلث مائةٍ الی تسع مائة وكان قیاسُها مئاتٍ اومِئِینٍ ومميّز احدَ عشر الی تسعةٍ وتسعینَ منصوبٌ مفردٌ ومميز مائةٍ والفٍ

وتثنيتهما وجمعه مخفوض" مفرد" . " اورتین سے دس تک کی تمیز مجرور ہوتی ہے اور جمع ہوتی ہے خواہ لفظاً ہو یا معنیً مگر ثلثمائۃ سے تسعمائۃ تک اوران کا قیاس کے مطابق ہونا مئات" یا مئین تھا اور احد عشر سے تسعة وتسعين تک کے اعداد کی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے۔اور مائۃ اور الف اوران کے تثنیہ اوران کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے۔

" اعداد کی تمیز "...... ثلاثۃ سے عشرۃ تک کی تمیز مجرور ہوتی ہے اور جمع ہوتی ہے خواہ جمع لفظا ہو جیسے ثلاثة رجال ۔یا جمع معناً ہو جیسے ثلاثة رهط . ثلا ثة نفر ۔مگر جب ثلاث سے تسع تک کے اعداد مائۃ کے ساتھ آئیں تو مائۃ مفرد مجرور ہی ہوگا جیسے ثلاثمائةٍ . تسعمائةٍ حالانکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ مائۃ کی بجائے مئا ت یا مئیں آئے ۔اور احد عشر سے تسعة وتسعين تک کے اعداد کی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے جیسے احد عشر رجلاً وغیرہ۔ اور مائۃ کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے مائۃ رجل ۔الف کی تمیز بھی مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے اَلفُ رجُلٍ۔ان کے تثنیہ کی تمیز بھی مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے مائتا رجل . الفا رجل ۔اور الف کے جمع کی تمیز بھی مجرور مفرد آتی ہے جیسے الاف رجل . الو ف رجل . مائة کی جمع استعمال نہیں ہوتی اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی لئے علامہ نے وجمعه کہا ہے اور اس میں ضمیر کا مرجع الف ہے کہ الف کی جمع کی تمیز بھی مجرور مفرد ہوتی ہے۔

" وا ذا كا ن المعد ود ُمو نثا واللفظ ُمذ كر اً او بالعكس ِفوجهان ولا يُميز واحدٌ واثنان استغناءً بلفظ ِالتمييز عنهما مثل رَجلٌ ورَجلا نِ لا فا دة النص المقصود بالعدد"...... اور جب عدد لفظاً مذکر ہو اور معدود مونث ہو یا اس کا عکس ہو تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں یعنی جب اسم عدد کی تمیز معنیً مونث اور لفظاً مذکر ہو یا لفظاً مونث ہو اور معنیً مذکر ہو تو اس میں لفظ کا لحاظ رکھ کر عدد کو مذکر بھی لا سکتے ہیں جیسے عند ی ثلث اشخاص من النساء ۔اور معنی کا لحاظ رکھ کر عدد

کومونث بھی لاسکتے ہیں جیسے عندی ثلاثة اشخاص من النساء .

" ولا یمز واحد واثنان " ...... واحد اور اثنان کی تمیز نہیں لائی جاسکتی اس لئے کہ یہ الفاظ تمیز سے مستغنی ہیں۔جیسے رجلٌ اور رجلان . اور امراء تان ۔اس لئے کہ عدد سے جو مقصود ہے وہ نص سے حاصل ہوگیا۔اور عدد سے مقصود احاد کی کمیت بیان کرنا ہے تو رجل کے صیغہ سے ہی ایک اور رجلان کے صیغے سے دو پر دلالت ہو جاتی ہے اس لئے ان کی تمیز لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

" وتقول فی المفرد من المتَعدد باعتبار تصییره الثانی والثانیةِ الی العَاشرِ والعاَشِرة لا غیر وباعتبار حَاله الاول والثانی والاولی والثانیة الی العاشِر والعاشِرة والحادی عَشر والحادیة َعشرة والثانی عشر والثانیة عَشرة الی التاسِع عشر والتاسعة عشرة ومن ثم قیلَ فی الاوِّل ثالث اثنین ای مصیر هُما ثلٰثةً من ثلّثتُهما وفی الثانی ثالُث ثلٰثةٍ ای احدها وتقول حادی عشر اَحدَ عشر علی الثانی خاصّةً واِنْ شئت َقلت َحادِی احَدَ عشَر الی تاسع تسعة عشر فتعرب الاول " ...... " اور آپ متعدد میں سے مفرد میں اس کی تصییر کا اعتبار کرتے ہوئے الثانی اور الثانیة سے العاشر اور العاشرة تک کہہ سکتے ہیں اس کے سوانہیں اور اس کے حال کا اعتبار کرتے ہوئے الاول اور الثانی اور الاولی اور الثانیة العاشر اور العاشرة تک کہہ سکتے ہیں اور الحادی عشر اور الحادیة عشرة اور الثانی عشر اور الثانیة عشرة التاسع عشر اور التاسعة عشرة تک کہہ سکتے ہیں اور اسی وجہ سے پہلے

میں کہا جاتا ہے ثالث اثنین یعنی ان دونوں کو تین بنانے والا ہے۔ اور دوسرے میں ثالث ثلثۃ کہہ سکتے ہیں یعنی تین میں سے تیسرا ہے۔ اور آپ کہہ سکتے ہیں حادی عشر احد عشر صرف دوسرے کا یعنی حال کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اور اگر آپ چاہیں تو آپ حادی احد عشر تاسع تسعة عشر تک کہہ سکتے ہیں پس پہلے کو معرب کیا جاتا ہے۔

''تصییر اور حال کا فرق'' ......اس سے پہلے علامہ ابن حاجب نے اسماء عدد اوران کی تمیز کا ذکر کیا ہے اب حال اور تصییر کا فرق بتاتے ہیں اعداد میں سے جب کسی عدد کو لیں تو اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت کہ اس عدد میں درجہ عدد کا لحاظ نہ ہو تو وہ نہ حال ہے اور نہ تصییر ہے جیسے **واحد من الثلاثة** ۔ایک تین میں سے ہے۔ دوسری صورت کہ اس عدد میں درجہ عدد کا لحاظ ہو اور نیچے کی نسبت ملحوظ ہو تو وہ تصییر ہے جیسے **ثالث اثنین** یعنی وہ عدد جو دو کو تین بنانے والا ہے۔ تیسری صورت کہ درجہ عدد کا لحاظ ہو اور نیچے کی نسبت ملحوظ نہ ہو تو یہ حال ہے جیسے **ثالث ثلاثة** ۔ تین میں سے تیسرا۔ علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ اگر متعدد میں سے ایک کو لیں تو اس کی تصییر کا اعتبار کرتے ہوئے **الثانی اور الثانیه** کہہ سکتے ہیں **الثانی** مذکر میں اور **الثانية** مونث میں۔ اور یہ سلسلہ الثانی سے العاشر تک اور الثانیۃ سے العاشرۃ تک چلتا ہے۔

'' لا غیر '' یعنی تصییر کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں کچھ اور نہیں کہہ سکتے۔

'' وباعتبار حاله '' ...... اور اگر حال کا اعتبار کریں تو مذکر میں **الا ول والثانی العاشر تک** اور مونث میں **الا ولی والثانية العاشرة** تک کہہ سکتے ہیں۔ اور **الحادی عشر اور الحادية عشرة التاسعة عشرة** تک کہہ سکتے ہیں۔ اور مذکر میں **الثانی عشر** سے **التاسع عشر** تک اور مونث میں **الثانية عشرة** سے التاسعۃ عشرۃ تک کہہ سکتے ہیں۔

'' ومن ثم قیل '' ...... یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ جب متعدد میں سے مفرد لیں تو اس میں تصییر اور حال دونوں کا اعتبار ہوسکتا ہے تو اسی وجہ سے تصییر کا اعتبار کرتے ہوئے **ثالث اثنین** کہنا اور حال کا اعتبار کرتے ہوئے **ثالث**

ثلثة کہنا درست ہے۔اور حادی عشر میں خاص کر حال کا اعتبار کرتے ہوئے احد عشر کہہ سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو حادی احد عشر سے تاسع تسعة عشر کہہ سکتے ہیں تو اس صورت میں پہلی جز معرب ہوگی اس لئے کہ جس ترکیب کی وجہ سے اس کو مبنی قرار دیا گیا تھا وہ ترکیب باقی نہیں رہی۔

" المذکر والمؤنث المؤنث مافیه علامة التانیث لفظاً او تقدیراً والمذکر بخلافه وعلامةُ التَانیث التاء والالف مَقصورةً اوممدودةً وهو حقیقی ولفظیّ فالحقیقیُّ ما بازائه ذکر مِنْ الحَیَوان کامرأة وناقةٍ واللفظِیُّ بخلافه کظلمةٍ وعَیْنٍ واذا اُسنِدَ الفِعل اَلیهِ فالتاء وَاَنت فی ظاهرِ غَیر الحقیقی بالخیار وحُکمُ ظاهر الجمع غیرُ المذکر السّالم مُطلقاً حکمُ ظاهرِ غیر الحقیقی وضمیرُ العاقلین غیرَ المذکر السّالم فَعَلَتْ وفعلوا والنساءُ والایامُ فعلَتْ وفَعلْنَ "

...... "یہ اسم مذکر اور مونث کی بحث ہے مونث وہ اسم ہوتا ہے جس میں تانیث کی علامت ہو لفظاً ہو یا تقدیراً ہو۔اور مذکر وہ ہے جو اسکے خلاف ہو اور تانیث کی علامت تاء اور الف مقصوره اور الف ممدوده ہیں اور وہ مونث حقیقی اور لفظی ہوتا ہے پس حقیقی وہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مذکر حیوان ہو جیسے امراءة اور ناقة ۔اور لفظی وہ ہے جو اس کے خلاف ہو جیسے ظلمة اور عین ۔اور جب فعل کی اس کی جانب اسناد کیجائے تو تاء کالانا ضروری ہے اور اسم ظاہر مونث غیر حقیقی میں آپ کو اختیار ہے اور اسم ظاہر جمع غیر مذکر سالم کا حکم مطلقاً اسم ظاہر غیر حقیقی کی طرح ہے اور عاقلین کی جمع مذکر سالم کے علاوہ میں فعل فعلت بھی لایا جاسکتا ہے اور فعلوا بھی لایا جاسکتا ہے اور النساء اور الایام کا فعل فعلت اور فعلن لائے جاسکتے ہیں۔

''مذکر اور موئنث کی بحث''......جس اسم میں لفظاً یا تقدیراً تانیث کی علامت ہو اس کو مونث کہتے ہیں اور جس میں نہ ہو اس کو مذکر کہتے ہیں۔اور تانیث کی ایک علامت تاء ہے جیسے ناقة ۔اور تانیث کی دوسری علامت الف مقصورہ ہے جیسے کبری اور تانیث کی تیسری علامت الف ممدودہ ہے جیسے حمراء ۔ان مثالوں میں علامت تانیث لفظوں میں مذکور ہے اور علامت تانیث مقدر کی مثال جیسے دار . نار . نعل . شمس . عین اور ارض وغیرہ ہے کہ ان کے آخر میں تاء مقدرہ ہے

''مونث کی قسمیں''......مونث کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مونث حقیقی (۲) مونث لفظی۔

''مونث حقیقی وہ ہوتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی مذکر حیوان ہو جیسے امرءاة کہ اس کے مقابلہ میں رجل ہے اور ناقة کہ اس کے مقابلہ میں جَمَل ہے اور لفظی وہ ہوتی ہے جو اس کے خلاف ہو یعنی اس کے مقابلہ میں کوئی مذکر حیوان نہ ہو جیسے ظلمة اور عین وغیرہ۔ '' واذا سند الفعل الیه '' جب فعل کی اس مونث کی جانب اسناد کی جائے تو خواہ مونث حقیقی ہو یا لفظی ہو اس فعل کے ساتھ تاء لانا ضروری ہے جیسے ضربَتِ المراء ةُ غَشِیَتْ ظُلْمَةٌ .

'' وانت فی ظاهر غیر الحقیقی بالخیار '' ...... جب مونث غیر حقیقی ہو اور اسم ظاہر ہو تو ایسی حالت میں اختیار ہے خواہ فعل مونث لائیں جیسے طلعت الشمس یا فعل مذکر لائیں جیسے طلع الشمس۔

'' وحکم ظاهر الجمع '' ...... جمع مذکر سالم کے علاوہ جمع میں جبکہ وہ اسم ظاہر ہو تو اسکا حکم مطلقاً مونث غیر حقیقی اسم ظاہر کی طرح ہے۔یعنی فعل کا مذکر لانا بھی جائز ہے جیسے قال الرجال اور قال نسوة اور مونث لانا بھی جائز ہے جیسے قالت الرجال اور قالت نسوة۔

'' وضمیر العاقلین '' ...... جب فاعل جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو اور ذی عقل کی جمع ہو تو اس کی جانب مونث کی ضمیر بھی لوٹائی جا سکتی ہے جیسے قال الرجال فعلت اور مذکر کی ضمیر بھی لوٹائی جا سکتی ہے جیسے الرجال فعلوا ۔جب جمع مونث کی جانب ضمیر لوٹائی جائے اور مونث ذی عقل ہو تو اس کی طرف مونث ہی کی ضمیر لوٹائی جا سکتی ہے البتہ مفرد اور جمع

دونوں میں سے ہر ایک کا اختیار ہے کہ مفرد کی ضمیر لائیں یا جمع کی ضمیر لائیں جیسے **النساء فعلت** اور **النساء فعلن** دونوں طرح جائز ہے۔

" والایام "...... یہاں سے علامہ بتاتے ہیں کہ جب جمع مذکر سالم کے علاوہ جمع ہو اور جمع غیر ذی عقل کی ہو اور اس کی جانب فعل مسند ہو تو اس کی جانب بھی واحدہ مونثہ کی ضمیر بھی لوٹا سکتے ہیں جیسے **الایام مضت** ۔اور جمع مونث کی ضمیر بھی لوٹا سکتے ہیں جیسے **الا یام مضین** .

" المثنی مالَحِق اٰخرہٗ الفٌ او یاء مفتوحٌ مَا قبلها ونون مکسورة لیدُلَّ علی انَّ معه مِثلهٗ مِن جنسِه فالمقصور ان کانت الفهٗ عن واو وَهُو ثلاثی قلبت واوًا والّا فبالیاء والممدودُ اِن کانت همزته اصلیة ثبتَتْ وان کانت للتانیث قُلِبَتْ واوًا والّا فالوَجهان ویُحذفُ نونُه للاضافة وحُذِفتْ تاء التانیث فی خُصیانِ وَالِیَان

"...... تثنیہ وہ اسم ہوتا ہے کہ اس کے مفرد کے آخر میں الف اور نون مکسورہ یا ایسی یا اور نون مکسورہ لاحق کیا جائے جس یاء کا ما قبل مفتوح ہو۔ تاکہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس مفرد کے ساتھ اس جیسا ایک اور بھی ہے۔ پس اسم مقصود کے آخر میں اگر الف واؤ سے بدلا ہوا ہو اور وہ اسم مقصور ثلاثی ہو تو وہ الف واؤ سے بدل دیا جاتا ہے ورنہ یاء کے ساتھ بدلا جاتا ہے۔ اور اگر اسم کے آخر میں الف ممدودہ ہو تو پھر اگر اس کا ہمزہ اصلی ہو تو ثابت رہتا ہے اور اگر وہ ہمزہ تانیث کا ہو تو واؤ سے بدل دیا جاتا ہے ورنہ دو وجہیں جائز ہیں اور اس کے نون کو اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے اور خصیان اور الیان میں تاء تانیث کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

''تثنیہ کی بحث'' ...... تثنیہ وہ ہوتا ہے جو دو پر دلالت کرے اور اس کو مفرد سے بنایا گیا ہو رفعی حالت میں مفرد کے آخر میں الف اور نون مکسورہ لگا کر جیسے **مُسْلِمٌ** سے **مُسْلِمانَ** . **یَدٌ** سے یدان وغیرہ اور نصبی وجری حالت میں مفرد کے آخر میں ایسی یاء لا کر جس کا ما قبل مفتوح اور آخر میں نون مکسورہ لایا جاتا ہے جیسے **مُسْلِمٌ** سے **مُسْلِمِینَ** . **یَدٌ** سے **یَدَیْنِ** وغیرہ۔

''اسم مقصورہ کا تثنیہ'' ...... اگر اسم مقصور ہو یعنی اس کے آخر میں الف مقصورہ ہو اور وہ الف واؤ سے بدلا ہوا ہو اور وہ اسم مقصور ثلاثی ہو تو اس الف کو واؤ سے بدل دیا جاتا ہے جیسا **عَصا** سے **عصوانِ** ۔ اور اگر اسم مقصور کے آخر میں الف واؤ سے بدلا ہوا نہ ہو تو پھر اس الف کو یاء سے بدلا جاتا ہے جیسے **رَحی** سے **رَحیانِ** . اور **حُبْلی** سے **حبْلَیانِ** .

''اسم ممدود کا تثنیہ'' ...... اگر اسم ممدود ہو یعنی اس کے آخر میں الف ممدودہ ہو اور اس کا ہمزہ اصلی ہو تو وہ باقی رہتا ہے جیسے **قُرَّاءٌ** سے **قُرَّاءَانِ** ۔ اور اگر اسم ممدود کے آخر میں ہمزہ تانیث کا ہو تو وہ ہمزہ واؤ سے بدل جاتا ہے جیسے **حمراءٌ** سے **حمراوان** اور اگر اسم ممدود کے آخر میں ہمزہ اصلی نہ ہو اور نہ ہی تانیث کا ہو بلکہ ہمزہ اصلیہ سے بدلا ہوا ہو تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ ہمزہ کو باقی رکھا جائے جیسے **کِساءٌ** سے **کِساءَانِ** اور **رِدَاءٌ** سے **رداءانِ**۔ اور دوسری وجہ یہ کہ ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا جائے جیسے **کِساءٌ** سے **کِساوَانِ** اور **داءٌ** سے **رِدَاوَانِ** .

'' ویحذف نونہ '' تثنیہ کا نون اضافت کیوجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **غلامازید** اور جب **خُصْیَةٌ** اور **اَلْیَةٌ** کا تثنیہ بنائیں تو خلاف القیاس آخر سے تاء گرا دی جاتی ہے جیسے **خُصْیَةٌ** سے **خُصْیانِ** اور **اَلْیَةٌ** سے **اَلْیانِ**۔ اس تاء کو گرانے کی ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ خلاف القیاس اس کو گرایا جاتا ہے اور ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ خصیان کا آپس میں اور الیان کا آپس میں شدید اتصال ہے تو گویا اس اتصال کی وجہ سے ان کو حکم واحد میں مان لیا گیا تو گویا خصیان اور الیان الفاظ میں تثنیہ ہیں مگر شدید اتصال کی وجہ سے حکماً مفرد ہیں۔ اور مفرد کے درمیان میں تاء تانیث واقع نہیں ہوتی۔ اور بالاتفاق ان صیغوں میں تاء کو باقی رکھ کر **خصیتان** اور **التیان** پڑھنا بھی جائز ہے۔

" المجموع مادَلَّ علی احادٍ مقصودة بحروفِ مفردہ بتغیرٍ ما فنحو تمر ورکب لیس بجمع علی الاصحِ ونحو فلکٌ جمعٌ وهو صحیحٌ ومُکسرٌ فالصّحیح لمذکر ولمونثٍ فالمذکر ما لحِقَ اخرہٗ واوٌ مَضمومٌ ما قبلها او یاءٌ مکسورٌ ما قبلها ونونٌ مفتوحةٌ لیدُلَّ علی انَّ معهٗ اکثر منه فان کان اخرہ یاءً قبلها کسرة حذفتُ مثل قاضونَ وان کان اخرہٗ مقصوراً حُذفتِ الالفُ وبقیَ ما قبلها مَفتُوحاً مثل مُصْطَفَوْنَ وشرطهٗ ان کانَ اسماً فمذکر علم یعقل وان کان صفة فمذکر یعقل وانُ لا یکون افعل فعلاء مثل احمر حمراء ولا فعلان فعلی نحو سکران سکریَ ولامستویاً فیه مع المونث مثل جریح وصبور ولا بتاء التانیثِ مثل علّامةِ وتحذف نُونه بالاضافةِ وقدْ شَذَّ نحو سنِین وَارضِین " ......جمع وہ اسم ہوتا ہے جو دلالت کرے ایسے احاد پر جن کا ارادہ کیا گیا ہو اور دلالت ایسے حروف کے ساتھ کرے کہ اس مفرد کے آخر میں کوئی نہ کوئی تغیر کیا گیا ہو۔ پس تَمر اور رکب زیادہ صحیح نظریہ کے مطابق جمع نہیں ہیں اور فلک جیسی مثالیں جمع ہیں۔ اور وہ جمع صحیح اور مکسر ہوتی ہے پس صحیح مذکر اور مونث کے لئے آتی ہے۔ پس مذکر وہ ہے کہ اسکے آخر میں ایسی واؤ ہو جس کا ماقبل مضموم ہو یا ایسی یاء ہو جس کا ماقبل مکسور ہو اور نون مفتوحہ ہو۔ تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ بے شک اسکے ساتھ اس جیسے اور بھی بہت سے ہیں ۔ پس اگر اس کے آخر میں ایسی یاء ہو جس کے ماقبل کسرہ ہو تو اس یاء کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے قاضون اور اگر اس کے آخر میں

الف مقصور ہوتو الف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور اس کے ماقبل کو مفتوح باقی رکھا جاتا ہے جیسے **مصطفَوْنَ** .

"**وشرطه**" اور اس جمع مذکر سالم کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسم ہے تو وہ ذوی العقول مذکر کا علم ہو اور اگر وہ صفت کا صیغہ ہو تو مذکر ذی عقل ہو اور یہ کہ وہ فعل کا ایسا صیغہ نہ ہو جس کی مونث فعلاء کے وزن پر آتی ہے جیسے **اَحْمَرُ حَمْرَاء** اور نہ ہی وہ فَعلان کا ایسا صیغہ ہو جس کی مونث فَعْلی کے وزن پر آتی ہے جیسے **سکران سکری** اور نہ ایسا اسم ہو جس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں جیسے جریح اور صبور اور نہ ہی وہ اسم تاء تانیث کے ساتھ ہو جیسے **علّامة** ۔ اور اس جمع کے نون کو اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے اور **سِنِین** اور **ارضین** میں شرائط نہ پائے جانے کے باوجود ان کا جمع مذکر سالم ہونا شاذ قرار دیا گیا ہے۔

"**جمع کی بحث**" جمع وہ اسم ہوتا ہے کہ مفرد کے آخر میں کوئی نہ کوئی تغیر کر کے اس کا صیغہ بنایا گیا ہو اور وہ افراد مقصودہ پر دلالت کرے۔ جب افراد مقصودہ پر دلالت کرنے والے اسم کو جمع کہتے ہیں تو **تمر** کو جمع نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ اس کا مفرد **تمرةٌ** ہے اور اس میں تغیر کر کے تمر بنایا گیا ہے یہ جمع اس لئے نہیں کہ یہ افراد مقصودہ پر دلالت نہیں کرتا۔ تمر اسم جنس ہے اور اسم جنس اپنی وضع کے لحاظ سے واحد تثنیہ اور جمع سب پر بولا جاتا ہے۔ اور **رکبٌ** کا مفرد **رکبة** ہے مگر یہ بھی جمع نہیں اس لئے کہ یہ جمع قلت بھی نہیں بن سکتی اس لئے کہ جمع قلت کے اوزان مخصوص ہیں اور ان اوزان میں سے یہ وزن نہیں ہے۔ اور یہ جمع کثرت بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ جمع کثرت کی براہ راست تصغیر نہیں آتی بلکہ اس کی تصغیر بنانے کے لئے اس کو واحد کی طرف لوٹایا جاتا ہے جب کہ رکب کی براہ راست تصغیر **رکیبٌ** آتی ہے اس لئے یہ جمع نہیں بلکہ اسم جمع ہے۔ علی الاصح اس لئے کہا کہ امام اخفش کے نزدیک جس اسم جمع کا مفرد اسی کے الفاظ سے ہو وہ جمع ہوتا ہے اور امام فراء کے نزدیک جس اسم جنس کا مفرد اسی کے الفاظ سے ہو تو وہ جمع ہوتا ہے۔ جب اس میں اختلاف تھا تو راجح نظریہ کو علی الاصح کے ساتھ تعبیر کر دیا اور **فُلک** جیسی مثالیں جن میں تغیر بظاہر نہیں بلکہ تغیر تقدیری ہے وہ جمع ہیں اس لئے کہ فلک جو واحد ہے وہ **قُفْلٌ** کے وزن پر ہے اور جو **فُلکٌ** جمع ہے وہ **اُسُدٌ** کے وزن پر ہے جو کہ **اَسَدٌ** کی جمع ہے۔

"جمع کی اقسام" ...... جمع کی دو قسمیں ہیں ایک قسم جمع صحیح اور دوسری قسم جمع مکسر ہے پھر جمع صحیح کی دو قسمیں ہیں ایک جمع مذکر اور دوسری جمع مونث ۔ جمع مذکر وہ ہوتی ہے جس کے آخر میں رفعی حالت میں ایسی واؤ ہو جس کا ماقبل مضموم ہو اور آخر میں نون مفتوحہ ہو جیسے **مُسلِمٌ** سے **مُسلِمُونَ** ۔ اور نصبی و جری حالت میں اس کے آخر میں ایسی یاء ہو جس کا ماقبل مکسور ہو اور آخر میں نون مفتوح ہو جیسے **مُسلِمٌ** سے **مُسلِمِینَ** ۔ مفرد کے آخر میں واؤ یا یاء کا لاحق کرنا اس لئے ہوتا ہے تاکہ یہ دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اس جیسے اور بھی بہت سے ہیں ۔

" فان کان آخرہ یاء " ...... اگر مفرد کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو تو جمع بناتے وقت یا کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **قاضی** کی جمع **قاضون** ۔ اور اگر مفرد کے آخر میں الف مقصورہ ہو تو جمع بناتے وقت الف کو حذف کر کے اس کے ماقبل کا فتحہ باقی رکھا جاتا ہے جیسے **مصطفی** جیسے **مصطفونَ** ۔

" وشرطہ " ...... جمع مذکر سالم کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر اس کا مفرد اسم ہو یعنی صفت کا صیغہ نہ ہو تو وہ مفرد مذکر ذوی العقول کا عَلَم ہونا چاہیے جیسے **زید** سے **زیدون** ۔ اور اگر اس جمع کا مفرد اسم نہیں بلکہ صفت کا صیغہ ہو تو اس سے جمع مذکر سالم لانے کی کئی شرطیں ہیں ۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا موصوف مذکر عاقل ہو ۔ جیسے **عالم** سے **عالمون** اور مخلوق میں سے فرشتوں ۔ انسانوں اور جنات کو **عاقل** کہا جاتا ہے ۔ اور باقی کو **لا یعقل** کہا جاتا ہے ۔ اور مذکر لایعقل کی جمع الف تاء کے ساتھ آتی ہے جیسے **شجرٌ** کی جمع **شجرات** ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مفرد ایسا افعل کا وزن نہ ہو جس کی مونث فعلاء آتی ہے جیسے **اکرم** سے **اکرمون** ۔ اس لئے کہ اکرم کی مونث **کرماء** نہیں آتی بلکہ **اکرمة** آتی ہے ۔ اور اگر ایسا افعل کا وزن ہو جس کی مونث فعلاء آتی ہے تو اسکی جمع مذکر سالم نہیں آتی جیسے احمر کہ اس کی تانیث حمراء ہے ۔ اس لئے کہ احمر کی جمع احمرون نہیں آسکتی ۔ تیسری شرط یہ ہے کہ ایسا فعلان کا وزن نہ ہو جس کی تانیث فعلی آتی ہے جیسے سکران کہ اس کی تانیث سکری آتی ہے تو **سکران** کی جمع **سکرانون** نہیں آتی ہے ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مفرد کا صیغہ ایسا نہ ہو جس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں جیسے جریح اور صبور کے صیغے مذکر اور مونث دونوں کے لئے برابر استعمال ہوتے ہیں ۔

اس لئے ان کی جمع جریحون اور صبورون نہیں آتی ۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ مفرد کے آخر میں تاء تانیث نہ ہو اس لئے اگر اس کے آخر میں تاء ہو تو اس کی جمع جمع مذکر سالم کے وزن پر نہیں آتی جیسے علامة کی جمع علامون یا علامتون نہیں آتی ۔

" وتحذف نو نه "...... جمع کا نون اضافت کی وجہ سے گر جاتا ہے جیسے مُسلِمو مِصْرٍ .

" وقد شُذّ " ...... یہاں سے علامہ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ جمع مذکر سالم کے وزن پر جمع لانے کی پانچ شرطیں بیان کی گئی ہیں حالانکہ سِنِينَ جو سنة کی جمع ہے اور ارضین جو کہ ارض کی جمع ہے ان میں وہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لئے کہ سنۃ اور ارض ذوی العقول کے علم نہیں ہیں تو ان میں شرائط نہ پائے جانے کے باوجود ان کی جمع جمع مذکر سالم کے وزن پر کیوں لائی گئی ہے تو اس کا جواب دیا کہ سنین اور ارضین کو شاذ قرار دیا گیا ۔

" المونث مَالَحِق آخره الفٌ وتاءٌ وشرطه ان كان صفة وله مذكر فان يكون مذكره بالواو والنون وان لم يكن له مذكر فان لا يكون مجرداً كحائضٍ والاّ جمع مطلقاً " مونث وہ اسم ہوتا ہے کہ اس کے مفرد کے آخر میں الف اور تاء لاحق کی گئی ہو اور اس کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ صفت کا صیغہ ہے
اور اس کے مقابل مذکر بھی ہے تو اس کا مذکر واؤ اور نون کیساتھ آتا ہو اور اگر اس کے مقابل مذکر نہیں تو پھر یہ شرط ہے کہ وہ تاء سے خالی نہ ہو جیسے حائض اور اگر صفت کا صیغہ نہ ہو بلکہ اسم ہو تو اس کی جمع مطلقاً الف و تاء کے ساتھ آسکتی ہے ۔

" جمع مونث سالم "...... جمع مونث سالم وہ ہوتی ہے کہ اس کے مفرد کے آخر میں الف اور تا ہو اور جمع مونث سالم کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا واحد اگر صفت کا صیغہ ہو اور اس کے لئے مذکر بھی ہو تو اس کی جمع مذکر واؤ نون کے ساتھ آتی ہو جیسے مسلمة کی جمع مسلمات ۔ اگر جمع مونث ایسا صفت کا صیغہ ہے کہ اس کا مذکر نہیں تو پھر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مفرد تاء تانیث سے خالی نہ ہو جیسے حائض جو کہ تاء خالی ہے تو اس کی جمع حائضات نہیں آتی بلکہ حُيَّضٌ آتی ہے اور حائضة

کی جمع حائضات آتی ہے۔

" والا جمع مطلقا " ...... کہ اگر مونث صفت کا صیغہ نہ ہو بلکہ اسم ہو تو اس کی جمع مطلقا الف تاء کے ساتھ آتی ہے جیسے ھند کی جمع ھندات اور طلحة کی جمع طلحات۔

"جمع التکسیر ما تغیر بناء واحده کرجالٍ وافراسٍ جمع القلة اَفْعَلٌ واَفْعَالٌ واَفعِلَةٌ وفِعْلَةٌ والصحیح وما عدا ذالک جمع کثرة"

...... "اور جمع قلت افعلٌ . افعالٌ . افعلة . اور فعلةٌ کے وزن پر آتی ہے اور جمع صحیح بھی قلت ہے اور ان کے علاوہ جمع کثرت ہے۔

" جمع تکسیر " ...... جمع صحیح کے مقابلہ میں جمع تکسیر ہے جمع تکسیر وہ ہوتی ہے جس میں جمع بنانے کے بعد اس کے واحد کا وزن ٹوٹ گیا ہو خواہ ایک حرف کا اضافہ کر کے واحد کا وزن توڑا گیا ہو جیسے رجل کی جمع رجالٌ ۔ یا دو حرفوں کا اضافہ کیا گیا ہو۔ جیسے فرس کی جگہ افراسٌ ۔ یا کوئی حرف گھٹا کر واحد کا وزن توڑا گیا ہو جیسے کتاب کی جمع کتبٌ۔

"جمع تکسیر کی اقسام"......جمع تکسیر کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع قلت (۲) جمع کثرت "جمع قلت وہ ہوتی ہے جو دس سے کم تک بولی جائے اور اسکے چار اوزان ہیں افعل جیسے اَکلبٌ جو کلبٌ کی جمع ہے۔ افعال جیسے اقوال جو قول کی جمع ہے۔ افعلة جیسے اعوِنةٌ جو عوان کی جمع ہے اور فعْلةٌ جیسے غِلْمةٌ جو غلام کی جمع ہے اور جمع صحیح جس پر الف لام داخل نہ ہو۔ یہ جمع قلت ہیں جیسے مسلمون اور ان کے علاوہ جمع کثرت ہیں اور جمع کثرت وہ ہوتی ہے جو دس سے زیادہ پر بولی جائے۔ جمع قلت کے اوزان کے علاوہ جمع کے باقی سب اوزان جمع کثرت کے ہیں۔

" المصدر اسم للحدث الجاری علی الفعل وھو من الثلاثی المجر

د سِمـاعٌ ومن غيره قياسٌ ويَعْمل عمل فعله مَاضِياً وغيره اذالم يكن مفعولاً مطلقاً ولا يتقدم معموله عليه ولا يضمر فيه ولا يلزم ذكر الفاعل ويجوز اضافته الى الفاعل وقد يضاف الى المفعول واعماله باللام قليلٌ فان كان مطلقاًفالعمل للفعل وان كان بدلاً منه فوجهان

."مصدر وہ اسم ہوتا ہے جو ایسا حدث ہو جو فعل پر جاری ہو یعنی جو کسی فاعل سے صادر ہوا ہو اور فعل پر جاری ہو یعنی فعل اس سے نکلا ہو اور مصدر کے اوزان ثلاثی مجرد سے سماع کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔اور ثلاثی مجرد کے علاوہ میں مصدر کے اوزان قیاسی ہیں اور وہ اپنے فعل ماضی وغیرہ جیسا عمل کرتا ہے جبکہ مفعول مطلق نہ ہو۔اور اس مصدر کا معمول اس سے مقدم نہیں ہوتا۔ اور اس میں اس کے معمول کو مستتر نہیں کیا جاتا۔اور اس کے فاعل کا ذکر لازم نہیں ہوتا اور اس کی اپنے فاعل کی طرف اضافت جائز ہے اور کبھی وہ مفعول کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اگر مصدر معرف باللام ہو تو اس کا عمل کرنا قلیل ہے پس اگر وہ مصدر مفعول مطلق ہو تو عمل فعل کا ہوتا ہے اور اگر مفعول مطلق اس فعل سے بدلا ہو تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں۔

"مصدر کی بحث"...... مصدر وہ اسم ہوتا ہے جو کسی فاعل سے صادر ہوا ہو اور فعل پر جاری یعنی فعل اس سے نکلا ہو۔ ثلاثی مجرد سے مصدر کے اوزان سماعی ہیں یعنی اہل عرب سے سنے گئے ہیں۔اور بعض حضرات نے ان کی تعداد بتیس بتائی ہے اور ثلاثی مجرد کے علاوہ مصدر کے باقی سب اوزان قیاسی ہیں۔مثلاً باب **افتعال** میں **تاء افتعال** اور **باب استفعال** میں سین اور تاء اور باب افعال میں ہمزہ قطعی آتا ہے۔

"مصدر کا عمل"...... مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے خواہ وہ فعل ماضی کے معنی میں ہو یا ماضی کے علاوہ کسی اور فعل کے معنی میں ہو۔اور یہ مصدر اس وقت عمل کرتا ہے جبکہ مفعول مطلق واقع نہ ہو۔اور اگر مفعول مطلق واقع ہو تو یہ عمل نہیں کرتا اس لئے کہ اس وقت عمل فعل کا ہوتا ہے۔

"**ولا یتقدم معموله**"...... مصدر کے معمول کو مصدر پر مقدم نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ مصدر کا عمل ضعیف ہوتا ہے اور نہ ہی مصدر کے معمول کو اس کے اندر مستتر کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مصدر کا عمل ضعیف ہوتا ہے۔

"**ولایلزم ذکر الفاعل**"...... اور مصدر کے فاعل کو ذکر کرنا لازم نہیں ہے جیسے اعجبنی ضرب زید اس لئے کہ مصدر کا تصور فاعل پر موقوف نہیں ہوتا اسی طرح اگر غائب کا ذکر پہلے ہو چکا ہو تو مصدر میں ضمیر مستتر ماننی پڑتی ہے اور مصدر میں ضمیر ممتنع ہے۔ "**ویجوز اضافته**"......اور مصدر کی اپنے فاعل کی طرف اضافت جائز ہے جیسے **اعجبنی د ق القصار الثوب** ۔"**وقد یضاف الی لمفعول**"......اور کبھی مصدر کی اضافت مفعول کی طرف بھی ہوتی ہے جب کہ اس کا قرینہ موجود ہو جیسے **ضَربُ اللصِّ الجلاد** ۔اور اسمیں قرینہ یہ ہے کہ جلاد چور کو مارتا ہے چور جلاد کو نہیں مارتا۔ "**واعماله باللام قلیل**"...... اگر مصدر پر الف لام ہو تو ایسی حالت میں اس کا عمل قلیل ہے اسلئے کہ مصدر کا عامل بتقدیر اَن مانا جاتا ہے۔اور جب وہ معرف باللام ہو تو وہ بتقدیر ان نہیں ہو سکتا اس لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ معرف باللام ہونے کی صورت میں اس کا عمل ممتنع ہو مگر مانع چونکہ عارضی ہے اس لئے اس مصدر کا معرف باللام ہونے کی صورت میں عمل قلیل ہے۔

"**فان کا ن مطلقا**"...... اگر مصدر مفعول مطلق ہو تو اس وقت یہ عمل نہیں کرتا بلکہ ایسی صورت میں وہ فعل عمل کرتا ہے جس کا یہ مفعول مطلق واقع ہوتا ہے۔

"**وان کا ن بدلا**"......اگر مفعول مطلق اس فعل سے بدل ہو (یعنی فعل محذوف ہو اور مفعول مطلق اس کے قائم مقام ہو) تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ فعل کو عمل دیا جائے اس لئے کہ وہ مصدر اصل میں فعل ہے اور اصل کا لحاظ رکھ کر اس کو عمل دینا جائز ہے جیسے **حمد الله** ۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کو عمل دیا جائے اس لئے کہ وہ فعل کا قائم مقام ہے۔

"اسم الفاعل ما اشتق من فعل لمن قام به بمعنى الحدوث وصيغتُه من الثلاثي المجرد على فاعِل ومن غيره على صيغة المضارع بميمٍ مضمومةٍ وكسر ما قبل الاخر كمد خِل ومستغفرٍ ويعمل عمل فعله بشرط معنى الحال او الاستقبال والاعتماد على صاحبه او الهمزة اوما فان كان للماضى وجبت الاضافةُ معنىً خلافا اللكسائى فان كان له معمول اٰخر فبفعلٍ مقدرٍ نحو زيد معطى عمروا درهماً امس فان دخلت اللام استوى الجميع وما وضع منه للمبالغة كضّراب وضُرُوبٍ ومِضْرابٍ وعَليمٍ وحَذرٍ مثله والمثنى والمجموعُ مثله ويجوز حذف النون مع العملِ والتعريف تخفيفاً." اسم فاعل وہ ہوتا ہے جو ایسے فعل سے مشتق ہو جو فعل اسی کے ساتھ قائم ہو۔ لمن قام میں قیام کا معنی حدوث ہے۔ اور اس اسم فاعل کے صیغے ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتے ہیں اور اس کے علاوہ سے مضارع کے وزن پر ہوتے ہیں ابتداء میں میم مضمومہ اور ماقبل آخر کے کسرہ کے ساتھ جیسے **مُدْخل** اور **مُستغفر** اور یہ اسم فاعل اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور اس کا اپنے صاحب پر اعتماد ہو یا اس اسم فاعل سے پہلے ہمزہ ہو یا ما نافیہ ہو۔ پس اگر وہ اسم فاعل ماضی کے لئے ہو تو وہاں اضافت معنوی واجب ہے۔ امام کسائی کا اسمیں اختلاف ہے پس اگر اس کا معمول اس مفعول کے علاوہ ہو جس کی جانب اس کی اضافت کی جا رہی ہے تو ایسی صورت میں عمل فعل مقدر کیوجہ سے ہوتا ہے جیسے **زید معطی عمرو درهما اَمسِ** ۔ پس اگر اسم فاعل پر الف لام داخل ہو تو اس میں تمام زمانے برابر ہوتے ہیں۔ اور اسم فاعل کے جو صیغے

مبالغہ کیلئے وضع کئے گئے ہیں جیسا کہ ضَرّاب اور ضَروُبٌ اور مِضراب" اور علیم" اور حذر" اور تثنیہ اور جمع کے صیغے بھی عمل میں اسی کی طرح ہیں۔ اور عمل دینے اور معرفہ ہونے کے ساتھ تخفیف کے لئے اسکے نون کا حذف کرنا جائز ہے

''اسم فاعل کی بحث''...... اسم فاعل وہ ہوتا ہے جو ایسے فعل سے مشتق ہو جو فعل اسی اسم کے ساتھ قائم ہے۔ قیام کا معنی حدوث ہے۔ ثلاثی مجرد سے تو اسم فاعل فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسے ضارب" . ناصِرٌ ۔ وغیرہ۔ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ باقی ابواب سے اس باب کے مضارع کے وزن پر ہوتا ہے صرف فرق یہ ہے کہ علامت مضارع کی جگہ میم مضموم لاتے ہیں اور آخری حرف سے پہلے کسرہ لاتے ہیں۔ جیسے یستخرجُ سے۔ مُستخرجٌ . یَجتنِبُ سے مُجتَنِبٌ وغیرہ ۔ اسم فاعل اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے اور اس کے عمل کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور اس کا اپنے صاحب پر اعتماد ہو اور صاحب سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ یہ متصف ہو اور وہ مبتدا ہوتی ہے جیسے زید قائمٌ ابوہ یا موصوف ہوتا ہے جیسے جاء نی رجل قائم ابوہ یا موصول ہوتا ہے جیسے جاء نی القائم ابوہ یا ذوالحال ہوتا ہے جیسے جاء نی زید راکبا غلامہ ۔ یہ شرط اسلئے لگائی گئی کہ اسم فاعل ضعیف عامل ہوتا ہے اس لئے یہ اعتماد کو چاہتا ہے۔ یا اسم فاعل سے پہلے ہمزہ ہو جیسے اقائمٌ زید۔ یا اس اسم فاعل سے پہلے ما نافیہ ہو جیسے ماقائمٌ زید۔

''فان کا ن للماضی''...... اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو وہاں اضافت معنوی واجب ہوتی ہے جیسے زید مُعطی عمر و درھما امس ۔ یہاں مُعطی کی عمرو کی جانب اضافت معنوی ہے۔ علامہ کسائی اس نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسم فاعل ان مذکورہ شرائط کے ساتھ نہیں بلکہ مطلقاً عمل کرتا ہے۔

''فان کا ن لہ معمول آخر''...... پس اگر اسم فاعل کا معمول اس مفعول کے علاوہ ہو جس کی جانب اس کی اضافت کی جارہی ہے تو ایسی صورت میں اسم فاعل کی وجہ سے عمل نہیں ہوگا بلکہ فعل مقدر کی وجہ سے عمل ہوگا جیسے زیدٌ مُعطی َعمرو درھماً اس میں درھما اعطی فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور یہ جملہ سوال کے جواب میں ہوگا اصل میں اس طرح ہے کہ جب اس نے کہا زید معطی عمر و تو سائل نے کہا ما اعطی تو اس نے جواب میں کہا

درھماً جو اصل میں ہے اعطی درھما ۔

" فان دخلت اللام "...... اگر اسم فاعل پر الف لام داخل ہو تو اس میں تمام زمانے برابر ہوتے ہیں جیسے مررتُ بالضارب ابوہ زید الآ نَ ۔ اس میں ماضی ۔ حال اور استقبال ۔ سب برابر ہیں ۔ اور اسم فاعل کے جو صیغے مبالغہ کے لئے وضع کیے گئے ہیں وہ بھی عمل میں اسم فاعل کی طرح ہی ہیں ۔ اور اسم فاعل سے مبالغہ کے صیغے یہ ہیں ۔ ضَرَّابٌ. ضَرُوْبٌ. مضراب . علیمٌ . اور حَذِرٌ ۔ اسم فاعل کے تثنیہ اور جمع کے صیغے بھی عمل میں مفرد کی طرح ہیں ۔ جب اسم فاعل کا تثنیہ یا جمع کا صیغہ عمل کر رہا ہو تو ایسی صورت میں تثنیہ اور جمع کے نون کو حذف کرنا جائز ہے جیسے والمقیمی الصلوۃ . یہ اصل میں المقیمین تھا ۔ اسی طرح جب اسم فاعل پر الف لام داخل ہو تو تثنیہ اور جمع کے نون کو حذف کرنا جائز ہے جیسے المقیمی الصلوۃ ۔ اور یہ حذف تخفیف کے لئے ہوتا ہے ۔

" اسم المفعول ما اشتق من فعلٍ لمن وقعَ علیہ و صیغتہ من الثلاثی المجرد علی مفعول و من غیرہ علی صیغۃ الفاعِل بفتح ما قبل الآخر کمُسْتَخْرَجٍ و امرہ فی العمل و الاشتراط کا مر الفاعل مثل زید معطیً غلامہ درھماً ." ...... اسم مفعول وہ اسم ہوتا ہے جو مشتق ہو ایسے فعل سے جو اس پر واقع ہوا ہے ۔ اس کے صیغے ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ سے فاعل کے صیغہ پر ہوتے ہیں ماقبل آخر کے فتحہ کے ساتھ جیسا کہ مُسْتَخْرَجٍ اور اس کا معاملہ اور اشتراط میں فاعل جیسا معاملہ ہے جیسے زید معطیً غلامہ درھما ۔

''اسم مفعول کی بحث'' ......اسم مفعول وہ ہوتا ہے جو اس فعل سے مشتق ہو جو اس پر واقع ہوتا ہے۔ ثلاثی مجرد کے ابواب میں اسکا وزن مفعول ہے جیسے مضروب۔ منصور وغیرہ۔ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ باقی ابواب میں اسی باب کے اسم فاعل کے وزن پر ہوتا ہے صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ اسم فاعل کا ماقبل آخر مکسور ہوتا ہے اور اسم مفعول کا ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہے جیسے مُسْتَخْرَجٌ وغیرہ۔ اسم مفعول عمل میں اسم فاعل کی طرح ہے اور اس کے عمل کی وہی شرطیں ہیں جو اسم فاعل کے عمل کرنے کی ہیں یعنی وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ اور اس سے پہلے مبتدا ہو جیسے زید مضروب ابوہ ۔ یا اس سے پہلے موصوف ہو جیسے جاء نی رجل مُکْرَمٌ ابوہ . یا موصول ہو جیسے جاء نی المضروب غلامہ . یا ذو الحال ہو جیسے جاء نی زید مجروحاً یدہ .

''الصفة المشبَّهَة ُما اشتق من فعلٍ لا زمٍ لمن قام به علی معنی الثبوتِ وصِیغتُها مخالفة لصیغة الفاعل علی حَسْب السماعِ کحَسَنٍ وصعبٍ وشدید وتعمل عمل فعلها مطلقاً وتقسیم ُمَسَائلها ان تکون الصفة باللام او مجرداً عنهما َفهذہ ستةٌ والمعمول فی کل واحدٍ منها مرفوع ومنصوبٌ ومجرورٌ فصارت ثمانیة عشر.''

...... ''صفت مشبہ وہ اسم ہوتا ہے جو ایسے فعل لازم سے مشتق ہو جو فعل اس کے ساتھ قائم ہے یہاں قیام سے مراد ثبوت ہے اور اس کے صیغے اسم فاعل کے صیغوں سے جدا ہیں سماع کے طور پر جیسا کہ حسنٌ . صعبٌ اور شَدِید اور صفت مشبہ اپنے فعل جیسا عمل کرتی ہے۔ مطلقاً۔ اور اس کے مسائل کی تقسیم یہ ہے کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو یا لام سے خالی ہو اور اس کا معمول مضاف ہو یا معمول معرف باللام ہو یا ان دونوں سے خالی ہو پس یہ چھ صورتیں ہوگئیں اور ان میں سے ہر ایک

میں معمول مرفوع ہوگا یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا تو یہ کل اٹھارہ صورتیں بن گئیں۔

''صفت مشبہ کی بحث''......صفت مشبہ کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ ایسے فعل لازم سے مشتق ہوتی ہے جو فعل اس کے ساتھ قائم ہے اور قیام سے مراد ثبوت ہے یعنی اس فعل کا ثبوت اس کے ساتھ ہو۔ اور اس کے صیغے سماع کے مطابق اسم فاعل کے صیغوں سے جدا ہیں۔ جیسے حسَنٌ . صَعْبٌ اور شَدیدوغیرہ۔ صفت مشبہ مطلقاً اپنے فعل جیسا عمل کرتی ہے۔

﴿**و تقسیم مسائلها** ......اور اسکے مسائل کی اٹھارہ صورتیں بنتی ہیں﴾......

(۱) پہلی صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول مضاف مرفوع ہو جیسے **الحسن وجهه**۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول مضاف منصوب ہو جیسے **الحسن وجهه**'.

(۳) تیسری صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول مضاف مجرور ہو جیسے **الحسن وجهِه**۔

(۴) چوتھی صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول معرف باللام مرفوع ہو ۔جیسے **الحسن الوجهُ**.

(۵) پانچویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول معرف باللام منصوب ہو جیسے **الحسن الوجهَ**.

(۶) چھٹی صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول معرف باللام مجرور ہو جیسے **الحسن الوجهِ**

(۷) ساتویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول نہ مضاف ہو اور نہ معرف باللام ہو اور مرفوع ہو جیسے **الحسن وَجْهٌ** . (۸) آٹھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اواس کا معمول نہ مضاف ہو اور نہ معرف باللام ہو اور منصوب ہو جیسے **الحسن وجهاً**.

(۹) نویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کا معمول نہ مضاف ہو اور نہ معرف باللام ہو اور مجرور ہو جیسے **الحسن وجهٍ**۔

(۱۰) دسویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہو اور اور اس کا معمول مضاف مرفوع ہو جیسے **حسن وجهُهُ**۔

(۱۱) گیارھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہو اور اس کا معمول مضاف منصوب ہو۔ جیسے **حسن وجهَهُ**۔

(۱۲) بارھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اسکا معمول مضاف مجرور ہو۔ جیسے حسن وجهِه.

(۱۳) تیرھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اس کا معمول معرف باللام مرفوع ہو جیسے حسن الوجهُ۔

(۱۴) چودھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اس کا معمول معرف باللام منصوب ہو۔ جیسے حَسن الوجْهَ

(۱۵) پندرھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اس کا معمول مجرور ہو جیسے حسن الوجهِ.

(۱۶) سولھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اس کا معمول نہ مضاف ہواور نہ معرف باللام ہواور مرفوع ہو. حَسن وَجْهٌ ۔(۱۷) سترھویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اس کا معمول نہ مضاف ہواور نہ معرف باللام ہواور منصوب ہو جیسے حسن وجْها ۔(۱۸) اٹھارہویں صورت کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہواور اس کا معمول نہ مضاف ہو اور نہ معرف باللام ہواور مجرور ہو۔ جیسے حسن وَجْهٍ ۔علامہ ابن حاجب نے جو یہ فرمایا ہے" فصارت ثمانية عشر" تو اس سے یہی اٹھارہ صورتیں مراد ہیں۔

" فالرفع على الفاعلية والنصب على التشبيه بالمفعول في المعرفة وعلى التمييز في النكرة والجر على الاضَافةِ وتفصيلها حسن وجهه ثلاثة وكذالك حسن الوجه وحسن وجهٍ الحسن وجهه الحسن الوجهِ الحسن وجهٌ اثنان منها ممتنعان مثل الحسن وجهه الحسن وجْهٍ واختُلِف في حَسَنِ وجهه والبواقي مَاكان فيه ضمير واحد منها احسَن وما كان فيه ضمير ان حَسَن وما لا ضمير فيه قبيح ومتى رفعت بها فلا ضمير فهي كالفعلِ والا ففيها ضمير

الموصوف فتونث وتثنی وتجمع واسما الفاعل والمفعول غير المتعدّيين مثلُ الصفة فيماذكر . "...... پس رفع فاعلیت کی وجہ سے اور معرفہ میں نصب مفعول کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے اور نکرۃ میں نصب تمیز کی وجہ سے اور جر اضافت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اور اس کی تفصیل **حسن وجهه. وجهه** میں تینوں اعراب کے ساتھ اور اسی طرح **حسن الوجه وحسن وجه الحسن وجهه . الحسن الوجه الحسن وجه** ان میں سے دو صورتیں ممتنع ہیں جیسا کہ **الحسن وجهه الحسن وجه** . اور **حسن وجهه** میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور باقی صورتوں میں سے جن میں ایک ضمیر ہے وہ احسن ہیں اور وہ صورتیں جن میں دو ضمیر یں ہیں وہ حسن ہیں اور جن میں کوئی ضمیر نہیں وہ قبیح ہیں اور جب آپ اس صفت مشبہ کی وجہ سے رفع دیں گے تو اس میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی پس وہ فعل کی طرح ہوگی ورنہ اس میں موصوف کی ضمیر ہوگی تو اس صفت کے صیغہ کو مونث اور تثنیہ اور جمع بنایا جا سکتا ہے۔ اور اسم فاعل اور اسم مفعول جو متعدی نہ ہوں تو وہ صفت کی طرح ہیں۔

"**فالرفع على الفاعلية**" ...... پس رفع فاعلیت کی وجہ سے ہوگا کہ معمول کو اس صفت مشبہ کا فاعل بنائیں۔ اور معرفہ میں نصب مفول کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ہوگی جیسے **الحسن الوجة** ۔ اور نکرہ میں نصب تمیز کی وجہ سے ہوگی جیسے **الحسن وجهاً** ۔ اور جر اضافت کی وجہ سے ہوگی۔ جیسے **حسن الوجه** ۔

"**وتفصيلها**" ...... اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب صفت کا صیغہ غیر معرف باللام ہو اور اسکا معمول مضاف ہو جیسے **حسن وجهه** تو اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ **وجهه** کو حسن کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ **وجهه** کو مفعول کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے منصوب پڑھیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ **وجهه** کو حسن کو مضاف الیہ قرار دیکر مجرور پڑھیں۔ اور اسی طرح تین صورتیں **حسن الوجه** میں ہیں۔ اس لئے کہ صفت کا صیغہ غیر معرف باللام ہے اور اس کا معمول معرف باللام ہے اور حسن وجہ میں تین صورتیں ہیں اس

لئے کہ صفت کا صیغہ غیر معرف باللام اور اس کا معمول نہ مضاف ہے اور نہ معرف باللام ہے۔ اسی طرح **الحسن وجهه** میں تین صورتیں ہیں اس لئے کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہے اور اس کا معمول مضاف ہے۔ اور الحسن الوجہ میں تین صورتیں ہیں اس لئے کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہے اور اس کا معمول بھی معرف باللام ہے۔ اور اسی طرح الحسن وجہ میں تین صورتیں ہیں اس لئے کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہے اور اس کا معمول نہ مضاف ہے اور نہ معرف باللام ہے۔ یہ کل اٹھارہ صورتیں ہوگئیں ان میں سے دو صورتیں ممتنع ہیں۔ ایک صورت یہ کہ صفت کا صیغہ معرف باللام ہو اور اس کے معمول کو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور پڑھیں جیسے **الحسن وجهه** . یہ صورت اس لئے ممتنع ہے کہ معرف باللام مضاف نہیں ہوسکتا اور دوسری ممتنع صورت الحسن وجہ ہے اور اس کے ممتنع ہونے کی وجہ بھی وہی ہے جو پہلی صورت میں بیان ہوئی ہے۔ اور ایک صورت میں نحویوں کا اختلاف ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ صفت کا صیغہ معرف باللام نہ ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے حسن وجہ۔ یہ صورت اس لئے ممتنع ہے کہ اس صورت میں **اضافة الشيئى الى نفسه** لازم آتی ہے اس لئے کہ چہرہ ہی حسن ہے اور جن حضرات نے جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حسن چہرہ کی بہ نسبت عام ہے اس لئے **اضافة الشيئى الى نفسه** لازم نہیں آتی۔

۔ "**والبواقی**"...... ......تین صورتوں کے علاوہ باقی جن صورتوں میں ایک ضمیر ہے وہ صورتیں احسن ہیں اس لئے کہ (جس کی جانب احتیاجی ہے وہ مذکور ہے اور) تھوڑی کلام کے ساتھ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور ان مذکورہ مثالوں میں ایک ضمیر ہونے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ضمیر صفت مشبہ میں ہو اور اس کی سات مثالیں ہیں جیسے **الحسن الوجة** جبکہ الوجہ منصوب ہو۔ الحسن الوجہ جب کہ الوجہ مجرور ہو۔ حسن الوجہ جب کہ الوجہ منصوب ہو۔ حسن الوجہ جب کہ الوجہ مجرور ہو **.الحسن وجها . حسنٌ وجها** اور حسن وجہ جبکہ وجہ مجرور ہو ان تمام صورتوں میں صفت مشبہ میں ضمیر ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر صفت مشبہ میں نہ ہو بلکہ اس کے معمول میں ہو اور اس کی دو مثالیں ہیں۔ جیسے **الحسن وجهُه** اور **حسن وجهه** جب کہ وجہہ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو۔ اور جن صورتوں میں دو ضمیریں ہیں وہ صورتیں حسن ہیں اس لئے کہ جس کی جانب احتیاجی ہے وہ مذکور ہے اور جتنی حاجت تھی اس سے زائد ہے اس لئے ان کا مرتبہ گر گیا اور

دوضمیریں اسطرح ہونگی کہ ایک ضمیر صفت مشبہ میں اور دوسری ضمیر اس کے معمول میں ہوگی اور اس کی دو مثالیں ہیں۔ جیسے حسن وجهه' اور الحسن وجهِه جب کہ ان میں وجہ منصوب ہو ۔ اور جن صورتوں میں کوئی ضمیر نہیں وہ قبیح ہیں اس لئے کہ جس کی جانب احتیاجی ہے وہ موجود نہیں ہے۔ احتیاجی اس لحاظ سے ہے کہ موصوف کے ساتھ رابطہ ضمیر کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ موجود ہی نہیں اس لئے یہ صورتیں قبیح ہیں۔ اور اس کی چار مثالیں ہیں۔ جیسے الحسن الوجهُ ، حسن الوجهُ . الحسن وجهٌ ، اور حسنٌ وجهٌ ان تمام صورتوں میں وجهٌ حسنٌ کا فاعل ہے اور ضمیر نہ صفت مشبہ میں ہے اور نہ اس کے معمول میں ہے۔

" ومتی رفعت " ...... جن صورتوں میں صفت کے معمول کو رفع دیا جاتا ہے ان میں کوئی ضمیر نہیں ہوتی اس لئے کہ ان صورتوں میں صفت مشبہ کا معمول فاعل واقع ہوتا ہے اور اگر ضمیر بھی ہو تو تعدد فاعل لازم آتا ہے ۔

" والا ففیها " ...... اور جن صورتوں میں صفت مشبہ کے ساتھ معمول کو رفع نہیں دیا جاتا ان صورتوں میں صفت مشبہ کے معمول کے ساتھ موصوف کی ضمیر ہوگی تاکہ وہ اس کے لئے فاعل ہو تو ایسی صورت میں موصوف کے مطابق صفت مشبہ مونث اور تثنیہ جمع ہوتی ہے یعنی جیسا موصوف ہوگا اس کے مطابق صفت مشبہ ہوگی۔ جیسے هند حسنة اور الزیدان حسنا وَجه . الزیدون حسنو ا وجه . وغیرہ۔

" واسما الفاعل والمفعول " اور ایسا اسم فاعل اور اسم مفعول جو متعدی نہ ہوں تو جو صورتیں صفت مشبہ کے عمل کی بیان کی گئی ہیں ان صورتوں میں اسم فاعل اور اسم مفعول بھی عمل میں صفت مشبہ کی طرح ہیں اس لئے کہ صفت مشبہ کو عمل ہی اسم فاعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے دیا گیا ہے اس لئے اسم فاعل میں عمل درجہ اولی ہوگا جیسے القائم الغلام میں الغلام میں رفع۔ نصب اور جر تینوں حرکات کے ساتھ اور القائم غلامه . القائم غلام ان میں سے ہر ایک میں بھی تین تین حرکات تو کل نو صورتیں ہوں گی۔ اسی طرح اسم فاعل سے الف لام کو دور کر کے نو صورتیں بنتی ہیں تو کل اٹھارہ صورتیں ہوگئیں۔ اسی طرح اسم مفعول میں المضروب الغلام . المضروب غلامه . المضروب غلام وغیرہ۔

" اسمُ التفضيل ما اُشتُقَّ مِن فعلٍ لموصُوفٍ بزيادة على غيره وهو افعلُ وشرطه ان يُبنى مِن ثلاثيٍ مجرد ليمكن منه وليس بلون ولاعيب لان منهما افعلُ لغيره مثل زيدٌ افضَل الناس فان قُصد غيره تُوصّل اليه باشدَّ مثل هُوَ اشدُّ منه استِخراجاً وَبَيَاضاً عمىً وقياسُه للفاعل وقد جاء للمفعول نحو اَعذَرُ واَلوَمُ واَشغلُ واَشهَرُ.

"...... اسم تفضیل وہ اسم ہوتا ہے جو فعل یعنی مصدر سے مشتق ہو اور ایسے موصوف کے لئے وضع کیا گیا ہو جس میں وہ مصدری معنی دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہو اور وہ افعل کا صیغہ ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجر سے بنایا گیا ہو تا کہ اس سے افعل کا صیغہ ممکن ہو اور وہ لون اور عیب کے مادہ سے نہ ہو اس لئے کہ ان دونوں سے افعل کا وزن تفضیل کے علاوہ اور مقصد کے لئے آتا ہے جیسے **زید افضل الناس** زید باقی لوگوں کی بہ نسبت افضل ہے پس اگر تفضیل کا ارادہ ثلاثی مجرد کے علاوہ کسی اور باب سے کیا جائے تو اس کے مصدر کے ساتھ اشدّ کو ملایا جاتا ہے جیسے **ھو اشدّ منه استخراجاً** وہ اس کی بہ نسبت نکالے جانے میں زیادہ سخت ہے۔ **ھو اشد منه بیاضاً** وہ اس سے سفید ہونے میں زیادہ سخت ہے. **ھو اشد منه عمیً** وہ اس سے اندھے پن میں زیادہ سخت ہے۔ اور اس کا قاعدہ کے مطابق ہونا تو فاعل کے لئے ہے اور کبھی مفعول کے لئے آتا ہے جیسے اعذر بہت زیادہ معذور۔ الوم بہت زیادہ ملامت کیا ہوا اشغل بہت زیادہ مشغول۔ اشھر بہت زیادہ مشہور ہے۔

"اسم تفضیل کی بحث" ...... اسم تفضیل کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ مصدر سے مشتق ہوتا ہے۔ اور مصدری معنی اس میں دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہے اور وہ افعل کے وزن پر ہوتا ہے۔ اسم تفضیل ثلاثی مجرد سے آتا ہے اس لئے کہ ثلاثی مجرد ہی سے افعل کا وزن ممکن ہے جیسے **زید افضل النا س**)اور اسم تفضیل ثلاثی مجرد میں سے بھی صرف ان

ابواب میں پایا جاتا ہے جن میں لون اور عیب کا معنی نہ پایا جائے۔ اس لئے کہ جن میں لون اور عیب کا معنی پایا جاتا ہے ان میں افعل کا وزن تفضیل کے علاوہ کسی اور معنی یعنی صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اَحْمر بہت زیادہ سرخ اور اصفر زیادہ زرد۔

" **فان قصد غیره** " ...... اگر ثلاثی مجرد کے علاوہ یا جن مادوں سے اسم تفضیل افعل کے وزن پر نہیں بنایا جا سکتا ان سے تفضیل کا ارادہ ہو تو اس باب کا مصدر نکال کر اس کے ساتھ اشدّ ملا دیا جاتا ہے جیسے **ھو اشدّ استخراجا** ۔ یہ مثال ہے ثلاثی مزید سے اسم تفضیل کی۔ **ھو اشد بیاضاً** ۔ یہ مثال ہے اس مادہ کی جس میں لون یعنی رنگ کا معنی پایا جاتا ہے **ھو اشدّ عمیً** یہ مثال ہے اس مادہ کی جس میں عیب کا معنی پایا جاتا ہے۔

" **وقیاسه للفاعل** " ...... اسم تفضیل کا اشتقاق فاعل کے لئے ہوتا ہے جیسے افعل کا معنی ہے بہت زیادہ کام کرنے والا۔ مگر کبھی مفعول کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اعذر بہت زیادہ معذور۔ اَلْوَمُ بہت زیادہ ملامت کیا ہوا۔ اشغل بہت زیادہ مشغول۔ اور اشھرُ بہت زیادہ مشہور۔

" **ویستعمل علی احد ثلثة او جُهٍ مُضَافاً اوبمن اومُعَرّفا باللّامِ فلا یجوز زید الافضل ُمن عمرٍو لا زید افضل ُالا ان یُعلم فا ذا اُضِیُف فله ُمَعْنیان احدُهُما وهُوَ الا کثر ان تُقْصَدَ به الزیادة علی مَن اُضیف الیه فیشترِ طُ ان یکون منهم مثل زید افضل الناسِ فلایجوز یو سُفُ احسَنُ اخوته لخروجه عنهم باضافتهم الیه والثانی ان تُقصَد زیادةٌ مطلقةٌ ویُضاف للتوضیح فیجوزُ یُوسُفُ احسنُ اخوته ویجو ز فی الاول الافراد والمطابقةُ لمن هُوَ له ُواَمّا الثانی والمعرّف باللام فلا**

بُـدّ مـن الـمطابقة والذی بِمن مُفرد مذکر لا غیر ولا یعمل فی مظهر اِلَّا اِذَا کـان صـفةً لشئی ءٍ وھُو َفی المعنی ُلمسبّب ٍمُفضّلٍ باعتِبار الاول عـلـی نفسه باعتبار غیر ہ منفیّا مثل مارائیت ُرجُلاً احسَنَ فی عَیُنِہ الـکـحلُ منه فی عَیُن زید ٍلانه ُبمعنی حسن مَعَ انّھم لو رفعو ا لـفـصّـلـو ا بیـنَـہ ُوبَین َمعموله با جنبی وھو الکحل ولک ان تقول احسـن فـی عیـنـہ الکحل من عیُن زید ٍفان قَدّمت َذِکر َالعین قُلت َ مـارائیـت ُکـعیـن ِزیـد ٍا حُسَـنَ فیھَـا الکحلُ مثلَ ولا َاریٰ فی قطعة مررت ُعَلی وادی السّباع ِولا اَر ی.

کو ادی السّباعِ حِین َیظلِم وادیا .

اقَلَّ بـہ رَکبٌ اَتو ہ ُتَا َیّة َواَخوَ ف َاِلاّ ماوَقی الله ُسَاریاً." ...... اوراسم تفضیل کا صیغہ مضاف ہوکر یامِنْ کے ساتھ یا معرف باللام تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے پس زیـد الا فضل من عمر و کہنا۔ جائزنہیں۔اورنہ ہی زید افضل کہنا جائز ہے مگراس وقت کہ معلوم کرلیا جائے کہ اس کوکس پرفضیلت دی جارہی ہے۔پس جب اسم تفضیل کے صیغہ کومضاف کیا جائے تواس کے دومعنی ہوتے ہیں۔ان میں ایک جواکثر ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس پرزیادتی کاارادہ کیا جاتا ہے جس کی جانب اس کی اضافت کی جاتی ہے پس شرط قراردیا گیاہے کہ وہ ان ہی میں سے ہو جیسے زید افضل الناس پس یو سف احسن اخوته کہنا جائزنہیں ہے اس لئے کہ یہ ان میں سے خارج ہے ان کی جانب اس کی اضافت کرنے کی وجہ سے۔اوردوسرامعنی یہ ہے کہ مطلق زیادتی کاارادہ

کیا جائے اور توضیح کے لئے اضافت کی جائے پس جائز ہے کہ کہا جائے یوسف احسن اخوتہ اور پہلا معنی جب لیا جائے تو اس صورت میں مفرد لانا اور جس کے لئے اس کو لیا جا رہا ہے اس کے مطابق لانا دونوں طرح جائز ہے اور بہر حال دوسرا معنی یعنی جب مطلق زیادتی مراد ہو اور اضافت توضیح کے لئے ہو اور جب افعل معرف باللام ہو تو ان صورتوں میں مطابقت ضروری ہے اور وہ جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہ مفرد مذکر ہی ہوتا ہے اس کے علاوہ نہیں ہوتا اور اسم تفضیل کا صیغہ اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا مگر اس صورت میں جبکہ وہ کسی چیز کی صفت ہو اور معنی میں وہ صفت ہو ایسے مسبب کی جس کو پہلے اعتبار کے ساتھ اپنے آپ پر اور دوسرے اعتبار سے اپنے غیر پر فضیلت دی گئی ہو اور وہ کلام منفی ہو۔ جیسے "ما رائیتُ رجلا احسن فی عینه الکحل منه فی عین زید" اس لئے کہ بے شک وہ حُسن کے معنی میں ہے۔ اس کے باوجود بے شک اگر وہ نحوی اس کو رفع دیں تو وہ اس کے اور اس کے معمول کے درمیان اجنبی کا فاصلہ لائیں گے اور وہ اجنبی الکحل ہے۔

اور آپ کے لئے جائز ہے کہ آپ کہیں احسن فی عینه الکحل من عین زید۔ پس اگر العین کا ذکر مقدم کریں تو آپ کہیں گے ماارائیت کعین زید احسن فیها الکحل "جیسا کہ ایک قطعہ میں ولا ازی ہے یہ بھی اسی طرح ہے اور وہ قطعہ یہ ہے۔ مررتُ علی وادی السباغ ولا اری۔ میں گذرا درندوں کی وادی میں سے اور میں نے نہیں دیکھا۔ کوادی السباع حین یظلم وادیا۔ درندوں کی وادی کی طرح کسی وادی کو جبکہ وہ تاریکی میں چھپ جائے۔ اقلّ به رکبٌ اتوهُ تأیهَ۔ بہت کم اس کے پاس سوار رات کو آہستہ آہستہ آئے ہوں۔ واخوف الا ماوقی اللهُ سار یا۔ اور نہیں دیکھا میں نے زیادہ خوفناک بیابان کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چلنے والوں کو بچالے۔

"اسم تفضیل کے استعمال کے طریقے:۔ اسم تفضیل تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ یہ کہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہو جیسے زید افضل من عمرو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اضافت کیساتھ استعمال ہو جیسے زید افضل الناس۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا صیغہ معرف باللام ہو جیسے زید الا فضل۔ " فلا یجوز "...... جب اسم تفضیل ان مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے تو اسی لئے زید الا فضل من عمرو کہنا جائز نہیں اس لئے کہ اس صورت میں اسم تفضیل معرف باللام بھی ہے

اور من کے ساتھ استعمال بھی ہے اور یہ درست نہیں ہے اور زید افضل بھی کہنا درست نہیں اس لئے کہ اس میں ان تین طریقوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پایا جارہا۔ " **الا ان یعلم** " ...... اگر وہ معلوم ہو جس پر فضیلت دی جارہی ہے تو ایسی حالت میں اسم تفضیل کو معرف باللام نہ ہونے اور اضافت نہ ہونے کے باوجود استعمال کرنا درست ہے جیسا کہ اللہ اکبر یہ اصل میں **الله اکبر من کل شیئی** ہے من کل شیئی کو حذف کردیا اس لئے کہ اللہ تعالی کی بڑائی کو ہر کوئی جانتا ہے۔

" **فاذا اضیف فله معنیا ن** " ...... جب اسم تفضیل کی اضافت کی جائے تو اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی یہ کہ جس کی جانب اس کی اضافت کی گئی ہے اس کی بہ نسبت زیادتی کا ارادہ کیا جائے تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل کی جس کی جانب اضافت کی گئی ہے۔ اسم تفضیل کا موصوف اس میں سے ہو جیسے **زید افضل الناس** ۔ زید موصوف ہے افضل کا اور الناس ہی میں سے ہے۔ علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں وھوالاکثر کہ یہ معنی بکثرت پایا جاتا ہے۔ جب اس میں یہ شرط ہے کہ اسم تفضیل کا موصوف اسم تفضیل کے مضاف الیہ ہی میں سے ہو تو اسی وجہ سے **یوسف احسن اخوته** کہنا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اخوہ کی اضافت ہے ضمیر کی طرف اور ضمیر راجع ہے یوسف کی طرف اور قاعدہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں مغائرت ہوتی ہے تو ظاہر ہوگیا کہ یوسف اور اس کے اخو آپس میں مغائر ہیں۔ جب مغائر ہیں تو اسم تفضیل کے موصوف کا اسم تفضیل کے مضاف الیہ میں سے پایا جانا ثابت نہیں ہوتا اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے۔

" **والثانی** " ...... اسم تفضیل جب مضاف ہو تو اس میں دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ مطلق زیادتی کا ارادہ کیا جائے اور اضافت صرف توضیح کے لئے ہو تو اس صورت میں **یوسف احسن اخوته** کہنا جائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں اسم تفضیل کے موصوف کا اسم تفضیل کے مضاف الیہ میں سے ہونا ضروری نہیں ہے۔

" **ویجوز فی الاول** " ...... اگر اسم تفضیل مضاف میں مضاف الیہ کہ بہ نسبت مصدری معنی کی زیادتی کا ارادہ کیا جائے تو ایسی صورت میں اسم تفضیل کا مفرد لانا بھی صحیح ہے جیسے **زید افضل القوم . زید ان افضل القوم . زیدون افضل القوم** ۔ اور اسم تفضیل کا اپنے موصوف کے مطابق لانا بھی درست ہے جیسے **زید ان افضلا**

القوم زیدون افضلو االقوم.

" واما لثانی " ...... اگراسم تفضیل میں دوسرے معنی کالحاظ ہو یعنی اس کا استعمال مطلق زیادتی کے لئے ہو یا اسم تفضیل معرف باللام ہو تو ایسی صورت میں اسم تفضیل کا مذکر اور مونث ہونے اور افراد اور جمع میں اپنے موصوف کے مطابق ہونا ضروری ہے جیسے **زیدا ن افضلا القوم . زیدون افضلو ا القوم** ۔اور **ھند فُضلی النساء ھندا ن فضلیا النساء ھندات فضلیات النساء** ۔یہ مثالیں ہیں جب کہ مطلق زیادتی مراد لی جائے اور اضافت کوصرف توضیح کے لئے قرار دیا جائے۔اور جب اسم تفضیل معرف باللام ہوتو اس کی مثالیں جیسے **زید الا فضل . زید ان الافضلان . زید و ن الا فضلون . ھند الفضلی . ھندا ن الفضیلا ن . ھندا ت الفضلیات** ۔

" والذی بمن " ...... اور اسم تفضیل جو مِن کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔وہ صرف مفرد مذکر ہی آتا ہے جیسے **زید افضل من عمرو . زید افضل من رجلا ن . زید افضل من القوم . عائشة افضل من مریم . ازواج النبی ﷺ افضل من النساء** ۔

" ولا یعمل فی مظھر " ...... اسم تفضیل ضعیف عامل ہے اسلئے ضمیر میں تو عمل کرتا ہے اس لئے کہ ضمیر ضعیف معمول ہے۔اور اسم ظاہر میں اسم تفضیل کے عمل کے لئے شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم ظاہر لفظ میں اس چیز کی صفت ہو جس پر یہ اعتماد کرتا ہے یعنی اسکا موصوف یا مبتدا یا ذوالحال جو اس سے پہلے واقع ہے اور حقیقت میں وہ صفت اس چیز کے مسبب کی ہو جو اس شیئ اور اسکے غیر کے درمیان مشترک ہو اور یہ شرط اس لئے لگائی گئی ہے تا کہ اسم تفضیل کا صاحب پایا جائے جس پر اعتماد کر کے وہ عمل کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ پہلی چیز کے ساتھ اس کو مقید کرنے کے اعتبار سے وہ مفضل ہو۔اس اعتبار سے وہ سبب مفضل ہوگا۔اور اس پہلی چیز کے علاوہ کے ساتھ اسکو مقید کرنے کے اعتبار سے وہ **مفضل علی نفسه** ہو اس اعتبار سے یہ مفضل علیہ ہوگا۔جب اعتبار کا فرق ہو گیا تو ایک ہی چیز کے مفضل اور مفضل علیہ ہونے کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم ظاہر اور اسم تفضیل کلام منفی میں ہوں جیسے **ما را ءیت رجلا احسن فی عینه الکحل منه فی عین زید** ۔اس مثال میں احسن لفظ میں رجل کی صفت ہے اور معنی میں الکحل کی صفت ہے اور وہ سبب مشترک ہے رجل کی آنکھ اور زید کی آنکھ کے درمیان جس کو رجل کی عین کے اعتبار سے فضیلت دی جا رہی ہے۔اس جیسی مثال میں اسم تفضیل اسم ظاہر میں اس لئے عمل کرتا ہے کہ اس میں اسم تفضیل احسن فعل حَسُنَ کے معنی میں ہے اور فعل کے معنی میں ہو کر اسم تفضیل اسم ظاہر میں عمل کر رہا ہے۔اس کے علاوہ ایسی مثال میں اسم تفضیل کے اسم ظاہر میں عمل کرنے کی یہ وجہ بھی ہے کہ اگر نحوی اسم تفضیل کو خبر اور الکحل کو مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع دیں تو اسم تفضیل کے معمول منہ اور اسکے درمیان اجنبی کا فاصلہ آتا ہے اور وہ اجنبی الکحل ہے۔اور عامل اور معمول کے درمیان اجنبی کا فاصلہ درست نہیں ہوتا اس لئے یہ کہا جائیگا کہ احسن بمعنی حسن فعل کے ہے اور الکحل اس کا فاعل ہے۔

" **ولک ان تقول** " ...... اس جیسی مثال میں عبارت کے اختصار کے طور پر اس طرح کہنا جائز ہے **ما راء یت رجلا احسن فی عینه الکحل من زید** . اس مثال میں اصل میں **من کحل عین زید** ہے عین زید کے مضاف کو اختصار کی وجہ سے حذف کر دیا۔

" **فان قدمت** "...... اگر لفظ عین کو عبارت میں مقدم کریں تو اس طرح کہہ سکتے ہیں۔ **ما را یت کعین زید احسن فیها الکحل** تو یہ مثال ایسے ہو جائیگی جیسے اس قطعہ میں لا اری ہے۔

"**مثل ولا اری** " ...... علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ مذکورہ مثال ایسے ہو جائیگی جیسے اس قطعہ میں لا اری ہے

. اس لئے کہ جیسے اس مذکورہ مثال میں عبارت تین طرح ہو سکتی ہے جیسا کہ اسی مذکورہ مثال کی ایک عبارت **ولک ان تقول** سے پہلے اور دوسری عبارت **ولک ان تقول** کے تحت اور تیسری عبارت **فا ن قدمت ذکر العین** کے تحت ذکر کی ہے۔جس طرح اس مثال کی تین طرح عبارت ہو سکتی ہے۔اسی طرح شاعر کے قطعہ کی عبارت تین طرح ہو سکتی ہے ایک عبارت طویلہ جیسے **مررت علی وادی السباغ ولا ار ی وادیا اقل به رکب منهم فی وادی**

السباغ اتوه تايّة واخوف الا ما وقى الله ساريا ۔دوسری عبارت متوسطہ جیسے مررت علی وادی السباغ ولا اری واديا اقل به ركب من وادی السباغ اتوه تاية اخوف الا ما وقى الله ساريا ۔تیسری عبارت قصیرہ جیسے ولا اری کوادی السباغ حين يظلم واديا اقل به ركب اتوه تاية واخوف الا ما وقى الله ساريا .

" الفعل ُما دلَّ على مَعنى فى نفسه مُقترن ٍباحد الا زمنة الثلا ثة ِومِن ُخواصّه دُخول قدْ وَالسِّين وسوف َوالجوَزِم ولحوقُ تاء التانيث ساكنة ونحو تاءِ فَعلُتِ ." ...... فعل وہ کلمہ ہوتا ہے جو اپنے معنی پر خود بخود دلالت کرے اور تین زمانوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہو اور اسکے خواص میں قد۔ سین ۔سوف اور حروف جوازم کا داخل ہونا ہے اور تاء تانیث ساکنہ اور فعلت َ. فعَلتِ .اور فعَلت جیسی تاء کا آخر میں لاحق ہوتا ہے۔

"فعل کی بحث" ...... اسم کی بحث سے فارغ ہونے کے بعد یہاں سے فعل کی بحث شروع کی جارہی ہے فعل کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ ایسا کلمہ ہوتا ہے جو اپنے معنی میں مستقل ہوتا ہے کسی دوسرے کلمہ کا محتاج نہیں ہوتا۔اور اس میں تین زمانوں ماضی۔حال۔اور استقبال میں سے کوئی نہ کوئی زمانہ پایا جاتا ہے۔

"فعل کے خواص" ...... فعل کے خواص میں سے قَدْ ہے کہ اس کے ابتداء میں قد داخل ہوسکتا ہے جیسے قد سمع الله . قد يعلم الله ۔اور فعل کے خواص میں سین کا داخل ہونا ہے جیسے سيضرب ۔اور سوف کا داخل ہونا ہے جیسے فسوف يعلمون ۔اور حروف جوازم اِنْ.لمْ. لما . لام امر اور لائے نہی میں سے کوئی حرف اس پر داخل ہوسکتا ہے جیسے اِن تتوبا . اَلَمْ اَعْهد . لَمّا سمعنا الهدى . ليضرِبْ . اور لا تضرِبْ۔اور فعل کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے آخر میں تاء تانیث ساکنہ آتی ہے جیسے ضربَتْ ۔اور فعل کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے

آخر میں واحد متکلم کی ضمیرتُ آسکتی ہے جیسے ضَرَبْتُ ۔اور واحد مخاطب کی ضمیر تا مفتوحہ بھی آسکتی ہے جیسے ضَرَبْتَ اور واحدہ مخاطبہ کی ضمیر تِ مجرور بھی آسکتی ہے جیسے ضَرَبْتِ .

" الماضی ما دَلَّ علی زمانٍ قبل زمانِک مبنیٌّ علی الفتح مع غیر الضمیر المرفوع المتحرکِ والواوِ " ...... " ماضی وہ فعل ہوتا ہے جو ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو تیرے اس زمانہ سے پہلے کا ہو اور یہ فعل ماضی مبنی برفتحہ ہوتا ہے جبکہ اسکے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ نہ ہو۔

"فعل کی اقسام" ...... فعل کی تین قسمیں ہیں ۔(۱) فعل ماضی (۲) فعل مضارع (۳) فعل امر۔فعل کی بحث کرتے ہوئے پہلے علامہ ماضی کا ذکر کرتے ہیں کہ فعل ماضی وہ ہوتا ہے جس میں اس موجودہ زمانہ سے پہلے کا زمانہ پایا جاتا ہو اور فعل ماضی مبنی برفتحہ ہوتا ہے سوائے ان صیغوں کے جن کے آخر میں ضمیر مرفوع متصل متحرک اور واؤ ہوتی ہے۔جیسے ضَرَبَ. ضَرَبا. ضَرَبَت . ضربتا ۔(ان صیغوں میں ماضی مبنی برفتحہ ہے) اور جن صیغوں کے آخر میں ضمیر مرفوع متصل متحرک ہوتی ہے وہ ماضی مبنی برسکون ہوتی ہے اس لئے کہ اگر اس ماضی کو ساکن نہ کریں تو پے در پے چار حرکات کا آنا لازم آتا ہے۔ جو کہ درست نہیں ہے جیسے ضَرَبْنَ . ضَرَبْتَ . ضَرَبْتُما . ضربتم . ضربتِ . ضر بتُنَّ . ضَرَبْتُ اور ضَربنا میں ضمائر سے پہلے ماضی کا صیغہ مبنی برسکون ہے اور ماضی کے جس صیغہ میں آخر میں واؤ ہوتی ہے اس میں ماضی مبنی علی الضم ہوتی ہے اس لئے کہ واؤ کے ماقبل ضمہ ضروری ہے جیسے ضَرَبوُا۔

" المضارع مُا اشبه الاسمَ باحد حروف نَاَیْتُ لو قوعه مُشترکاً وتخصیصه بالسین او سوف فالهَمزةُ للمتکلم مفرداً والنونُ له مَعَ غیره والتاء للمخاطب مطلقاً وللمونث وللمونثین غیبة والیاء للغائب غیرهما وحروف المضارعة مضمومةٌ فی الرباعی

ومفتوحةٌ فیما سَواہُ ولا یعرب من الفعل غیرہ' اذا لم یتّصل بہ نو ن تاکیدٍ ولا نو ن ُجمعٍ مونثٍ۔ "...... " فعل مضارع وہ ہوتا ہے جواسم کے ساتھ مشابہ ہواور اس کی ابتداء میں نَـایَـت ُ میں پائے جانے والے حروف میں سے کوئی حرف ہواور یہ فعل مضارع اسم کے ساتھ ہے اس کے مشترک واقع ہونے میں مشابہ ہوتا ہے اوراس کی تخصیص سین یا سوف کے ساتھ ہے۔پس ہمزہ متکلم مفرد کیلئے ہےاورنون متکلم مع الغیر یعنی جمع متکلم کے لئے ہے۔اورتاء مطلقاً مخاطب کے لئے اور واحدہ مونثہ اورتثنیہ مونثہ کے لئے ہےاور یاان کے دوصیغوں واحدہ مونثہ غائبہ اورتثنیہ غائب کے علاوہ باقی غائب کے صیغوں کے لئے ہے۔اورحروف مضارع رباعی یعنی چارحرفی ماضی میں مضموم ہوتے ہیں۔اوراس کے سوامیں مفتوح ہوتے ہیں اوراس فعل مضارع کے سوافعل میں سے کوئی معرب نہیں ہوتااور یہ بھی اس وقت معرب ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ تاکیدکانون اورجمع مونث کانون ہو۔

"فعل مضارع کی بحث" فعل مضارع وہ ہوتا ہے جواسم کے ساتھ مشابہ ہوتا ہے جیسے اسم میں کوئی ایک زمانہ مختص نہیں ہوتا اسی طرح فعل مضارع میں بھی ایک زمانہ مختص نہیں بلکہ اس میں حال اور استقبال دونوں زمانے پائے جاتے ہیں ۔اوراس کی ابتداء میں حروف نَـایَـت ُمیں سے کوئی ایک حرف ہوتا ہےان حروف کوحروف مضارع کہتے ہیں۔باقی حضرات حروف مضارع کے مجموعہ کوحروف اتین سے اورعلامہ ابن حاجب نے ان حروف کونایت سے تعبیر کیا ہے۔اورفعل مضارع کے خواص میں سے ہے۔کہ اس کی ابتداء میں سین داخل ہوتی ہے جیسے سیعلم اورسوف داخل ہوتا ہے جیسے **سوف یعلم** .

"فالھمزۃ"...... حروف مضارع چار ہیں ہمزہ۔تا۔یاءاورنون۔ان میں ہمزہ واحد متکلم کے لئے آتا ہے جیسے اَضرِبُ . اُضرَبُ . اَجْتَنِبُ . اُجْتَنَب ُ ۔اورنون جمع متکلم کے صیغہ میں آتا ہے جیسے نَضرِبُ . نُضرَبُ . نَجْتَنِبُ . نُجْتَنَب ُ ۔اورتاءمخاطب کے صیغوں میں مطلقاً یعنی خواہ وہ مخاطب مذکر ہو یا مونث ہوخواہ واحد ہو یا تثنیہ جمع ہو سب کے لئے تاء ہےاورتاءواحدہ مونثہ غائبہ اورتثنیہ مونثہ غائبہ کے لئے بھی ہے جیسے مذکر مخاطب کی مثالیں تَضرِبُ تضربان تَضربون ۔مونث مخاطب کی مثالیں تَضرِب ُ. تضربان . تضرِبن ۔اورواحدہ مونثہ غائبہ کی مثال جیسے

تَضُربُ اور تثنیہ مونثہ غائبہ کی مثال جیسے تضربان۔اس طرح تاءمضارع کے کل آٹھ صیغوں میں آتی ہے۔اور یاء چار صیغوں میں آتی ہے مذکر غائب میں مطلقاً جیسے یضربُ . یضربان . یضربون اور مونث کے جمع غائب کے صیغے میں جیسے یَضْرِبْنَ .

"وحروف المضارعة ." ...... اگر ماضی چار حرفی ہوخواہ اس کے چاروں حروف اصلی ہوں جیسے رباعی میں ہوتے ہیں یا ان چار حرفوں میں سے کوئی زائد بھی ہو جیسے باب افعال۔باب تفعیل اور باب مفاعلہ میں ہوتے ہیں تو چار حرفی ماضی کے مضارع میں حروف مضارع مضموم ہوتے ہیں۔جیسے یُکرِمُ . یُصَرِّفُ ، یقاتِلُ اور یُدَحرِجُ۔ اوراگر ماضی چار حرفی نہ ہوتو مضارع میں حروف مضارع مفتوح ہوتے ہیں جیسے یَضرِبُ. یَجتَنِبُ . یَستَخرِجُ . یَتَزَلزَلُ ۔مضارع سے مراد اصلی مضارع ہےاور وہ مضارع معروف ہوتا ہےاسلئے کہ مضارع مجہول کومضارع معروف سے بنایا جاتا ہےاور اس میں حروف مضارع کومضموم کیا جاتا ہے۔

"ولا یعرب من الفعل "...... فعلوں میں سے صرف فعل مضارع معرب ہوتا ہےمگراس کے لئے بھی شرط یہ ہے کہ وہ نون تاکیداورنون جمع مونث سے خالی ہو۔اس لئے کہ اگراس کے آخر میں نون تاکید ہو یا جمع مونث کا نون ہوتو ایسی حالت میں مضارع جمہور کے نزدیک مبنی ہوتا ہےاوراس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مضارع کے آخر میں نون کے آنے سے اس کا اتصال مضارع کیساتھ ایسا ہوجاتا ہے گویا کہ وہ علیحدہ کلمہ نہیں بلکہ اس سمیت کلمہ ایک ہی ہےتو اگرنون سے پہلے اعراب جاری کریں تو اعراب کا وسط کلمہ میں ہونا لازم آتا ہےاوراگرنون پر جاری کریں تو درحقیقت یہ مضارع کے علاوہ کلمہ ہےتو ایسی صورت میں اعراب کا مضارع پرنہیں بلکہ دوسرے کلمہ پر جاری کرنا لازم آتا ہےتو جب اس کا اعراب جاری کرنے کی کوئی صورت نہ رہی تو اس کو مبنی قرار دے دیا گیا۔اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ نون تاکیداورنون جمع مونث کے مضارع کے آخر میں آنے کے باوجود مضارع معرب رہتا ہے جیسے کہ نون تنوین کے لاحق ہونے کے بعد کلمہ معرب رہتا ہے اسی طرح نون کے آنے کے باوجود مضارع مبنی نہیں بنتا بلکہ معرب باقی رہتا ہے۔

" واعرابُهٗ رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ فالصّحيح المجرد عن ضمير بارزٍ مرفوعٍ للتثنية والجمعِ والمخاطب المونث بالضمة والفتحة والسّكون مثلُ يضرب ولن يضربَ ولم يضرب والمتصل به ذلك بالنونِ وحذفها مثل يضربان ويضربونَ وتضربين والمعتل بالواوِ والياء بالضَّمة تقديراً والفتحة لفظا والحذف والمعتلّ بالالفِ بالضمة والفتحةِ تقديراً والحذف ويرتفعُ اذا تجرّد عن الناصب والجازمِ نحو يقوم زيدٌ "......"اور اس مضارع کے اعراب رفع۔نصب اور جزم ہیں پس مضارع صحیح جو خالی ہو تثنیہ اور جمع کی ضمیر مرفوع بارز سے اور مخاطب مونث کی ضمیر سے تو اس کا اعراب ضمہ اور فتحہ اور سکون کے ساتھ ہوتا ہے جیسے یضربُ لَنْ یضرب اور لَمْ یَضربْ ۔اور جن صیغوں کے ساتھ تثنیہ اور جمع کی اور واحدہ مونثہ کی ضمیر مرفوع بارز متصل ہوتی ہے ان میں نون اعرابی کے ساتھ اور اسکے حذف کے ساتھ اعراب ہوتا ہے جیسے یضربان . یضربون اور تَضربینَ اور معتل واوی اور معتل یائی میں ضمہ تقدیری اور فتحہ لفظی اور حذف کے ساتھ ہوتا ہے اور معتل الفی میں ضمہ اور فتحہ تقدیری اور حذف کے ساتھ ہوتا ہے جب مضارع ناصب اور جازم سے خالی ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے جیسے یقوم زَیدٌ .

"فعل مضارع کا اعراب"......فعل مضارع کے اعراب تین ہیں۔(۱) رفع (۲) نصب (۳) جزم۔فعل مضارع کے وہ صیغے جن کے ساتھ تثنیہ مذکر تثنیہ مونث جمع مذکر۔جمع مونث اور واحدہ مونثہ مخاطبہ کی ضمیر ہو تو ان کا اعراب رفع ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ھو یضربُ . ھِیَ تضربُ . اَنتَ تَضرِبُ . اَنَا اَضرِبُ . نَحنُ نَضرِبُ ۔ اور فتحہ نصب کے ساتھ ہوتا ہے جیسے لَنْ یَضرِبَ وغیرہ اور جزم سکون کے ساتھ ہوتی ہے جیسے لَمْ یَضرِبْ وغیرہ۔

" والمتصل به " ...... اور مضارع صحیح کے جن صیغوں کے ساتھ تثنیہ یا جمع کی ضمیر مرفوع بارز ہوتی ہے اور واحدہ مونثہ مخاطبہ کی ضمیر ہوتی ہے توان میں مضارع کا اعراب رفعی حالت میں نون اعرابی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **یضربان . تضربان . تضربین** اور نصبی حالت میں نون اعرابی کوحذف کرنے کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **لَنْ یضربا. لن یضربوا . لن تضربی** ۔اور جزمی حالت میں بھی نون اعرابی کوحذف کرنے کے ساتھ ہوتا ہے جیسے **لم یضربا . لم یضربوا . لم تضربی** ۔

" والمعتل " ...... اگر مضارع صحیح نہ ہو بلکہ معتل ہوتو اگر معتل واوی یا معتل یائی ہوتو رفعی حالت تقدیر ضمہ کے ساتھ ہوتی ہے اور نحویوں کے نزدیک معتل وہ ہوتا ہے جس کے آخر میں حرف علت ہو۔ معتل واوی کی مثال جیسے یدعوا اور معتل یائی کی مثال جیسے یرمی۔ اور نصبی حالت فتحہ لفظی کے ساتھ ہوتی ہے جیسے **لَنْ یَدْعُوَ . لَن یرمیَ** .اور جزمی حالت آخر سے حرف علت گرانے کے ساتھ ہوتی ہے جیسے **لم یَدْعُ . لَمْ یَرْمِ** ۔

" والمعتل بالالف " ...... اگر مضارع معتل الفی ہوتو اس کی رفعی حالت تقدیر ضمہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے۔ **یَرْضی . یَخْشی** ۔اور نصبی حالت تقدیر فتحہ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے **لن یرضی . لن یخشی** ۔اور جزمی حالت حرف علت کوحذف کرنے کے ساتھ ہوتی ہے جیسے **لَمْ یرضَ . لَنْ یَخشَ** .

" ویرتفع اذا تجرد . " ...... جب مضارع پر کوئی ناصب یا جازم نہ ہوتو اس حالت میں مضارع پر رفع ہوتا ہے جیسے **یقوم زَیْدٌ** .

" وَيَـنْتَـصِبُ بِاَنْ ولَنْ واِذَنْ و كَیْ وبان مقدّرة بعد حتی ولام کی ولام الجحُود و الفاء و الواو و اَوْ فاَنْ مثل اُريد ان تُحسِنَ الَیّ واَنْ تَصُوموا خَيْرٌ لَّكُم ُ والَّتی تقعُ بعد العِلمِ هی المخففة ُمِنَ المثقلَة وليسَت ُ هذه نحو علمت ُ ان سَيقُوم ُ واَن ُلا يقوم والتی تقع بَعْد الظن ففيها الو جُها ن ِ ولَن ُمثل لن ابرَحَ ومعنا ها نفی المُستقبل وَاِذَنْ اذالم يعتَمِدُ ما بَعد ها عَلی ما قبلها وكانَ الفعل مُستقبلاً مثل اذن ُتَدْ خُل الجنَّةَ واذا وقعت بعد الواو والفاء فالوجهان و كَیْ مثل اَسلمت كی ادخُل الجنَّة ومعْنا ها السَّبَبيّة . " ...... اورمضارع کو اَنْ ۔ لَنْ ۔ اذن ۔ کیْ ۔اوراس اَنْ کی وجہ سے نصب دی جاتی ہے جوحتیٰ لام كَیْ . لام جحد . فاء . واو اور اَوْ کے بعد مقدر ہوتا ہے پس اَن جیسے اريد ا ن تحسن اِلَیَّ . اور ان تصوموا خير لكم ۔اوروہ اَنْ جوعلم کے بعدآتا ہےوہ مخففه من المثقلة ہو تا ہےاور یہ مصدر یہ نہیں ہوتا جیسے علمت ان سيقوم اوران لا يقوم ۔اوروہ انْ جو ظَنْ کے بعد ہوتا ہےتو اس میں دو وجہیں ہیں ۔اورلن کی مثال جیسے لَنْ اَبْرَحَ ۔اوراس کامعنیٰ نفی مستقبل کا ہوتا ہےاوراذن اس وقت مضارع میں عمل کرتا ہے جب کہ اس کا مابعداس کے ماقبل پراعتماد کرنے والا نہ ہواورفعل مستقبل ہو جیسے اذن تدخل الجنة اور جب اذن واوٗاورفاء کے بعدواقع ہوتو دو وجہیں جائز ہیں ۔اور کَیْ کی مثال جیسے اسلمتُ كَیْ ادخل ُالجنة اوراس کامعنیٰ سببیت کا ہوتا ہے۔

''فعل مضارع کے عامل ناصب'' ...... فعل مضارع کو پانچ حروف نصب دیتے ہیں

(۱) اَنْ جیسے اَنْ یَضرِبَ (۲) لَنْ جیسے لن یَّضرِبَ ۔(۳) کَیْ جیسے اسلمت کَیْ ادخل الجنة ۔(۴)اذن جیسے اِذَنْ تقومَ ۔ (۵) اَنْ جو چھ حرفوں کے بعد مقدر رہوتا ہے حتیٰ کے بعد جیسے حتیٰ تَدْخُلَ البلد ۔لام کَیْ کے بعد جیسے سِرْ تُ لِاَ دْ خُل البلد ۔لام کَیْ وہ ہوتا ہے جو کی کے معنی میں یعنی سببیت کے لئے آتا ہے۔اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ میں شہر میں داخل ہونے کیلئے چلا۔اور اَنْ لام جحد کے بعد بھی مقدر رہوتا ہے جیسے ما کان اللہ لیعذبھم ۔جحد کا معنی ہے انکار اور اس لام کو لام جحد اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کان کی نفی کے بعد آتا ہے اور اَنْ فاء کے بعد مقدر ہوتا ہے (اور اس فاء کیلئے دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ ہے کہ اس میں سببیت پائی جائے اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے امر یا نہی یا نفی یا استفہام یا تمنی یا عرض ہو۔) جیسے اللھم اغفر لی فافوز .اللھم لا تو ا خذنی فَاَھْلِکَ . لو لا انزل الیہ ملک فیکون. این بیتک فاز ورکَ . لیت لی مالا فانفق منہ اور اَلاَ تنزل بنا فتصیب خیر ا ۔اور اَنْ ایسی واؤ کے بعد مقدر رہوتا ہے جس کو واوِ صرف کہتے ہیں جیسے لا تَنْہِ عن خُلُقٍ وتا تیَ مثلہٗ وتا تیَ میں واو کے بعد ان مقدر ہے اور اس نے تا تِیَ کو نصب دی ہے۔اور اَوْ کے بعد بھی ان مقدر رہوتا ہے اور یہ اَوْ جو جمہور کے نزدیک الی ان کے معنی میں اور امام سیبویہ کے نزدیک اِلاَّ اَن کے معنی میں آتا ہے اس کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوتا ہے جیسے لالزمنک او تُعْطینی حقی اور جو اَن عَلِمَ کے باب سے کسی صیغہ کے بعد اَنْ آتا ہے وہ مصدر یہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اصل میں اَنَّ ہوتا ہے اور اس کو مخففہ کر دیا جاتا ہے۔جیسے علمت ان سیقوم اور علمت ان لا یقوم . اور جو اَنْ ظَنَّ کے باب سے کسی صیغے کے بعد آتا ہے اس میں دو وجہیں جائز ہوتی ہیں۔اس کو ان مخففہ عن المثقلہ بھی بنا سکتے ہیں جیسے ظَنَنْتُ اَنْ تقوم میں نے خیال کیا کہ بے شک تو کھڑا ہے۔اور اسکو ان مصدر یہ بھی بنا سکتے ہیں جیسے ظننت ان تقوم میں نے تیرا کھڑا ہونا خیال کیا۔اور لَنْ جب مضارع پر داخل ہوتا تو اس کا معنی مستقبل منفی کا ہو جاتا ہے جیسے لَنْ اَبْرحَ میں ہرگز نہیں ہٹوں گا۔اور اِذَنْ مضارع کو اس وقت نصب دیتا ہے جب کہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں ایک شرط یہ ہے کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل پر اعتماد کرنے والا نہ ہو یعنی اس کا مابعد اس کے ماقبل کا معمول نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ فعل مستقبل ہو جیسے اِذَنْ تدخل الجنة .

" واذا وقعت " ...... اور جب اِذَنْ واوٗاورفاء کے بعدواقع ہوتواس کوناصب بنانایاناصب نہ بنانادونو ں وجہیں ہوسکتی ہیں جیسے کسی نے کہااَنَا اٰتیک توجواب میں کہے فَاِذَنْ اُکرِمُکَ اکرم کااعراب ضمہ کے ساتھ اور اُکْرِمَکَ فتحہ کے ساتھ دونوں جائز ہیں اورواؤ کے بعداذن کی مثال جیسے واذن لایلبثون خلافک بھی درست ہےاوروا ذن لا یلبثوا خلافک بھی درست ہے۔اور کَی کی مثال جیسے اسلمت کَیْ ادخل الجنۃاوراس کامعنی سبیت کا ہے یعنی میں جنت میں داخل ہونے کے لئے اسلام لایا۔

"وحتّی اذاکا ن مستقبلاً بالنظر ِ الیٰ ما قبلها بمعنی کَیْ او الی مثل اَسْلمتُ حتّٰی ادخُل الجنّة وکنتُ سِرْتُ حتی ادخُلَ البلَد واسیرُ حتی تغیب الشمسُ فان اردتَ الحال تحقیقاً او حِکایةً کانَت حر ف ابتداءٍ فترفعُ وتجب السّببیةُ مثل مرض حتی لا یرجونه ومن ثم امتَنَعَ الرّفعُ فی کانَ سیر ی حتی ادخُلها فی الناقِصَةِ واَسرتَ حتّی تدخلَهَا وَجاز فی التَّامَّةِ کان سَیر ی حَتّی ادخُلها وایُّهُم سار حتی یدخلها ." ...... اورحتی جب کہ اس کے ماقبل کی بہ نسبت اس کے مدخول میں زمانہ مستقبل پایاجاتاہوتووہ کیْ کے معنی میں یاالی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اسلمت حتی ادخل الجنة میں اسلام لایاتاکہ میں جنت میں داخل ہوجاؤں۔ وکنت سرت حتی ادخل البلد میں شہرمیں داخل ہونے تک چلتارہا۔اور اَسیرُ حتی تغیب الشمس۔ میں سورج کے غروب ہونے تک چلتارہوں گا ۔پس اگرحقیقتاًیاحکایۃًحال کاارادہ کریں تواس صورت میں حتی حرف ابتداء ہوتا ہےتواس کے مابعدمرفوع ہوتاہےاوراس صورت میں سبیت کامعنی واجب ہوتاہے جیسے مرض حتی لایر جونہ وہ بیمار

ہوا یہاں تک اس کے احباب اس کی امید نہیں رکھتے تھے۔اور اسی وجہ سے **کان سَیری حتی ادخلھا** میں جب کان ناقصہ ہو تو حتی کے مدخول پر رفع پڑھنا ممتنع ہے اور **اَسِرْتَ حتی تدخلھا** میں بھی حتی کے مدخول پر رفع ممتنع ہے اور **کانَ سَیْر ی حتی ادخلھا** میں اگر کان تامہ ہو تو حتی کے مدخول پر رفع جائز ہے اور **ایھم سار حتی یدخُلُھا** میں بھی حتی کے مدخول پر رفع جائز ہے۔

''حتی کی بحث''...... حتی کے بعد اَن مقدر ہوتا ہے اور جب حتی کے بعد فعل میں اس کے ماقبل کی بہ نسبت زمانہ مستقبل پایا جاتا ہو تو ایسی صورت میں حتی کَی کے معنی میں ہوتا ہے یعنی اس میں سببیت پائی جاتی ہے جیسے **اسلمت حتی ادخل الجنۃ** ۔میں جنت میں داخل ہونے کے لئے اسلام لایا ۔یا ایسی صورت میں حتی الی کے معنی میں ہوتا جیسے **اَسِیر ُحتی تغیب الشمس** میں سورج غروب ہونے تک چلوں گا۔اور **کنت سر ت حتی ادخل البلد** میں حتی کَی کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کے بعد فعل مستقبل کا معنی ہوتا ہے۔اور حتی الی کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ حتی کے بعد فعل میں تحقیقاً مستقبل کا معنی نہیں پایا جا رہا۔

'' فان اردت '' ......اگر حتی سے تحقیقاً یا حکایۃً حال کا ارادہ ہو تو وہ حتی ابتدائیہ ہوتا ہے اور اس کے بعد مضارع مرفوع ہوگا اور ایسی صورت میں سببیت کا معنی واجب ہوگا یعنی اس کا ماقبل اس کے مابعد کیلئے سبب بنے گا جیسے **مَرِض َحتی لایرجو نہ** وہ بیمار ہوا یہاں تک کہ اس کے اقارب نے اس کی امید نہ رکھی۔مَرِض َسبب ہے لایرجو ن کا۔

'' ومن ثَمَّ امتنع ''...... جب اس صورت میں حتی ابتدائیہ ہوتا ہے تو اسی وجہ سے **کا ن سیر ی حتی اد خلھا** میں کان ناقصہ ہونے کی صورت میں حتی کے مدخول ادخلھا پر رفع ناجائز ہے اسلئے کہ جب اس صورت حتی کے مدخول پر رفع پڑھیں تو یہ خبر واقع ہوتا ہے اور اس کلام کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رہتا (اور کان بلا خبر رہ جاتا ہے) حالانکہ حتی ابتدائیہ میں اس کا ماقبل اسکے مابعد کے لئے لازماً سبب بنتا ہے جب رفع کی صورت میں حتی کے ماقبل کا مابعد سے کوئی تعلق نہیں رہتا تو اس لئے رفع پڑھنا ناجائز ہے۔اسی طرح **اسِرت َحتی تدخلھا** میں حتی کے مدخول پر رفع ناجائز ہے اس لئے کہ جب ہمزہ استفہام کا ہے تو اس کی وجہ سے شک ہوتا ہے اور شک کی صورت میں حتی کا ماقبل مابعد کیلئے سبب نہیں بن سکتا اور حتی کے مدخول پر رفع کی صورت میں وہ مستقل کلام بن جاتی ہے اور اس کا ماقبل سے تعلق نہیں رہتا۔جب حتی کے ماقبل کا سبب بننا مشکوک اور ما

بعد کا مستقل کلام بننا ثابت ہوتا ہے تو اسی لئے اَسِرْتَ حتی تدخلها میں حتی کے مدخول پر میں رفع پڑھنا نا جائز ہے۔

"**وجاز فی التامة**" اور کان سَیری حتی ادخلها میں جب کان تامہ ہو تو اس حالت میں حتی کے مدخول پر رفع جائز ہے اس لئے کہ کان ناقصہ کی صورت میں جو خرابی لازم آتی تھی یعنی جو کان کا بلاخبر ہونا لازم آتا تھا وہ خرابی کان کے تامہ ہونے کی صورت میں لازم نہیں آتی اسلئے اس صورت میں حتی کے مدخول پر رفع جائز ہے. اور ایهم سار حتی یدخلها میں بھی حتی کے مدخول پر رفع جائز ہے اس لئے کہ بے شک یہاں ایہم استفہام کے لئے ہے مگر یہ استفہام شک کے لئے نہیں بلکہ فاعل کے تعین کے لئے ہے اور ایسی صورت میں شک واقع نہیں ہوتا اس لئے حتی کے مدخول پر رفع جائز ہے۔

"**ولام کَیْ مثل اسلمت ُلا دخُلَ الجنَّةَ ولام الجحود لام تاکیدٍ بعد النفی لکان مثل ُوماکان الله ُلِیُعذِّبَهُم ُوالفاء بشرَطین ِاحدُهُما السّببیّة ُوالثانی ان یکون قَبْلها امرٌ او نهیٌ او استفهامٌ او نفیٌ اوتمنٍّ اوعرضٌ والواو بشرطَینِ الجمعیّة ُوان یکونَ قبلها مِثل ذٰلک واَو بشرط مَعْنی الی ان والّا اَنْ والعاطفةِ اذاکان المعطوف علیه اسماً ویجوز اِظهار ُاَنْ مَعَ لام کی والعاطفةِ ویجب مع لا فی اللام علیها**"...... اور لام کَیْ کی مثال جیسے اسلمت لادخل الجنة اور لام جحد کان کی نفی کے بعد لام تاکید ہوتا ہے جیسے وماکان الله لیعذبهم اور فاء دو شرطوں کے ساتھ مضارع کو نصب دیتی ہے ایک شرط یہ ہے کہ فاء سببیہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے امر ہو یا نہی ہو یا نفی ہو یا استفہام ہو یا تمنی ہو یا عرض ہو اور واؤ دو شرطوں کے ساتھ عمل کرتی ہے ایک شرط یہ ہے کہ واؤ جمعیت کے لئے ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اسکے ماقبل بھی فاء کی دوسری شرط میں ذکر کی گئی چھ چیزوں میں

سے کوئی ہو۔ اور اَوْ اس شرط کے ساتھ مضارع کو نصب دیتا ہے کہ وہ اَوْ الی ان کے معنی میں یا اِلاَّ اَنْ کے معنی میں ہو۔ اور حروف عاطفہ کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جب کہ معطوف علیہ اسم اور معطوف فعل ہو اور لام کَیْ کے ساتھ اور حروف عاطفہ کے ساتھ اَنْ کا ظاہر کرنا جائز ہے اور اَنْ کا ظاہر کرنا واجب ہے اس لام کی کے ساتھ جو لا نافیہ پر داخل ہوتا ہے۔

''اَنْ مقدرہ کے دیگر مقامات'' ...... حتیٰ کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جس کی بحث پہلے گذری ہے اب ان دیگر مقامات کا ذکر کیا جا رہا ہے جہاں اَنْ مقدر ہوتا ہے اور فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔ ان مقامات میں سے لام کی کے بعد کا مقام بھی ہے جیسے **اسلمت لا دخل الجنة**۔ میرے اسلام لانے کا سبب یہ ہے کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ اس مثال میں لام سببیت کیلئے ہے اسی وجہ سے اس کو لام کی کہتے ہیں اور اس کے بعد اَنْ مقدر ہے۔

''لام جحد .'' ...... لام جحد کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے اور لام جحد وہ ہوتا ہے جو کان کی نفی کے بعد تاکید کے لئے آتا ہے جیسے **''وما کان الله لیعذبھم''**۔ اور جحد کا معنی ہے انکار اور یہ لام بھی مقام انکار میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اسکو لام جحد کہتے ہیں۔

''والفاء بشرطین'' ...... اس فاء کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے جس میں دو شرطیں پائی جائیں ایک شرط یہ ہے کہ فاء سببیہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے چھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہو۔

(۱) فاء سے پہلے امر ہو جیسے **زُرْنِی فاُکرِمکَ**۔ تو میری ملاقات کر تو اس وجہ سے میں تیری عزت کروں گا۔

(۲) فاء سے پہلے نہی ہو جیسے **لا تَشْتِمْنی فاضرِبکَ**'' مجھے گالی نہ دے ورنہ میں اس وجہ سے تجھے ماروں گا۔

(۳) فاء سے پہلے استفہام ہو جیسے **ھل عند کم ماءٌ فاشربه**'۔ کیا تمہارے پاس پانی ہے کہ میں اسکو پیوں۔

(۴) فاء سے پہلے نفی ہو جیسے **ماتاتینا فتحدثنا**۔ تو ہمارے پاس نہیں آتا کہ ہم سے باتیں کرے۔

(۵) فاء سے پہلے حرف تمنی ہو جیسے **لیت لی مالا فانفقه**۔ کاش میرے پاس مال ہوتا کہ میں اسکو خرچ کرتا۔

(۶) فاء سے پہلے عرض ہو جیسے اَلا تنزل بنا فتصیب خیر ا کیا تو ہمارے ہاں مہمان نہیں ٹھہرتا کہ تو بھلائی پالے۔

'' **والواو بشرطین** '' ...... اور واؤ کے بعد بھی اَن مقدر ہوتا ہے جب کہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں ایک شرط یہ ہے کہ واؤ جمعیت کے لئے ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس واؤ سے پہلے ان چھ چیزوں میں سے کوئی پائی جائے جو چھ چیزیں فاء میں ذکر کی گئی ہیں۔ اور اس واؤ میں بھی وہی مثالیں ذکر کی جاتی ہیں جو فاء میں ذکر کی گئی ہیں صرف فاء کی جگہ واؤ لگائی جاتی ہے۔﴾

﴿**اعتراض:**۔ واؤ تو جمعیت ہی کے لئے آتی ہے اس لئے اس میں جمعیت کی شرط لگانا لغو ہے۔

جواب :۔ یہاں جمعیت سے مراد (مصاحبت ہے یعنی اس کا ماقبل اس کے مابعد کا مصاحب ہو اس لحاظ سے عام ذکر کر کے مراد خاص لیا گیا ہے۔)

'' **واَوْ بشرط معنی الی ان** '' ...... اور جو اَوْ جمہور کے نزدیک اِلیٰ اَنْ کے معنی میں اور امام سیبویہ کے نزدیک اِلَّا اَنْ کے معنی میں آتا ہے اس اَوْ کے بعد بھی اَنْ مقدر ہوتا ہے اور مضارع کو نصب دیتا ہے جیسے **لا لزمنک اَوْ تُعْطِینی حقی** البتہ ضرور میں تجھے لازم پکڑوں گا یہاں تک کہ تو میرا حق ادا کر دے۔

'' **والعاطفة** '' ...... جب معطوف علیہ اسم صریح ہو اور معطوف فعل ہو تو حروف عاطفہ کے بعد ان مقدر ہوتا ہے تا کہ فعل کا عطف اس پر لازم نہ آئے جیسے **اعجبنی ضربک زیدا وتَشْتِمَ** . وتَشْتِمَ کی واؤ کے بعد اَنْ مقدر ہے اور اس کی وجہ سے فعل بتاویل مصدر مفرد ہو گیا اور اس کا عطف ضَرْبُک پر درست ہو گیا۔ اور معنی یہ ہو گیا **اعجبنی ضربک زیدا وشتمک** ۔ مجھے تعجب میں ڈالا تیرے زید کو مارنے نے اور تیرے گالی دینے نے۔

'' **ویجوز اظهار ان** '' ...... جن مقامات میں اَنْ مقدر ہوتا ہے ان میں سے لام کَیْ کے ساتھ اَنْ کا ظاہر کرنا بھی جائز ہے جیسے **اسلمت لان ادخل الجنة** ۔ اور حروف عاطفہ کے بعد بھی اَن کا ظاہر کرنا جائز ہے جیسے '' **اَعْجَبنی ضَرْبُکَ زیداً وَاَنْ تشتِمَ** ''

" ویـجب مع لا " ...... جب مضارع پرلا نافیہ ہواوراس پرلام کی داخل ہوتو اس لام کی کے بعد اَن کا ظاہر کرنا واجب ہے کہ تا کہ لام کی اور لا کے لام کا اجتماع لازم نہ آئے جیسے لِئَلاَّ یَعْلَم .

" وینجز مُ بلَم ُ ولمّا ولام الامرِ ولا فی النهی ِ وکلم المجازاة وهی ان ومهـما واذا ما وا ذما وحیثما واین ومَتی وما وَمَنُ وایّ وانّی 'وامّا مـع کیـفما واِذَا فَشاذٌ وبان مقدرةٍ فلم لقَلبِ المضارِع ما ضیا ً ونفِیه ولـمَّـا مثـلهـاوتـختصُّ بالاستغراق ِ وجو از حذفِ الفِعلِ ولام الامَر ُ الـمـطـلـوب بهـا الـفـعل وهی مکسُوُرةًابدا ً ولاالنهی المطلوب بها التـرکُ وکلِمُ المجازاة تدخُل علی الفعلین لسَبَبِیّة ِ الاو ل ومُسَببیة الثانی ویسمیّان شر طا وجزاء اً فان کا نا مُضارِعَین او الا وَلُ فالجزم وان کـا ن َ الثـانی فالوجهان ِ واذاکان الجزاء ُماضیا ً بغیر قد لفظا او معـنـی ً لم یجز الفاء ُوان کا نَ مضارعا ً مشتبا اومَنُفیًّابلا فالوجهان ِ والا فالفاء ویجی ء ُاذا مع الجملة الا سمیة موضع َالفاء " ......

اور مضارع کو لَـمْ . لـمّـا ـ لام امر ـ لائے نہی ـ اور مجازاۃ کے کلمات کی وجہ سے جزم دی جاتی ہے اور مجازاۃ کے کلمات یہ ہیں ـ اِنْ . مهـما. اذاما . اذما . حیثما . اَین َ. مَتی . ما . من . ایٌّ اور انّی او ر کیف ما اور اذا کی وجہ سے مضارع کو جزم دینا شاذ ہے اور انْ مقدرہ کی وجہ سے بھی مضارع کو جزم دی جاتی ہے ـ پس لم کی وجہ سے جزم اس

لئے دی جاتی ہے کہ یہ مضارع کو ماضی منفی میں بدل دیتا ہے اور لمّا بھی اس کے مثل ہے اور لمّا استغراق کے ساتھ مختص ہے اور لمّا فعل کو جوازاً حذف کرنے کے ساتھ مختص ہے۔ اور لام امر جس کے ساتھ فعل مطلوب ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور لائے نہی کہ اسکے ساتھ فعل کا ترک مطلوب ہوتا ہے۔ اور مجازات کے کلمات دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں پہلا جملہ سبب اور دوسرا مسبب ہوتا ہے اور ان دونوں فعلوں کو شرط اور جزاء کہتے ہیں۔ پس اگر وہ دونوں فعل مضارع ہوں یا پہلا فعل مضارع ہو تو دونوں فعلوں پر جزم واجب ہے اور اگر دوسرا فعل مضارع ہو تو اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں اور جب جزاء فعل ماضی ہو اور لفظاً معنیً قَدْ کے بغیر ہو تو ایسی صورت میں فاء کو لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر جزء مضارع مثبت ہو یا منفی لا کے ساتھ ہو تو اس میں فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں وجہیں جائز ہیں۔ ورنہ فاء کا لانا ضروری ہے۔ اور فاء کی جگہ جملہ اسمیہ کے ساتھ اذا مفاجاتیہ بھی آجاتی ہے۔

"فعل مضارع کو جزم دینے والے کلمات"

...... فعل مضارع کو سولہ کلمات کی وجہ سے جزم دی جاتی ہے اور دو کلمات کی وجہ سے اس کو جزم دینا شاذ ہے جن سولہ کلمات کی وجہ سے مضارع کو جزم دی جاتی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) لَمْ . لَمْ مضارع کو ماضی منفی میں بدل دیتا ہے۔ جیسے لم یَضْرِبْ اس نے نہیں مارا۔ (۲) لَمّا : یہ بھی مضارع کو ماضی منفی میں کرنے میں لَمْ کی طرح ہے اور لَمْ اور لَمّا میں دو فرق ہیں ایک فرق یہ ہے کہ لمّا استغراق کے ساتھ مختص ہے یعنی اس کی وجہ سے اس فعل میں نفی کا امتداد متکلم کے کلام کے وقت تک ہوتا ہے جیسے لَمّا یَضرِبْ۔ ابھی تک اس نے نہیں مارا۔ یعنی نہ مارنے کا عمل گذشتہ زمانے سے متکلم کے کلام کے وقت تک ممتد ہے اور لَمْ میں قریب زمانہ میں فعل کی نفی ہوتی ہے جیسے لَمْ یَضرِبْ اُس نے قریب زمانہ میں نہیں مارا۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ لمّا میں فعل کا حذف کرنا جائز ہے جب کہ لَمْ میں جائز نہیں ہے جیسے قاربت المدینه ولما ۔ یہ اصل میں وَلَمّا اَدْخَلْها ہے کہ شہر قریب آگیا اور ابھی تک میں اس میں داخل نہیں ہوا۔ وَلَمّا کے بعد فعل ادخلها کو حذف کر دیا گیا ہے۔ لم اور لما کے بعد فعل مضارع کو جزم اس لئے دی جاتی ہے کہ یہ دونوں فعل کے ساتھ مختص ہیں اور فعل میں موثر ہیں اور یہ دونوں مجزوم ہیں تو فعل کو بھی جزم دی تاکہ اثر موثر کے موافق ہو جائے جب موثر مجزوم ہے تو اس کا اثر بھی جزم کی صورت میں فعل میں پیدا کیا گیا۔ (۳) لام امر۔ لام امر کی وجہ سے

مضارع کو جزم دی جاتی ہے لام امر وہ ہوتا ہے جس کے واسطہ سے فعل مطلوب ہوتا ہے اور وہ لام امر ہمیشہ مکسور ہوتا ہے جیسے لِیَضرِبْ ۔چاہیے کہ وہ مارے۔(۴) لائے نہی:۔لائے نہی کی وجہ سے بھی مضارع کو جزم دی جاتی ہے اور لائے نہی وہ ہوتا ہے جس کے واسطہ سے فعل کا ترک مطلوب ہوتا ہے جیسے لَا تَضْرِبْ. لام امر اور لائے نہی کی وجہ سے مضارع کو اس لئے جزم دی جاتی ہے کہ لام امر اور لائے نہی کی ان شرطیہ کے ساتھ مشابہت ہے۔جیسے ان شرطیہ مضارع کو حال سے مستقبل کی جانب منتقل کر دیتا ہے اسی طرح یہ بھی کر دیتے ہیں اور پھر یہ خبر کو انشاء کی جانب منتقل کر دیتے ہیں۔ و کلم المجازاۃ ۔یعنی وہ کلمات جو شرط اور جزاء کے لئے آتے ہیں۔وہ بھی مضارع کو جزم دیتے ہیں۔اور وہ گیارہ ہیں،(۵) مجازات کے کلمات میں سے پہلا کلمہ اِنْ ہے جو مضارع کو جزم دیتا ہے جیسے اِنْ تُکرِمْنی اُکرمک .(۶) کلم المجازاۃ میں دوسرا مھما ہے جو مضارع کو جزم دیتا ہے جیسے مَھْما تا تِنِی اٰتِکَ مھما نے تاتی اور آتی کے آخر سے یاء کو گرا کر جزم دی ہے۔(۷) کلم المجازاۃ میں سے تیسرا اذاما ہے جیسے اذا ما تاتنی اُکرمکَ ۔(۸) کلم المجازاۃ میں سے چوتھا اذ ما ہے جیسے اذ ما تا تنی اکرمُک ۔(۹) کلم المجازاۃ میں سے پانچواں حیثما ہے جیسے حیثما تجلس اجلس ۔(۱۰) کلم المجازاۃ میں سے چھٹا اَیْنَ ہے جیسے اَیْن تذھب اُذْھبُ۔(۱۱) کلم المجازاۃ میں ساتواں متیٰ ہے جیسے متیٰ تخرج اُخرجُ ۔(۱۲) کلم المجازاۃ میں سے آٹھواں مَا ہے جیسے ما تصنع اُصنعُ ۔(۱۳) کلم المجازاۃ میں سے نواں مَنْ ہے جیسے من یاتِنِی اُکرمه ۔(۱۴) کلم المجازاۃ میں سے دسواں اَی ہے جیسے اَیٌّ یا تِنِی اُکرمه ۔(۱۵) کلم المجازاۃ میں سے گیارہواں اَنّیٰ ہے جیسے اَنّی تذھب اَذْھبُ ۔ کلم المجازاۃ میں سے اِنْ شرطیہ اس لئے فعل مضارع کو جزم دیتا ہے کہ اس کا فعل کے ساتھ اختصاص ہے اور یہ فعل مضارع کو اس کی حقیقت سے منتقل کر دیتا ہے اور فعل میں موثر ہوتا ہے اور مجزوم ہوتا ہے تو اس کا اثر بھی فعل میں اس کے موافق پیدا کر دیا گیا۔اور باقی کلمات مجاز اس لئے فعل مضارع کو جزم دیتے ہیں کہ یہ کلمات بھی شرط کو متضمن ہوتے ہیں۔(۱۶) فعل مضارع کو جزم دینے والا سولھواں کلمہ انْ مقدرہ ہے۔اور فعل مضارع کو کیف ما کی وجہ سے جزم دینا شاذ ہے اس لئے کہ کیف ما ۔میں احوال کا عام ہونا پایا جاتا ہے۔اس لحاظ سے شرط میں عمومِ احوال ہوتا ہے جب کہ جزاء میں ان عموم احوال کا پایا جانا متعذر رہتا ہے۔ جیسے کیف ماتقرا اقراء ۔یعنی جس حال میں تو پڑھے گا میں بھی پڑھوں گا

۔اور تمام احوال میں برابری متعذر ہے۔جب ان کو شرط اور جزاء نہیں بنایا جا سکتا تو کیف ما کی وجہ سے مضارع کو جزم دینا خلاف قاعدہ ہونے کیوجہ سے شاذ ہے۔اور اذا کیوجہ سے بھی مضارع کو جزم دینا شاذ ہے۔اس لئے کہ کلم المجازاۃ تو اِنْ شرطیہ کے معنی کو متضمن ہونے کیوجہ سے مضارع کو جزم دیتے ہیں۔جبکہ اِنْ شرطیہ اور اذا کے درمیان منافات ہونے کی وجہ سے اذا میں ان شرطیہ کا معنی نہیں پایا جاتا۔اس لئے کہ اِنْ ابہام کے لئے اور اِذَا امر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

"**وکلم المجازاۃ تدخل**" ...... مجازات کے کلمات دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں فعلوں میں سے ایک کا مضارع ہونا ضروری ہے اس لحاظ سے اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت کہ دونوں فعل مضارع ہوں۔دوسری صورت کہ پہلا مضارع اور دوسرا ماضی ہو۔تیسری صورت کہ پہلا ماضی اور دوسرا مضارع ہو۔ان دونوں فعلوں میں سے پہلا سبب اور دوسرا مسبب ہوتا ہے اور پہلے کو شرط اور دوسرے کو جزاء کہتے ہیں۔اگر دونوں فعل مضارع ہوں تو دونوں کو جزم دینا ضروری ہے جیسے **اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ . این تَذْهَبْ اَذْهَبْ** وغیرہ۔اگر پہلا فعل مضارع ہو اور دوسرا ماضی ہو تو اس صورت میں فعل مضارع پر جزم واجب ہے جیسے **اِنْ تَضْرِبْ ضَرَبْتُ** ۔اگر پہلا فعل ماضی ہو اور دوسرا مضارع ہو تو مضارع کو جزم دینا بھی جائز ہے جیسے **اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبْ**، اس لئے کہ مضارع پر جازم داخل ہے۔اور مضارع کو جزم نہ دینا بلکہ اس پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے اس لئے کہ جب حرف شرط نے شرط میں عمل نہیں کیا جو کہ قریب ہے تو جزاء میں جو کہ بعید ہے اس میں بھی اس کا عمل نہیں ہوگا جیسے **اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبُ** ۔

"**واذا کان الجزاء ماضیا .**" ...... جب شرط کی جزاء فعل ماضی ہو اور اس پر قدْ ہو خواہ وہ ماضی لفظا ہو جیسے **اِن ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ** یا ماضی لفظا نہ ہو بلکہ معناً ہو یعنی مضارع پر لَمْ داخل ہو جیسے **اِنْ خَرَجْتَ لم اَخرُجْ** ۔ تو ایسی صورت میں جزاء پر فاء کا لانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جب حرف شرط نے اس کے معنی میں اثر کیا اور ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیا تو شرط اور جزاء کے درمیان خود ربط ہو گیا اس لئے فاء کی وجہ سے ربط کی ضرورت ہی نہ رہی۔

" **وان كان مضارعا** "....... اگر جزاء مضارع مثبت ہو یا منفی ہو تو اس میں فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں وجہیں ہوسکتی ہیں۔ فاء کا لانا اس لئے جائز ہے کہ اس کو مبتدا محذوف کی خبر بنایا جائیگا تو اس میں حرف شرط نے اثر نہیں کیا جیسے **ان قُمتَ فیقوم** یہ اصل میں فھو یقوم ہے۔ اور فاء کا نہ لانا بھی درست ہے اس لحاظ سے کہ اس کو مبتدا محذوف کی خبر نہ بنایا جائے بلکہ اس کو جواب شرط بنایا جائے اور یہی صورت بہتر ہے اس لئے کہ اس صورت میں حذف نہیں ماننا پڑتا۔ جیسے **اِنْ قُمتَ یَقُمْ** .

" **او منفیا بلا** " ...... جب مضارع پر لا نافیہ داخل ہو اور وہ جزاء واقع ہو رہا ہو تو اس پر بھی فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں طرح جائز ہے جیسے **فمن یو من بربه فلا یخاف** من شرطیہ ہے اور لا یخاف پر فاء داخل ہے۔ یہ فاء کا داخل کرنا اس صورت میں ہے کہ جبکہ لا کو نفی استقبال کیلئے لیا جائے۔ اسلئے کہ اس صورت میں حرف شرط کا کوئی اثر مضارع میں نہیں ہوتا تا کہ ایک ہی معمول میں دو علتوں کا پایا جانا نہ لازم آئے۔ حرف شرط بھی مستقبل کیلئے آتا ہے۔ اور لا نفی کو بھی مستقبل کیلئے لیا گیا ہے تو مستقبل میں لے جانے کے لئے دو علتیں پائی گئیں اس لئے کہا گیا کہ جب لا نفی استقبال کیلئے ہو تو حرف شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لئے جزاء پر فاء کا داخل کرنا جائز ہے۔ اور جزاء پر فاء کا داخل نہ کرنا بھی جائز ہے جب کہ لاء کو مطلق نفی کے لئے لیا جائے اور استقبال کے لئے حرف شرط کو موثر کیا جائے جیسے **مَنْ یَضربُک لا یظلم** . جو تجھے مارے گا وہ ظلم نہیں کرے گا۔ " **والا فالفاء** " ...... اگر جزاء ماضی بغیر قد کے نہ ہو بلکہ قد کے ساتھ ہو یا مضارع مثبت یا مضارع لا کے ساتھ منفی نہ ہو تو پھر جزاء پر فاء کا داخل کرنا واجب ہے جیسا کہ اگر جزاء ماضی ہو اور اس پر قد داخل ہو جیسے **اِنْ ضَربْتَ فقد ضربْتُ**۔ یا جزاء مضارع منفی ہو مگر لا کیساتھ منفی نہ ہو بلکہ ما کیساتھ منفی ہو جیسے **اِنْ ضَربْت فما تضربُ** .

"**ویجیء اذا** " ...... اور فاء کے محل میں جملہ اسمیہ کے ساتھ کبھی اذا مفاجاتیہ بھی آجاتی ہے جیسے **ان تصبهم سیئة بما قدمت اید یهم اذا هم یقنطون** ۔ اور اذا کو فاء کی جگہ اس لئے لایا جاتا ہے کہ جس طرح فاء تعقیب کے لئے آتا ہے اسی طرح جملہ اسمیہ پر اذا بھی تعقیب کے لئے آتی ہے۔

" وَاِن مقدّرۃٌ بعد الامر والنهی والاستفهام والتمنی والعرض اذا قصد السّببیّة نحو اسلِمْ تدخُلِ الجنة ولا تکفر تدخُل الجنّةَ وامتنعَ لا تکفُر تدخل النار خلافا للکسائی لان التقدیر اِن لا تکفُر ". ...... اور

ان مقدر ہوتا ہے امر۔ نہی۔ استفہام۔ تمنی۔ اور عرض کے بعد جب کہ سببیت کا ارادہ کیا جائے جیسے **اَسْلِم تدخل الجنة** او **رلا تکفر تدخل الجنة** " اس میں امام کسائی کا اختلاف ہے اس لئے کہ بے شک یہ اصل میں ان لاتکفر ہے۔

" اِنْ مقدّرہ کے مقامات " ...... ان شرطیہ ان پانچ کلمات کے بعد مقدر ہوتا ہے جب کہ ان کلمات کو اس مضارع کے مضمون کے لئے سبب بنانے کا ارادہ کیا جائے جس مضارع پر ان کلمات کو داخل کیا جاتا ہے۔ وہ پانچ کلمات یہ ہیں۔ (۱) امر جیسے **اَسْلِمْ تدخل الجنة** اس میں **اسْلم** میں اسلام لانے کو دخول جنت کے لئے سبب بنایا گیا ہے (۲) نہی جیسے **لا تکفر تدخل الجنة** اس میں دخول جنت کے لئے کفر نہ کرنے کو سبب بنایا گیا ہے۔ (۳) استفہام جیسے **هل عندک ماء اشربه** اس میں پانی کے ہونے کو پینے کے لئے سبب بنایا گیا ہے اور یہ **ان یکن عندک ماء اشربه** کے معنی میں ہے۔ (۴) تمنی جیسے **لیت لی مالا انفقه** یہ **اِن یکن لی ما لا انفقه** کے معنی میں ہے (۵) عرض جیسے **الا تنزل بنا تصیب خیرا**. یہ **ان تنزل بنا تصب خیرا** کے معنی میں ہے۔

" وامتنع لا تکفر " ...... علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ **لا تکفر تدخل النار** کہنا جمہور کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ جمہور کے نزدیک اصل عبارت ہے **اِن لا تکفر تدخل النار** " کہ اگر تو کفر نہیں کرے گا تو دوزخ میں داخل ہوگا اور یہ درست نہیں (اس لئے کہ عدم کفر دخول نار کے لئے سبب نہیں بلکہ کفر سبب ہے۔) اور امام کسائی کے نزدیک **ان لا تکفر تدخل النار** کہنا جائز ہے اس لئے کہ عرف میں اس کو **ان تکفر تدخل النار** کے معنی میں لیا جاتا ہے اور کفر دخول نار کا سبب ہے۔ اور عرف شرط کے مثبت ہونے کا قرینہ ہے۔

" الامر صیغة یطلب بها الفِعلُ مِنَ الفاعِل المخاطب بحذف حرف المضارعَةِ وحُکم اٰخِرہ حکم المجزوم ِفان کانَ بَعدہٗ ساکنٌ ولیس بِرباعی زِدْتَّ همزةَ وَصلٍ مَضمومةً اِنْ کانَ بعدہٗ ضمة وَمکسُورةً فیما سِواہُ مثل اُقتُلْ وَاِضرِب وَاِعلَم وَاِن کانَ رُباعِیاً فمفتوحةٌ مقطوعةٌ ." ...... امر حاضر ایسا صیغہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے فاعل مخاطب سے فعل طلب کیا جاتا ہے حرف مضارع کو حذف کرنیکے ساتھ اور اس کے آخر کا حکم مجزوم کا حکم ہے پس اگر حرف مضارع کو حذف کرنے کے بعد حرف ساکن ہو اور وہ مضارع چار حرفی نہ ہو تو ہمزہ وصلی مضموم اس کی ابتدا میں زیادہ کر اگر اس ساکن حرف کے بعد والے حرف پر ضمہ ہو اور اس کے سوا حالتوں میں ہمزہ وصلی مکسور زیادہ کر جیسے اُقْتُلْ . اِضْرِب . اِعْلَم اور اگر مضارع چار حرفی ہو تو ہمزہ مفتوحہ قطعی اس کی ابتداء میں زیادہ کر۔

''امر کی بحث'' امر وہ صیغہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے فاعل مخاطب سے فعل طلب کیا جاتا ہے جیسے اِضرِب کہ اس میں فاعل مخاطب سے فعل طلب کیا جاتا جیسے اضرب کہ اس میں فاعل مخاطب سے ضَرب کے فعل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ مضارع سے بنایا جاتا ہے اور اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ حرف مضارع کو گرا دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اگر حرف متحرک ہو تو ابتداء میں ہمزہ لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ حرف کو مضارع کو گرانے کے بعد صرف آخر میں جزم لائیں گے۔ جیسے یَدَعُ سے دَعْ اور یقِی سے قِ اور یُقَاتِلُ سے قَاتِلْ وغیرہ اور اگر حرف مضارع کو گرانے کے بعد ساکن حرف ہو تو ابتداء سکون کے ساتھ محال ہوتی ہے اسلئے اسکی ابتداء میں ہمزہ وصلی لایا جاتا ہے اور اس ہمزہ کیلئے قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضارع چار حرفی نہ ہو اور حرف مضارع کو گرانے کے بعد ساکن حرف کے بعد مضموم ہو تو ہمزہ وصلی مضموم لایا جاتا جیسے یَنْصُرُ سے اُنْصُرْ۔ اور اگر حرف مضارع کو گرانے کے بعد جو ساکن حرف ہے اس کے بعد ضمہ نہ ہو بلکہ فتحہ یا کسرہ ہو تو ابتداء میں ہمزہ وصلی

مکسورلایا جاتا ہے جیسے تضرِبُ سے اِضرِبُ . تفتحُ سے اِفتَح .تَجتنِبُ سے اجتنِبُ وغیرہ۔اوراگرمضارع رباعی ہواوررباعی سے مراداصطلاحی رباعی نہیں کہ اس کے چارحروف اصلی ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی ماضی میں چارحروف ہوں تو حرف مضارع کوگرانے کے بعداگرحرف ساکن ہوتواسکی ابتداء میں ہمزہ قطعی مفتوح لایا جاتا ہے جیسے تُکرِمُ سے اَکرِمْ۔

" فِعل مالم يُسَمَّ فاعِله ُهو ما حُذِف َفاعِلُه فا ن كانَ ما ضيا ً ضُمَّ اوله ُو كُسِر ماقبل اٰخر ه ويُضَمّ الثالث ُمع همزة ِالو صْل و الثانى معَ التاء خوف َاللبس ومُعتل العين ِالا فصَحُ قيل َوبيعَ وجاء الا شمام والـو اوومثلـه بـا ب اُختير وانُقِيدون استُخِيرَ واُقيِم وان كـان ِمُضـارِعـاًضُمّ َاولُهُ وفتح ما قبل اٰخر ه ومعتل العين ينقلب فيه العين ُالفاً ." ...... فعل مالم يسم فاعله یعنی فعل مجہول وہ ہوتا ہے کہ اس کے فاعل کوحذف کردیا گیا ہو پس اگروہ فعل ماضی ہوتواس کے پہلے حرف کوضمہ اوراس کے ماقبل آخرکوکسرہ دیاجاتا ہےاورہمزہ وصلی والے صیغہ میں تیسرے حرف کوضمہ دیا جاتا ہےاورتا کے ساتھ جوصیغے ہیں ان میں دوسرے حرف کوضمہ دیا جاتا ہے التباس سے بچنے کے لئے۔اورمعتل العین میں زیادہ فصیح لغت کے مطابق قیل اوربیع پڑھا جاتا ہےاوراس میں اشمام اورواؤبھی آئے ہیں۔اوراس کے مثل ہیں اُختِیــرَ اور اُنقِید کے باب .اُستخیر اور اُقیم اسطرح نہیں ہیں اوراگرفعل مضارع ہوتواس کے پہلے حرف کوضمہ اورماقبل آخرکو فتحہ دیاجاتا ہےاورمعتل العین میں عین کلمہ الف سے بدل جاتا ہے۔

" فعل مجہول کی بحث" ...... علامہ نے فعل مالم یسم فاعله کہا ہے جبکہ اس بارہ میں مشہوراطلاق فعل مجہول ہے۔فعل مالم یسم فاعلہ وہ ہوتا ہے جس کے فاعل کوحذف کردیا جائے اورمفعول کواس کے قائم مقام کردیا جائے۔اگروہ فعل ماضی ہواوراس کی ابتداء میں ہمزہ وصلی اورتا نہ ہوتواس کے پہلے حرف کوضمہ اورماقبل آخرکوکسرہ دیاجاتا ہے جیسے ضَرَب سے

ضُرِب. صَرّف سے صُرِّفَ (اور اَکرَمَ سے اُکرِمَ۔ اکرم کی ابتداء میں ہمزہ وصلی نہیں بلکہ قطعی ہے۔) اور اگر ماضی کی ابتداء میں ہمزہ وصلی ہو تو ہمزہ کو اور تیسرے حرف کو ضمہ دیا جاتا ہے اور آخری حرف سے پہلے حرف کو کسرہ دیا جاتا ہے جیسے اِجْتَنَبَ سے اُجْتُنِبَ. اِسْتَخْرَجَ سے اُسْتُخْرِجَ وغیرہ اور اگر ماضی کی ابتداء میں تاء ہو تو تاء کو اور ماضی کے دوسرے حرف کو ضمہ اور ماقبل آخر کو کسرہ دیا جاتا ہے جیسے تَقَبَّلَ سے تُقُبِّلَ اور تَدَحْرَجَ سے تُدُحْرِجَ۔ وغیرہ

"**ومعتل العین**"...... اگر فعل کا عین کلمہ حرف علت ہو جس کو اجوف کہا جاتا ہے تو خواہ اجوف واوی ہو یا اجوف یائی ہو اس سے فعل مجہول میں تین لغتیں ہیں پہلی لغت یہ ہے اور یہی زیادہ فصیح ہے کہ اس کو قیل اور بیع کی طرح پڑھا جائے یعنی اجوف واوی میں واؤ کو یاء سے بدل کر اس کے ماقبل کو کسرہ دیا جائے۔ جیسے قیل جو اصل میں قُوِلَ تھا۔ اور اجوف یائی میں یاء کا کسرہ ماقبل کو دے دیا جائے۔ جیسے بیع جو اصل میں بُیِعَ تھا۔ دوسری لغت یہ ہے کہ واؤ اور یاء میں اشمام کیا جائے یعنی فاء کلمہ پر ضمہ پڑھنے کی بجائے صرف ضمہ کی بو پیدا کی جائے کہ ضمہ کا تلفظ کئے بغیر ہونٹوں کو ضمہ جیسی حالت میں کر دینا۔ اور یہ صرف پڑھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے لفظوں میں اس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔ تیسری لغت یہ ہے کہ واؤ پڑھی جائے جیسے قَالَ سے قُوْلَ اور بَاعَ سے بُوْعَ اور اُخْتِیْرَ اور اُنْقِیْدَ کے باب یعنی باب افتعال اور انفعال جب معتل العین ہوں تو وہ بھی قیل او ربیع کی طرح ہیں کہ ان میں بھی مجہول میں (حرف علت سے پہلے حرف پر تین لغات جاری ہوتی ہیں۔)

اُسْتُخِیْرَ اور اُقِیْمَ کے باب یعنی باب استفعال اور باب افعال اس طرح نہیں بلکہ ان کے فعل مجہول میں حرف علت سے پہلے حرف میں اشمام اور ضمہ جائز نہیں بلکہ صرف کسرہ ہی پڑھا جائے گا۔ اس لئے کہ اُسْتُخِیْرَ کا اصل اُسْتُخْوِرَ اور اُقِیْمَ کا اصل اُقْوِمَ ہے اور اگر فعل مجہول مضارع ہو تو اس کے پہلے حرف کو ضمہ اور ماقبل آخر کو فتحہ دیا جاتا ہے جیسے یَضْرِبُ سے یُضْرَبُ. یجتنبُ سے یُجْتَنَبُ وغیرہ۔ اور جو مضارع اجوف یائی یا اجوف واوی سے ہو تو اس سے مجہول بناتے وقت عین کلمہ الف سے بدل جاتا ہے جیسے یَبِیْعُ سے یُبَاعُ. یقول سے یُقَالُ۔ اس لئے کہ یُبَاعُ اصل میں یُبْیَعُ اور یقالُ اصل میں یُقْوَلُ تھا۔ واؤ اور یاء کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی تو واؤ اور یاء کا ماقبل مفتوح ہوا تو اس کی مناسبت سے واؤ اور یاء کو الف سے بدل دیا گیا۔ تو یقال اور یباع ہو گیا۔

" المتَعَدّی وغیرُ المتَعَدّی فالمتعدی ما یتوقف فهمهٗ علی متعلق کضَرَب وَغیر المتعدی بخِلافه کقعَد والمتعدی یکون الی واحدٍ کضَرَبَ والِی اثنین کَاعطی وعلم والی ثلٰثة کاعلم وارٰی وانباء ونبّا ء واَخبَرَ وَخبّرَ وحدَّث وهذه مفعولُها الاوّلُ کمفعول اعُطیت والثانی والثالث کمفعُولَیْ عَلِمْتُ." ...... فعل متعدی اور غیر متعدی ہوتا ہے پس متعدی وہ ہوتا ہے کہ اس کا سمجھنا متعلق پر موقوف ہو جیسے ضَرَبَ ۔ اور غیر متعدی اس کے خلاف ہوتا ہے جیسے قَعَدَ اور متعدی ایک مفعول کی طرف بھی ہوتا ہے جیسے ضَرَب اور دو کی طرف متعدی بھی ہوتا ہے جیسے اعطی اور عَلِمَ اور تین کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اَعلَمَ اور اَرٰی اور انبأ اور نبّاء اور اَخبَرَ اور خَبّر اور حدَّث اور ان افعال کے پہلے مفعول اعطیت کے مفعول کی طرح ہیں اور دوسرا اور تیسرا مفعول عَلِمْت کے دو مفعولوں کی طرح ہیں۔

"فعل متعدی اور غیر متعدی" ...... فعل متعدی وہ ہوتا ہے جس کا سمجھنا متعلق یعنی مفعول بہ پر موقوف ہو جیسے ضرَبَ کہ اس کا مفہوم صرف فاعل کے ساتھ نہیں بلکہ مفعول بہ کو ساتھ ملانے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ جیسے ضَرَبَ زید عمر وًا ۔ زید نے عمرو کو مارا۔ اس میں زید کا مارنا عمرو پر موقوف ہے۔ اور غیر متعدی اس کے خلاف ہوتا ہے یعنی اس کا مفہوم صرف فاعل کے ساتھ ہی سمجھ آ جاتا ہے۔ جیسے قَعَدَ وہ بیٹھا۔

"متعدی کی صورتیں" ...... فعل کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضــــرب اور کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اعطی زیدٌ عمر وًا دِرْهماً اور عَلِمَ زیدٌ عمر وًا فاضلاً ۔ اور کبھی تین مفعولوں کیطرف متعدی ہوتا ہے جیسے " اَعْلَمَ اللهُ زَیْداً عمر وًا فَاضِلاً " اللہ تعالیٰ نے زید پر ظاہر کیا کہ عمرو فاضل ہے اور

تین مفعولوں کیطرف متعدی مفعول اَعْلَمَ کےعلاوہ ارٰی . انبأ . نبّاء . اَخْبَر . خَبَّرَ . اورحَدَّثَ بھی ہیں۔

" وهذه مفعولها الاول " اور یہ افعال جوتین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں ان میں سے پہلے مفعول کا حکم کلام میں اعطیتُ کے مفعول کیطرح ہے کہ اس کا حذف جائز ہے اوران کے دوسرے اورتیسرے مفعول کا حکم عَلِمْتُ کے دومفعولوں کی طرح ہے کہ ان دونوں کو اکٹھے چھوڑا تو جاسکتا ہے مگران میں سے ایک پر اکتفاء درست نہیں ہے۔ "جیسے اعلم الله زيدا عمروا يا اعلم الله زيد فاضِلاً کہنا درست نہیں ہے یا تو اعلم الله زيدا کہا جا سکتا ہے کہ بعد والے دونوں مفعولوں کوذکر نہ کیا جائے۔ یا پھر اعلم الله زيد عمروا فاضلا کہا جاسکتا ہے کہ بعد والے دونوں مفعولوں کوذکر کیا جائے۔اور پہلے مفعول کوحذف کر کے اعلم الله عمروا فاضِلاً بھی کہا جاسکتا ہے۔

" افعَال القلوب ظَنَنتُ وحسِبتُ وخِلتُ وزعمتُ وعلمتُ ورائيتُ ووجدتُ تدخُل على الجُملة الاسمِيّة لبيَان ِمَاهِي عنه فتنصبُ الجُزئين ومن خصائصها انه اذا ذكر اَحَدُهُما ذُكِر الأخر بخلاف ِباب اَعْطيْتُ ومنها جواز الالغاءِ اذا توسَّطَت او تاخّرت لاستِقلال الجزئين كلاما ومنها انها تُعّلقُ قبل الاستفهام والنفى واللام ِمثل علمت ازيد عندك ام عمرو ومنها انها يجوز ان يكون فاعلُها ومفعُولُها ضميرين لشئىٍ واحدٍ مثل علمتنى منطلقا وَلبعضِها معنىً اٰخَرُ يتعدّٰى به الىٰ واحدٍ فظننت بمعنى اتهمتُ

وَعَلِمتُ بمعنی عَرَفتُ وَرایتُ بمعنی ابصرت وَوَجدت بمعنی اصبت‘‘......

افعالِ قلوب ظننت . حسبت . خلت . زعمت . علمت . رایتُ او ر وجدت ہیں یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کی وضاحت کے لئے جو اس جملہ سے صادر کا ناشی ہوتی ہے پھر یہ دونوں جزوں کو نصب دیتے ہیں اور ان افعال کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ جب ان دو جزؤں میں سے ایک کو ذکر کیا جا تا ہے تو دوسری کو ضرور ذکر کیا جاتا ہے۔ بخلاف باب اعطیت کہ اس کے ایک مفعول پر اکتفا درست ہے اور ان افعال کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ ان کے عمل کو باطل کرنا جائز ہے جب کہ ان افعال کو جملہ اسمیہ کے درمیان یا آخر میں لائیں اس لئے کہ دونوں جزئیں ان کے بغیر ہی مستقل کلام ہوتی ہیں۔ اور ان افعال کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ بے شک وہ معلق کئے جاتے ہیں یعنی بے عمل کئے جاتے ہیں استفہام اور نفی اور لام سے پہلے جیسے علمت ازید عندک ام عمرٌ و ۔ اور ان افعال کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ جائز ہے کہ ان کا فاعل اور مفعول ایک ہی چیز کیلئے دو مفعول ہوں جیسے علمتنی منطلقا میں نے اپنے آپ کو خوش معلوم کیا۔ اور ان افعال میں سے بعض کے لئے اور معنی بھی ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں پس ظننت کا معنی اتّھمتُ میں نے تہمت لگائی اور علمت کا معنی عرفتُ میں نے پہنچانا اور رائیت کا معنی ابصرتُ میں نے آنکھ سے دیکھا اور وجدتُ کا معنی ہے اصبتُ میں نے پالیا۔

’’افعال قلوب کی بحث‘‘...... افعال قلوب میں قلب سے مراد قوت عقلیہ ہے اور ان افعال کو افعال قلوب اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے صدور میں جسمانی اعضاء کی طرف محتاجی نہیں ہوتی بلکہ ان کے صدور میں قوۃ عقلیہ کافی ہوتی ہے افعال قلوب میں سے ظننتُ ہے جس کا معنی ہے میں نے خیال کیا۔ حسبت کا معنی بھی میں نے خیال کیا۔ خِلت کا معنی بھی میں نے خیال کیا۔ زعمت کا معنی میں نے گمان کیا۔ علمت کا معنی میں نے جانا۔ رائیت کا معنی میں نے رائے قائم کی۔ یا میں نے دیکھا۔ اور وجدت کا معنی میرے وجدان میں آیا۔ یہ افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر دونوں جزؤں کو نصب دیتے

ہیں اور جملہ اسمیہ پر اس لئے داخل ہوتے ہیں تا کہ اس چیز کی وضاحت کریں جو اس جملہ سے علم یا خیال وغیرہ صادر یا پیدا ہوتا ہے۔ جیسے **ظننت زیدا عالما** میں نے زید کو عالم خیال کیا۔

''افعال قلوب کی خصوصیات'' ...... خصوصیات کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں ان ہی افعال میں پائی جاتی ہیں ان کے علاوہ باقی افعال میں نہیں پائی جاتیں۔ علامہ ابن حاجب نے افعال قلوب کی چار خصوصیات بیان کی ہیں پہلی خصوصیت یہ ہیکہ جب یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تو اس جملہ کے دونوں جز ان کے مفعول بنتے ہیں جب ان میں سے ایک کو ذکر کیا جائے گا تو دوسرے کو لازماً ذکر کیا جائے گا یعنی ان کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفاء درست نہیں ہے جیسا کہ **ظننت زیدا** کہنا یا **ظننت عالما** کہنا درست نہیں ہے بخلاف باب **اعطیتُ** کے کہ اس کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفاء درست ہے جیسے **اعطیت زیدا درھما** کی بجائے صرف **اعطیت زیدا** کہنا یا **اعطیت درھما** کہنا درست ہے۔

''دوسری خصوصیت'' ...... افعال قلوب کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ اگر ان افعال کو جملہ اسمیہ کے درمیان میں یا جملہ اسمیہ کے بعد لایا جائے تو ان کے عمل کو باطل کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں وہ دونوں جزئیں ان افعال قلوب کے بغیر ہی مبتدا اور خبر ہونے کی وجہ سے مستقل کلام بن جاتے ہیں جیسے **زید ظننت قائمٌ** اور **زید قائم ظننتُ** ان مثالوں میں ظننت نے کوئی عمل نہیں کیا۔

''تیسری خصوصیت'' ...... افعال قلوب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جس جملہ اسمیہ پر داخل ہوں اس جملہ پر حرف استفہام ہو یا حرف نفی ہو یا لام ہو تو ان افعال کو معلق یعنی بے عمل کیا جاتا ہے حرف استفہام کی مثال جیسے **علمت ازید عندک ام عمروٌ** ۔ حرف نفی کی مثال جیسے **علمت ما زید فی الدار** ۔ اور لام کی مثال جیسے **علمت لزید قائمٌ**۔ ان مثالوں میں علمت افعال قلوب میں سے ہے مگر معلق یعنی بے عمل ہے۔

''چوتھی خصوصیت'' ...... افعال قلوب کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ایک ہی چیز کی جانب لوٹنے والی دو ضمیر فاعل اور مفعول بن سکتی ہیں جیسے **علمتنی منطلقا** میں نے اپنے آپ کو خوش معلوم کیا اس میں تُ ضمیر فاعل جس کی

جانب راجع ہے اسی کی جانب یا ضمیر مفعول بہ کی بھی راجع ہے۔ یہ ان ہی افعال کے ساتھ خاص ہے کسی اور فعل میں ایسا جائز نہیں ہے جیسے ضَـرَ بْتنی میں نے اپنے آپ کو مارا شَتَـمْتُنی میں نے اپنے آپ کو گالی دی یہ کہنا درست نہیں ہے۔"

ولبعضها معنی آخر ."...... افعال قلوب میں سے بعض کے اندر اور معنی بھی پائے جاتے ہیں جیسے ظننت کا معنی اتّھـمـتُ میں نے تہمت لگائی اور علمت کا معنی عرفت میں نے پہچانا اور رایتُ کا معنی ابصرت میں نے دیکھا اور وجدت کا معنی ہے اصبـــــتُ میں نے پالیا۔ اس صورت میں یہ افعال صرف ایک مفعول کی جانب متعدی ہوتے ہیں۔"

الافعال الناقِصَةُ ماوضع لتقرير الفاعل علی صفةٍ وهی کانَ وصارَ. وَاصبح. وامسی . واضحی . وَظَلّ وبات واٰضَ وعاد وغدا وراحَ وما زالَ ومـاانفکّ وما فتِیءَ وما برِح وما دام ولیس . وقد جاء ماجاء ت حاجتکَ وقعدت کانّها حربةٌ " . افعال ناقصہ وہ ہوتے ہیں جو فاعل کو صفت پر پختہ کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور وہ **کان . صار . اصبح. امسی . اضحی. ظل . بات . اٰض .عاد . غدا. راحَ . ماانفکّ . مافتِیءَ . مابَرِح . مادام** اور **لیس** ہیں۔ اور کبھی **ماجاء ت حاجتک** اور **قعدت کانها حربة** میں **جاء ت** اور **قعدتُ** بھی افعال ناقصہ میں سے آتے ہیں۔

"**افعال ناقصہ کی بحث**" افعال ناقصہ کو اس وجہ سے ناقصہ کہتے ہیں کہ یہ باقی افعال کی بہ نسبت ناقص ہیں۔ ایک تو اس لحاظ سے کہ یہ حدوث پر دلالت نہیں کرتے اور دوسرا اس لحاظ سے کہ یہ صرف مرفوع کے ساتھ تام نہیں ہوتے۔ (جبکہ باقی افعال صرف فاعل پر بھی تام ہو جاتے ہیں)" افعال ناقصہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسے افعال جو فاعل کو کسی صفت مخصوصہ پر پختہ کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہوں جیسے **کان زید عالما** اس میں کان نے زید کو زمانہ ماضی میں صفت علم کے ساتھ پختہ کیا

"افعال ناقصہ مشہور سترہ ہیں۔

(۱) کان (۲) صار (۳) اصبح (۴) امسی (۵) اضحی (۶) ظَلَّ (۷) بات (۸) اٰض (۹) عاد (۱۰) غدا (۱۱) رَاحَ (۱۲) ما زال (۱۳) ما انفکَّ (۱۴) مافتِیءَ (۱۵) مابرح (۱۶) مادام (۱۷) لیسَ۔

"وقد جاء" اور کبھی ماجاءت اور قعدت بھی افعال ناقصہ میں سے ہوتے ہیں جیسا کہ ان جملوں میں ہیں ماجاءت حاجتک کہ اس میں ماجاءت ماصارت کے معنی میں ہے اور قعدت کا نہا حربة میں قعدت صارت کے معنی میں ہے کہ لڑائی کے دوران چھری برچھا بن گئی۔

"تدخل على الجملة الاسمية لاعطاءِ الخبر حكم مَعْنا ها فترفع الاول وتنصب الثانی مثل كان زيدٌ قائماًفكان تكون ناقِصَة لثبوت خبرِهَا ما ضَيا دائما او مُنْقَطعاً وبمعنى 'صار ويكون 'فيها ضَميرُ الشانِ وتكون 'تامة' بمعنى 'ثبت وزائدة" ...... اور یہ افعال ناقصہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تاکہ خبر کو ان افعال کے معنی کا حکم دیں پھر پہلے اسم کو رفع اور دوسرے کو نصب دیتے ہیں جیسے كان زيد قائماً پس کان ناقصہ ہے اس لئے کہ خبر کو جو ماضی ہے دائمی ثابت کرنے کے لئے یا خبر کو زمانہ ماضی سے منقطع کرنے کے لئے آتا ہے اور یہ کان صار کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور اس میں ضمیر شان ہوتی ہے۔ اور کان تامہ بھی ہوتا ہے جو ثبت کے معنی میں ہوتا ہے اور کان زائدہ بھی ہوتا ہے۔

"کان کی اقسام" ...... کَانَ کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم کان ناقصہ جو جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تاکہ خبر میں اپنا معنی ثابت کرے اس صورت میں کان پہلے اسم کو رفع اور دوسرے کو نصب دیتا ہے جیسے كان زَيدٌ قائماً اور کان ناقصہ اپنی خبر کو

ماضی دائمی ثابت کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے **کان اللہ غفوراً** کہ اللہ تعالی ازل سے ابد تک غفور ہے یا خبر کو ماضی سے منقطع کرنے کے لئے آتا ہے جیسے **کان زید غنیا** ۔کہ زید ماضی میں غنی تھا اب نہیں رہا۔اور یہ کان ناقصہ صار کے معنی میں بھی ہوتا ہے اوراس میں ضمیر شان ہوتی ہے جیسے **کان زید قائم** شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔

دوسری قسم کان تامہ ہے جو ثبت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **ان کان ذوعسرة** یہ **ان ثبت ذو عسرة** کے معنی ہے کہ اگر مقروض تنگ دستی والا ثبت ہو۔

تیسری قسم کان زائدہ۔اورکان زائدہ وہ ہوتا ہے کہ اگراس کو کلام سے گرادیا جائے تو کلام کا مقصودی معنی خراب نہ ہواوراس کو تامہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ فاعل کیساتھ پورا ہوجاتا ہے جیسے **کیف نکلم من کان فی المهد صَبِیاً**۔

" وصار للاِنتِقال ِ واصبح وامسی 'واضحی لاقتران مَضمون الجملة باوقاتها وبمعنی صار وتكون تامةً "

...... اورصار ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب انتقال کے لئے آتا ہے اوراصبح۔امسیٰ اوراضحیٰ مضمون جملہ کوان کے مقامات کیساتھ ملانے کیلئے آتے ہیں اور یہ افعال صَارَ کے معنی میں بھی ہوتے ہیں اورتامہ بھی ہوتے ہیں۔

"صار للانتقال " ...... افعال ناقصہ میں سے صار ایک صفت سے دوسری صفت کی جانب انتقال کے لئے آتا ہے جیسے **صارَ زید" غنیاً** زید غنی ہوگیا۔یعنی پہلے اس میں غنی کی حالت نہ تھی اب وہ غنی کی حالت میں ہوگیا ہے۔اوراصبح اورامسی اوراضحی مضمون جملہ کوان کے اوقات کے ساتھ ملانے کے لئے آتے ہیں جیسے **اَصْبح زید" كاتباً** زید نے اس حال میں صبح کی کہ وہ لکھنے والا تھا ۔ **اَمسیٰ زید راکبا** زید نے سوار حالت میں شام کی۔ **اضحی زید مُصَلِیاً** زید نے نماز کی حالت میں دو پہر کی۔

" وبمعنی صار " ...... یہ اصبح. امسی 'اوراضحی صار کے معنی میں بھی آتے ہیں جیسے **اصبح زید غنیا۔ اَمسیٰ زید غنیا . اضحی زید غنیا** ۔ یعنی **صار زید غنیا** ۔زید غنی ہوگیا۔

"وتكون تامة" ...... یہ اصبح اور امسی اور اضحٰی کبھی تامہ بھی ہوتے ہیں یعنی صرف فاعل کے ساتھ پورے ہوجاتے ہیں جیسے اَصبحَ زیدٌ زید نے صبح کی۔ اَمسی زیدٌ زید نے شام کی۔ اضحی زیدٌ زید نے دوپہر کی۔

"وظل وبات لاقترا ن مَضمون الجُملة بوقتيهمَا وبمعنى صار وما زال وما برح وما فتِيءَ ومانفكّ لاسترار خَبرهَا لفاعلها مذ قَبِلَهُ ويلزمُهَا النفي وما دام لتوقيت امر بمدة بثبوت خبرِهالفاعلها ومن ثَمَّ احتاج الى كلام لانه ظرف وليس لنفي مضمون الجملة ِحالاً وقيل مطلقا" ...... اورظل اور بات مضمون جملہ کوانکے اوقات کے ساتھ شامل کرنے کے لئے آتا ہیں اور کبھی صار کے معنی میں ہوتے ہیں۔اورمازا ل اورما برح اور مافتِيءَ اورمانفک یہ افعال اپنے فاعل کے لئے خبر کے استمرار کیلئے آتے ہیں جب سے وہ فاعل اس کے قابل ہوا ہے اوران کیساتھ نفی لازم ہے اور مادام اپنے فاعل کے ساتھ اپنی خبر کے ثبوت کی مدت کی توقیت ثابت کرنے کے لئے آتا ہے اوراسی وجہ سے یہ ایک جملہ کامحتاج ہوتا ہے جواس سے پہلے ہوتا ہے اس لئے کہ یہ ظرف ہوتا ہے۔اورلیس مضمون جملہ کی فی الحال نفی کیلئے آتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلقا نفی کے لئے آتا ہے۔

"وظل" ...... افعال ناقصہ میں سے ظل اور بَاتَ اس جملہ کے مضمون کوجس پر یہ داخل ہوتے ہیں اپنے اوقات کے ساتھ ملانے کے لئے آتے ہیں ظَلَّ میں دن کا اور بَاتَ میں رات کا معنی پایا جاتا ہے جیسے ظَلَّ زید مُکرَماً زید نے عزت کی حالت میں صبح کی باتَ زیدٌ مکرَماً زید نے عزت کی حالت میں رات گذاری۔اور یہ ظَلَّ اور بَاتَ صَار کے معنی میں بھی آتے ہیں جیسے ظل زید غنیا یعنی صار زید غنیاً۔بات زید فقیرا ای صار زید فقیرا۔اس صورت میں یہ ظل اور بات کسی خاص زمانہ کیلئے مختص نہیں ہوں گے۔

"ومازال" ...... افعال ناقصہ میں سے **مازال. مابرح. مافتیء** اور **مانفک** بھی ہیں. یہ افعال اپنے فاعل کیلئے اپنی خبر کے اس کے قبول کرنے کے وقت سے کلام کرنے تک استمرار کیلئے آتے ہیں۔یعنی جب سے فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے اس وقت سے اب تک یہ مسلسل اسمیں پائی جارہی ہے۔اوران افعال کیساتھ نفی لازم ہے جیسے **مازال زیدٌ امیراً** ۔یعنی جب سے زید نے صفت امارت کو قبول کیا ہے اس وقت سے مسلسل اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔

"ومادام" ...... اور مادام اپنے فاعل کے لئے اپنی خبر کے ثبوت کی مدت کو وقت کے لحاظ سے متعین کرنے کے لئے آتا ہے جیسے **جلست مادام زید جالسا**۔میں زید کے بیٹھے رہنے تک بیٹھوں گا۔یعنی میرے بیٹھنے کی مدت اس وقت تک ہے جب تک زید بیٹھا رہے.

"ومن ثَمَّ" ...... جب مادام اپنے فاعل کیلئے اپنی خبر کے ثبوت کی مدت کو وقت کے لحاظ سے متعین کرنے کیلئے ہوتا ہے تو اسی وجہ سے یہ مادام ایک جملہ کی طرف محتاج ہوتا ہے جو اس سے پہلے ہوتا ہے اس لئے کہ مادام ظرف ہوتا ہے۔اور ظرف فضلہ ہوتا ہے اور اس سے پہلے جملہ ضروری ہے تاکہ ظرف کا فضلہ ہونا ظاہر ہو۔جیسے **جَلَسْتُ مادام زیدٌ جالِساً** ۔ میں اس وقت تک بیٹھوں گا جب تک زید بیٹھے گا۔

"ولیس" ......اورافعال ناقصہ میں سے لیس بھی ہے جو زمانہ حال میں مضمون جملہ کی نفی کے لئے آتا ہے جیسے **لیس زید قائما**۔فی الحال زید کھڑا نہیں ہے۔اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ لیس میں (زمانہ حال میں نفی کی قید نہیں بلکہ وہ مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے) **"ویجوز تقدیم اخبارها کلّها علی اسمائها وهی فی تَقدِیمها علیها علی ثلٰثة اقسام ٍ قسمٌ یجوز وهو مِنْ کانَ الی راحَ وقسم لایجوز وهو مافی اوله ماخلافاً لابن کیسان فی غیر مادام**

وقِسمٌ مختلف فيه وهُو لَيس ۔ "...... اوران تمام افعال ناقصہ کی خبروں کوان کے اسموں پرمقدم کرنا جائز ہےاور یہ افعال اپنی خبروں کے ان افعال پر مقدم ہونے کالحاظ تین قسم پر ہیں۔ایک قسم وہ ہے جس میں ان افعال پر ان کی خبروں کومقدم کرنا جائز ہے اور یہ کان سے لیکر راح تک کے افعال ہیں۔اور دوسری قسم وہ ہے جس میں جائز نہیں اور وہ ایسے افعال ناقصہ ہیں جن کی ابتداء میں ما ہے مادام کے علاوہ باقی افعال میں ابن کیسان کو اختلاف ہے اور تیسری قسم وہ ہے جس میں فعل پر اس کی خبر کومقدم کرنے میں اختلاف کیا گیا ہےاور وہ لیس ہے۔

''افعال ناقصہ کی خبرکومقدم کرنا'' ...... افعال ناقصہ کی خبرکوان کے اسم پرمقدم کرنا جائز ہے اس لئے کہ ان کا اسم مرفوع اور خبر منصوب ہوتی ہے تو کسی قسم کے التباس کا ڈرنہیں ہوتا بخلاف اس کے کہ جب مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں (تو وہ دونوں مرفوع ہوتے ہیں) تو اگر خبرکومقدم کریں تو التباس آتا ہے کہ نہ جانے یہ مبتدا ہے یا خبر ہے۔جب افعال ناقصہ کی خبرکو اسم پرمقدم کرنے کی وجہ سے کوئی التباس نہیں آتا تو اسم پر خبرکومقدم کرنا جائز ہے جیسے **کان قائماً زیدٌ** ۔

''وھی فی تقدیمھا'' ...... یہاں سے یہ بیان کیا جارہا ہے کہ کیا افعال ناقصہ کی خبرکوان افعال پرمقدم کیا جاسکتا ہے یانہیں تو علامہ ابن حاجبؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں یہ افعال تین قسم پر ہیں۔پہلی قسم وہ ہے جن افعال ناقصہ پر ان کی خبرکومقدم کرنا جائز ہے اور وہ افعال **کان** سے لیکر **رَاحَ** تک کے افعال ہیں اور وہ گیارہ افعال ناقصہ یہ ہیں (۱) **کَانَ** (۲) **صارَ** (۳) **ظَلَّ** (۴) **بات** (۵) **اصبح** (۶) **اَمسیٰ** (۷) **اضحی** (۸) **اَضَ** (۹) **عَادَ** (۱۰) **غدا** (۱۱) **رَاحَ** . ان افعال کی خبرکوان افعال پرمقدم کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ عامل فعل ہے اور فعل قوی عامل ہوتا ہے اسکے معمول کواس پرمقدم کرنے سے کوئی خرابی نہیں آتی۔جیسے **قائماً کَانَ زیدٌ** .

" وقسمٌ لایجوزَ " اوران افعال ناقصہ کی دوسری قسم وہ افعال ہیں جن میں ان کی خبرکوان پرمقدم کرنا جائز نہیں ہےاور وہ جمہور کے نزدیک وہ افعال ناقصہ ہیں جن کی ابتداء میں ما ہےاور وہ پانچ افعال ہیں۔ (۱) **مازال** (۲) **ماانفکَّ** (۳) **مافتیءَ** (۴) **مابَرِحَ** (۵) **ما دَامَ** ۔جیسے **عالماً ما زال زید** وغیرہ۔اوراس مسئلہ میں **ابن کیسان نحوی** کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مادام کے علاوہ باقی افعال میں ان کی خبرکوفعل پرمقدم کرنا جائز ہے۔

" وقسم مختلف فيه "...... اورافعال ناقصہ کی تیسری قسم وہ ہے جس میں خبر کو فعل پر مقدم کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔اور وہ فعل ناقص لیسَ ہے امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ اس کا حکم ان افعال جیسا ہے جن کی ابتداء میں ما ہے اس لئے کہ ما بھی نفی کے لئے ہے اور لیس بھی نفی کے لئے ہے اس لئے ان کا حکم بھی ایک جیسا ہے۔لہذا لیس پر اس کی خبر کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک لیس کا حکم کان وغیرہ کی طرح ہے اس لئے کہ اس پر بھی ما نہیں ہے۔ جب اس کا حکم کان کیطرح ہے تو جمہور کے نزدیک اسکی خبر کو اس پر مقدم کرنا جائز ہے جیسے **قائماً لیس زیدٌ** .

"افعال المقاربة ماوضع لدُنّو الخير رجاءً او حصولاً او اخذاً فيه فالاول عسٰى وهو غير مُتصرف تقول عسىٰ زيدٌ ان يخرج وعَسىٰ اَن يخرجَ زيدٌ وقد يُحذف اَن والثانى كاد تقولُ كاد زَيد يجيئى وقد تدخل اَن واذا دخل النفى على كا د فهو كا لا فعال على الا صحّ وقيل يكون فى الماضى للاثبات وفى المستقبل كالا فعال تمسّكا بقوله تعالى " وما كادُوا يَفْعَلُوْنَ " وبقول ذى الرّمّة شعرا ذا غيّر الهجْرُ المُحبّيْن لَمْ يكدْ . رَسِيْسُ الهوى من حُبّ مِيّة يَبْرَحُ والثالث طَفِقَ وكَرَب وجعل واخذ وهى مثل كادواوشك مثل عَسىٰ وكا د فى الاستعمال " ...... افعال مقاربہ وہ ہوتے ہیں جو امید یا حصول یا اس میں شروع ہونے کے لحاظ سے خبر کو قریب کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ پس ان افعال میں سے (جس میں پہلا معنی یعنی امید کے لحا ظ سے قریب کرنے کا معنی پایا جاتا ہے وہ فعل) عسیٰ ہے اور وہ غیر متصرف ہے یعنی اس کی گردان نہیں چلتی جیسے آپ کہیں

عَسٰی زید ان یخرج اور عَسی ان یخرج َزید" اور کبھی ان کو حذف کر دیا جاتا ہے۔اور دوسرا (معنی یعنی حصول کے لحاظ سے قریب ہونے کا معنی جس میں پایا جاتا ہے وہ فعل) کادَ ہے جیسے کا د زید یجیئی اور کبھی ان داخل ہوتا ہے اور جب کاد پر نفی داخل ہو تو وہ زیادہ صحیح قول کے مطابق افعال کی طرح ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اثبات کے لئے ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماضی میں اثبات کے لئے اور مستقبل میں دیگر افعال کیطرح ہوتا ہے اور اس پر دلیل پکڑتے ہیں اللہ تعالی کے اس فرمان سے "وما کا د و ایفعلون" اور ذی الرُمه شاعر کے شعر سے" اذا غیرّ الهجر المحبین لم یکدُ. رسیس الهوی من حُبّ میّة یبرَحُ" جب جدائی متغیر کر دیتی ہے دوستوں کی محبت کو تو قریب نہیں کہ میۃ کی محبت کے عشق کی جڑ دور ہو۔ اور تیسرا معنی یعنی اس میں شروع ہونے کے لحاظ سے قریب کرنے کا معنی جس فعل میں پایا جاتا ہے وہ طفِقَ اور کَرَبَ اور جعل اور اَخذ َ ہے اور یہ افعال کَادَ کی طرح ہیں اور اوشک استعمال میں عسی اور کاد کی طرح ہے۔

"افعال مقاربہ کی بحث" ...... افعال مقاربہ کو مقاربہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں قریب کرنے کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ قریب کرنا تین طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ امید کے لحاظ سے خبر کو قریب کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ حصول کے لحاظ سے خبر کو قریب کیا جائے اور تیسرا یہ کہ اس میں شروع ہونے کے لحاظ سے خبر کو قریب کیا جائے۔

"افعال مقاربہ مشہور چار ہیں۔(۱) عَسی (۲) کادَ (۳) کَرَبَ (۴) اوُشَکَ. مگر علامہ ابن حاجب نے ان کے ساتھ طفق جعل اور اخذ کو بھی ذکر کیا ہے تو اس طرح افعال مقاربہ سات ہو گئے۔

" فالا ول عَسی" ...... وہ فعل مقاربہ جس میں پہلا معنی یعنی امید کے لحاظ سے قریب کرنے کا معنی پایا جاتا ہے وہ عَسیٰ ہے (جیسے عَسٰی زیدان یخرج زید کے نکلنے کی امید ہے) اور عسیٰ ایسا فعل ہے جو غیر متصرف ہے یعنی اس کی باقی افعال کیطرح مکمل گردانیں نہیں چلتیں صرف ماضی کے چند صیغے استعمال ہوتے ہیں اس سے فعل مضارع اور اسم فاعل۔ امر اور نہی نہیں آتے۔ علامہ ابن حاجب نے اس کی دو مثالیں ذکر کی ہیں ایک عَسٰی زید ان یخرج اور دوسری عسی ان

یخرج زید"۔ پہلی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ عسیٰ کی خبر فعل مضارع اَن کے ساتھ ہوتی ہے جیسے **عسی زید ان یخرج** ۔اور کبھی اَنْ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے **عسی زید یخرجُ** ۔اس صورت میں عسیٰ ناقصہ ہوگا اور اسم اور خبر دونوں کا محتاج ہوگا۔اور دوسری مثال سے واضح ہوتا ہے کہ عسی فعل تامہ ہے اور **ان یخرج زید** اس کا فاعل ہے۔

"**والثانی کاد**"...... وہ فعل مقارب جس میں دوسرا معنی یعنی حصول کے لحاظ سے خبر کو قریب کرنے کا معنی جس میں پایا جاتا ہے وہ کَادَ ہے۔جیسے **کَادَ زیدٌ یجیئی** قریب ہے کہ زید آئے۔اور کبھی **کَادَ** کی خبر پر اَنْ بھی داخل ہوتا ہے اسلئے کہ کادَ کی عَسیٰ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے تو جیسے عَسیٰ کی خبر فعل مضارع پر اَن داخل ہوتا ہے اسی طرح کادَ کی خبر فعل مضارع پر بھی اَنْ داخل ہوتا ہے جیسے **کادَ زیدا ن یجیئی** ۔

"**واذا دخل النفی**"...... جب کادَ پر حرف نفی داخل ہو تو زیادہ صحیح نظریہ کے مطابق کادَ باقی افعال کی طرح ہوتا ہے یعنی خبر کی نفی کے لئے ہوتا ہے۔وقیل۔جب کاد پر حرف نفی داخل ہو تو اس کے بارہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اثبات کے لئے ہوتا ہے یعنی مطلقاً خبر کے ثبوت کے لئے ہوتا ہے خواہ وہ ماضی ہو یا مضارع ہو۔

"**وقیل یکون فی الماضی**"...... جب کادَ پر حرف نفی داخل ہو تو اس بارہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ اگر یہ ماضی ہو تو اثبات کے لئے ہوتا ہے اور اگر مضارع ہو تو باقی افعال کی طرح ہے اور یہ حضرات اپنے نظریہ پر دو دلیلیں دیتے ہیں :۔پہلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے **وما کادوا یفعلون** کہ ان لوگوں نے گائے کو ذبح کیا اور وہ ذبح کرنے کے قریب تھے۔یہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر کَادَ پر نفی کو اثبات کے لئے نہ مانیں تو تناقض لازم آتا ہے اس لئے کہ معنی یہ بنتا ہے کہ وہ ذبح کرنے کے قریب نہیں تھے اور ذبح کر دیا۔اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ذبح کے قریب نہ ہو اور ذبح کر دے۔مگر جمہور نے اس کا جواب دیا کہ **وما کادوا یفعلون** میں نفی ہی مراد ہے اور اسکی وجہ سے کوئی تناقض لازم نہیں آتا اسلئے کہ معنی یہ ہے کہ انہوں نے گائے کو ذبح کیا اور ذبح سے پہلے وہ ٹال مٹول کر کے اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے ذبح کے قریب نہ تھے جب ذبح کا وقت اور ہے اور ذبح کے قریب نہ ہونے کا وقت اور ہے تو تناقض نہ ہوا اس لئے کہ تناقض کے لئے زمانہ کا ایک ہونا ضروری ہے

۔ ''دوسری دلیل'' ...... یہ حضرات دوسری دلیل ذی الرّمہ شاعر کا شعر پیش کرتے ہیں کہ اس نے کہا اذا غیرّ الهجر المحبین لم یکد . رسیس الهوی من حبّ میّة یبرح . '' جب جدائی دوستوں کی محبت کو متغیر کر دیتی ہے تو قریب نہیں کہ میّۃ کی محبت کے عشق کی بنیاد زوال پذیر ہو۔ اس شعر میں لم یکد معنی کے لحاظ سے ماضی ہے اور کاد کی ماضی پر حرف نفی اثبات کے لئے ہوتا ہے اسی وجہ سے جب ذی الرّمہ نے یہ شعر کہا تو اس دور کے فصحاء نے اس کی تردید کی اور پھر ذی الرّمہ نے اپنی شعر میں لم یکد کی جگہ لم اجد کے الفاظ سے تبدیلی کر دی۔ فصحاء کا تردید کرنا اور ذی الرمہ کا الفاظ کو بدلنا اس بات کی دلیل ہے کہ کاد کی ماضی پر حرف نفی اثبات کا فائدہ دیتا ہے مگر جمہور کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ اس دور کے فصحاء کا ذی الرمہ کی تردید کرنا اور ذی الرمہ کا شعر میں تبدیلی کرنا درست نہیں تھا اس لئے کہ لم یکد میں نفی کے معنی کے باوجود شعر کا مطلب صحیح ہے۔ کہ وہ اپنی محبوبہ جس کا نام میّۃ تھا اسکی محبت کا اظہار کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ جدائی دوستوں کی محبت میں تبدیلی لے آتی ہے کہ ان کی یاد بھی ختم کر دیتی ہے مگر میری محبت ایسی ہے کہ میّۃ کی محبت کا ختم ہونا قریب بھی نہیں چہ جائیکہ وہ ختم ہو جائے۔

''والثالث'' ...... وہ افعال مقاربہ جن میں تیسرا معنی اخذ فیہ یعنی اس میں شروع ہونا پایا جاتا ہے وہ چار افعال ہیں ۔(۱) طفق (۲) کرَبَ (۳) جعَل (۴) اَخذَ۔ اور یہ افعال استعمال میں کاد کیطرح ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اسم اور خبر کو چاہتا ہے اور انکی خبر فعل مضارع بغیر ان کے ہوتی ہے جیسے طفق زید یاکل . کربت الشمس تغرب . جعَل زید یاکل ۔ یہ جعَل طفق کے معنی میں ہے۔ اَخذَ زید یقراء ۔ یہ اَخذَ شرَعَ کے معنی میں ہے۔

'' واوشک مثل عسیٰ '' ...... اور اوشک استعمال میں کبھی عسیٰ کی طرح ہوتا ہے کہ اس کی خبر مضارع اَنْ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے اوشک زید ان یخرج اور کبھی یہ خبر سے مستغنی ہوتا ہے جیسے اوشک ان یخرج زید اس میں ان یخرج زید اوشک کا فاعل ہے اور کبھی اوشک استعمال میں کادَ کی طرح ہوتا ہے کہ اس کی خبر مضارع بغیر اَنْ کے ہوتی ہے جیسے اَوشک زیدٌ یخرجُ۔

''فِعل التعجّب ما وُضِعَ لا نشاء التعجُّب وله صیغتا ن ما اَفْعَله واَفْعِلْ

بِهٖ وهما غير مُتَصرِفَيْنِ مثلُ مااَحُسَنَ زيداً واَحسن بزيد ولا يبنيان الا مـمّـا يُبنـى منـه افـعـل التفضيل ويتوصّل فى الممتنع بمثل ما اشدَّ استـخـراجـه واشـدد باستخراجه ولا يتصرف فيهما بتقديم وتاخير ولا فـصـل واجـاز الـمـازنى الفصل بالظروف وما ابتداء نكرة عند سيبويه وما بعدها الخبر وموصولة عند الاخفش والخبر محذوف بـه فـاعـل عـنـد سيبـويـه فلا ضمير فى افعَل ومفعولٌ عند الاخفش والبـاء للتعدية او زائدة ففيه ضمير . " ......" فعل تعجب وہ ہوتا ہے جو انشاء تعجب کیلئے وضع کیا گیا ہو اور اس کے دو صیغے ہیں ما افعلہ اور اَفْعِلْ بہ . اور وہ دونوں ایسے ہیں کہ ان کی گردانیں نہیں چلتیں جیسے ما احسن زیدا اور احسن بزید اور فعل تعجب کے صیغے صرف ان ابواب سے بنائے جاتے ہیں جن ابواب سے افعل کے وزن پر اسم تفضیل آتا ہے اور جن ابواب سے اسم تفضیل افعل کے وزن پر ممتنع ہے ان ابواب سے فعل تعجب کے لئے اس باب کے مصدر سے پہلے مااشدّ یا واشدد لگاتے ہیں جیسے ما اشدّاستخراجہ واشدد باستخراجہ اور ان صیغوں میں تقدیم یا تاخیر یا فصل کے لحاظ سے تصرف نہیں کیا جا سکتا۔ اور امام مازنی نے ظروف کے ساتھ فصل کو جائز قرار دیا ہے اور مااحسن میں ما امام سیبویہ کے نزدیک مبتدا نکرہ ہے اور اس کے بعد اسکی خبر ہے اور امام اخفش کے نزدیک ما موصولہ ہے اور خبر محذوف ہے اور احسن بہ میں بہ امام سیبویہ کے نزدیک فاعل ہے تو اس لحاظ سے اَفْعِلْ میں کوئی ضمیر نہیں ہے اور امام اخفش کے نزدیک بہ مفعول ہے اور باء تعدیت کے لئے ہے یا باز ائدہ ہے تو اس صورت میں اَحْسن میں ضمیر ہوگی۔

''فعل تعجب کی بحث''...... فعل تعجب وہ ہوتا ہے جو انشاء تعجب کیلئے ہو اور جن صیغوں سے تعجب کی خبر دی جاتی ہے یعنی ان میں مصدری معنی کے لحاظ سے تعجب کا معنی پایا جاتا ہے جیسا کہ **تعجبت** اور **عجبتُ** تو یہ افعال تعجب نہیں۔ اور تعجب کے دو صیغے ہیں **ما افعله** اور **اَفعِل به** ۔ اور یہ دونوں صیغے ایسے ہیں کہ یہ غیر متصرف ہیں یعنی ان کی گردانیں نہیں ہیں۔ جیسے **ما احسن زیداً** اور **احسن بزیدٍ**۔

''ولا یبنیان''...... فعل تعجب صرف ان ہی ابواب سے آتا ہے جن ابواب سے افعل کے وزن پر اسم تفضیل آتا ہے اور جن ابواب میں افعل اسم تفضیل ممتنع ہے ان میں تعجب کیلئے اسی باب کے مصدر کے ساتھ اشدّ یا واشدد لگایا جاتا ہے جیسے **ما اشدّ باستخراجه** اور **واشدد باستخراجه** یہ اپنے استخراج میں کتنا سخت ہے۔

''ولا یتصرف فیهما''...... یہاں سے علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں تعجب کے صیغوں کا جو استعمال بتایا گیا ہے اسی کے مطابق استعمال ہوتے ہیں ان میں تقدیم یا تاخیر یا فصل کے لحاظ سے جمہور کے نزدیک تصرف جائز نہیں ہے اسی لئے **ما زید احسن** اور **بزید اَحسن** اور **ما احسن الیوم زیدا** کہنا جائز نہیں ہے اور امام مازنی نے ظروف کے ساتھ فصل کو جائز قرار دیا ہے۔ (یعنی اگر درمیان میں ظرف آجائے تو یہ فصل جائز ہے) اس لئے کہ ظروف میں ایسی وسعت ہوتی ہے جو اوروں میں نہیں ہوتی اسی لئے امام مازنی کے نزدیک **مایوم الجمعة اَحسَنَ زیدا** اور **اَحسِن الیوم بزید** کہنا جائز ہے۔

''وما ابتداءٌ نکرةٌ''...... یہاں سے علامہ ابن حاجب ما افعله وافعل به کی ترکیب میں نحویوں کا جو اختلاف ہے اسکو ذکر فرماتے ہیں۔ کہ ان کی ترکیب میں امام سیبویہ اور امام اخفش کے درمیان اختلاف ہے۔ امام سیبویہ کے نزدیک ما افعله میں ما مبتدا نکرہ ہے اس لئے کہ یہ شیئی کے معنی میں ہے اور اسکے بعد جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے یا ما معنی میں نکرہ مخصصہ ہے۔ اس لئے کہ یہ **ما شیئی من الاشیاء احسن زیدا** کے معنی میں ہے اور امام اخفش کے نزدیک ما افعله میں ما موصولہ ہے اور احسن زیدا اس کا صلہ ہے صلہ موصول مل کر مبتدا ہے اور اس کی خبر **شیئیٌ عظیمٌ** محذوف ہے۔ اور احسِن

بہ میں امام سیبویہ کے نزدیک بہ فاعل ہے۔ اَحْسِنْ اگرچہ امر کا صیغہ ہے مگر ماضی اَحْسَنَ کے معنی میں ہے اور بہ اس کا فاعل ہے تو اس صورت میں اَحْسِن میں کوئی ضمیر نہیں ہے اور امام اخفش کے نزدیک اَحْسِنْ میں انت ضمیر مستتر فاعل ہے اور بہ مفعول ہے اور بہ میں باء تعدیت کی ہے یا باء زائدہ ہے۔

" افعال المَدْحِ والذمِّ ما وُضِع لانشاءِ مَدْح او ذَمٍّ فمنها نعم وبئس وشرطهُما ان يكون الفاعلُ مُعرَّفاً باللّام او مضافا الى المعرّف بِها او مضمراً مميزاً بنكرةٍ منصُوبةٍ او بمَا مثل فنعما هي وبعد ذلك المخصُوصُ وهو مبتداٌ ما قبله خبره او خبر مبتداٍ محذوف مثل نعم الرجُل زيدٌ وشرطه مطابقةُ الفاعل وبِئس مثل القومِ الّذين كَذّبوا وشبهُهٗ متاوّلٌ وقد يحذف المخصوصُ اذا عُلِم مثل نِعم العَبْدُ وفَنِعم الماهدون وساء مثل بئس ومنها حبّذا وفاعلهٗ ذا ولا يتغير وبعده المخصُوص واعرابه كاعراب مخصُوصِ نعم ويجُوز ان يقع قبُل المخصُوصِ وبعده تمييز او حالٌ عَلى وَفقِ مخصوصه."

...... افعال مدح اور ذم وہ ہوتے ہیں جو انشاء مدح یا انشاء ذم کے لئے وضع کئے گئے ہوں۔ پس ان افعال میں سے نِعْم اور بِئْس ہیں اور دونوں کی شرط یہ ہے کہ فاعل معرف باللام ہو یا اس معرف باللام کیطرف مضاف ہو یا ان کا فاعل ایسی ضمیر ہو جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہے یا ان کی تمیز ما ہو جیسے فنعما هي اور انکے بعد مخصوص ہوتا ہے اور وہ مبتدا ہوتا ہے اور اس کا ماقبل اس کی خبر ہوتا ہے یا وہ مبتدا محذوف کی خبر ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زیدا اور اس کی شرط یہ ہے کہ فاعل کے مطابق ہو اور

بئس مثل القوم الذين كذبوا اوراس جیسی مثالیں متاول ہیں۔اور جب ان کا مخصوص معلوم ہوتو اس مخصوص کو بھی حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔جیسے نعم العبد اور فنعم الماهدون میں ہے۔اور ساء بئس کی طرح ہے اوران افعال مدح وذم میں سے حبّذا بھی ہے اور اسکا فاعل ذا ہے اور یہ حبّذا تبدیل نہیں ہوتا اور اس کے بعد مخصوص ہوتا ہے اور اس کا اعراب نعم کے مخصوص کے اعراب کی طرح ہے اور حبّذا کے مخصوص سے پہلے اور اس کے بعد مخصوص کے مطابق تمیز یا حال واقع ہوسکتا ہے۔

''افعال مدح وذم کی بحث:'' ...... جو افعال مدح کے انشاء کے لئے وضع کئے گئے ہیں ان کو افعال مدح اور جو افعال ذم کے انشاء کے لئے وَضَع کئے گئے ہیں ان کو افعال ذم کہتے ہیں افعال مدح دو ہیں۔

(۱) نِعْمَ (۲) اور حبّذا . اور افعال ذم بھی دو ھیں (۱) بئس (۲) سآءَ۔نعم اور بئس کیلئے شرط یہ ہے کہ ان کے فاعل میں چار حالتوں میں سے کوئی ایک حالت پائی جائیگی۔پہلی حالت کہ ان کا فاعل معرف باللام ہوگا جیسے نعم الرجل زيد اور بئس الرجل زيد۔دوسری حالت کہ ان کا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہوگا جیسے نعم صاحب الرجل زيد اور بئس صاحب الرجل زيد۔تیسری حالت کہ ان کا فاعل ایسی ضمیر ہوگی جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوگی جیسے نِعمَ رَجُلاً زيد. بئس رجلا زيد۔ان مثالوں میں نعم اور بئس میں ضمیر مستتر مبہم ہے اور رَجُلاً نکرہ منصوبہ اس کی تمیز ہے۔چوتھی حالت کہ انکا فاعل ضمیر مستتر ہوگی جس کی تمیز ما واقع ہوگی جیسے فنعما هِیَ ۔اس میں نعم میں ضمیر مستتر مبہم ہے اور ما بمعنی شیئی اس کی تمیز ہے اور ممیز اپنی تمیز سے مل کر نعم کا فاعل اور ھی مخصوص بالمدح ہے نعم کے فاعل کے بعد مخصوص بالمدح اور بئس کے فاعل کے بعد مخصوص بالذم ہوتا ہے۔اور یہ مخصوص مبتدا اور اس کا ماقبل اس کی خبر ہوتی ہے یا یہ مخصوص مبتدا محذوف کی خبر ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زيد ۔اور بئس الر جل زيد اوراس مخصوص کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ افراد، تثنیہ جمع مذکر اور مونث ہونے میں فاعل کے مطابق ہوتا ہے۔

'' **وبئس مثل القوم الذين** ''...... یہاں سے علامہ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

اعتراض یہ ہے کہ قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مخصوص فاعل کے مطابق ہوتا ہے حالانکہ قرآن کریم میں ہے ''**بئس مثل القوم الذين**'' میں بئس کا فاعل مثل القوم ہے جو کہ مفرد ہے اور **الذين كذبوا** **مخصوص بالذم** جمع ہے ان میں مطابقت نہیں ہے تو اسکا جواب دیا کہ یہ اور اس جیسی مثالوں میں تاویل کی جاتی ہے یہ اصل میں ہے'' **بئس مثل القوم مثل الذين كذبوا** '' پہلا مثل بئس کا فاعل اور دوسرا مثل مخصوص بالذم ہے اور دونوں مفرد ہیں اس لئے ان میں مطابقت ہے

۔'' **وقد يحذف المخصوص** ''...... جب مخصوص معلوم ہو تو اس کو حذف بھی کیا جا سکتا ہے جیسے **نعم العبد**۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں بیان ہوا اس لئے معلوم ہے کہ **نعم العبد** سے مراد ایوب علیہ السلام ہیں اس لئے نعم العبد کے بعد ایوبُ مخصوص بالمدح کو حذف کر دیا گیا۔ اسی طرح **فنعم الماهدون** میں معلوم ہے کہ زمین کو بچھانے والی ذات اللہ تعالی کی ہے اور اللہ تعالی نے اس سے پہلے **والسماء بنيناها** جمع کے صیغے سے فرمایا ہے اور یہ جمع تعظیمی ہے اس لئے یہاں بھی **فنعم الماهدون** کے بعد جمع تعظیمی کے طور پر نحن مخصوص بالمدح محذوف ہے اور یہ اصل میں ہے **فنعم الماهدون نحن**۔ افعال ذم میں سے ساءَ بھی ہے جو بئس کی طرح ہے جیسے **ساء الرجل زيد** اور افعال مدح میں سے حبّذا بھی ہے اس میں حب فعل اور ذا اس کا فاعل ہے۔ **ولا يتغير** اور یہ حبّذا ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔ مخصوص کے تثنیہ جمع۔ مذکر۔ اور مونث ہونے کے مطابق یہ تبدیل نہیں ہوتا اور اس کے بعد مخصوص بالمدح ہوتا ہے جیسے **حبّذا زيدٌ** حبَّ فعل مدح ذا اس کا فاعل اور زید مخصوص بالمدح۔ اسی طرح **حبّذا الزيدان**۔ **حبّذا الزيدون**. **حبّذا هندٌ**۔ مخصوص بالمدح بے شک تثنیہ جمع یا مونث ہو حبّذا ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔

'' **واعرابه كاعراب مخصوص نعم** ''...... حبّذا کے مخصوص کا اعراب نعم کے مخصوص کے اعراب کی طرح ہے اور نعم کا مخصوص بالمدح مبتدا یا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اس لئے حبّذا کا مخصوص بالمدح بھی مرفوع ہوگا۔

"ویجوز ان یقع" ......اور حبّذا کے مخصوص سے پہلے اور بعد میں اس کے مخصوص کے افراد تثنیہ جمع مذکر اور مونث ہونے کے مطابق تمیز یا حال واقع ہوسکتا ہے جیسے حبذا راکبا زید . حبّذا میں حب فعل اور ذا ذوالحال اور راکباً اس سے حال ہے۔ ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل اور زید مخصوص بالمدح ہے حبّذا کے مخصوص سے پہلے تمیز کی مثال جیسے حَبّذا رجلاً زیدٌ . حبّذا رجلان زیدان .حبذا رجال زیدون . حبذا کے مخصوص کے بعد تمیز کی مثال جیسے حبّذا زیدٌ رجُلاً .حبّذا زیدان رجلان . حبّذا زیدون رجالا . یہ تمیز اس لئے واقع ہوتی ہے کہ حبّذا کا فاعل یہاں مبہم ہے۔ حبّذا کے مخصوص سے پہلے حال کی مثال جیسے حبّذا راکباً زید . حبّذا راکبان زیدان . حبّذا راکبون زیدون ۔حبّذا کے مخصوص کے بعد حال کی مثال جیسے حبّذا زیدٌ راکباً . حبّذا زیدان راکبان . حبّذا زیدون راکبون .

"الحرف ما دَلَّ علی معنیً فی غیرہ ومِن ثَمّ احتاجَ فی جزئیتِہ الی اسم اوفعل . حُرُوف الجَرّ ماوضع للافضاءِ بفعلٍ اومعناہ الی مایلیه وھِی مِن والی وحتّی وفی والباء واللام ورُبَّ وواوھا وواو القسم وباءُہٗ وَتاءُہٗ وعَنْ علی والکاف ومذ ومنذ وخلا وعدا وحاشا ."

حرف وہ کلمہ ہوتا ہے جو اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اسکے غیر میں پایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کلام کا جز بننے میں اسم یا فعل کیطرف محتاج ہوتا ہے حروف میں سے حروف جارہ ہیں اور حروف جر وہ ہوتے ہیں جو وضع کئے گئے ہوں فعل یا اس کے معنی کو اس تک پہنچانے کے لئے جو اس کے قریب ہے اور وہ حروف جارہ یہ ہیں مِنْ. اِلی . حتّی . فی . باء . لام . رُبّ . ...اور اس رُبّ کے معنی میں واؤ اور واؤ قسم اور قسم کی باء اور اس کی تاء .عَنْ . علی . کاف . مُذ . مُنذ . خلا . عدا . اور حاشا .

''حروف کی بحث'' ......حرف وہ کلمہ ہوتا ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے غیر میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے یہ کلام کا جز بننے کے لئے اسم یا فعل کیطرف محتاج ہوتا ہے۔

اعتراض :۔حرف کی تعریف میں دو اعتراض ہوتے ہیں۔ایک اعتراض یہ ہے کہ جب حرف اپنا معنی ادا کرنے میں مستقل نہیں تو دوسرے کلمہ میں پائے جانے والے معنی پر کیسے دلالت کرتا ہے۔اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب حرف دوسرے کلمہ میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرتا ہے تو وہ معنی دوسرے کلمہ کا ہوا حرف کا اپنا معنی تو نہ ہوا۔

جواب :دونوں اعتراضوں کا جواب یہ دیا گیا کہ حرف کی تعریف میں فی غیرہ میں **فی باء سببیه** کے معنی میں ہے اور جار مجرور کا متعلق مُتَعَقَّلٌ محذوف ہے اس لحاظ سے اصل عبارت ہے **الحرف ما دلّ علی معنی متعقل بسبب غیره** ۔حرف وہ کلمہ ہوتا ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے غیر کیوجہ سے سمجھا جاتا ہے۔

''حروف جارہ کی بحث'' ......حروف کی بحث شروع کرتے ہوئے پہلے حروف جارہ کا ذکر کیا اسلئے کہ یہ زیادہ ہیں اور انکو جارہ اسلئے کہتے ہیں کہ یہ اپنے مدخول کو جر دیتے ہیں۔یا ان کو جارہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ افعال کے معانی کو اپنے مدخول کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔علامہ ابن حاجب نے حروف جارہ کی تعریف یہ کی ہے'' کہ ایسے حروف جو فعل کے معنی کو اپنے مدخول تک کھینچ لانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔اور حروف جارہ سترہ ہیں۔

(۱) مِنْ (۲) اِلی (۳) حتیٰ (۴) فی (۵) باء خواہ باء قسمیہ ہو یا غیر قسمیہ ہو (۶) لام (۷) رُبَّ (۸) واو خواہ وہ قسم کیلئے ہو یا واو رُبّ کے معنی میں ہو۔ (۹) تاء قسمیہ (۱۰) عَنْ (۱۱) عَلی (۱۲) کاف (۱۳) مُذ (۱۴) مُنذُ (۱۵) خلاَ (۱۶) عَدَا (۱۷) حَاشا۔

''فمن للابتداء والتبیین والتبعیض وزائدة فی غیر الموجب خلافا للکوفیین والاخفش ِوقد کان من مطرٍ وشبهه متاولٌ والی للانتهاء وبمعنی مع قلیلاً وحتیٰ کذلک وبمعنی مع کثیرا ویختصُّ

بالظاهر خلافا للمبرد وفی للظرفیّة وبمعنی علی قلیلاً"......

پس مِنْ ابتداء اور بیان اور تبعیض کے لئے آتا ہے اور کبھی کلام غیر موجب میں زائدہ ہوتا ہے کوفیوں اور اخفش کا اس بارہ میں باقی نحویوں سے اختلاف ہے اور **قد کان من مطر** اور اس جیسی مثالوں کی تاویل کی جاتی ہے اور الی انتھاء کے لئے آتا ہے اور بعض دفعہ مع کے معنی میں آتا ہے اور حتی بھی اسی طرح ہے اور مَعَ کے معنی میں کثرت سے آتا ہے اور حتی اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے امام مبرد کا اس میں اختلاف ہے اور فی ظرفیت کیلئے ہے اور بہت کم عَلٰی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

"**حروف جارہ کا استعمال**"...... علامہ فرماتے ہیں کہ **مِن** چار طرح استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ابتداء کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی مِنْ کسی غائیت کی ابتدا کے لئے آتا ہے خواہ ابتداء زمانی ہو جیسے **صُمْتُ مِن الجمعة** میں نے جمعہ کے دن روزہ رکھا۔ یا ابتداء مکانی ہو جیسے **سرت من البصرة الی الکوفة** میں بصرہ سے کوفہ تک چلا۔ اور مِنْ ابتدائیہ وہاں ہوتا ہے جہاں اس کے بعد الی ہو یا الی کے ہم معنی کلمہ ہو۔

(۲) مِنْ بیان کے لئے آتا ہے یعنی یہ مِنْ ماقبل کی وضاحت کے لئے آتا ہے اور مِنْ کا مدخول اس کے ماقبل کیلئے بیان ہوتا ہے جیسے **فاجتنبوا الرجس من الاوثان** اس میں الاوثان بیان ہے الرجس کا۔ اور مِنْ بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کی جگہ موصول کو رکھ دیا جائے تو کلام کا معنی درست رہتا ہے۔ جیسے **فاجتنبو الرجس الذی الاوثان** کے ساتھ بھی معنی درست ہے

(۳) مِنْ تبعیض کے لئے بھی آتا ہے جیسے **اخذتُ من الدراھم**۔ یہاں من کا معنی بعض ہے یعنی اخذت بعض الدراھم میں نے دراھم میں سے کچھ لئے۔

(۴) مِنْ کبھی زائدہ ہوتا ہے (اور زائدہ کی پہچان یہ ہے کہ اگر اس کو کلام سے گرا دیا جائے تو کلام کے معنی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔) جمہور کے نزدیک کلام غیر موجب یعنی ایسی کلام جس میں نفی ہو۔ نہی یا استفہام ہو اس میں مِن زائدہ ہوتا ہے جیسے **ما جاءنی من احد لا تضربْ من احدٍ. هل جاءک من احد**۔ اور کوفیوں اور امام اخفش کے نزدیک من کلام موجب ہو یا غیر موجب۔ ہر صورت میں زائدہ ہوسکتا ہے اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ عرب زبان میں **قد کان من**

مطر استعمال ہوتا ہے یہ کلام موجب ہے اور اس میں مِنْ زائدہ ہے تو اس کا جواب علامہ ابن حاجب نے دیا کہ **قد کان من مطر و شبهه متاول** کہ اس جیسی مثالوں کی تاویل کی جاتی ہے ایک تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس میں من تبعیضیہ ہے اور معنی ہے **قد کان بعض مطر** ۔ یا اس مثال میں مِنْ بیانیہ ہے اور اصل میں **قد کا ن شیئی من مطر** ہے۔

" الی " ...... الی کا استعمال دو طرح ہے اکثر انتھاء کے لئے آتا ہے خواہ انتھاء زمانی ہو جیسے **صمت من یو م الجمعة الی یو م الخمیس** ۔ میں نے جمعہ سے جمعرات تک روزہ رکھا۔ یا انتھاء مکانی ہو جیسے **سِرْتُ مِن البصرة الی الکوفة** ۔ میرے چلنے کی ابتداء بصرہ سے تھی اور انتھاء کوفہ تھی۔ اور الی کبھی مع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ بہت کم ہے جیسے " **لا تاکلو ا اموالهم الی اموالکم** " اس میں الی مع کے معنی میں ہے۔

" حتّی " ...... حتی کا استعمال بھی دو طرح ہے ایک یہ کہ الی کی طرح انتھاء کے لئے ہوتا ہے جیسے **سر ت من البصرة حتی الکوفة** ۔ اور دوسرا یہ کہ یہ اکثر مع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے **اکلت السمکة حتی راسها** اس میں **حتی مَعَ** کے معنی میں ہے کہ میں نے مچھلی کو اس کے سر سمیت کھالیا۔ اور حتی جمہور کے نزدیک اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے اسم ضمیر پر نہیں آتا اور امام مبرد کا اس بارہ میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ حتی اسم ضمیر پر بھی داخل ہوسکتا ہے۔

" فِیْ " ...... فی کا استعمال دو طرح ہے ایک یہ کہ اکثر ظرفیت کے لئے آتا ہے یعنی فی جس پر داخل ہوتا ہے اس کو کسی چیز کا ظرف بنا دیتا ہے خواہ حقیقتاً ظرف ہو جیسے **زید فی البیت** ۔ زید گھر میں ہے یا مجازاً ظرف ہو جیسے **الهلاکة فی الظلم** " ہلاکت ظلم میں ہے۔ اور فی کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ یہ بعض دفعہ علی کے معنی میں آتا ہے جیسے " **ولا صلبنکم فی جذو ع النخل** " اس میں فی علی کے معنی میں ہے کہ فرعون نے ایمان لائے والے جادوگروں سے کہا کہ میں ضرور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔

" والباء للالصاق والاستعانة والمصاحبة والمقابلَة والتعدية والظرفية وزائدة فى الخبر فى الاستفهام والنفى قياساً وفى غيره سِماعاً نحو بحسبک زيدٌ والقى بيده ".۔۔۔۔۔ اور باء الصاق . استعانت . مصاحبت . مقابله . تعدیت ۔اور ظرفیت کے لئے آتی ہے اورا ستفہام کے بعد خبر پر اور نفی کے بعد خبر پر قیاساً زائدہ ہوتی ہے اور اس کے علاوہ میں سماعاً زائد ہوتی ہے جیسے بحسبک زید اور القی بیدہ میں ہے۔

" الباء للالصاق "۔۔۔۔۔ باء کا استعمال آٹھ طرح سے ہوتا ہے۔

(۱) الصاق کے لئے:۔ الصاق کا معنی ہے ملانا اور یہ باء پہلی چیز کو اپنے مدخول کے ساتھ ملا دیتی ہے یہ ملانا حقیقتاً ہو جیسے بہ داء ۔داء مبتداء ہونے کی وجہ سے رتبۃً مقدم ہے اگر چہ یہاں لفظوں میں موخر ہے باء نے بتایا کہ یہ مرض میرے مدخول کو ملی ہوئی ہے ۔یا ملانا مجازاً ہو جیسے مررتُ بزید میرا گزرنا ایسی جگہ میں تھا کہ زید اس کے قریب ہے۔

(۲) استعانت کے لئے:۔ استعانت کا معنی ہے مدد طلب کرنا اور جو باء استعانت کے لئے ہوتی ہے وہ بتاتی ہے کہ مذکورہ فعل کے لئے میرا مدخول آلہ اور ذریعہ ہے جیسے کَتبت بالقلم ۔میں قلم سے لکھا۔تو قلم کتابت کیلئے آلہ ہے۔

(۳) مصاحبت کے لئے:۔ مصاحبت کا معنی ساتھی ہونا۔اور جو باء مصاحبت کے لئے ہوتی ہے وہ بتاتی ہے کہ میرا مدخول ما قبل کا ساتھی اور حکم میں اس کے ساتھ شریک ہے جیسے اشتریت الفرس بفرسه .میں نے گھوڑا اس کی زین سمیت خریدا ۔

(۴) مقابلہ کے لئے:۔ یہ باء دلالت کرتی ہے کہ میرا مدخول ما قبل کے مقابلہ میں ہے۔جیسے اشتریت العبد بدرھم میں نے درھم کے مقابلہ میں غلام خریدا۔

(۵) تعدیت کے لئے:۔ تعدیت کا معنی ہے تجاوز کرنا۔اور جو باء تعدیت کے لئے ہوتی ہے وہ فعل لازم کو متعدی بنا دیتی ہے۔پہلے وہ فعل صرف فاعل کے ساتھ پورا ہو جاتا تھا تو باء نے داخل ہو کر اس کو فاعل سے مفعول کی طرف متجاوز کر دیا۔جیسے ذھب الله بنورھم ۔اللہ ان کے نور کو لے گیا۔

(۶) ظرفیت کے لئے یہ باء دلالت کرتی ہے کہ مابعد مدخول فعل کے لئے ظرف ہے جیسے **اطلبوا العلم ولو بالصین**۔ علم تلاش کرو اگرچہ چین میں ہو۔

(۷) زائدہ۔ باء زائدہ وہ ہوتی ہے کہ اگر اس کو کلام سے گرادیا جائے تو کلام کے مقصودی معنی میں کوئی خلل نہ آئے۔ یہ باء استفہام کے بعد خبر پر اور نفی کے بعد خبر پر تو قیاساً زائدہ ہوتی ہے استفہام کی مثال جیسے **هل زید بقائم**۔

(۸) قسم کے لئے:۔ باء قسم کے لئے بھی آتی ہے جیسے **باللہ لاَضرِبنَّ زیدا**۔ اللہ کی قسم میں زید کو ضرور ماروں گا۔ اور نفی کے بعد خبر پر باء کے زائد ہونے کی مثال جیسے **ما زید براکب** . **لیس زید براکب**۔ ان کے علاوہ بعض مقامات میں سماعاً باء زائدہ آتی ہے جیسے **بحسبک زید** اس میں استفہام اور نفی کے بعد خبر نہیں ہے اس کے باوجود خبر پر باء زائدہ ہے۔ اور **بحسبک درهم** میں بحسبک مبتداء پر باء زائدہ ہے۔ **وکفی باللہ شهیدا** میں لفظ اللہ پر باء زائدہ ہے جو کہ فاعل ہے اور القی بیدہ میں مفعول بہ پر باء زائدہ ہے اور یہ سماعاً ثابت ہے۔

" واللام للاختصاص والتعلیل وبمعنی عن مع القول وزائدة وبمعنی الواو فی القسم للتعجب "

...... اور لام اختصاص اور تعلیل کے لئے ہوتا ہے اور قول کے ساتھ ہو تو عَنْ کے معنی میں ہوتا ہے اور زائدہ ہوتا ہے اور قسم میں تعجب کے لئے واؤ قسمیہ کے معنی میں ہوتا ہے۔

" واللام للاختصاص۔ "

...... لام کا استعمال پانچ طرح ہوتا ہے۔

(۱) اختصاص کے لئے:۔ یہ لام دلالت کرتا ہے کہ ماقبل میرے مدخول کیلئے مختص ہے خواہ اختصاص ملکیت کا ہو جیسے **المال لزید**۔ یا اختصاص استحقاق کا ہو جیسے **الجُلُّ للفرس**۔ یا اختصاص نسبت کا ہو جیسے **هذا الصبی ابنٌ لزید**۔

(۲) تعلیل کیلئے:۔ یہ لام دلالت کرتا ہے کہ مابعد مدخول ماقبل فعل کے لئے علت ہے خواہ علت غائیہ ہو جیسے **ضربته للتادیب**۔ میں نے اس کو ادب سکھانے کے لئے مارا۔ تادیب علت ہے ضرب کے لئے اور یہ تادیب ضرب کے بعد حاصل ہوتی ہے اس لئے علت غائیہ ہے یا علت ایسی ہو جو فعل کا باعث ہو جیسے **خرجتُ لمخافتک**۔ میں تیرے خوف سے نکل گیا۔

یعنی تیرا خوف میرے نکلنے کا باعث بنا۔

(۳) **بمعنی عَنْ** :۔ جب لام قول کے مادہ سے کسی صیغہ کیساتھ ملکر آئے تو یہ لام عَنْ کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **قُلتُ له**۔ یہ **قلت عنه** کے معنی میں ہے۔ **سیقول لک**۔ **سیقول عنک** کے معنی میں اور ۔ **زید قائل لک** ۔ **زید قائل عنک** کے معنی میں ہے (۴) زائدہ:۔ کبھی لام زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے **ردف لکم** ۔ میں لام زائدہ ہے اور یہ اصل میں **ردفکم** ہے۔(۵) واؤ قسمیہ کے معنی میں:۔ اور کبھی لام تعجب کے لئے واؤ قسمیہ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے **لِلّٰہ لا یُوخرا لاجل** . اللہ کی قسم موت نہیں ٹلتی ۔ یہ للہ واللہ کے معنی میں ہے۔ یہ لام واؤ قسمیہ کے معنی میں اس وقت ہوتا ہے جب کہ جواب قسم عام نہ ہو بلکہ کوئی امر عظیم ہو اور اس میں تعجب ہو اسی لئے **لِلّٰہ لقد طار الذباب** کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ مکھیوں کا اڑنا کوئی امر عظیم نہیں ہے۔

" ورُبّ للتقلیل ولها صَدرُ الکلام مختصّة بنکرةٍ موصُوفةٍ علی الاصحّ وفعلها ماضٍ محذوفٌ غالباً وقد تدخل عَلی مضمرٍ مبهمٍ ممیز بنکرةٍ منصوبةٍ والضمیر مفردٌ مذکرٌ خلافا للکوفین فی مطابقة التمییز وتلحقها ما فتدخل علی الجُمل "...... اور رُب تقلیل کے لئے آتا ہے اور اس کے لئے ایسی صدارت کلام ہوتی ہے جو زیادہ صحیح قول کے مطابق نکرہ موصوفہ کے ساتھ مختص ہوتی ہے اور اس کا فعل ماضی محذوف ہوتا ہے اور یہ حذف اکثر ہوتا ہے اور کبھی رُبّ ایسی ضمیر مبھم پر داخل ہوتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے اور وہ ضمیر مفرد مذکر ہوتی ہے اس مسئلہ میں تمیز کے مطابق ضمیر لانے کے بارہ میں کوفیوں کا اختلاف ہے اور اس کے ساتھ ما لاحق ہوتی ہے تو پھر اس صورت میں رُب جملوں پر داخل ہوتا ہے۔

" ورُبَّ للتقلیل "......رُبَّ کا استعمال تین طرح ہوتا ہے۔(۱) تقلیل کے لئے:۔ یہ رُب دلالت کرتا ہے کہ میرے مدخول کے افراد کی قلت مراد ہے اور یہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اور یہ رُب صدارت کلام کو چاہتا ہے اور زیادہ صحیح قول

کے مطابق نکرہ موصوفہ کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور اس کا فعل ماضی اکثر محذوف ہوتا ہے جیسے **رُبَّ رجل کریم** ۔اس کا فعل لقیت محذوف ہے۔(۲) **وقد تدخل علی مضمر** : ۔کبھی رُب ایسی ضمیر مبھم پر داخل ہوتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے اور بصریوں کے نزدیک یہ ضمیر ہر حالت میں مفرد مذکر ہی ہوتی ہے خواہ تمیز مفرد مذکر ہو جیسے **رب رجلا**۔ یا تمیز تثنیہ مذکر ہو جیسے **ربہ رجلان**۔ یا تمیز جمع مذکر ہو جیسے **ربہ رجالاً** ۔یا تمیز واحدہ مونث ہو جیسے **ربہ امراءۃً** ۔یا تمیز تثنیہ مونث ہو یہ جیسے **ربہ امراء تان** یا تمیز جمع مونث ہو جیسے **ربہ نساءً** اور کوفیوں کے نزدیک یہ ضمیر تمیز کے مطابق ہوگی۔ جیسے **ربہ رجلا .ربھما رجلان . ربھم رجالا . ربھا امراءۃً . ربھما امراء تان . ربھن نساءً** ۔

(۳) **وتلحقھاما** : ۔کبھی رُبّ کے ساتھ ما کافہ لاحق ہوتی ہے جو اس رُب کو عمل سے روک دیتی ہے تو اس صورت میں رُبّ جملوں پر داخل ہوتا ہے جیسے **ربما یود الذین کفروا**.

" و واوھا تدخل علی نکرۃ مو صوفۃ وواو لقسمِ انما تکون عند حذف الفِعل لغیر السّوال مختصّۃ بالظاھر "...... اور اس رُب کے معنی میں واؤ جو آتی ہے وہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتی ہے اور واؤ قسمیہ صرف اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ فعل محذوف ہو اور وہ فعل سوال کے لئے نہ ہو اور واؤ قسمیہ اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے۔

" واوھا"...... واؤ جارہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ رُبّ کے معنی میں ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ واؤ قسمیہ ہو۔ جب واؤ رُبّ کے معنی میں ہو تو وہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول ہے' **وبلدۃ لیس لھا انیس** ۔ بہت سے شہر ایسے ہیں جہاں اس کی جان پہچان کا کوئی آدمی نہیں۔ وبلدۃ میں واؤ رُبّ کے معنی میں ہے۔ اور جب واؤ قسمیہ ہو تو اس کے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا فعل محذوف ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل سوال کے لئے نہ ہو اور تیسری شرط یہ ہے کہ واؤ قسمیہ اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوتی۔ جیسے **واللہ لاضربنک** ۔اگر قسم کا فعل مذکور ہو تو واؤ قسمیہ کا لانا درست نہیں ہے اسی لئے **اقسمتُ واللہ** کہنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر فعل سوال کے لئے ہو تو

وہاں بھی واؤ قسمیہ لانا درست نہیں ہے اسی لئے **اجلس واللہ** کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اجلس فعل میں مخاطب سے بیٹھنے کا سوال کیا گیا ہے۔ اور واؤ قسمیہ اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوتی اسی لئے وَک وغیرہ کہنا درست نہیں ہے۔

" والتاء مثلُها مختصَّةٌ باسْمِ الله تعالى والباء اعم منهما فى الجميع ويتلقى القَسَمُ باللام واِنَّ وحرفِ النفى وقد يحذف جوابه اذا اعترض اوتقدّمه ما يدلُّ عليه "...... اور تاء بھی اس واؤ قسمیہ کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ مختص ہے اور باء ان دونوں کی بہ نسبت تمام صورتوں میں عام ہے اور جواب قسم پر لام اور اِنَّ اور حرف نفی بھی آتا ہے اور کبھی جواب قسم کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ قسم جملہ کے درمیان آئے یا قسم سے پہلے ایسا جملہ ہو جو اس جواب قسم پر دلالت کرتا ہو۔

" والتاء " ...... تاء قسمیہ بھی واؤ قسمیہ کی طرح ہے مگر فرق یہ ہے کہ تاء صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے جیسے **تالله**۔ اور تا لفظ اللہ کے علاوہ کسی اور اسم پر داخل نہیں ہوتی اسی لئے تالرحمٰن نہیں کہا جاتا۔

" والباء "...... علامہ ابن حاجب قسم کے لئے استعمال ہونے والے حروف میں فرق بتاتے ہیں۔ کہ واؤ قسمیہ کے لئے بھی شرطیں بیان کی گئی ہیں اور تاء قسمیہ کے لئے بھی شرط بیان کی کہ وہ صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے اور باء کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ باء ان دونوں کی بہ نسبت عام ہے۔ قسم کا فعل مذکور ہو تب بھی آتی ہے جیسے **اقسمت بالله**۔ فعل سوال کے لئے ہو تب بھی آتی ہے جیسے **اِجلِس باللهِ**۔ اسم ضمیر پر بھی آتی ہے جیسے اِجْلِس بِکَ تیری قسم تو بیٹھ جا۔ ایسی قسم شرعاً تو جائز نہیں اس لئے کہ غیر اللہ کی قسم ہے۔ مگر عربی زبان کے لحاظ سے درست ہے۔ باء قسمیہ لفظ اللہ کے علاوہ پر بھی داخل ہوتی ہے جیسے بالرحمٰن وغیرہ۔

"جواب قسم کی بحث"...... علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ جواب قسم پر لام تاکید بھی آتا ہے۔ جیسے **تالله لاَکِیدنَّ اَصْنامکُم**۔ **اکیدن اصنامکم** جواب قسم ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے۔ اور جواب قسم پر اِنَّ بھی آتا

ہے جیسے وَاللہ اِنَّ زید اً قائم اور جواب قسم پر حرف نفی بھی آتا ہے جیسے والضحی واللیل اذا سجی ما ودّعک . ودّعک جواب قسم ہے اوراس پر مانا فیہ داخل ہے۔

"وقد یحذف" .... اوردوصورتوں میں جواب قسم کوحذف بھی کیا جاتا ہےایک صورت یہ ہےاذ ااعترض یعنی قسم جملہ کے درمیان آئے جیسے زید واللہ قائم ۔اوردوسری صورت یہ ہے کہ قسم سے پہلے ایسا جملہ ہوجو جواب قسم پر دلالت کر تا ہوجیسے زید قائم وَاللہ ۔خواہ قسم جملہ کے درمیان میں آئے یاقسم سے پہلے ایسا جملہ ہوجو جواب قسم پردلالت کرر ہاہوان دونوں صورتوں میں قسم جواب سے مستغنی ہوتی ہے اس لئے وہ جملہ جس کے درمیان قسم ہے یاقسم سے پہلے جو جملہ ہے وہ جب جواب پردلالت کرتا ہےتو الگ جواب کی قسم کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

"وعن للمجاوزۃ وَعلی للا ستعلاء وقد یکونان اِسمیْن بدخول منْ علیھما والکاف للتشبیہ وزائدۃ وقد تکوُنُ اسماً وتختص بالظاھر ومُذ ومنذ للزمان للا بتداء فی الماضی والظر فیۃ فی الحاضِرِ نحو مارائیتہٗ مذ شھر نا ومنذ یومنا وحاشا وعد او خلا للاستثناء ." ......اورعن مجاز وت کے لئے آتا ہےاورعلی استعلاء کے لئے آتا ہےاورکبھی یہ دونوں اسم ہوتے ہیں جبکہ ان پرمِن داخل ہواورکاف تشبیہ کیلئے ہوتا ہےاورکبھی زائدہ ہوتا ہےاورکبھی اسم ہوتا ہےاوراسم ظاہر کےساتھ مختص ہےاورمُذ اورمُنذ ماضی میں زمانہ کی ابتداء کے لئے آتے ہیں اورحال میں ظرفیت کے لئے آتے ہیں جیسے مار ائیتہ مذ شھر نا اورمنذ یومنا . اور حاشا اور عَدَااور خَلاا ستثناء کے لئے آتے ہیں۔

" **عن للمجاوزة** " ...... عَن کا استعمال دوطرح ہے ایک یہ کہ یہ مجاوزت کیلئے آتا ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میرے مدخول سے مذکورہ چیز تجاوز کرگئی ہے۔ جیسے **رمیت عَن القوس** میں کمان سے تیر مارا یعنی تیر کمان سے تجاوز کرگیا ہے اور کبھی عن اسم ہوتا ہے جب کہ اس پر من داخل ہو جیسے **جَلَسْتُ مِنْ عَنْ یمینه** ۔ یہاں عَنْ جانب کے معنی میں ہے کہ میں اس کی دائیں جانب بیٹھا۔

" **وَعَلی للاستعلاء** " ...... علی کا استعمال بھی دوطرح ہے ایک یہ کہ یہ استعلاء کے لئے آتا ہے یعنی ایک چیز کو دوسری پر بلند ثابت کرنیکے لئے آتا ہے خواہ استعلاء حقیقۃً ہو جیسے **زیدٌ علی السطح** زید چھت کے اوپر ہے۔ یا استعلاء حکماً ہو جیسے **علیه دَیْنٌ** اس کے اوپر قرضہ ہے۔ اور کبھی علی اسم ہوتا ہے جب کہ اس پر من داخل ہو اس صورت میں علیٰ فوق کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **جَلَسْت مِنْ عَلیهِ**۔ میں اس سے اوپر بیٹھا۔

" **والکاف للتشبیه** " ...... اور کاف کا استعمال تین طرح ہوتا ہے۔

(۱) تشبیہ کے لئے جیسے **زیدٌ کعمرو** . زید عمرو جیسا ہے۔ (۲) اور کاف کبھی زائدہ ہوتا ہے جیسے **لیس کمثله شیئی**۔ اس رب تعالی جیسی کوئی چیز نہیں ۔ اس میں کمثل پر کاف زائدہ ہے اس لئے کہ اگر زائدہ نہ مانیں تو معنی یہ ہوگا کہ رب تعالی کے مثل جیسی کوئی چیز نہیں۔ اس صورت میں رب تعالی کا مثل ثابت ہوتا ہے حالانکہ رب تعالی کا تو کوئی مثل نہیں ہے۔

(۳) **وقد تکون اسماً** : کبھی کاف اسم ہوتا ہے اور اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے جیسے **یضحکن عن کالبرد**۔ وہ عورتیں اولوں جیسے دانتوں سے ہنستی ہیں۔ اس میں کالبرد میں کاف مثل کے معنی میں ہے۔ نحویوں کے نزدیک ضمیر منفصل اسم ظاہر کی طرح ہوتی ہے اس لئے اس پر بھی یہ کاف داخل ہوتا ہے۔ **ماانا کانتَ** میں تیری طرح نہیں ہوں **ماانت کانا** تو میری طرح نہیں ہے۔

" **وَمُذْ** " اگر اس کے مدخول سے زمانہ ماضی مراد ہو تو یہ وقت کی ابتداء کے لئے آتا ہے **مارائیته مُذْ یوم الجمعة** ۔ میں نے اس کو جمعہ کے دن سے نہیں دیکھا یعنی میرے اس کو نہ دیکھنے کے وقت کی ابتداء جمعہ کے دن سے ہے۔ اور اگر اس کے

مدخول سے حال مراد ہو تو مذ ظرفیت کیلئے آتا ہے جیسے ماراء یتہ مذ شھر نا ۔میں نے اپنے مہینہ میں اسکو نہیں دیکھا تو مہینہ نہ دیکھنے کے لئے ظرف ہے ۔ مُنذ . مُنذ بھی مُذ کی طرح ہے جیسے مارائیته مُنذ یوم الجمعة ۔اور ماراء یته منذ شھرنا ۔

" حاشا وَعَدا و خلاللاستثناء " ...... حروف جارہ میں سے حاشااور عدااور خلا استثناء کے لئے آتے ہیں ۔اگر یہ اپنے مدخول کو جر دیں تو جارہ ہوتے ہیں جیسے جاء نی القوم خلا زیدٍ . جاء نی القوم حاشا زیدٍ. جاء نی القوم عدا زیدٍ. اوراگر یہ اپنے مدخول کو نصب دیں تو یہ فعل ہوتے ہیں ۔جیسے حاشا زیدا . عَدا زیدا . خَلا زیدا ۔

" الحروف المشبَّهة ُبالفعل وهی اِنَّ وَاَنَّ وَكَاَنَّ ولكن وليت ولعلَّ ولها صَدُرا لكلام سوی اَنَّ فَهِی بعكسها وتلحقها ما فتلغی علی الا فصح وتدخُلُ حينئذٍ علی الافعال فانَّ لا تغير معنی الجملة وَاَنَّ مع جملتها فی حكم المفرد ومِنْ ثَمَّ وجَبَ الكسرُ فی مو ضع الجُملِ والفتح فی مو ضعِ المفرد فكسر ت ابتدا ءً وبعدَ القول والموصُول وفتحت فاعلةً ومفعولةً ومُبتداء ومضافاً اليها وقالو ا لو لا انک لا نه مبتداء ولو اَنَّکَ لانه فاعلٌ واِنْ جاز التقديرانِ جاز الا مران نحو من يكر منی فانی اكرمه ُ. و ع. اذا اَنَّه ُعبد ُالقفَا واللَّها ز

مِ وشبهه ولذلک جَاز العطف عُلی اسم المکسورة لفظاً او حکماً بالرفعِ دون المفتوحةِ"...... حروف مشبہ بالفعل اور وہ یہ ہیں۔اِنَّ . اَنَّ . کَانَّ . لٰکِنَّ . لَیتَ ۔اور لعلّ اور اَنَّ کے علاوہ باقی حروف صدارت کلام کو چاہتے ہیں اس لئے کہ اَنَّ ان کے برعکس ہے اور ان حروف کو ما کافہ لاحق ہوتی ہے تو زیادہ فصیح لغت کے مطابق ان کے عمل کو لغو کردیتی ہے اور اس وقت یہ افعال پر داخل ہوتے ہیں پس اِنَّ جو ہے یہ جملہ کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا اور اَنَّ اپنے جملہ سمیت مفرد کے حکم میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے جملوں کی جگہ میں انَّ مکسورہ اور مفرد کی جگہ میں اَنَّ مفتوحہ لانا واجب ہوتا ہے۔پس ابتداء میں اور قول کے بعد اور موصول کے بعد اِنَّ مکسورہ لایا جاتا ہے . اور فاعل . مفعول . مبتدا اور مضاف الیه کے ساتھ اَنَّ مفتوحہ لایا جاتا ہے اور نحوی کہتے ہیں لولا انک اس لئے کہ بے شک وہ مبتدا ہے اور لو انّک اس لئے کہ وہ فاعل ہے اور اگر دونوں صورتیں جائز ہوں تو دونوں امر یعنی اِنَّ مکسورہ یا اَنَّ مفتوحہ لانا جائز ہے جیسے من یکرمنی فانی اُکرمک اور شعر ہے اذا انه عبدا لقفا واللهازم ۔اچانک وہ گردن اور جبڑوں کا غلام ثابت ہوا یہ شعر اور اس جیسی مثالوں میں دونوں امر جائز ہیں اور اسی لئے اِنَّ مکسورہ کے اسم پر لفظاً یا حکماً رفع کے ساتھ عطف جائز ہے اور اَنَّ مفتوحہ کے اسم پر جائز نہیں ہے۔

"حروف مشبہ بالفعل کی بحث"...... ان حروف کو مشبہ بالفعل اس لئے کہتے ہیں کہ یہ تین یا چار حرفی ہونے میں فعل کے مشابہ ہوتے ہیں اور جس طرح ماضی کے آخر میں فتحہ ہوتا ہے اسی طرح ان حروف کے آخر میں فتحہ ہوتا ہے نیز ان میں سے ہر ایک حرف میں فعل والا معنی پایا جاتا ہے اور جس طرح فعل کے بعد دو اسم ہوتے ہیں جن میں سے ایک کو فعل رفع اور دوسرے کو نصب دیتا ہے اسی طرح ان حروف کے بعد دو اسم ہوتے ہیں اور یہ حروف ان میں سے ایک کو رفع اور دوسرے کو نصب دیتے ہیں۔"حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں"......اِنَّ . اَنَّ . کَاَنَّ . لٰکِنَّ . لَیتَ . اور لعلَّ . اَنَّ کے علاوہ باقی حروف صدارت کلام کو چاہتے ہیں۔اور انَّ صدارت کلام کو نہیں چاہتا اس لئے کہ اَنَّ اپنے مدخول سمیت عامل کا معمول ہوتا ہے اور معمول عامل کے بعد ہی ہوتا ہے .

"**وتلحقها ما**" ...... ان حروف مشبہ بالفعل میں سے ہرایک کیساتھ ما کافہ لاحق ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں زیادہ فصیح لغت کے مطابق یہ حروف لغو یعنی بے عمل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ما کافہ ان حروف کو اسم کا تقاضہ کرنے سے روک دیتی ہے اس لحاظ سے ان حروف کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور ہو جاتی ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ ان حروف کے ساتھ جب ما کافہ لاحق ہوتی ہے تو ان حروف اور ان کے معمول کے درمیان فاصلہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کا عمل ضعیف ہو جاتا ہے جب ان حروف مشبہ بالفعل کے ساتھ ما کافہ لاحق ہوتی ہے تو اس وقت یہ حروف افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں۔ جیسے **اِنَّما حرم عليكم الميتة . انما خلقناكم . كانما يصّعّد ُفى السمآء** وغیرہ۔ "**اِنَّ اور اَنَّ میں فرق**" ...... (۱) اِنَّ صدارت کلام کو چاہتا ہے یعنی ابتداء کلام میں آتا ہے جیسے **انَّ الله غفور رحيم** اور اَنَّ صدارت کلام کو نہیں چاہتا۔ جیسے **لِتَعْلمو اَنَّ الله َعلى كُلِّ شيئى قدير** ۔ (۲) اِنَّ جس جملہ پر داخل ہوتا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا بلکہ اس کو موکد کر دیتا ہے جیسے **انّ زيد ًا قائم ٌ . زيد قائم** اِنّ َکے داخل ہونے سے پہلے بھی جملہ تھا اور اس کے داخل ہونے کے بعد بھی جملہ رہتا ہے۔ اور اَنَّ جس جملہ پر داخل ہوتا ہے اس کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے جیسے **الم تعلم اَنّ الله على كل شيئى قدير** ۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قادر ہونا نہیں جانتے۔ **اَنَّ الله على كل شيئى قدير** حکم مفرد میں ہے اسی لئے **اَلَم ْتعْلَم ْ** کا مفعول بہ ہے۔

"**وَمِنْ ثَمَّ**" ...... جب اِنَّ جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اَن جملہ کو حکم مفرد میں کر دیتا ہے تو اسی وجہ سے جملوں کی جگہ میں اِن کا لانا واجب ہے یعنی جہاں جملہ ہوتا ہے اس میں اِنَّ آتا ہے اور مفرد کی جگہ میں اَنَّ کا لانا ضروری ہے اور جملہ کے تین مقامات ہیں پہلا مقام ابتداء۔ اس لئے کہ ابتداء جملہ کو چاہتی ہے جیسے **اِنَّ رَبَّکَ يعلم** ۔ دوسرا مقام قول کے مادہ سے ہر صیغہ کے بعد جملہ ہوتا ہے اس لئے کہ بعد والا کلام مقولہ ہوتا ہے اور مقولہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ جیسے **قلت اِنّه ُقائم ٌ** ۔ تیسرا مقام موصول کے بعد ہے اس لئے کہ موصول کے بعد صلہ ہوتا ہے اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ جیسے ان الذین کفروا۔ اور مفرد کے مقام میں اَنَّ مفتوحہ آتا ہے اور مفرد کے علامہ ابن حاجب نے چار مقامات ذکر کئے ہیں۔ پہلا مقام کہ فاعل بننے کا

مقام ہو یعنی اَنَّ اپنے جملہ سے مل کر فاعل بنے تو یہ مقام مفرد ہے اس پر اَنَّ مفتوحہ آتا ہے جیسے **بَلَغنی اَنَّک قائمٌ** ۔ تیر ے کھڑے ہونے کی خبر مجھے پہنچی ۔ دوسرا مقام کہ مفعول بننے کا مقام ہو جیسے **سَمِعتُ اُنَّکَ ذا ھبٌ** ۔ میں نے تیرے جانے کی خبر کو سنا ہے ۔ تیسرا مقام کہ مبتدا بننے کا مقام ہو (اس لئے کہ مبتدا مفرد اسم ہوتی ہے) جیسے **عندی اَنَّکَ قائمٌ** ، چوتھا مقام کہ مضاف الیہ بننے کا مقام ہو اسلئے کہ مضاف الیہ مفرد ہی ہوتا ہے جیسے **اَعجبنی اشتھا رُ انّک عالمٌ** . مجھے تیرے عالم ہونے کی شہرت نے تعجب میں ڈالا ۔ (۳) اس بحث سے معلوم ہوا کہ اِنَّ اور اَنَّ میں تیسرا فرق یہ ہے کہ اِنَّ جملہ کے مقام میں آتا ہے اور اَنَّ مفرد کے مقام میں آتا ہے ۔

"**وقالوالولا انک قائم**"...... نحویوں نے کہا ہے **لو لا اَنَّک قائم** کہنا درست ہے یعنی لولا کے بعد اَنَّ مفتوحہ لایا جاتا ہے اس لئے کہ لولا ابتدائیہ ہے اور اس کے بعد مبتدا ہے اور مبتدا مفرد ہوتی ہے اور مقام مفرد میں اَنَّ آتا ہے ۔ اور ولو **اَنَّک** بھی درست ہے اس لئے کہ لوشرطیہ ہے اور لوشرطیہ فعل کو چاہتا ہے جس سے معلوم ہو کہ لَوْ کے بعد فعل محذوف ہے اور اَنَّ اپنے مدخول کے ساتھ مل کر اس فعل کا فاعل ہے جیسے **لو انھم امنوا واتقوا لمثوبة** ۔ اس میں لَوْ کے بعد ثَبَتَ فعل محذوف ہے اور **انھم اٰمنو واتقوا** ۔ یہ ثبت کا فاعل ہے اور **لمثوبة** لو کی جزا ہے یعنی اگر ان کا ایمان لانا اور تقوی اختیار کرنا ثابت ہو جائے تو وہ ثواب دیئے جائیں گے ۔

"**وان جاز التقدیران**"...... اگر ایسا مقام ہو جو جملہ کا مقام بھی بن سکتا ہو اور مفرد کا مقام بھی بن سکتا ہو تو وہاں دونوں باتیں جائز ہیں اِنَّ کا لانا بھی جائز ہے اور اَنَّ کا لانا بھی جائز ہے جیسے **من یُکرِمنی فانی اُکرمه** . **انی اکرمه** میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے اور مَنْ کا جزا ہے جب یہ جملہ کا مقام ہے تو اس پر اِنَّ مکسورہ آسکتا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جملہ کو بتاویل مفرد خبر بنایا جائے اور اس کی مبتدا کو محذوف مانا جائے اور اصل عبارت اس طرح ہو"**من یکرمنی فجزائه اَنّی اُکرمُهٗ**"...... اس صورت میں اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویل مفرد خبر بن جائیگا **جزائه** مبتدا کی ۔ جب اس مثال میں دونوں احتمال ہیں تو اِنَّ اور اَنَّ دونوں میں سے ہر ایک کو لانا

جائز ہے اورشاعر کا شعر ہے کنت اری زیدا کما قیل سیدا . اذاانه عبدالقفا و اللهازم. میں لوگوں کے قول کے مطابق زید کو سردار خیال کرتا تھا۔ اچانک وہ تو گردن اور جبڑوں کا غلام نکلا۔ گردن اور جبڑوں کے غلام کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ وہ گردن پھیر کر چلا جانے والا یعنی بے پرواہ اور جبڑے کھولنے والا یعنی ترش رو نکلا جو کہ سردار کی عادت نہیں ہونی چاہیے ۔ یا گردن کا غلام ہونا کنایہ ہے زیادہ سونے سے اور جبڑے کا غلام ہونا کنایہ ہے زیادہ کھانے سے ۔ کہ وہ تو بہت سونے اور کھانے والا نکلا جو کہ سردار کی عادت نہیں ہونی چاہیئے ۔ اس شعر میں اذا مفاجاتیہ کے بعد اَنَّ ہے اور اس کے بعد جملہ اسمیہ ہو سکتا ہے اور اصل عبارت ہو فاذا هو عبدا لقفا و اللهازم . جب جملہ اسمیہ ہوگا تو اس پر اِنَّ مکسورہ آئیگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے مدخول کو بتاویل مفرد کر کے مبتدا بنایا جائے اور اس کی خبر کو محذوف مانا جائے اور اصل عبارت اس طرح ہو فَاِذَا عَبُودِيَّةُ الْقفا و اللهازم ثابت" اس صورت میں جب مقام مبتدا کا ہے اور مبتدا مفرد ہوتی ہے تو اس صورت میں اَنَّ مفتوحہ ہوگا.

" ولذالک جاز العطف " ...... جب اِنَّ مکسورہ جملہ میں کوئی تغیر نہیں کرتا تو اس وجہ سے اِنّ مکسورہ کے اسم پر اسم مرفوع کا عطف جائز ہے اس لئے کہ اِنَّ کا اسم اصل میں مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے خواہ اِنَّ مکسورہ لفظاً ہو جیسے اِنَّ زیدا قائم" وعمرو ۔ عمرو کا عطف زیداً پر ہے جو کہ اصل میں مرفوع ہے۔ یا اِنَّ حکماً ہو۔ اور اِنَّ حکمی وہ ہوتا ہے کہ عَلِمَ کے باب سے صیغہ کے بعد اَنَّ لفظوں میں مفتوح مگر حکم میں اِنَّ مکسورہ ہوتا ہے جیسے عَلِمتُ اَنَّ زیدا" قائم" وعمرو۔ اس میں لفظوں میں اَنَّ مفتوحہ ہے مگر حکماً اِنَّ مکسورہ ہے۔

" دون المفتوحة " ...... اگر اَنَّ مفتوحہ ہو تو اس کے اسم منصوب پر کسی اسم مرفوع کا عطف جائز نہیں ہے۔

(۴) اس بحث سے اِنَّ اور اَنَّ میں چوتھا فرق یہ واضح ہوگیا کہ اِنَّ کے اسم منصوب پر اسم مرفوع کا عطف جائز ہے اور اَنَّ مفتوحہ کے اسم منصوب پر کسی اسم مرفوع کا عطف جائز نہیں ہے۔

" ويشترط مُضِيُّ الخبر لفظاً او تقديرا خلافا للكوفيين ولا اثر

لكونه مبنيا خلافا للمبرد والكسائي في مثل انّكَ وزيدٌ ذاهبانِ ولكِنَّ كَذالكَ ولذلكَ دَخلت اللامُ مَعَ المكسورة دُونها على الخبر و الاسمِ اذا فُصل بينه وبينها اوعلى مابينهما وفي لكنْ ضعيف وتُخفَّفُ المكسورة فيلزمها اللام ويجوز الغاء ها ويجوز دُخُولهاَ على فعلٍ من افعَالِ المبتدا خلافا للكوفيين في التعميم وتخفف المفتوحة فتعمل في ضمير شانٍ مقدّرٍ فتدخُل على الجمل مُطْلقا وشذَّ اعمالها في غير ه ويلزمها مع الفعل السين او سوف او قدْ اوحرف النفي "...... اور اِنَّ کے اسم پر مرفوع اسم کے عطف کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے وہ خبر لفظاً یا تقدیراً بیان ہو چکی ہو۔ اسمیں کوفیوں کا اختلاف ہے اور ان کے اسم کے مبنی ہونے کا اس بارہ میں کوئی اثر نہیں ہے اس میں امام مبرد اور امام کسائی کا اختلاف ہے اِنَّکَ وزید ذاهبان جیسی مثالوں میں۔ اور لکِنَّ بھی اسی طرح ہے۔ اور اسی لئے اِنَّ مکسورہ کے ساتھ لام ابتدائیہ خبر پر یا اسم پر داخل ہوسکتا ہے اور اسم پر اس وقت آسکتا ہے۔ جب کہ اِنَّ اور اس کے اسم کے درمیان فصل واقع ہو یا لام اس پر داخل ہوسکتا ہے جو اِنَّ اور اس کے اسم کے درمیان واقع ہو اور اَنّ مفتوح کے اسم یا خبر یا اس کے متعلق پر لام داخل نہیں ہوسکتا۔ لیکن لکن میں اس کے اسم یا خبر پر یا اِنَّ اور اس کے اسم کے درمیان واقع ہونے والے پر لام کا داخل کرنا ضعیف ہے۔ اور جب اِنّ مکسورہ کو مخفف کیا جاتا ہے تو اس وقت اس کے بعد لام کا لانا ضروری ہوتا ہے اور اس کا لغو کرنا یعنی عمل سے خالی کرنا جائز ہے اور اس کا ان افعال پر داخل کرنا جائز ہے جو مبتدا کے افعال میں سے ہیں اور کوفیوں کا تعمیم میں اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک تمام افعال پر داخل ہوسکتا ہے۔ اور اَنَّ مفتوحہ کو مخفف کیا جاسکتا ہے پھر وہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے اور اَنَّ مخففہ مطلقاً جملوں پر داخل ہوتا ہے اور اس ضمیر شان کے علاوہ میں اس کا عمل کرنا شاذ ہے اَنَّ

مخففہ جب فعل پر داخل ہوگا تو فعل کے ساتھ سین یا سوف یا قد یا حرف نفی کا لانا لازم ہوتا ہے۔

"اِنَّ مکسورہ کے اسم منصوب پر اسم مرفوع کے عطف کی شرط" ...... اِنَّ کے اسم منصوب پر اسم مرفوع کا عطف اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ خبر لفظاً پہلے گزر چکی ہو جیسے **اِنَّ زیداً قائم وعمرٌو** اس میں قائم خبر ہے اور عمرٌو سے پہلے مذکور ہے یا خبر تقدیراً پہلے گزر چکی ہو جیسے ان زیداً وعمرٌو قائم اس لئے کہ یہ اصل میں ہے اِنَّ زیداً قائمٌ وعمر و قائمٌ (جمہور کے نزدیک اگر اِنَّ کی خبر لفظاً یا تقدیراً پہلے نہ گزری ہو تو عطف درست نہیں ہے جیسے اِنَّ زیداً وعمر و ذاھبان اس لئے کہ ذاھبان اِن کی بھی خبر ہے اور عمرو مبتدا کی بھی خبر ہے تو ذاھبان میں بیک وقت دو عامل اِنَّ اور ابتداء جمع ہوجاتے ہیں اور یہ درست نہیں ہے بخلاف اس کے کہ اگر پہلے خبر گذر چکی ہو تو خبر اِن کی ہوتی ہے اور اس کی دلالت کی وجہ سے معطوف کی خبر ہوتی ہے) اس بارہ میں کوفیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ پہلے خبر کا گزرا ہونا کوئی شرط نہیں ہے بلکہ ہر حال میں عطف درست ہے اس لئے کہ اِنَّ کی خبر میں اِنَّ عامل نہیں بلکہ ابتداء عامل ہے جب اِن عامل ہی نہیں تو دو عاملوں کا جمع ہونا لازم نہیں آتا۔

"ولا اثر لکونہ مبنیا" ...... اس میں علامہ ابن حاجب امام مبرد اور امام کسائی کے نظریہ کی تردید کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اگر خبر پہلے نہ گزری ہو تو عطف اس وقت جائز ہوگا جب اسم مبنی ہو جیسے **اِنک وزید ذاھبان** یہ امام مبرد اور امام کسائی کے نزدیک جائز ہے جب کہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے امام مبرد اور امام کسائی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اِنَّ کا عمل اسم میں اصل اور خبر میں تابع ہوتا ہے جب اسم کے مبنی ہونے کی وجہ سے اس میں اِنَّ کا عمل نہ ہوا تو خبر میں بھی نہ ہوگا جب خبر میں اِنَّ کا عمل ہی نہیں تو اسم کے مبنی ہونے کی صورت میں خواہ خبر پہلے گزری ہو یا نہ گزری ہو برابر ہے اور جمہور کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ ایسی صورت میں ذاھبان میں دو عامل بیک وقت لازم آتے ہیں اور یہ درست نہیں اس لئے خبر کا پہلے لفظاً یا تقدیراً گزرا ہوا ہونا ضروری ہے۔

"ولٰکِنَّ کذالک" ...... لٰکِنَّ بھی اِنَّ مکسورہ کی طرح ہے کہ جملہ پر داخل ہو کر جملہ میں کوئی تغیر نہیں کرتا اور

اس کے اسم منصوب پر اسم مرفوع کا عطف جائز ہے جب کہ جمہور کے نزدیک خبر پہلے گزر چکی ہو اور کوفیوں کے نزدیک خبر کا گزرا ہوا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

" ولذالک دخلت اللام "...... جب اِنَّ مکسورہ جملہ میں کوئی تغیر نہیں کرتا تو اس کی خبر پر لام تاکید داخل کرنا جائز ہے جیسے اِنَّ زید القائمٌ . اور اِنَّ کے اسم پر اس وقت لام تاکید داخل ہو سکتا ہے جب کہ اِنَّ اور اس کے اسم کے درمیان فاصلہ ہو جیسے اِنَّ فی الدار لزیدًا ۔

" اوعلی مابینهما "......اگر اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان جملہ کے متعلقات میں سے کوئی ہو تو لام تاکید اس پر داخل ہوتا ہے جیسے اِنَّ زیدًا لطعامک اٰکلٌ .

" وفی لکن ضعیف "...... پہلے بتایا کہ لکن اِنَّ مکسورہ کی طرح ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح اِنَّ کے اسم یا خبر یا ان کے متعلق پر لام تاکید داخل ہوتا ہے اسی طرح لکن کے اسم یا خبر پر بھی لام تاکید ہوتا ہے تو علامہ فرماتے ہیں کہ لکن میں یہ لام تاکید کا داخل ہونا ضعیف ہے۔

(۵) اس مذکورہ بحث سے اِنَّ اور اَنَّ میں پانچواں فرق یہ ظاہر ہوا کہ اِنَّ کی خبر پر لام تاکید داخل ہو سکتا ہے اور اَنَّ کی خبر پر لام تاکید نہیں داخل ہو سکتا۔ (۶) اور اِنَّ اور اَنَّ میں چھٹا فرق یہ واضح ہوا کہ اگر اِنَّ اور اسکے اسم کے درمیان فاصلہ ہو تو اسکے اسم پر لام تاکید داخل ہو سکتا ہے مگر اَنَّ کے اسم پر لام تاکید داخل نہیں ہو سکتا۔

(۷) ساتواں فرق یہ واضح ہوا کہ اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان ان کے متعلقات میں سے جو کلمہ ہو اس پر لام تاکید داخل ہو سکتا ہے مگر اَنَّ کی صورت میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ (وتخفف المکسورة) اِنَّ مکسورۃ کو مخفف کیا جا سکتا ہے تو ایسی صورت میں اسکے بعد لام تاکید لازم ہے تاکہ اِنْ نافیہ اور اِنْ مخففہ عن المثقلہ کے درمیان فرق ہو جائے جیسے اِنْ زیدًا لَقائم ''اور اِنَّ کو مخففہ کرنے کے بعد اس کے عمل کو باطل کرنا بھی جائز ہے جیسے اِنْ زید قائم ۔

(۸) آٹھواں فرق اِنَّ اور اَنَّ کے درمیان یہ بیان کیا کہ اِنَّ کو مخفف کرنے کے بعد لام لازم ہے اور اَنَّ کو مخفف کرنے کے

بعد لام لازم نہیں ہے۔

(۹) نواں فرق یہ بیان کیا کہ اِنَّ کو مخفف کرنے کے بعد اسکو بے عمل کیا جا سکتا ہے مگر اَنَّ کو مخفف کرنے کے بعد اس کو بے عمل نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ وہ لازماً ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے۔

" **ویجوز دخولها علی فعل** "...... اور اِنَّ مکسورہ مخفف ہونے کے بعد ایسے افعال پر داخل ہو سکتا ہے جو مبتدا کے افعال میں سے ہیں یعنی جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں جیسے افعال ناقصہ اور افعال قلوب وغیرہ جیسے **واِنْ کانَتْ لَکَبیرة** اور **وان نظنک لمن الکاذبین** ۔وغیرہ۔ اس مسئلہ میں کوفیوں کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اِنْ مخففہ تمام افعال پر داخل ہو سکتا ہے اور دلیل میں شاعر کا یہ قول پیش کرتے ہیں۔ " **تاللہ ربک اِنْ قتلت لمسلما . وجبت علیک عقوبة المتعمد** ۔اللہ کی قسم جو تیرا رب ہے بے شک تو نے البتہ مسلمان کو قتل کیا ہے۔ تجھ پر قتل عمد کی سزا واجب ہے۔ اس شعر میں **اِنْ مخففه قتلتَ** پر داخل ہے جو کہ مبتدا اور خبر پر داخل ہونے والے افعال میں سے نہیں ہے ۔مگر بصریوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ شاذ ہے۔

" **وتخفف المفتوحة** "...... اور اَنَّ مفتوحہ کو جب مخفف کیا جاتا ہے تو وہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے اور اَنْ مخففہ علی الاطلاق جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ خواہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ ہو۔ " **وشذ اعمالها فی غیره** ۔اَنْ مخففہ عن المثقلہ کا ضمیر شان کے علاوہ کسی اور میں عمل کرنا شاذ ہے جیسے شاعر کا قول ہے **ولو اَنکِ فی یوم الرخاء سالتنی فراقک لم ابخل وانت صدیق** ۔اے محبوبہ اگر تو خوشحالی کے موسم میں مجھ سے اپنی جدائی کا سوال کرتی تو میں بخل نہ کرتا حالانکہ تو میری محبوبہ ہے اس میں اَنْ مخففہ عن المثقلہ کِ ضمیر پر داخل ہے۔ اور یہ شاذ ہے۔

" **ویلزمها مع الفعل** "...... جب **اَنْ مخففه** ہو تو وہ جس فعل پر داخل ہوگا اس فعل پر سین یا سوف یا قدْ یا حرف نفی کا داخل کرنا لازم ہے (تاکہ **اَنْ مخففه عن المثقله** اور اَن مصدریہ ناصبہ میں فرق ہو سکے۔ اس لئے کہ سین اور سوف مصدریت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ استقبال کے لئے ہوتے ہیں اور مصدریت بھی استقبال کے لئے

ہوتی ہے تو ان میں سے ایک کا استدراک یعنی ترک کرنا ضروری ہے اور قد تحقیق کے لئے ہوتا ہے جب کہ مصدریت میں طمع ہوتی ہے تحقیق اور طمع جمع نہیں ہو سکتے۔) سین کی مثال جیسے عَلِمَ اَنْ سَیَکُون ۔سوف کی مثال جیسا کہ شاعر کا قول ہے واعلم فعلم المرء ینفعه ان سوف یاء تی کل ماقدر ۔علم حاصل کر پس آدمی کو علم فائدہ دیتا ہے بے شک وہ آکر رہے گا جو تقدیر میں لکھا جاچکا ہے۔قد کی مثال جیسے اَنْ قَدْ اَبْلَغوا ۔حرف نفی کی مثال جیسے اولا یرون ان لا یرجع الیهم۔

اعتراض ۔یہ کہا گیا ہے کہ اَنْ مخففه جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس فعل پر حرف نفی اس لئے لایا جاتا ہے تاکہ اَن مُخففه عن المثقلة اور اَنْ مصدریہ ناصبہ میں فرق ہو جائے مگر یہ درست نہیں اس لئے کہ فعل منفی پر اَن مصدریہ ناصبہ بھی آسکتا ہے جیسے لِئَلَّا یعلم اَهل ُالکتاب ۔۔

جواب:۔ اَن ُمخففه کے بعد سین ۔سوف ۔قد ۔اور حرف نفی ۔صرف اَن ُمخففه عن المثقله اور اَنْ مصدریہ ناصبہ میں فرق کے لئے نہیں آتے بلکہ یہ حروف اس نون کا عوض بھی ہوتے ہیں جس کو حذف کیا گیا ہے۔اس لئے یہ حرف نفی نون محذوفہ کے عوض ہے باقی رہا اَنْ مخففه عن المثقله اور اَنْ مصدریہ میں فرق تو وہ ان دونوں میں لفظاً و معناً ہر لحاظ سے ہوتا ہے لفظاً اس طرح کہ اَنْ مصدریہ کے بعد فعل منصوب ہوتا ہے جبکہ اَنْ مخففہ کے بعد منصوب نہیں ہوتا اور معناً اس طرح کہ اَنْ مصدریہ کے بعد فعل مستقبل کے لئے متعین ہو جاتا ہے اور اَنْ مخففہ کے بعد مستقبل کے لئے متعین نہیں ہوتا۔

”وَکَاَنَّ للتشبیه و تخفف فتلغی علی الا فصح ولکنّ للاستدراک تتوسَّط بین کلامیں مُتغَایرین معنیً و تخفف فتلغی ویجوز مَعَها الواو ولیت للتمنی ّواجاز الفرّاء لیت زیدًا قائماً ولعَلّ للترجّی وشذّ الجرّ بها“ ...... اور کاَنّ تشبیہ کے لئے ہے اور اس کو مخفف بھی کیا جاتا ہے تو اس صورت میں زیادہ فصیح قول کے

مطابق یہ بے عمل ہو جاتا ہے اور لکن استدراک کیلئے ہے یہ معنی کے لحاظ سے دو متضاد کلاموں کے درمیان آتا ہے اور اس کو مخفف بھی کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ واؤ کا لانا جائز ہے اور لیت تمنی کے لئے ہے اور امام فراء نے لیت زیدا قائما کو جائز قرار دیا ہے اور لعل ترجی کے لئے ہے اور اس کی وجہ سے جر شاذ ہے۔

" وَکَاَنَّ للتشبیه "...... حروف مشبہ بالفعل میں سے کَاَنَّ تشبیہ کے لئے آتا ہے اور اس کو مخفف کر کے کَاَنْ بھی پڑھا جاتا ہے اور زیادہ فصیح نظریہ کے مطابق یہ تخفیف کے بعد بے عمل ہو جاتا ہے اس کے کہ اس کا عمل تو فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا اور تخفیف کے بعد ان حروف کی فعل کے ساتھ مشابہت نہیں رہتی اس لئے یہ تخفیف کے بعد بے عمل ہو جاتے ہیں جیسے شاعر کا قول ہے۔ " ونحرٍ مُشرق اللّون ِ. کَاَن ثَدیاہ حُقّان ۔ اور رنگ چمکانے والی گردن ہے گویا کہ اس کے دونوں پستان برتن ہیں یا جواہرات کی ڈبیہ ہیں۔ اس شعر میں کَـاَن نے کوئی عمل نہیں کیا اس لئے کہ اس کے بعد ثریاہ مرفوع ہے اگر یہ عمل کرتا تو ثدییہ منصوب ہوتا۔

ولکنّ للاستدراک ۔ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لکِنَّ اِن مکسورہ کی طرح ہے اور اب یہاں علامہ فرماتے ہیں کہ لٰکِنّ استدراک کے لئے آتا ہے۔ استدراک کہتے ہیں پہلی کلام سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا اور لٰکن ایسی دو کلاموں کے درمیان آتا ہے جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متضاد ہوتی ہیں جیسے جاء زیدٌ وَلکنَّ عمر وٌ . جب جاء زید کہا تو وہم ہوا کہ شاید عمرو بھی آیا ہو تو اس وہم کو دور کرنے کیلئے کہہ دیا ولـکـنَّ عمر وٌ یعنی عمرو نہیں آیا۔ اور لـکنَّ کو مخفف کر کے لٰکن بھی پڑھا جاتا ہے اور اس صورت میں یہ بے عمل ہو جاتا ہے جیسے جاء زید ولکن عمر وٌ غائبٌ اس میں لٰکن نے کوئی عمل نہیں کیا۔

" ویجوز معها الواو "...... لکِنَّ کے ساتھ واؤ کا لانا اور نہ لانا بھی جائز ہے جیسے جاء زید لکنَّ عمروٌ اور جاء زید و لکنَّ عمر وٌ دونوں طرح جائز ہے۔

" ولیت لـلـتـمـنی "...... حروف مشبہ بالفعل میں سے لیت تمنی کے لئے آتا ہے۔ جیسے لیـت زیداً حاضرٌ ۔ جمہور کے نزدیک یہ باقی حروف مشبہ بالفعل کی طرح اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔

" **واجاز الفراء**"...... اورامام فراء نے کہا ہے کہ لیت کے بعد دونوں اسموں کونصب دینا جائز ہے جیسے **لیت زیدا قائماً** اورامام فراء دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں **لیت اتمنی** کے معنی میں ہے اوراس کے بعد دونوں اسم مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کا معنی ہے میں زید کے کھڑے ہونے کی امید رکھتا ہوں اور جمہور کہتے ہیں کہ لیت حروف مشبہ بالفعل میں سے ہے اس لئے اسکا عمل اس کے مطابق ہی ہوگا۔" **وَلَعلّ للترجی** ۔ ترجی کا معنی بھی امید ہے مگر تمنی اور ترجی میں فرق یہ ہے کہ تمنی ممکن اور محال ہر چیز کی ہوسکتی ہے جیسے **لیت لی مالا فانفقه** ۔مال کا حصول ممکن ہے اور قیامت کے دن کافر کہے گا" **یٰلیتنی کنت ترابا**" کاش میں ملیامیٹ ہوجاؤں اور وہاں اس کا ملیامیٹ ہونا محال ہے۔اور ترجی صرف اسی چیز کی ہوسکتی ہے جس کا ہونا ممکن ہو جیسے **لَعَلَّ عمرواً غائبٌ** ۔عمرو کا غائب ہونا ممکن ہے اس لئے اسکی ترجی ہوسکتی ہے اور **لَعَلَّ الشباب یَعودُ** نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ جوانی کا لوٹنا عادۃً محال ہے۔

" **وشذ الجر بها**" ......لَعَلَّ کی وجہ سے بعض دفعہ جر بھی آتی ہے مگر اس کی وجہ سے جر شاذ ہے جیسے شاعر کا قول ہے **لَعَلَّ ابی المغوار منک قریب** ۔قریب شاید کہ ابوالمغوار تیرے قریب ہو۔اس میں لعل نے ابی کو جر دی ہے اگر یہ جر نہ دیتا تو ابا المغوار ہوتا۔مگر علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں کہ لَعَلَّ کی وجہ سے جر شاذ ہے۔

" **الحروف العَاطِفَةُ وهی الواو والفاء وثمّ وحتی واووامّا وام ولا وبل ولکن فالا ربعةُ الاولُ للجمع فالواو للجمع مطلقا لاترتیبَ فیها والفاء للترتیب وثمّ مثلها بمهلَة وحتی مثلُهَا ومعطوفها جزء من متبوعه لیفیدَقوةً اوضعفاً واَوْ واِما واَمْ لا حدِ الامرَیْنِ مبهماً وام المتّصلةُ لازمةٌ لهمزة الاستفهام یلیها احد المستویین والاخر**

الهَمُزة بعد ثبوت احدهما لطلب التعيين ومن ثم لَم يجز ا رايت َزيد ا ام عمر و اً ومن ثمّ كان َجوابها بالتعيين دون نعَم اولا والمنقطعة كبلُ والهمزة مثل اِنَّهَا لاَ بِلّ اَمُ شَاءٌ واِمّا قبل المعطوف عليه لازمةٌ مَعَ امّا جائزةٌ مع او ولا وبل ولكن لاحدهما معيناً ولكن لازمةٌ للنفى".

...... حروف عاطفہ اوروہ یہ ہیں . واو . فاء . ثم . حتی . اَوُ . اِماّ . اَم . لا . بَلُ . اور لٰکن ۔پس ان میں سے پہلے چار معطوف اور معطوف علیہ کوایک حکم میں جمع کرنے کے لئے آتے ہیں پس واوٗ مطلقاً جمع کے لئے ہوتی ہے اس میں ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا اور فاء ترتیب کیلئے آتی ہے۔اور ثُمَّ بھی اس فاء کی طرح ترتیب کیلئے ہوتی ہے مہلت کے ساتھ۔اور حتی ثمّ کی طرح ہے اور حتی کا معطوف اپنے متبوع یعنی معطوف علیہ کا جز ہوتا ہے تاکہ قوت یا ضعف کا فائدہ دے اور اَوُ اور اِمّا اور اَم دو چیزوں میں سے کسی ایک غیر متعین کے لئے آتے ہیں۔اَم متصلہ ہمزہ استفہام کو لازم ہے اور اس میں برابر دو امور پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک ام متصلہ کے قریب اور دوسرا ہمزہ کے قریب ہوتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ اس کی تعیین طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ارائیت َزیداً اَم ُعمر واً کہنا جائز نہیں ہے اور اسی وجہ سے اسکا جواب نعم یا لا کے ساتھ نہیں ہوسکتا بلکہ تعیین کے ساتھ ہوگا اور ام منقطعہ بَلُ اور ہمزہ کی طرح ہوتا ہے جیسے انهــا لا بِلّ اَم شــاءٌ ۔ بے شک وہ اونٹ ہیں یا بکریاں ہیں۔اور اِمّا معطوف علیہ سے پہلے اِمّا کے ساتھ لازم اور اَوُ کے ساتھ جائز ہے اور لا۔ بل۔اور لٰکن ان دو امور میں سے کسی ایک معین کے لئے آتے ہیں اور لٰکن نفی کے لئے لازم ہے۔

"حروف عاطفہ کی بحث" ......عطف کا معنی ہے مائل ہونا اور مائل کرنا۔ان حروف کو عاطفہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ معطوف کو اعراب میں معطوف علیہ کے حکم کی جانب مائل کرتے ہیں۔

حروف عاطفہ دس ہیں ۔واو . فاء . ثمّ . حتی . اَوْ . اما . اَمْ . لاَ . بَلْ . اور لکن ۔ان میں سے واو . فاء . ثم ۔اور حتی جمع کے لئے یعنی مطوف اور مطوف علیہ کو ایک حکم میں جمع کرنے کے لئے آتے ہیں ۔

" فالوا و "...... واؤ مطلق جمع کے لئے آتی ہے اس میں ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا جیسے جاء نی زید و عمروٌ . میرے پاس زید اور عمرو آئے یعنی آنے میں وہ دونوں شریک ہیں اور آنے کی ترتیب ملحوظ نہیں ہے کہ زید پہلے آیا یا عمرو پہلے آیا ۔

" والفاء للترتیب "...... اور فاء معطوف اور معطوف علیہ کو ایک حکم میں جمع کرنے کے ساتھ ترتیب کا فائدہ بھی دیتی ہے جیسے جاء نی زید فعمرو ۔میرے پاس زید آیا پھر فوراً عمرو آیا ۔فاء میں جو ترتیب ہوتی ہے اس میں مہلت یعنی تاخیر نہیں ہوتی ۔

"ثم مثلها "...... ثم بھی فاء کی طرح ہے کہ اس میں ترتیب ہوتی ہے مگر اس میں ترتیب مھلت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے جاء نی زید ثمّ عمرو ۔میرے پاس زید آیا پھر کچھ عرصہ کے بعد عمرو آیا ۔

" وحتی مثلها ."...... حتی ثُمّ کی طرح ہے کہ اس میں ترتیب مہلت کے ساتھ ہوتی ہے مگر اسمیں مہلت کا زمانہ ثمّ کی بہ نسبت کم ہوتا ہے اور حتی کا معطوف اپنے متبوع یعنی معطوف علیہ کا جز ہوتا ہے اور عطف اسلئے ہوتا ہے تا کہ عطف کی وجہ سے قوت یا ضعف کا فائدہ حاصل ہو جیسے قدم الجیش حتی الامیر ۔لشکر آیا یہاں تک کہ امیر بھی آ گیا اسمیں قوت کا ارادہ ہے اور قدم الحاج حتی المشاۃ ۔حاجی آ گئے یہاں تک کہ پیدل بھی آ گئے ۔اس سے ضعف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔" واَوْ واِمّا وَاَمْ لاحدا لامرین . "...... یہ تین حروف دو امور میں سے کسی ایک غیر متعین کے لئے آتے ہیں جیسے لقیت زیداً او عمرواً میں زید یا عمرو سے ملا اس میں دونوں میں ایک سے ملنا یقینی ہے مگر اس کا تعین نہیں ہے ۔اور جاء نی اِمّا زید و امّا عمروٌ ۔میرے پاس یا زید آیا یا عمرو آیا ۔ هَلْ عندک زید ام عمروٌ

۔کیا تیرے پاس زید ہے یا عمرو ہے۔

" **وام المتصلة** "...... اَمْ کی دو قسمیں ہیں ام متصلہ اور ام منقطعہ۔اَمْ متصلہ ہمزہ استفہام کو لازم ہے یعنی اس سے پہلے اسم پر ہمزہ استفہام کا ہونا ضروری ہے۔اور اس میں جو دو امور ہوتے ہیں ان میں سے ایک اَمْ متصلہ کے قریب اور دوسرا ہمزہ استفہام کے قریب ہوتا ہے اور ان دونوں امور میں سے ایک کے ثبوت کا علم ہوتا ہے اور یہ اسکی تعیین طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے جیسے **ازید عندک اَم عمرٌو** ۔کیا زید تیرے پاس ہے یا عمرو ہے۔یعنی یہ تو معلوم ہے کہ ان دونوں میں کوئی ایک ہے مگر اس کی تعیین مطلوب ہے۔

" **ومن ثمَّ** "...... جب یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ دو امور میں سے ایک ام متصلہ کے اور دوسرا ہمزہ استفہام کے قریب ہوتا ہے تو اسی وجہ سے ارَایت زیدا ام عمرًا کہنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ہمزہ استفہام اور زید کے درمیان فاصلہ ہے۔اور ام متصلہ سے کئے گئے سوال کے جواب میں نعم یا لانہیں کہا جا سکتا بلکہ مذکورہ دو امور میں سے کسی ایک کی تعیین کے ساتھ جواب ہوگا۔جیسے ازید عندک اَم عمرٌو کے جواب میں نعم یا لانہیں کہا جا سکتا بلکہ زید یا عمرو کی تعیین سے جواب دیا جائیگا۔

" **والمنقطعة** "...... ام منقطعہ بل اور ہمزہ کی طرح ہے جیسے **بَل** اضراب یعنی پہلی کلام سے اعراض کے لئے ہوتا ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے ہوتا ہے اسی طرح ام منقطعہ سے پہلی کلام سے اعراض اور بعد والی کلام میں استفہام ہوتا ہے۔جیسے **انها لابلٌ اَمْ شاۃٌ** بے شک وہ اونٹ ہیں بلکہ وہ بکریاں ہیں۔

" **وَاِمّا قبل المعطوف علیه** "...... یہاں سے علامہ ابن حاجب یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اِمّا کے ساتھ عطف کیا جائے تو معطوف علیہ سے پہلے بھی ایک اِمّا کا ہونا ضروری ہے جیسے **جاء نی اِما زیدٌ واما عمروٌ**۔ اور قرآن کریم میں ہے" **اِمّا ان تلقی واِما ان نکون نحن الملقین ۔اِما شاکراً واِمّا کفوراً .** "...... اور اگر اَوْ کے ساتھ عطف کیا جائے تو معطوف علیہ سے پہلے اما کا لانا جائز ہے جیسے **جاء نی اما زیدٌ اوْ عمرٌو** ۔

" **ولا وبل ولکن** "...... یہ تین حروف دو امروں میں سے کسی ایک کی تعیین کے لئے آتے ہیں اور لا متبوع میں

ایجاب کے بعد حکم کی نفی کیلیئے آتا ہے اور یہ ایجاب کے بعد ہی آتا ہے جیسے **جاء نی زید لا عمروٌ** ۔اور **بَلُ** اضراب کے لئے آتا ہے اور اضراب کا معنی یہ ہے کہ معطوف کی جانب حکم کی نسبت کرنے کی وجہ سے پہلی کلام خواہ مثبت ہو یا منفی ہو اس سے اعراض ہوتا ہے اور وہ مسکوت کی طرح ہو جاتی ہے جیسے **جاء نی زید بل عمر و . ماجاء نی زید بل عمرو** ۔اگر نفی کے بعد بل آئے تو جمہور کے نزدیک **بَلُ** اثبات کے لئے ہوتا ہے جیسے **ماجاء نی زید بل عمر و** یعنی زید نہیں آیا بلکہ عمرو آیا ہے۔اور امام مبرد کے نزدیک یہ **بَلُ** پہلی کلام کی نفی کو باقی رکھتا ہے اس لئے ان کے نزدیک معنی یہ ہوگا میرے پاس زید نہیں آیا بلکہ عمرو نہیں آیا۔

" **ولکن لاحد هما معینا** " ...... لکن استدراک کے لئے آتا ہے اور دو امور میں سے ایک کلمہ تعین کے لئے آتا ہے اور لکن سے پہلے نفی کا ہونا ضروری ہے جیسے **ماجاء نی زید لکن عمروٌ** ۔

﴿حروف التنبیه الا واما وها﴾...... حروف تنبیہ اَ لا اور اما اور ها ہیں۔

"**حروف تنبیہ کی بحث**"...... تنبیہ کا معنی ہے خبردار کرنا اور ان حروف کو حروف تنبیہ اس لئے کہتے ہیں کہ مخاطب کو کلام کی اہمیت بتانے کے لئے یہ حروف لائے جاتے ہیں تا کہ مخاطب غفلت کو دور کر کے کلام کو غور سے سنے۔حروف تنبیہ تین ہیں۔ **اَ لا ، اَما اور ها** ۔ان میں سے الا اور اما مضمون جملہ کو پختہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔اور مفرد پر نہیں داخل ہوتے ہیں بلکہ جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ جملہ خبریہ ہو جیسے **الا انهم هم المفسدون . اَلا یَعْلم مَنْ خَلَق** ۔یا جملہ انشائیہ امر کی صورت ہو جیسے **اَلا اضرِبْ زیداً** ۔ یا جملہ انشائیہ نہی کی صورت میں ہو جیسے **اَلا تضرب زیداً** ۔یا جملہ انشائیہ استفہامیہ ہو جیسے **اَلا هَلْ ضَرَبْتَ زیداً** یا جملہ انشائیہ تمنی کی صورت میں ہو جیسے **اَ لا لَیْتَ عندک مالا** خبردار کاش تیرے پاس مال ہوتا۔اور ھا مفرد اور جملہ دونوں پر آتا ہے جیسے ھا زیدٌ۔ھا زید قائمٌ۔ اور اسم اشارہ پر کثرت سے آتا ہے جیسے **هذا .هو لاء وغیر ہ**

﴿حروف النداء یا اعمّها وَاَیا وَھَیا للبعید وای والھمزۃ للقریب﴾

...... حروف نداء یہ ہیں یاان میں سے عام ہے اوراَیا اورھَیا بعید کے لئے اوراَیْ اور ہمزہ قریب کیلئے ہیں۔

''حروف نداء کی بحث''...... نداء کا معنی ہے پکارناان حروف کے ذریعہ سے کسی کو پکارا جاتا ہے اسلئے ان کوحروف نداء کہتے ہیں۔حروف نداء پانچ ہیں. یا۔ایا . ھیا . اَیْ ۔اور ہمزہ مفتوحہ۔ان میں سے یا عام ہےیعنی جس کو پکارا جارہا ہے خواہ قریب ہو۔ یادورہو یا کے ساتھ اس کو پکارا جاسکتا ہے جیسے یازید جب کہ زید قریب ہو۔اوراگر منادی دورہے تب بھی یا کیساتھ پکارا جاسکتا ہے جیسے یاحبیبی لیت عندی حاضرا . اۓ میرے دوست کاش تو میرے پاس موجود ہوتا۔اَیا اورھیادونوں منادی بعید کیلئے ہیں جیسے اَیا حَبیبی اُکتُب الی کتابا ۔اے دوست میری طرف خط تو لکھ۔اسی طرح ھَیا بھی منادی بعید کے لئے آتا ہے۔اَیْ اور ہمزہ مفتوحہ منادی قریب کے لئے آتے ہیں جیسے اَیْ زید خُذ بیدی اے زید میرا ہاتھ پکڑ۔ اَزَید اُنظر اَمَامک اے زید اپنے سامنے دیکھ۔

''حُرُوف ُالایجاب نعم وبلیٰ واِیْ واَجَلُ وجیرِ واِنّ فنعم مقررۃ لما سَبَقھا وبلی مختصّۃٌ بایجاب النفی وایْ للاثباتِ بَعد الاستفھامِ ویلزمُھا القسم ُواَجَل ُوجیر واِنّ تصدیقٌ للمُخبِرِ''...... حروف ایجاب یہ ہیں۔ نعم اوربلی اور ایْ اوراَجل اور جیروان۔پس نعم اپنے ماقبل حکم کو پختہ کرنے کے لئے آتا ہے اور بلی نفی کے جواب کے ساتھ مختص ہے اوراِیْ استفہام کے بعد اثبات کے لئے آتا ہے اوراس کے ساتھ قسم لازم ہے اور اَجَل ُ اور جیر اوراِنَّ خبر دینے والے کی خبر کی تصدیق کے لئے آتے ہیں۔

''حروف ایجاب کی بحث'' ایجاب کا معنی ہے جواب دینا اور یہ حروف بھی جواب میں آتے ہیں اس لئے ان کو حروف ایجاب کہا جاتا ہے اورحروف ایجاب چھ ہیں. نعَمْ. بلیٰ . ایْ . اَجَل . جیرِ اوراِنّ.

''فنعم مقررة''...... نعم اپنے ماقبل حکم کو پختہ کرنے کے لئے آتا ہے جیسے کسی نے کہا ھل ضربت زیدا تو جواب میں کہا نَعَمْ. ''وبلی''...... اور بلیٰ نفی کے جواب میں اثبات کیلئے آتا ہے جیسے اَلَسْتُ بربکم قالو ا بلیٰ۔اللہ تعالی نے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب روحوں نے عالم ارواح میں جواب دیا بَلٰی کیوں نہیں۔وإی . ایْ استفہام کے بعد جواب میں اثبات کے لئے آتا ہے اوراس کے ساتھ قسم لازم ہے جیسے کسی نے کہا ھل جاء زید کیا زید آیا ہے تو جواب میں کہے اِی واللہ ہاں اللہ کی قسم وہ آیا ہے۔

''وَاجل وجیر واِنّ''...... یہ تین حروف خبر دینے والے کی خبر کی تصدیق کیلئے آتے ہیں جیسے کسی نے کہا ضرب زید عمروا۔زید نے عمرو کا مارا ہے تو جواب میں کہے اَجَلْ۔یا اَجیرِ کہے یا اِن کہے جب یہ خبر کی تصدیق کیلئے آتے ہیں تو اسی لئے استفہام کے جواب میں انکولانا درست نہیں ہے۔اسلئے کہ استفہام میں خبر نہیں ہوتی جیسے کسی نے کہا اَقَامَ زید تو جواب میں اَجَلْ یا جَیر یا اِن کہنا درست نہیں ہے۔

''حُرُوفُ الزِّیَادَةِاِنْ وان وما ولاومِنْ والباء واللام فان مَعَ ما النافیة وقلّت مع ما المصدریّة ولمّا واَنْ مع لمّا وبین لو وَ القسم وقلّت مع الکاف وما مَعَ اذا ومتی وای وابن واِنْ شرطا وبعض حُرُوفِ الجر و قلت مع المضاف ولامع الواو بعد النفی وان المصدریة وقلّتْ قبل اُقسمُ وشذت مَعَ المضاف ومن والباء واللام تقدّمَ ذکرھا .''

...... حروف زیادت یہ ہیں اِنْ. اَنْ. مَا . لا. مِنْ . باء. لام . پس۔ان مانافیہ کے ساتھ آتا ہے اور بہت کم ما مصدریہ اور لما کے ساتھ بھی آتا ہے اوراَنْ لَمّا کے ساتھ اور لَوْ اور قسم کے درمیان ہوتا ہے اور بہت کم کاف کے ساتھ بھی ہو

تا ہے۔اوراذا اورمتــی اورای اور ایــن اور اِنْ۔شرطیہ کےساتھ اوربعض حروف جارہ کیساتھ مَا زائدہ ہوتی ہے اوربعض دفعہ مضاف کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔اور لانفی کے بعد واؤ کے ساتھ اوران مصدریہ کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض دفعہ اُقسمُ سے پہلے ہوتا ہےاور مضاف کیساتھ لا کا زائد آنا شاذ ہےاور مِنْ اور باءاور لام کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

''حروف زیادت کی بحث''......ان حروف کوزیادت اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے بغیر بھی کلام کا مقصودی معنی ادا ہوجاتا ہے۔حروف زیادت سات ہیں۔ اِنْ . اَنْ . مَا . لاَ . مِنْ . باء . اور لام

'' فان مع ما النافية ''...... اِنْ مانافیہ کےساتھ زائدہ ہوتی ہے جیسے ما اِنْ زیدٌ قائمٌ۔اورکبھی مامصدریہ کےساتھ بھی اِن زائدہ ہوتا ہے جیسے اِنتَظِرْ ما اِن جلس القاضي ۔قاضی کے بیٹھے رہنے تک انتظار کر۔اوربعض دفعہ اِن لَمَّا کےساتھ بھی زائدہ ہوتا ہے جیسے لَمّا ان قام زيدٌ قُمتُ۔

'' وانْ مع لما ''...... اوران لما کیساتھ زائدہ ہوتا ہے جیسے فَلَمّا ان جاء البشير اورلو اورقسم کے درمیان بھی اَنْ زائدہ ہوتا ہے جیسے و الله اَنْ لو قام زيدٌ قمتُ اوربعض دفعہ کاف تشبیہ کےساتھ بھی اَنْ زائدہ ہوتا ہے جیسے شاعرکاقول ہے كَاَنْ ظَبْيَةٍ تعطو ا الى نا ضر السلم ۔اس میں اگر ظبيةٍ کومجرور پڑھیں تو یہ کاف جارہ کا مجرور ہوگا اورکاف کےساتھ اَنْ زائدہ ہوگا۔

'' وَما مع اذا ''...... ۔اور ما اذا کےساتھ زائدہ ہوتی ہے جیسے اِذا مـا تخرج اَخرجْ اور ما متی کےساتھ بھی زائدہ ہوتی ہے جیسے متی ما تذ هَبْ اَذْهَبْ ۔اورما اَیُّ کےساتھ بھی زائدہ ہوتی ہے جیسے اِیاًمّاتدعوا ۔اور مَا اَیْنَ کےساتھ بھی زائدہ ہوتی ہے جیسے اَیْـنَ مـاتکونو ا يُد رِكْكُمُ المو ت۔اورمااِنْ کےساتھ بھی زائدہ ہوتی ہے جیسے اِمّا تَرَيِنَّ من البشر اَحدًا .

" **شرطاً** " ...... یہ قید ان تمام کے لئے ہے جن کے ساتھ مَا زائدہ ہوتی ہے یعنی مَا اِن کے ساتھ تب زائدہ ہوگی جب کہ یہ کلمات شرط کے لئے ہوں۔ " **وبعض حروف الجر** " ...... اور مَا بعض حروف جارہ کے ساتھ بھی زائدہ ہوتی ہے جیسے **فبِما رحمة . مما خطيئا تهم** . میں باء کے بعد اور من کے بعد ما زائدہ ہے۔

" **وقلّت مع المضاف** " ...... اور بعض دفعہ ما مضاف کے ساتھ بھی زائدہ ہوتی ہے جیسے **لاسيما زيد**۔

" **ولا مع الواو** " ...... اور لانفی کے بعد واؤ کے ساتھ زائدہ ہوتا ہے جیسے **ماجاء نی زيدٌ ولاعمروٌ** ۔ اور اَن مصدریہ کے بعد بھی لا زائدہ ہوتا ہے جیسے **ما منعک ان لا تسجد اذا مرتک** ۔ اور قسم سے پہلے بھی کبھی لا زائدہ ہوتا ہے جیسے لا اقسم اور مضاف کے ساتھ لا کا زائد ہونا شاذ ہے جیسے شاعر کے قول ہے" **فی بير لا حور سرى وما شعو**۔ اس میں حور مضاف پر لا زائد ہے۔

" **ومن والباء واللام** " ...... حروف زیادت میں سے مِن اور باء اور لام کا ذکر پہلے حروف جارہ کی بحث میں گزر چکا ہے۔ ﴿**حرفا التفسير اَی وَ اَن فَاَن مختصّة بما فی معنی القول**

﴾...... تفسیر کے دو حرف اَیْ اور اَن ہیں پس اَن اس کے ساتھ مختص ہے جو قول کے معنی میں ہو۔

" **حروف تفسیر کی بحث** " ...... حروف تفسیر وہ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے ماقبل کلام کی تفسیر کی جائے۔ اور ان حروف کے بعد کا کلام ماقبل کلام کی تفسیر ہوتا ہے۔ حروف تفسیر دو ہیں۔ اَیْ اور اَنْ۔ اَیْ عام ہے ہر مبہم کی تفسیر کے لئے آتا ہے خواہ مبہم مفرد ہو جیسے **جاء نی زيد ای اخوک** ۔ یا مبہم جملہ ہو جیسے **قطع رِزْقُه اَی مات** اس کا رزق ختم ہو گیا یعنی وہ مر گیا۔ اور اَن اس کلام کے ساتھ مختص ہے جو قول کے معنی میں ہو اور قول کے معنی میں امر اور نداء اور کنایہ ہوتے ہیں۔ نداء کی مثال جیسے **ناديناه ان يا ابراهيم** ۔ امر کی مثال جیسے **اَمَرْتُهُ اَنِ اذهَبْ**۔ صریح قول کے بعد یا جو کلام

قول کے معنی میں نہ ہو وہاں اَنْ تفسیریہ نہیں آتا۔ جیسے قلت له اَنْ اضرب کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اَنْ صریح قول کے بعد واقع ہے اس طرح اشرت اليه ان يضرب کہنا درست نہیں ہے جب کہ ان کو تفسیریہ مانا جائے اسلئے کہ یہ قول کے معنی کے بعد نہیں ہے اور اگر ان مصدریہ ہو تو پھر درست ہے۔

" حروف المصدر مَا وَاَنْ وَاَنَّ فالاولان للفعلية وَاَنَّ للاسمية " ......

حروف مصدر ما۔ اَن اور اَنَّ ہیں پس پہلے دو فعلیت کے لئے اور اَنَّ اسمیت کے لئے ہے۔

" حروف مصدر کی بحث " ...... حروف مصدر وہ ہوتے ہیں جو اپنے مابعد کو مصدر کے معنی میں کر دیتے ہیں۔ حروف مصدر تین ہیں۔ مَا . اَنْ اور اَنَّ. ما اور اَنْ جملہ فعلیہ پر آتے ہیں اور جملہ فعلیہ کو مصدر بنا دیتے ہیں جیسے وضاقت عليهم الا رض بما رحبت ۔ کشادہ ہونے کے باوجود زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ بما میں ما مصدریہ ہے اور اس نے رُحُبتْ فعل کو مصدر بنا دیا ہے۔ اعجبنی اَن خرجت۔ تیرے نکلنے نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ اَن خَرَجْتَ پر اَن مصدریہ ہے اور اَنَّ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے اَعجبنی اَنَّ زيداً عَالمٌ .

﴿حروف التحضِيضِ هَلاَّ .واَلّا .وَ لَو لا. ولوما لها صدر الكلام ويلزَمها الفعلُ لفظاً او تقديراً﴾...... حروف تخصیص۔ ھلاّ۔ اَلاّ۔ لو لا اور لوَما ہیں ان کے لئے صدارت کلام ہوتی ہے اور لفظاً یا تقدیراً ان کے ساتھ فعل لازم ہے۔

" حروف تخصیص کی بحث " ...... تخصیص کا معنی ہے برانگیختہ کرنا۔ ابھارنا۔ ان حروف کے ذریعے سے مخاطب کو کسی فعل پر ابھارا جاتا ہے اس لئے ان حروف کو حروف تخصیص کہتے ہیں ۔ حروف تخصیص چار ہیں .ھلاّ. اَلاّ. لولا . اور لَوما . " لها صدر الكلام " ...... یہ حروف صدارت کلام کو چاہتے ہیں اور ان کے ساتھ فعل لازم ہے خواہ فعل لفظوں میں مذکور ہو جیسے هَلاّ ضربتَ زيداً ۔ یا فعل تقدیراً ہو جیسے هَلاّ زيداً یہاں هلاّ کے بعد ضربت فعل

مقدر ہے اگر یہ حروف مضارع پر داخل ہوں تو فعل پر ابھارنا واضح ہے جیسے ھلاّ تضرب ُ زید اً تو زید کو کیوں نہیں مار رہا یعنی اسکو مار۔ اور اگر ماضی پر داخل ہوں تو ترک فعل پر ملامت ہوتی ہے اور مستقبل میں اس فعل پر ابھارنا ہوتا ہے جیسے ھلاّ ضربت زیداً تو نے زید کو کیوں نہیں مارا یعنی آئندہ اس کو مارنا۔

''حرف التوقع ''...... قد وھی َفی المضارع للتقلیل۔ ''......

حرف توقع قد ہے اور وہ مضارع کی تقلیل کے لئے آتا ہے۔

''حرف توقع کی بحث'' ......توقع کہتے ہیں امید کو۔ اور یہ حرف جس فعل پر داخل ہوتا ہے اسکے پائے جانے کی توقع ہوتی ہے حرف توقع صرف قد ہے جیسے قَدْرَکَبَ الامیر ُ. یہ اس شخص کو کہنا جو امیر کے سوار ہونیکی امید رکھتا اور اس کا انتظار کر رہا ہو۔ اور قَدْ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تقلیل کے لئے آتا ہے جیسے ان الکذوب قد یصدق۔ بے شک جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ کہہ دیتا ہے۔

'' حر فا الاستِفْھامِ الھمزۃ وھل لَھما صَدُر الکلام تقول ازید ٌ قائمٌ واَقام زید وکذلک ھل والھمزۃ اعَمّ تصرّفاً تقول ازیداً ضربت َ واَتضرِبُ زیداً وھو اخُوک وازیدٌ عندک ام عمروٌ واَ ثُمّ اذاما وَقعَ واَفَمَنْ کانَ واَوَمن ُکان َ

...... استفہام کے دو حرف ہمزہ اور ھل ہیں۔ ان کے لئے صدارت کلام ہوتی ہے جیسے تو کہے ازید قائمٌ کیا زید کھڑا ہے اَقام َزیدٌ اور اسی طرح ھَلْ ہے اور ہمزہ تصرف میں عام ہے آپ کہہ سکتے ہیں ازیداً ضَربت َا ور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں اَتضرِبُ زیداً وھو اخوک اور ازید عندک ام عمر وٌ اور اثُمّ َاذ ما وَقعَ اور اَفَمَن َکا ن اور اَوَمَن کَانَ۔

''حروف استفہام کی بحث'' .. ..حروف استفہام دو ہیں ہمزہ اور ھل یہ صدارت کلام کو چاہتے ہیں جیسے ازیدٌ

قائمٌ ۔ ہمزہ کا استعمال ھل کی بہ نسبت عام ہے اس لئے کہ ہمزہ فعل کے پائے جانے کے باوجود اسم پر داخل ہوتا ہے جب کہ ھل فعل کے پائے جانے کے ساتھ اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ جیسے ازیداً ضربت کہنا درست ہے اور ھل زیداً ضربت کہنا درست نہیں ہے اور اتضرِبُ زید او ھو اخوک کہنا درست ہے اور ھل تضربُ زیدا وھو اخوک کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اس میں استفہام انکاری ہے اور استفہام انکاری کے لئے ہمزہ آتا ہے اور ھل نہیں آتا۔ اسی طرح ازید عندک ام عمروٌ کہنا جائز ہے اور ھلْ زیدٌ عندک اَم عمروٌ کہنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں اَم متصلہ ہے اور اَم متصلہ کے مقابلہ میں ہمزہ آتا ہے ھل نہیں آتا۔ اَثُمَّ اذا ما وقع کہنا درست ہے اور ھل ثُمّ اِذا ماوقع کہنا درست نہیں۔ اَفَمَنْ کان کہنا درست ہے اور ھَلْ فَمَن کان کہنا درست نہیں اور اَوَمَنْ کان کہنا درست ہے اور ھَلْ ومن کان کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ ان مثالوں میں ثُمّ اور فاء اور واوٗ حروف عاطفہ ہیں اور حروف عاطفہ پر ہمزہ داخل ہوسکتا ہے مگر ھَل کا داخل کرنا ان پر درست نہیں ہے۔ جب ھل کے مقامات ہمزہ کی بہ نسبت کم ہوگئے تو اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ ہمزہ کا استعمال ھل کی بہ نسبت عام ہے۔

"حروف الشرطِ اِنْ ولو واَمّا لها صدر الکلام فان للاستقبال وان دخل علی الماضی ولو عکسُهٗ وتلزمان الفِعلَ لفظاً اوتقدیراً ومن ثَمّ قیل لو اَنّک بالفتح لانه فاعلٌ وانطلقت بالفعل موضِعَ منطلق لیکون کالعوضِ فان کان جَامداً جاز لتعذره واذا تقدمَ القسمُ اوّل الکلامِ علی الشرط لزمُه الماضی لفظاً اومعنیً فیطابق وکان الجوابُ للقسمِ لفظاً مثل واللہ ان اَتیتنی اولم تاتنی لاکرمتُک

وان توسّطَ بتقدیم الشرط او غیرہ جاز ان یعتبر وان یلغی کقولک انا واللہِ ان تاتنی اٰتِک وان اتیتنِی واللہ لاٰتینّک وتقدیر القسمِ کاللفظِ مِثل لئِن اُخرجوا لایَخرُجُون وَان اطعتُمُوھُم " ......حروف شرط اِنْ اور لَو اور اَمّا ہیں ان کے لئے صدارت کلام ہوتی ہے پس اِنْ استقبال کے لئے آتا ہے اگر چہ ماضی پر داخل ہو اور لَو اس کے برعکس ہے اور دونوں کے لئے لفظاً یا تقدیراً فعل لازم ہے اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے **لَوْ اَنّکَ** اس لئے کہ بے شک وہ فاعل ہے او رلو انطلقت فعل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے منطلق کی جگہ تا کہ وہ فعل محذوف کے عوض ہو جائے۔ پس اگر خبر جامد ہو تو اس کا اسم لانا بھی جائز ہے اس فعل کے متعذر ہونے کیوجہ سے۔ اور جب کلام کی ابتداء میں شرط پر قسم مقدم ہو تو شرط کا ماضی لانا لازم ہوتا ہے خواہ ماضی لفظاً ہو یا معناً ہو تو وہ جواب قسم کے مطابق ہوگی اور وہ جواب لفظاً قسم کا ہوگا جیسے **واللہ ان اتیتنی اولم تاتینی لاکرمتک** اللہ کی قسم اگر تو میرے پاس آئے یا تو میرے پاس نہ آئے میں تیری عزت کروں گا۔ اور اگر شرط کے یا کسی اور کے مقدم ہونے کی وجہ سے قسم درمیان میں آجائے تو اس قسم یا شرط کا اعتبار کرنا اور ان میں سے کسی کا لغو کرنا جائز ہے جیسے تیرا قول **انا واللہ ان تاتینی اٰتک** اللہ کی قسم اگر تو میرے پاس آئے گا تو میں تیرے پاس آوں گا۔ اور **ان اتیتنی واللہ لاٰتینک** اگر تو میرے پاس آئے گا تو اللہ کی قسم میں ضرور تیرے پاس آونگا۔ اور قسم کا مقدر ہونا لفظوں میں مذکور ہونے کیطرح ہے جیسے **لئن اُخرجوا لایخرجون اوراِنْ اَطعتموھم**۔

"حروف شرط کی بحث" ......حروف شرط تین ہیں۔ اِن۔ لَو۔ اور اَمّا۔ یہ حروف صدارت کلام کو چاہتے ہیں۔ اِن استقبال کے لئے آتا ہے اگر چہ ماضی پر داخل ہو جیسے **اِنْ خرجتَ خرجتُ** اگر تو نکلے گا تو میں نکلوں گا۔ اور لَو اس کے الٹ ہے یعنی مضارع پر بھی داخل ہو تو ماضی کے لئے آتا ہے جیسے **لَوْ یطیعکم فی کثیر من الامر لَعَنِتُّمْ**۔ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اکثر معاملات میں تمہاری اطاعت کرتے تو تم ضرور مشقت میں پڑ جاتے۔ اِنْ اور لَو دونوں کے لئے فعل لازم ہے یعنی یہ فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں خواہ فعل لفظوں میں مذکور ہو جیسے **اِنْ تُکرِمنی اَکرمتکَ**۔ **لَواطّلعت**

عَلیھم ۔ یا فعل تقدیراً ہو جیسے **وان اَحدٌ من المشرکین استجارک** یہ اصل میں **وان استجارک احد من المشرکین** ہے۔

"**ومن ثم**"...... جب قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اِنْ اور **لَوْ** فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں تو اگر بظاہر وہ فعل پر نہ ہوں تو وہاں فعل کو مقدر مانا جاتا ہے جیسے۔ **لَوْ اَنّک** کہنا جائز ہے اس لیئے کہ اَنّ اپنے معمول کے ساتھ مل کر فاعل واقع ہوتا ہے فعل مقدر کا اور **لَــوْ اِنّک** کہنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں فعل کے مقدر ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے اور قرینہ کے بغیر مقدر ماننا درست نہیں ہے۔

"**وانـطـلقت بالفعل**"...... جب اَنّ ایسے لَوْ کے بعد واقع ہو جس کی شرط محذوف ہو تو اگر اَنّ کی خبر مشتق ہو تو اس کا فعل ہونا ضروری ہے جیسے **لو انک** منطلق کی جگہ **لَوْ اَنّک انطلقت** اس لئے کہتے ہیں تاکہ وہ فعل محذوف کے عوض ہو جائے۔ "**فان کان جامدا**" ...... پس اگر خبر جامد ہو تو ایسی صورت میں فعل لانا متعذر ہے اس لئے کہ اسم جامد سے فعل نہیں بنایا
جا سکتا تو ایسی صورت میں اسم جامد ہی اَنّ کی خبر ہوگا جیسے **لَو اَنّ مـافـی الارض من شجرۃ اقلامٌ** میں **اقلامٌ** جامد ہے اور یہی اَنّ کی خبر ہے۔ "**و اذا تقدم القسم**"...... اور جب ابتداء کلام میں قسم شرط پر مقدم ہو تو اس وقت شرط کا ماضی لانا ضروری ہے خواہ ماضی لفظاً ہو (جیسے **والـلـه اِنْ اَتیتَنی لاکرمتک** ابتداء میں قسم ہے اس کے بعد حرف شرط ہے اور اس کی شرط اتیتنی لفظاً ماضی ہے اور لاکرمتک معناً قسم اور شرط دونوں کا جواب ہے اور لفظاً صرف قسم کا جواب ہے۔ یا ماضی معناً ہو (جیسے **والـلـه ان لم تاتنی لاکرمنک** اس میں لم تات ماضی معناً ہے) پھر وہ جواب قسم کے مطابق ہوگی یعنی جس طرح حرف شرط نے جواب شرط میں عمل نہیں کیا اسی طرح فعل ماضی کے مبنی ہونے کیوجہ سے اِس میں بھی اس کا عمل نہ ہوگا تو شرط اور جواب شرط حرف شرط کے عمل نہ ہونے میں مطابقت ہو جائیں گے۔

"وكان الجواب للقسم لفظاً"...... اور وہ جواب لفظاً قسم کا جواب ہوگا حرف شرط کا جواب نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ وہ جواب دونوں کا تو لفظاً نہیں بن سکتا اس لئے کہ لَوْ کا جواب مجزوم اور قسم کا جواب غیر مجزوم ہوتا ہے اور ایک ہی کلمہ کا بیک وقت مجزوم اور غیر مجزوم ہونا محال ہے۔ پھر قسم اور شرط میں سے لفظوں میں قسم کا اعتبار زیادہ ہوتا ہے اس لئے قسم اعتبار کرتے ہوئے لفظاً جواب اس کا بنائیں گے اور معناً وہ جواب دونوں کا ہوگا۔ قسم کا جواب چونکہ مشروط ہوسکتا ہے اس لئے دونو ں کا جواب معناً بننے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

"وان توسّط"...... پہلے ذکر تھا کہ قسم پہلے اور حرف شرط درمیان مین آجائے اور اب فرماتے ہیں کہ اگر شرط پہلے اور قسم درمیان میں آجائے یا شرط کے علاوہ کوئی اور مقدم ہو اور قسم درمیان میں آجائے تو ایسی صورت میں قسم اور شرط دونوں میں سے ہرایک کا اعتبار بھی کیا جاسکتا ہے۔ اوران میں سے ہرایک کو لغو بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ یعنی شرط کا اعتبار کریں اور قسم کو لغو قرار دے کر جواب کو جواب شرط بنائیں جیسے انا والله إن تا تني ا تک ۔اس مثال میں قسم سے پہلے انا ہے جو شرط نہیں ہے اور قسم درمیان میں آگئی ہے اور ا تِک میں ات مجزوم ہے جو کہ شرط کی جزا ہے اور قسم لغو ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قسم کا اعتبار کر کے شرط کو لغو کریں اوو جواب کو جواب قسم بنائیں جیسے إنْ اَتیتنی و الله لَا تِیَنّک ۔اس مثال میں شرط مقدم اور قسم درمیان میں ہے او قسم کا اعتبار کر کے لا تینک کو جواب قسم بنایا گیا ہے اسی لئے وہ مجزوم نہیں ہے۔

"وتقدير القسم كا للفظ"...... اور قسم کا مقدر ہونا حکم میں لفظوں میں مذکور کی طرح ہے جیسے لئن أخرجو ا لا يخرجو ن یہ اصل میں و الله لئن أخر جوا ہے۔ اور و ان اطعتموهم يه اصل ميں و الله إن اطعتمو هم ہے۔.

"وَاَما للتفصيل والتُزِم حَذفُ فعلها وعُوّض بينها وبين فائها جزء مما في حيّزِها مطلقا وقيل هُو مَعمُولُ المحذوف مطلقاً مثل اَمّا يو م

الجمعة فزيد" منطلق" وقيل ان كان جائز التقديم فمن الاول والا فمن الثاني " ...... اور امّا تفصیل کے لئے آتا ہے اور اس کے فعل کا حذف لازم کیا گیا ہے اور اس کے عوض اس اَمّا اور اس کی فاء کے درمیان ایسا جز لایا جا سکتا ہے جو مطلقاً اس کے جواب کے حیز میں ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مطلقاً محذوف کا معمول ہوتا ہے جیسے **اَمّا یوم الجمعة فزید منطلق** اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر اس جز کی تقدیم جائز ہو تو وہ پہلی صورت سے ہے اور اگر تقدیم جائز نہ ہو تو دوسری صورت میں سے ہے۔

" اَمّا تفصیلیہ کی بحث " ...... اَمّا تفصیل کے لئے آتا ہے اور اس کے فعل کو حذف کرنا ضروری ہے اور اس کے عوض اَمّا شرطیہ اور اس کی جزاء پر داخل ہونے والی فاء کے درمیان مطلقاً ایسا جز لایا جاتا ہے جو اس کے جواب کے حیز میں ہوتا ہے یعنی جواب میں شامل ہوتا ہے اور درمیان میں عوض اس لیئے لایا جاتا ہے تاکہ حرف شرط اور فاء جزائیہ اکٹھے نہ ہوں بلکہ درمیان میں فاصلہ ہو۔ اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے (اور کہا گیا ہے کہ یہ نظریہ امام مبرد کا ہے) کہ وہ جو عوض لایا جاتا ہے وہ مطلقاً محذوف کا معمول ہوتا ہے جیسے **اَمّا یوم الجمعة فزید منطلق** ۔ پہلے نظریہ والوں کے مطابق اس کا اصل **مهما يكن من شيئى فزيد منطلق يوم الجمعة** ہے یکن من شئی کو حذف کیا اور مھما کی جگہ اَمّا کو لائے اور اَمّا اور فاء کے درمیان فاصلہ کرنے کے لئے **یوم الجمعة** کو لائے جو جزاء منطلق کا معمول ہے اور اسکے حیز میں ہے تو **اما یوم الجمعة فزید منطلق** ہو گیا۔ اور دوسرے نظریہ والوں یعنی امام مبرد وغیرہ کے نزدیک **اما یوم الجمعة فزید منطلق** اصل میں **مهما يكن من شيئى يوم الجمعة فزيد منطلق** تھا۔ **يكن من شيئى** کو حذف کر کے مھما کی جگہ اَمّا کو لائے۔ اور یوم الجمعۃ شرط کا معمول ہے جزاء کا معمول نہیں ہے۔

"وقيل ان كان جائز التقديم " ...... اور بعض حضرات نے کہا ہے اور یہ نظریہ امام مازنی کا ہے کہ اگر وہ جس کو عوض میں لایا گیا ہے جائز التقدیم ہو یعنی اس کو مقدم کرنا جائز ہو (یعنی فا جزائیہ کے علاوہ اس کی تقدیم سے کوئی اور مانع نہ ہو) تو اس صورت میں پہلے نظریہ والوں کا موقف درست ہے۔ کہ وہ جزاء کا معمول ہو گا۔ اور اگر عوض میں لایا جانا ایسا ہو کہ

اس کی تقدیم جائز نہ ہو یعنی فاجزائیہ کے علاوہ اور بھی اس کی تقدیم سے مانع ہو تو پھر دوسرے نظریہ والوں کا موقف درست ہے کہ وہ عوض شرط کا معمول ہے جیسے اما یوم الجمعة فزید منطلق میں یوم الجمعة منطلق کا معمول ہونے کی وجہ سے فاجزائیہ کے تحت ہے اور اس فاجزائیہ کے علاوہ اس کی تقدیم سے کوئی مانع نہیں ہے تو اس صورت میں عوض کو جزاء کا معمول بنایا جائیگا۔اور امایوم الجمعة فانک مسافر میں اگر اس کا اصل پہلے نظریہ والوں کے مطابق مهما یکن من شیئی فانک مسافر یوم الجمعة مانا جائے تو یوم الجمعة کی تقدیم کیلئے فاجزائیہ کے علاوہ اِنَّ بھی مانع ہے اسلئے کہ اِنَّ اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرسکتا۔اس لئے دوسرے نظریہ والوں کے مطابق اس کا اصل مهما یکن من شیئ یوم الجمعة فانک مسافر ہی درست ہوگا۔یہ نظریہ امام مازنی کا بتایا گیا ہے۔

﴿حرف الرّدع کلا قد جاء بمعنی حقا﴾

......حرف ردع کلاّ ہے اور وہ کبھی حقاً کے معنی میں بھی آتا ہے۔

﴿حرف ردع کی بحث﴾...... ردع کہتے ہیں جھڑکنے اور منع کرنے کو۔اس کلمہ کے ساتھ مخاطب کو جھڑکا جاتا ہے اس لئے اس کو حرف ردع کہا جاتا ہے جیسے کَلاَّ اِنَّهَا لَظٰی 'اور کَلاَّ کا معنی لَیس کذا لک ہے۔ قیامت کے دن مجرم سب احباب کو جھنم میں دھکیلنے پر راضی ہو کر اپنی نجات کی خواہش کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کَلاَّ ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔اور کبھی کَلاَّ حَقاً کے معنی میں آتا ہے جیسے کَلاَّ اِنَّ الا نسان لیطغی۔ پکی بات ہے کہ بے شک انسان البتہ سرکشی کرتا ہے۔

۲

﴿تاءُ التانيثِ الساَّكِنةُ تلحقُ الماضَىَ لتانيثِ المُسند اليه فان كان ظاهرا غير حقيقى فمخير واما الحاقُ عَلامةِ التثنية والجمعين فضعيفٌ. "...... تاء تانیث ساکنہ مندالیہ کی تانیث کی وجہ سے ماضی کے آخر میں لگتی ہے پس اگر مندالیہ اسم ظاہر مونث غیر حقیقی ہو تو اختیار دیا گیا ہے بہر حال فعل کے ساتھ تثنیہ اور دونوں جمعوں کی علامت کا لگانا تو یہ ضعیف ہے۔

"تاء تانیث کی بحث"...... مندالیہ کی تانیث کی وجہ سے فعل ماضی کے آخر میں جو تاء ساکنہ ہوتی ہے وہ تاء تانیث ہوتی ہے جیسے ضَرَبتْ۔ اگر مندالیہ یعنی فعل کا فاعل مونث غیر حقیقی ہو تو اس فعل کے ساتھ تانیث کی علامت لگانے یا نہ لگانے میں اختیار ہے جیسے طلعت الشمس اور طلع الشمس دونوں طرح جائز ہے۔ اور فعل کے آخر میں تثنیہ کی علامت لگانا یا جمع مذکر اور جمع مونث کی علامت لگانا ضعیف ہے جیسے .طلع الشمسان .طلع الشموس درست ہے اور طلعا الشمسان اور طلعوا الشموس یہ ضعیف ہے اسی طرح طلعت الشمس . طلعت الشمسان اور طلعت الشموس کہنا درست ہے اور طلعت الشمسان اور طلعن الشموس کہنا ضعیف ہے.

" التنوين نونٌ ساكنة تتبعِ حركة الاخر لا لتاكيد الفعل وهو للتمكن والتنكير والعِوض والمقابلة والترنم ويحذف من العَلَم موصوفاً بابنٍ مُضافا الى علمٍ اٰخرَ "...... تنوین ایسا نون ساکن ہوتی ہے جو آخری حرکت کے تابع ہوتی ہے اور فعل کی تاکید کے لئے نہیں ہوتی اور وہ تمکن اور تنکیر اور عوض اور مقابلہ اور ترنم کے لئے ہوتی ہے اور ایسے اَعْلام ناموں کے آخر سے حذف کردی جاتی ہے جو ابنٌ کے ساتھ موصوف ہو کر کسی دوسرے عَلَم کی طرف مضاف ہوں۔

''تنوین کی بحث'' ...... تنوین اپنی وضع کے لحاظ سے نون ساکنہ ہوتی ہے اور آخری حرکت کے تابع ہوتی ہے اور فعل کی تاکید کے لیے نہیں ہوتی ۔ تنوین اپنی وضع کے لحاظ سے نون ساکنہ ہوتی ہے اگر چہ اس کو کسی عارضہ کی وجہ سے حرکت دے دی جائے جیسے **زیدُ نِ العالِمُ** میں تنوین کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے کسرہ کی حرکت دے دی گئی ہے اور یہ تنوین فعل کی تاکید کے لئے نہیں ہوتی اس لئے کہ فعل کی تاکید کے لئے حقیقی نون ہوتا ہے۔

تنوین کی پانچ قسمیں ہیں (۱) تنوین تمکن (۲) تنوین تنکیر (۳) تنوین عوض (۴) تنوین مقابلہ (۵) تنوین ترنم

۔''تنوین تمکن وہ ہوتی ہے جو اسم معرب پر داخل ہوتی ہے اور اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اسم اپنے اعراب میں پختہ ہے اور فعل کے مشابہ نہیں ہے جیسے **زیدٌ** ''۔

''تنوین تنکیر وہ ہوتی ہے جو نکرہ پر داخل ہوتی ہے اور اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اسم نکرہ ہے جیسے **وَیْلٌ** اور **صَہٍ** وغیرہ۔

''تنوین عوض وہ ہوتی ہے جو کسی چیز کے بدلے میں ہو اور یہ مضاف الیہ کے عوض ہوتی ہے جیسے **حینئذٍ** اور **یومئذٍ** جو اصل میں **حین اذ کان کذا** اور **یوم اذ کان کذا** تھے اور **مَعَ بعضٍ** جو اصل میں **مَعَ بعضِ الاخر** تھا''۔

''تنوین مقابلہ وہ ہوتی ہے جو جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں جمع مونث سالم کے آخر میں آتی ہے جیسے **مُسلماتٌ**

۔''تنوین ترنم وہ ہوتی ہے جو اشعار کے آخر میں محض خوش آوازی کے لئے آتی ہے۔ جیسے '' **اقلی اللوم عاذل والعتابن .. وقولی ان اصبت لقد اصابن** ''۔ العتابن اصل میں العتاب اور اصابن اصاب تھا۔ صرف ترنم کے لئے آخر میں تنوین لائی گئی ہے۔ اے عاذل تو مجھے ملامت اور عتاب کم کر۔ اور اگر میں اچھا کام کروں تو کہہ دے کہ بے شک اس نے اچھا کام کیا ہے۔'' تنوین کی یہ پانچ قسمیں مشہور ہیں جن کا ذکر علامہ ابن حاجب نے کیا ہے ان کے علاوہ بھی تنوین کی بعض اقسام استعمال ہوتی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔

''تنوین تصغیر۔ یہ تنوین جس پر داخل ہوتی ہے اس کا چھوٹا ہونا بیان کرتی ہے جیسے **فاتوا بسورةٍ** ۔ کہ چھوٹی سی سورت لاؤ۔

''تنوین تحقیر وہ ہوتی ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ جس کے ساتھ یہ لاحق ہے وہ حقیر ہو جیسے **ھذا رَجُلٌ یَشتِمنی** ۔ یہ حقیر

آدمی مجھے گالیاں دیتا ہے۔ ''تنوین مبالغہ وہ ہوتی ہے جو کسی وصف میں مبالغہ کو بیان کرے جیسے علامةٌ ۔علامة میں ویسے بھی مبالغہ ہے اور تنوین نے اس میں اضافہ کیا ہے۔

''تنوین تعظیم یہ تنوین عظمت ظاہر کرنے کے لئے آتی ہے جیسے لَقَدْ جاءکم رَسولٌ بے شک تمہارے پاس عظیم الشان رسول آیا۔

''تنوین ضرورت وہ ہوتی ہے جو اشعار کا وزن درست رکھنے کے لئے لائی جاتی ہے۔ جیسے خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے'' صُبَّت علَیَّ مَصَائبٌ لَو انها . صُبَّت عَلَی الایَّام صِرْن لیا لیا ۔ مجھ پر ایسی مصیبتیں ڈالی گئیں کہ اگر وہ دنوں پر ڈالی جاتیں تو وہ راتیں بن جاتیں۔ اسمیں مصائب کے آخر میں تنوین ضرورت ہے ورنہ مَصائب جمع منتہی الجموع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور غیر منصرف کے آخر میں تنوین نہیں آتی۔ تنوین وحدت وہ ہوتی ہے جو معنی وحدت پر دلالت کرتی ہے جیسے نفحةٌ ایک نفحة ۔

'' **ویحذف من العلم** '' ...... اگر عَلَم یعنی نام ہو جو موصوف اور اس کے بعد اسکی صفت اِبنٌ ہو جو آگے کسی عَلَم کی طرف مضاف ہو تو پہلے عَلَم کے آخر سے تنوین حذف کر دی جاتی ہے جیسے زَیْدُ ابْنُ خالدٍ۔

''نُون ُالتّاکیدِ خفیفةٌ ساکنةٌ و مشددةٌ مفتوحةٌ مع الالف تختصّ بالفعلِ المستقبل فی الامر والنهی والا ستفهام والتمنی والعرض والقسم وقلّت فی النفی ولزمت فی مثبت القسمِ وکثرت فی مثل امّا تفعلَنَّ وَمَا قبلها مع ضمیر المذکرین مَضمومٌ ومَعَ المخاطبةِ

مكسورةٌ وفيما عدا ذالك مفتوحٌ وتقول في التثنية وجمع المونث اضربان واضربنان ولا تدخلهما الخفيفةُ خِلافاً ليونس وهما في غير هما مع الضمير البارز كالمنفصل فان لم يكن فكا لمتِّصل ومن ثم قِيل هَلْ تَرَيَنَّ وترونَّ وتَرِينَّ واغزُونَّ واغزُنَّ واغزِنَّ والمخففة تحذف للسّاكن وفي الوقف فيردّما حُذِفَ والمفتوح مَا قبلها تُقْلَبُ الفاً فقط .تمّت بالخير

''<u>نون تاکید خفیفہ ساکنہ ہوتا ہے</u> اور مشددہ مفتوحہ ہوتا ہے جب کہ الف کے ساتھ نہ ہو اور یہ فعل مستقبل یعنی امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض اور قسم کے ساتھ مختص ہے اور بعض دفعہ نفی میں بھی آتا ہے۔ اور جواب قسم میں نون تاکید لازم ہوتا ہے اور اما تفعلنَّ جیسی مثالوں میں اکثر آتا ہے اور اس نون تاکید ما قبل جمع مذکر کی ضمیر کیساتھ مضموم ہوتا ہے اور واحدہ مخاطبہ کی ضمیر کے ساتھ مکسور اور ان کے علاوہ باقی صیغوں میں مفتوح ہوتا ہے اور آپ تثنیہ میں اضربان اور جمع میں اِضْربنان کہیں گے۔ اور ان دونوں یعنی تثنیہ اور جمع مونث کے صیغوں میں نون خفیفہ داخل نہیں ہوتا۔ امام یونس کا اس میں اختلاف ہے اور وہ دونوں نون ان دونوں صیغوں کے علاوہ باقی صیغوں میں ضمیر بارز کے ساتھ منفصل کی طرح ہوتا ہے۔ پس اگر ضمیر بارز نہ ہو تو متّصل طرح ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے هَل تریَنّ اور هل ترُون اور هل تَرِين اور اُغزونَّ اور اغزُنّ اور اغزِنَّ ۔ اور نون مخففہ ساکن حرف کے ساتھ اور وقف کی صورت میں حذف کر دیا جاتا ہے۔ پھر جو حذف کیا گیا تھا اس کو واپس لایا جاتا ہے اور جس نون تاکید خفیفہ کا ما قبل مفتوح ہو اس کو وقف کی حالت میں الف سے بدل دیا جاتا ہے۔ ﴿یہاں کتاب خیر کے ساتھ مکمل ہوگئی﴾

"نون تاکید کی بحث" ...... جونون تاکید کیلئے فعل آخر میں آتا ہے اس کی دوقسمیں ہیں ایک نون تاکید خفیفہ اور دوسری نون تاکید ثقیلہ۔نون تاکید خفیفہ ساکن اور ثقیلہ مشدد ہوتا ہے۔اور نون ثقیلہ سے پہلے الف نہ ہوتو نون ثقیلہ مفتوح ہو تا ہے۔جیسے لَیَضرِبَنَّ. یہ نون تاکید خواہ ثقیلہ ہو یا خفیفہ فعل مستقبل کے ساتھ مختص ہے۔فعل مستقبل مضارع ہو جیسے لَیَضرِبَنَّ . لَیَضرِبَنْ۔یا امر ہو جیسے اِضرِبَنَّ. اِضرِبَنّ ۔یا نہی ہو جیسے لا تَضرِبَنَّ لاتَضرِبَنْ یا استفہام ہو جیسے هَل تَضرِبنَّ هل تَضرِبَنْ ۔یا تمنی ہو جیسے لیتک تَضرِبَنَّ . لیتک تَضرِبَنْ ۔یا عرض ہو جیسے اَلاَ تَنزِلَنَّ بنا . اَلاَ تنزِلن بنا۔یا قسم ہو جیسے والله لاَفعلَنَّ كَذا . والله لاَفعلن كذا اور یہ نون تاکید کبھی نفی کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے اَنْ لا تفعَلَنَّ۔

" ولزمت فی مثبت القسم " ......اور جواب قسم میں نون تاکید لازم ہوتا ہے۔جیسے تا للہ لاَکیدَنَّ اَصنامکم۔

" وکثرت فی اِمّا تفعلَنَّ "...... یہاں یہ قاعدہ بیان کیا کہ جب اِنْ شرطیہ کے بعد ما زائد ہو تو اس کے ساتھ نون تاکید بکثرت آتا ہے جیسے اِمّا تَخافَنَّ . اِمّا تَرِیَنّ۔

" وما قبلها"...... نون تاکید سے پہلے اگر جمع مذکر کی ضمیر ہو تو اس ضمیر کو حذف کیا جاتا ہے اور اس کا ماقبل مضموم ہی رہتا ہے جیسے لَیَضرِبُنّ جو اصل میں لَیَضرِبُونَن تھا۔تاکید کے نون کی وجہ سے جمع کا نون گر گیا پھر واؤ اور نون تاکید میں التقاء ساکنین کی وجہ سے واؤ گر گئی تو لَیَضرِبُن ہو گیا اسی طرح ہے لَتَضرِبُنَّ . لَیَضرِبُن اور لَتَضرِبُن۔

" ومع المخاطبة "...... واحدہ مونثہ کے صیغہ میں نون تاکید کا ماقبل مکسور ہوتا ہے جیسے لَتَضرِبِنَّ . لَتَضرِبِنْ .

" **وفیما عدا ذالک مفتوح** "...... جمع مذکر اور واحدہ مخاطبہ کے صیغوں کے علاوہ باقی صیغوں میں نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے جیسے لَیَضرِبَنَّ . لَیَضرِبَنْ . وغیرہ۔

" **وتقول فی التثنیه** "...... اور آپ تثنیہ کے صیغہ میں کہیں گے خواہ تثنیہ مذکر ہو یا تثنیہ مونث ہو اِضرِبَانِّ اور جمع مونث کے صیغہ میں اِضرِبنان پڑھا جائیگا۔

" **ولاتدخلهما الخفیفة** "...... جمہور نحویوں کے نزدیک تثنیہ اور جمع مونث کے صیغوں میں نون خفیفہ نہیں آتا۔ امام یونس جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان صیغوں میں بھی نون خفیفہ آتا ہے۔

" **وهما فی غیر هما** "...... اور تاکید کے دونوں نون یعنی خفیفہ اور ثقیلہ تثنیہ اور جمع مونث کے صیغوں کے علاوہ میں ضمیر بارز کے ساتھ منفصل کیطرح ہوتے ہیں یعنی یہ فعل سے الگ کلمہ کی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے فعل کا آخری حرف ان سے پہلے کا حرف ہوتا ہے۔

" **فان لم یکن** "...... اگر ایسا صیغہ ہو جس میں ضمیر بارز نہیں بلکہ مستتر ہو اور اس کے ساتھ جب نون تاکید لگے گا تو یہ کلمہ متصلہ کی طرح ہوتا ہے جیسے صیغہ کے ساتھ الف تثنیہ یا نون جمع یا نون واحدہ مخاطبہ کا متصل ہو تو جیسے ان میں حذف شدہ لام کلمہ کو واپس لانا یا ان کو فتح دینا یا ضمہ دینا ہوتا ہے اسی طرح نون تاکید کو ان کلمات متصلہ کی طرح قرار دیا جائیگا۔

" **ومن ثمّ** "...... جب یہ کہا گیا ہے کہ ضمیر بارز والے صیغہ کے ساتھ نون تاکید منفصل کلمہ کی طرح اور اس کے علاوہ میں متصل کلمہ کی طرح ہوتا ہے تو اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

" **هَلْ تَرَیَنَّ** "...... یہ اصل میں تری تھا اس میں ضمیر بارز نہیں بلکہ مستتر ہے جب اس کے ساتھ نون تاکید لگا تو یہ کلمہ متصلہ کیطرح ہے اور جب تری کے ساتھ الف تثنیہ کا لگائیں تو لام کلمہ جو تری میں محذوف تھا وہ واپس آجاتا ہے اور تَرَیَان

پڑھا جاتا ہے تو اسی طرح نون کو بھی کلمہ متصلہ کی طرح قرار دے کر اس سے پہلے بھی محذوف لام کو واپس لوٹایا جاتا ہے اور تَـرَیَنَّ اور اُغزُوَنَّ پڑھا جاتا ہے۔

"هَل تَرَوُنَّ"...... اس صیغہ میں واؤ بارز ہے اور جس صیغہ میں بارز ہو اس کے ساتھ نون تاکید کلمہ منفصلہ کی طرح سمجھا جاتا ہے اور اس صیغہ کے ساتھ جب علیحدہ کلمہ ذکر کریں تو ناقص یائی کی صورت میں واؤ کو ضمہ دیا جاتا ہے جیسے لَـمُ تَـرَوُ القوم َ۔ اسی طرح تاکید کے نون کی وجہ سے بھی واؤ کو ضمہ دیں گے اور تَرَوُنَّ پڑھیں گے۔ اور ناقص واوی کی صورت میں لام کلمہ کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے اغـزُوَ الْـقـوم ۔ اسی طرح نون تاکید لگانے کی صورت میں بھی لام کلمہ کو حذف کریں گے جیسے اُغزُن۔ " هَلُ تَرَیِنَّ " واحدہ مخاطبہ کے صیغہ میں ضمیر بارز ہوتی ہے تو جیسے کلمہ منفصلہ کے ساتھ ترکیب میں آنے کی صورت میں ناقص یائی میں لام کلمہ کو کسرہ دیا جاتا ہے جیسے لَـم تَرِ ی الناس ۔ اے عورت تو نے لوگوں کو نہیں دیکھا ۔ اسی طرح اس صیغہ کے ساتھ نون تاکید لگانے کی صورت میں بھی لام کلمہ کو کسرہ دیا جاتا ہے اور تَرَیِنَّ پڑھا جاتا ہے اور ناقص واوی میں ایسی حالت میں لام کلمہ کو حذف کیا جاتا ہے جیسے اُغزِی القوم اُغزی کے ساتھ یا لکھنے میں آتی ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتی اسی طرح جب اس صیغہ کے ساتھ نون تاکید لگائیں تو لام کو حذف کریں گے اور اُغزِنَّ پڑھیں گے۔

" والمخففه تحذف للساكن "......

جب نون خفیفہ کے بعد ساکن ہو تو التقاء ساکنین کی وجہ سے نون خفیفہ گر جاتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے لا تَهِينَ الفقير عَلَّک اَنُ . ترکع یو ما ً و الدّهر قد رَفعه ۔ اے عورت فقیر کی توہین ہرگز نہ کر ہو سکتا ہے کہ تو کسی دن جھک جائے او زمانہ اس کو اٹھا دے۔ اس میں لا تَهِيـن نہی کا صیغہ ہے فعل مضارع کا صیغہ نہیں ہے اس لیے کہ فعل مضارع کی صورت میں معنی ہی خراب ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ فعل مضارع منفی بمعنی نہی کے ہے تو یہ ہو سکتا ہے مگر یہ مجاز ہے اور جب حقیقت بن سکے تو اس صورت میں مجاز لینا اچھا نہیں ہوتا اس لئے لا تهين اصل میں لا تَهِينَن تھا اور آگے الـفقير کا ہمزہ وصلی درج کلام کی وجہ سے گرایا تو نون بھی ساکن ہے اور آگے لام بھی ساکن ہے اس لئے نون خفیفہ کو التقاء ساکنین کی وجہ سے گر

ادیاتولا تھین الفقیر ہوگیا ۔اورنون خفیفہ کے حذف کا قرینہ یہ ہے کہ اگر آخر میں نون خفیفہ نہ ہوتا یہ صیغہ لا تَہِن الفقیر ہوتا۔جواصل میں لا تَہِنی تھایاءکوگرایاتو لا تَہِن ہوگیا۔

" وفی الوقف "...... جب نون خفیفہ پروقف کریں تواس سے پہلے جوحذف کیا جاتا ہے اسکوواپس لوٹا دیا جاتا ہے جیسے اُغْزُنْ میں وقف کریں تواُغزوُا پڑھیں گے۔اورمحذوف کواس لئے واپس لایا جاتا ہے کہ حذف کا سبب جوالتقاء ساکنین تھاوہ باقی نہیں رہا۔

" والمفتوح ما قبلها "...... جب نون خفیفہ کا ماقبل مفتوح ہوتو وقف کی حالت میں نون خفیفہ کوالف سے بدل دیا جاتا ہے۔جیسے اِضْرِبَنْ سےاِضرِبا ۔ لِیَضرِبَنْ َ۔سے لیضر با پڑھاجائیگا۔

تَمَّت بِالخَیر ِ فَا لْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

آج مورخہ ۔۹۳۔۱۲۔۱۶بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے دن ہم نے کافیہ شریف کو پڑھ کراورلکھ کراختتام پذیرکیا۔ میں خداوندکریم سے دست بدعاہوں کہ خداوندکریم ہم سب کو یادکرنے وپڑھنے کی توفیق عطاءفرمائے اوراستادوں کی محنت کو قبول فرمائے۔﴿آمین یارب العلمین﴾

از افادات:حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب قارنؔ مدرس

مدرسہ نصرۃ العلوم نزدگھنٹہ گھر گوجرانوالہ

راقم بندہ ناچیز سیدحمیداللہ شاہ شیرازی مانسہرہ (ہٰکل)

متعلم مدرسہ نصرۃ العلوم نزدگھنٹہ گھر گوجرانوالہ شہر پنجاب پاکستان

﴿کمپوزنگ کمپیوٹر۔حافظ نصرالدین خان عمربن قارنؔ﴾

(فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم☆ کمپیوٹر ہارڈ وئیر انجینئر)(۲۰۰۴۔۱۱۔۲۷بروزہفتہ۔)